شرع لکم من الدین ما وصی بہ ابراہیم

قائم کیا تمھارے لیے دین سے اُس چیز کو جسکی وصیت کی تھی ابراہیم کو۔

ع رہ شرع از ازل تا بحشر عیان است۔

الحمد للہ والمنۃ

کتاب ہذا

مسمیٰ بہ

پرسنل لا آف دی محمڈنس یعنی مسلمانوں کا قانون شخصی جسمین مسائل واحکام شرع محمدی متعلقہ میراث ونکاح وطلاق مع انکے تمام اقسام وشقوق کے اور مع اُن اختلافات جزئی کے جو فریقین یعنی اہل سنت کے چاروں فرقوں مین ہوئے ہین نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیے ہین۔

ملقب بہ

جامع الاحکام فی فقہ الاسلام

جلد دوم

جسکو عالم المعی فاضل لوذعی جامع الفضائل والکمالات الحسنی والاجل آنریبل مولوی امیر علی ایم اے بارسٹر ایٹ لا و ممبر کونسل واضع آئین وقوانین نے سنی اور شیعہ کی نہایت معتبر ومستند کتب فقہ سے بکمال تحقیق وتفتیش اور بنہایت دقت نظر زبان انگریزی مین تالیف کیا اور مولوی ابوالحسن صاحب مترجم انجمن ہند اودھ نے واسطے فائدہ خاص وعام کے علی الخصوص بنظر افادہ شائقان علوم اسلامیہ ووکلاء عدالت العالیہ زبان اردو مین ترجمہ کیا

مطبع نامی منشی نول کشور واقع لکھنؤ مین چھپی

ماہ ستمبر سنہ ۱۸۹۶ء

مرجحہم

سب شائقان علوم اسلامیہ کی خدمت مین عموماً اور وکلاء ومختارانِ
عدالت کی خدمت مین خصوصاً التماس ہی کہ اسلامی علم فقہ ایسا بحرِ زخار ہی
جسکی حد و پایان تیرہ سَو ۱۳۰۰ برس مین بھی کسی عالم وفقیہ کو نہین ملی اور جسکا مثل
و مانند بقول اس کتاب کے مؤلف عالم کے "فن قانون سازی کی تاریخ مین"
بہت کم نظر آتا ہی اور ہر چند علماء اسلام وفقہاء کرام و حافظان شریعتِ حضرتِ
خیر الانام ﷺ کی تصنیفات علم فقہ مین اِس کثرت سے ہین کہ اُنکی تعداد عالم الغیب ہی
خوب جانتا ہی مگر تقریباً سب کتب فقہ عربی زبان مین ہین اور فارسی زبان مین
بھی بہت کم کتابین اِس علم مین ہین - اور اُردو زبان مین تو قسم کھانے کی جگہ ہی -
رہی زبان انگریزی اُسمین بعض علماے انگریز نے مثل میکناٹن صاحب وبیلی صاحب
وہمیلٹن صاحب کے بعض عربی کتابون کا ترجمہ کیا ہی اُسی پر سب عدالتون کا اور
حضرات وکلاء کا بالفعل دار ومدار ہی - مگر اسلامی علم فقہ ایک اجتہادی علم ہی
جسمین ہزارہا بلکہ لاکھا اقوال اور اختلافات ہین اور شرع محمدی کے جزئیات
مسائل مین ایسی ایسی باریکیان اور پیچیدگیان ہین کہ جب کوئی دقیق اور پیچیدہ
مسئلہ شرعیہ کسی عدالت مین پیش ہوتا ہی تو جج اور وکیل دونون صاحبون کو اُسکے
حل کرنیمین دانتون پسینہ آتا ہی اور بمقتضی بشریت یا بوجہ عدم واقفیت ایسے مقدمہ کے
فیصلے مین غلطی ہوجاتی ہی جس سے کسی نہ کسی فریق کی حق تلفی اور نقصان ہوتا ہی -
یہ کتاب جزئیات مسائل اور اختلافات پر ایسی حاوی ہی اور معتبر ومستند اقوال کو
اس کثرت سے نقل کیا ہی کہ شاید بلکہ یقیناً کوئی کتاب مسائل واحکام شرع محمدی کی
زبان انگریزی مین بھی ایسی جامع وحاوی ابتک نہین تالیف ہوئی ہی پھر اُردو

بیچاری کس قطار شمار مین ہی۔

چند ہی روز ہوے ہین کہ مترجم حقیر مصنف تحریر کی لائف آف محمد صلعم یعنے سوانح عمری حضرت خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کا ترجمہ اُردو مین کرکے تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام کے نام سے اُسکو چھپوا کر مشتہر کر چکا ہی اور الحمد للہ وہ ترجمہ مقبول خاص و عام اور مطبوع طبائع شائقان حالات اسلام و بانی اسلام ہوا ہی اب حسب فرمایش قدردان اہل کمال ذو المنن والافضال رئیس باذل امیر دریا دل شائق علوم ناقد فنون و رسوم کنور ہرنام سنگھ صاحب بہادر اہلو والیہ دام اقبالہ ولیعہد ریاست کپورتھلہ و سکرٹری انجمن ہند اودھ اور باجازت جناب مصنف علامہ اس نایاب کتاب کا ترجمہ کرکے ہدیۂ ناظرین با تمکین کرتا ہون۔

یہ کتاب دو جلدون پر منقسم ہی۔ جلد اول مین مسائل و احکام میراث اور نکاح اور طلاق بکمال احتیاط و نہایت تحقیق کے ساتھ لکھے ہین۔ اور جلد ثانی مین مسائل اور احکام ہبہ اور وقف اور وصیت نہایت شرح و بسط سے بیان کیے ہین۔ اُمید ہی کہ یہ کتاب حضرات وکلاء و قانون دانون کو بہت دلچسپ اور مفید اور بکار آمد ہوگی اور نحیف کو بکلمۂ خیر یاد فرمائینگے۔

الملتمس سید ابو الحسن مترجم انجمن ہند مقام لکھنؤ

۲۰ اگست ۱۸۹۵ء

فہرست مضامین جلد ثانی جامع الاحکام فی فقہ الاسلام

مضمون	صفحہ
	۳۲۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ثانی جامع الاحکام فی فقہ الاسلام

دیباچہ

باوجودیکہ اسلامی علم فقہ کے عظمت و جلالت کی نسبت لوگون کے خیالات مین بہت کچھ تغیر واقع ہوا ہے تاہم جن لوگون سے ہندوستان کی مختلف قومون کی دادرسی اور عدل گستری صرحکا باشنا متعلق ہے اُنکے لیے شرع محمدیؐ کو بامعان نظر ملاحظہ کرنا ابتک نہایت مفید و دلچسپ ہے ہندوستان مین واضعان قوانین انگریزی نے قانون اسلام متعلقہ میراث و انتظام جائداد کو بجنسہ باقی رکھا ہے۔

اس ملک مین کوئی قانون مختص المقام نہین ہے سوا ے چند قوانین مخصوصہ کے جو عموماً سب سے متعلق ہین اور جنکو قوانین مینونسپل کہنا بجا ہے۔ بلکہ اس ملک کے قوانین اکثر شخصی ہین۔ اسی جہت سے اس ملک کے لیے قانون بنانا ہی صرف مشکل نہین ہے بلکہ عدل و انصاف کرنے مین قصور و خطا کا بڑا اندیشہ رہتا ہے۔ علی الخصوص شرع محمدیؐ چونکہ ایک ایسی زبان[1] کے لباس سے ملبوس ہے جسے بہت کم لوگ واقف ہین لہذا اکثر اوقات شرع شریف کے اصول کو تحقیق کرکے جاری کرنے مین بڑی دقت پڑتی ہے۔

[1] یعنی زبان عربی ۱۲ ۔ مترجم

بعض اوقات وکلا مدعی علیہا نے اس باب میں بحث کی ہے بلکہ خود حکام عدالت نے بھی کسی قدر تامل کر کے فرمایا ہے کہ شرع محمدی اور شاستر ہنود اہل اسلام اور ہنود کے لیے صرف ان تنازعات میں قائم رکھا گیا ہے جو میراث و جانشینی اور نکاح اور مثل اسکے اور امور سے متعلق ہیں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ باب ۲۰ قانون بست و یکم شاہ جارج سوم کی عبارت السمی جامع دانی ہے کہ سوائے ان مقدمات کے جنکی تصریح اس قانون میں کر دی ہے اور سب معاملات میں قانون انگریزی ہندوستان کا قانون تصور کرنا چاہیئے۔ میرے نزدیک یہ دعویٰ محض بادلیل ہے۔ اسواسطے کہ اس قانون کے دیباچہ میں منجملہ دیگر مقاصد کے ایک مقصد یہ لکھا ہے کہ اہل ہندوستان کے باشندے اپنے تمام قدیم قوانین اور رواج اور مواجب وحقوق پر قائم اور محفوظ رکھے جائیں ۱۱۔

اگر اس امر کا تصفیہ نہ ہو چکا ہوتا تو البتہ یہ بحث ہو سکتی تھی کہ آیا واضعان قوانین کا یہ منشا تھا کہ اس ملک کے باشندوں کے قوانین شخصی میں کچھ تغیر و تبدل کیا جائے چاہے وہ کسی قوم اور کسی مذہب کے لوگ ہوں۔ مگر مقدمہ مسلیہ بنام مسلیہ کے فیصلہ اور اور مقدمات کے فیصلوں کا لحاظ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی عدالتوں نے قوانین شخصی کے اثر کو اکثر ہنود اور اہل اسلام پر محدود کر دیا ہے۔ حالانکہ ایکٹ مذکور کی دفعہ ۱۷ کے اثر کو صرف جانشینی اور میراث پر محدود کر کے ہنود اور اہل اسلام کے قوانین شخصی کو اور زیادہ مقید کر دینا اس دفعہ کے فحوائے عبارت کے بھی خلاف ہے اور اکثر فیصلہ جات عدالت اور منشاء واضعان قوانین کے بھی مخالف ہے بلکہ لفظ ڈیلنگس (معاملہ) جو اس دفعہ میں لکھا ہے اسمیں انتقالات (مثل وصیت وغیرہ) داخل ہیں علاوہ اسکے واضعان قوانین نے خود صاف صاف فرما دیا ہے کہ جب کسی مقدمہ سے متعلق کوئی خاص قانون نہو تو عدالتوں کو چاہیئے کہ عدل و انصاف اور ایمان کی پابندی سے فیصلہ کریں اور ہائی کورٹ کلکتہ کے دو نامی گرامی ججوں نے تجویز فرمایا ہے کہ عدل و انصاف کا

ملاحظہ صاحب کا لا رپورٹ صفحہ ۲۰۰-۲۱۳ منسلکہ لیجی جسٹس اسٹیر صاحب اور جسٹس اینگ صاحب کا فیصلہ صادرہ ۲۷ اپریل ۱۸۷۵ء مقدمہ ظہور الدین سردار بنام بہار اللہ سرکار مندرجہ ویکلی رپورٹر صفحہ ۱۷۱-۱۷۷ ملاحظہ اس مقدمہ کے فیصلہ میں عالم جج ...

مقتضی اور ایمان کی بات یہی ہے کہ مسلمانوں میں جو تنازعات درباب انتقال جائداد پیدا ہوں ان کا فیصلہ شرع محمدی کے روسے کیا جائے۔

اور ہائیکورٹ بمبئی نے بڑی شدومد سے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ جو دستاویزین جائداد سے متعلق ہوں اور مسلمانوں نے تحریر کیا ہوں اُنمین شرع محمدی جاری کرنی چاہیئے چاہے کسی زبان میں وہ دستاویزین تحریر کی گئی ہوں۔ چونکہ قانون معاہدہ (ایکٹ ۹ سنہ ۱۸۷۲ع) جملہ تنازعات متعلقہ بیع و شرا و ضمانت وغیرہ سے متعلق ہے لہذا مین نے اس کتاب مین صرف ہبہ اور وقف اور وصیت کے بیان پر اختصار کیا ہے اس کتاب کے جلد اول مین مین نے اسلامی علم فقہ کی ترقی اور نشو و نما پانے کی کیفیت بیان کی ہے اور مختلف فرقہائے اسلام کی حقیقت مفصل لکھی ہے۔ مگر اس جلد ثانی مین بھی اس کا بیان اور کچھ عرض کرنا بے موقع اور بے محل نہو گا۔

جب لکھا ہے کہ وہ مدعی رسپانڈنٹ خاص کے وکلاء یہ بحث کرتے ہین کہ اس قسم کے معاہدہ سے شرع محمدی نہین متعلق ہو سکتی اور بموجب دفعہ ۱۵ - قانون ۴ - سنہ ۱۸۷۲ع صرف میراث اور نکاح کے مقدمات مین عدالت کو حکم ہے کہ شرع محمدی کے موافق فیصلہ کرے اور چونکہ یہ مقدمہ اس قسم کا نہین ہے لہذا عدالت کو اسکا فیصلہ معمولی قواعد عدل و ایمان کے موافق کرنا چاہیئے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اس ملک کی عدالتوں کا ہمیشہ یہی عملدرآمد رہا ہے کہ اکثر ایسے مقدمات مین بھی جو نکاح اور میراث سے نہین متعلق ہین شرع محمدی کو جاری کیا ہے۔ اور گو دستور قدیم کے بموجب یہ فعل عدالتوں کا جائز نہو تو بھی یہ نہین کہہ سکتے کہ جب یہ عدالت مسلمانوں کا فیصلہ اُنھین کی شرع کے موافق کرتی ہے تو عدل و انصاف نہین کرتی ہے یا ایمان کے خلاف کرتی ہے ؏

یہی بحث بمقدمہ یوسف علی بنام صاحب کلکٹر ٹیپراہ (انڈین لا رپورٹ جلد ۹ - صفحہ ۱۴۱ - سلسلہ کلکتہ) بھی ہوئی تھی مگر عالم ججون نے (سر رچرڈ گارتھ صاحب چیف جسٹس اور میکڈانل صاحب جسٹس) اُس مقدمہ کا فیصلہ جو اُنکے اجلاس مین پیش تھا شرع محمدی کے بموجب کیا تھا۔ مسٹر جسٹس محمود نے جو تقریر بمقدمہ مظہر علی بنام بدہ سنگھ (انڈین لا رپورٹ جلد ۷ صفحہ ۳۰۳ سلسلہ الہ آباد) لکھی ہے وہ بھی نہایت دلچسپ اور لائق ملاحظہ ہے ۔۔۔ ۱۲ اسی طرح بمقدمہ گنگا بائی بنام تھور ملا (لا رپورٹ بمبئی جلد ۱ صفحہ ۷۱ فیصلہ سارجنٹ صاحب چیف جسٹس) اور بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام ایڈووکیٹ جنرل (لا رپورٹ بمبئی جلد ۶ فیصلہ ویسٹ صاحب جسٹس) اور بمقدمہ گوسائین بنام گوسائین (مدراس ہائیکورٹ اپیل جلد ۲ صفحہ ۱۸۰) ملاحظہ ہون ۱۲ مصنف

پس واضح ہو کہ جتنے سلسلے قوانین کے دنیا مین ہین ان سب مین قانون اسلام یا شرع محمدی کو
تواریخ کے رو سے دیکھیے تو اسکی ترقی کو نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز پائیگا۔
جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ قانون اسلام کی ابتدا کیا ہوئی اور عرصۂ قلیل مین کیسا جلد فروغ اور
نشو و نما اسکو ہوا تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے مہذب و شائستہ قوانین مین شرع محمدی ایک نہایت
عظیم الشان سلسلۂ قوانین ہے۔

اسلامی علم فقہ ایک عالی شان عمارت ہے جسکی بنیاد احکام قرآنی اور احادیث نبوی پر قائم ہے
مگر جسکا مصالح بغداد اور بخارا اور شام اور اندلس اور ایران مین مہیا ہوا تھا۔ اِس کتاب کی جلد
اول مین مین عرض کر چکا ہون کہ اسلام کے خانگی قوانین یہود کے قوانین سے مشابہت تامہ رکھتے ہین
اور علیٰ ہذا القیاس اکثر اقوال اُن فقہاے اسلام کے جو اُس زمانہ مین گذرے ہین جبکہ اسلام کا نیر اقبال
اوج پر تھا مشابہت تامہ و تعجب انگیز رومیون کے قوانین سے رکھتے ہین - بلکہ اکثر اوقات یہ مشابہت
اسقدر حیرت خیز ہے کہ اہل تحقیق اور ارباب بصیرت کو سخت تعجب ہوتا ہے کہ یہ مماثلت اتفاقی ہے یا
باہمی فعل و انفعال اور کسر و انکسار کا نتیجہ ہے - تاہم یہ عرض کرنا ضرور ہے کہ چونکہ اکثر اصول شرع شریف
بعض تو خالص عربی الاصل ہین یعنی قرآن و حدیث سے ماخوذ ہوے ہین لہذا رومیون کے
خیالات کا اثر معتدبہ فقہاے عرب کے آرا و اقوال پر نہین ہوا ہے۔

وہ کمبخت اختلاف مذہبی جسنے اسلام مین آج تک تفرقہ ڈال رکھا ہے اور مسلمانون کو دو فرقون
یعنی سُنی اور شیعہ پر منقسم کر دیا ہے دنیاوی اسباب اور حوادث زمانہ سے پیدا ہوا تھا اور آخر کار مسائل
فقہ مین اختلاف عظیم کا باعث ہوا - دراصل یہ اختلاف خاندانی تنازعات سے پیدا ہوا تھا
مگر بڑھتے بڑھتے اعتقادات اور مسائل تک پہونچ گیا - خود فرقۂ اہل سنت و جماعت مین چار
مذہب ہین اور ان چارون کے بعض بعض اعتقادات و مسائل مین اسیقدر اختلاف ہے
جسقدر سُنی اور شیعہ مین ہے تاہم مذاہب اربعہ مین باہم ویسی عداوت نہین ہے جیسی شیعون سے ہے
اسکا سبب ظاہر ہے کہ فریقین نے مسئلہ امامت کو اپنے اپنے طور پر سمجھا ہے۔

اصولِ دین سُنی اور شیعہ مین اگر اختلاف ہے تو صرف مسئلۂ امامت مین ہے اور امامت سے مراد
کافۂ اہلِ اسلام کی پیشوائی امور دین و دنیا مین ہے۔ اِسی اختلاف سے فریقین کے فروع یعنے
مسائل فقہیہ مین بھی اختلاف ہوگیا ہے۔ شیعہ امر خلافت مین اجماع کو حجت نہین جانتے یعنی اِسکے
قائل نہین ہین کہ حق داران خلافت کو جنکے باب مین خود رسول مقبولؐ وصیت کر چکے تھے بالاے
طاق رکھکر باجماع صحابہ خلیفۂ رسولؐ منتخب کرلیا جائے مگر سُنی اجماع کو اگرچہ وہ کسی طور سے منعقد ہوا ہو
امر خلافت مین بھی دلیل قاطع اور حجت قطعی سمجھتے ہین۔ پیغمبر اسلامؐ کے وفات کرتے کے ساتھی خلافت کا
جھگڑا پیش ہوا کہ کسی شخص کو خلیفہ رسولؐ اور پیشواے امت منتخب کرنا ضرور ہے۔ بنی ہاشم یعنی اقربا
پیغمبرؐ نے یہ حجت کی کہ خلافت حق علی ابن ابی طالبؑ کا ہے کہ خود رسول اللہ اُنکو اپنا وصی مقرر کر چکے ہین۔
مگر دیگر قریش جو ہمیشہ سے بنی ہاشم کے خلاف تھے اِسپر مصر ہوے کہ انتخاب کے اصول پر عمل کیا جاے۔

اور ہنوز بنی ہاشم آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین مین مصروف تھے کہ قریش کے ووٹ (راے) سے حضرت
ابوبکرؓ خلیفہ منتخب کیے گئے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خلافت کے تیسرے سال انتقال کیا یعنی اگست ۶۳۴ع مین اور اُنکے
بعد حضرت عمر ابن الخطاب خلیفۂ ثانی منتخب ہوے۔ اِن خلیفہ کے عہد خلافت مین مسلمانون نے مصر اور شام
اور فارس کو فتح کیا اور اُنکی وفات کے بعد خلافت حضرت علیؑ کو اس شرط سے دیگئی کہ جملہ امور مین خلیفہ اول
اور خلیفۂ ثانی کی پیروی کرین۔ حضرت علیؑ نے اِس شرط کو نامنظور کیا اور فرمایا کہ جن مقدمات مین کوئی حکم
شرع یا فرمودۂ رسولؐ نہوگا اُنکا فیصلہ مین اپنی راے کے موافق کرونگا۔ یہ یادگار قول حضرت علیؑ کا ایک
اور امر اختلافی درمیان سُنی اور شیعہ کے ہے۔ تب خلافت حضرت عثمان کو دیگئی اور اُنھون نے انتخاب
کنندہ جماعت کے شرائط کو قبول کرلیا۔ اُسی زمانہ سے سُنی اور شیعہ کے مسائل شرعی مین اختلاف
پیدا ہوا۔ حضرت عثمان کے اِس بات پر راضی ہوجانے سے کہ خلیفۂ اول اور خلیفۂ ثانی کی سیرت کی
پابندی بلا عذر کرینگے خواہ اُنکی سیرت یا احکام حوائج بشری اور مصالح وقت کے (جو ہمیشہ بدلتے رہتے
ہین) موافق ہون خواہ نہون ایک خاص صورت اہل سنت کے مسائل کی پیدا ہوگئی ہے۔ خلیفۂ اول

اور خلیفہ ثانی دونون صاحب اپنے اپنے عہد خلافت مین حضرت علی جو معنی اور مفاد احکام شرعیہ کے
بیان فرماتے تھے اُسکا لحاظ کرتے تھے اور جو تاویل حضرت علی احادیث مین فرماتے تھے اُسی کے
موافق ہمیشہ فصل خصومات کرتے تھے۔ مگر خلیفہ ثالث نے اور ہی روش اختیار کی۔ یہ خلیفہ نیک
نیت مگر ضعیف العقل تھے اور اپنے معتمد خاص اور عزیز با اختصاص مروان ابن الحکم کے قابو مین تھے
آخر تھوڑے عرصہ تک خلافت کرکے باغیون مصر کے ہاتھ سے جنکا سردار محمد ابن ابی بکر تھا قتل ہوئے
انکی وفات کے بعد حضرت علی خلیفہ منتخب ہوئے۔ انکا خلیفہ ہونا کیا تھا کہ فریق مخالف کی بغاوت
شدید اور فساد عظیم کا اشارہ تھا۔ ایک لڑائی یعنی جنگ جمل مین سرگروہ حضرت عائشہ بنت ابی بکر تھین
یہ مہم تو بآسانی سر ہوئی۔ دوسری لڑائی یعنی جنگ صفین مین فریق مخالف کو کچھ کامیابی حاصل ہوئی۔
تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے عہد خلافت مین اپنے ایک عزیز معویہ ابن ابی سفیان کو
ملک شام کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اِس حریص سردار نے قتل عثمان کو اپنی ثروت و امارت کا ذریعہ گردانکر علم
بغاوت افراشتہ کیا جس سے اسلام کو چند در چند صدمات پہونچے اور بڑی بڑی خرابیان ہوئین۔
معویہ نے چند لڑائیون مین شکست کھا کر لڑائی کا تصفیہ پنچایت پر موقوف رکھا اور حضرت علی نے بایں خیال کہ
مسلمانون کی زیادہ خونریزی نہو پنچایت منظور کر لی۔ اہل بیت پیغمبر کی طرف سے ابو موسی اشعری اور معویہ کی
جانب سے عمرو ابن العاص حکم یعنی پنچ مقرر ہوئے۔ عمرو ابن العاص نے ابو موسی کو یہ سمجھایا کہ علی اور
معویہ کے باہمی تنازعات سے جو رخنہ اسلام مین پڑ گیا ہے اُسکو دفع کرنے کے لیے ضرور ہے کہ اِن دونون کو
خلافت سے معزول کرکے کوئی تیسرا شخص خلیفہ کر دیا جائے۔ ابو موسی نے عمرو کے اس مشورہ کو قبول
کر لیا اور جب لوگ پنچایت کا فیصلہ سننے کو جمع ہوئے تو کہدیا کہ مینے علی اور معویہ دونون کو خلافت سے
معزول کیا۔ اُسکے بعد عمرو ابن العاص نے کہا کہ علی کو معزول کرنے مین تو مین ابو موسی سے اتفاق رائے
کرتا ہون مگر معویہ کو خلافت پر قائم رکھتا ہون۔ اس مکاری اور حیلہ جوئی اور بیحیائی کو دیکھکر اُن سب کو یاس
ہوگئی جنکو امید تھی کہ پنچایت کی وجہ سے زیادہ خونریزی مسلمانون کی نہونے پائیگی۔ عمرو ابن العاص کی
اس کارروائی سے [illegible] آگیا اور [illegible] اس طرح سے جدا ہوئے کہ دونون نے قسمہا قسم [illegible]

ایک دوسرے کے عدو سے جان رہینگے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت علی اثناء نماز مین مسجد کوفہ مین شہید ہوے اور اُنکے شہید ہوجانے سے معویہ کی حکومت ممالک شام و حجاز مین خوب مستحکم ہوگئی۔

جبتک امیر شام (معویہ) اُس تخت خلافت پر نہین بیٹھا جو خلفاے راشدین رض کے زہد و تقویٰ سے مقدس و متبرک ہوگیا تھا اُسوقت تک فریقین نے کوئی خاص لقب نہین اختیار کیا نہ کوئی خاص خطاب پایا۔ بلکہ حضرت علی ع کے طرفدار صرف بنی ہاشم کہلاتے تھے۔ مگر معویہ کے عہد خلافت مین پیروان اہلبیت علیہم[1] شیعہ کہلانے لگے اور جس فریق نے انتخاب کے اصول کو خلافت موروثی پر ترجیح دی تھی اُسنے اپنا نام اہل السُنت والجماعت رکھ لیا۔ بنی فاطمہ نے سبز رنگ جو رسول اللہ صلعم کو مرغوب تھا اپنی علامت رکھی اور بنی اُمیہ نے اپنا نشان سفید رکھا۔ اُسوقت تک تو فریقین مین اختلاف اور تنازع ملکی اور خاندانی رہا تھا مگر اب اُنکے اعتقادات اور مسائل مین وہ اختلافات شروع ہوگئے جو ابتک موجود ہین۔ شیعون کے نزدیک نہ صرف اجماع امر خلافت مین حجت نہین ہے بلکہ جو احادیث حضرت علی ع یا انکی اولاد سے نہین مروی ہین جنھون نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا تھا اور اُنسے صحبت رکھتے تھے اُنکو مردود و مطرود سمجھتے ہین۔

شرع محمدی صلعم کا دار و مدار قرآن مجید پر ہے۔ اِس کتاب مقدس مین وہ اصول ضروری جو مختلف تعلقات بشری سے متعلق ہین اور وہ احکام دینی اور قوانین دیوانی و فوجداری جو اسلام کے قیام و بقا کے لیے ضروری ہین موجود ہین بلکہ سیاست مدن و تدبیر المنزل کا مادہ بھی اسمین موجود ہے۔ قرآن مجید مین اکثر مخالفین نے یہ عیب نکالا ہے کہ ترتیب و انتظام سے معرا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مجموعہ احکام الٰہی و قوانین اخلاقی شارع اسلام صلعم کی حیات مین تدریجاً نازل ہوا تھا۔ یعنے اصول اخلاق اور احکام شرع جو اسمین درج ہین وہ ایک ہی وقت مین بہ ہیئت مجموعی نہین بیان کیے گئے بلکہ باوقات مختلفہ بمقتضی حالات مختلفہ نازل ہوے یعنی جس وقت جیسی ضرورت ہوئی ویسا حکم نازل ہوا۔

[1] دارالسلام مین لفظ شیعہ کے یہ معنی لکھے ہین کہ شیعہ وہ ہے جو طریقہ حقہ کو شایع کرے۔ ۱۲ منہ

شیعون کے مذہب مین احادیث نبوی یعنی اقوال پیغمبر فی نفسہ احکام قرآنی کے تابع ہین یعنی جس درجہ احادیث نبوی اور نصوص قرآنی مین موافقت ہے اُسی درجہ احادیث پر عمل کرنا واجب ہے۔ پس جو احادیث نصوص قرآنی کے خلاف ہین وہ مصنوعی سمجھے جاتے ہین۔ اور مسائل کا استنباط چند اصول مسلمہ کے موافق کیا جاتا ہے جو قواعد منطقی اور امور واقعی پر مبنی ہین۔ ان قواعد کی ایک خاص صورت معتزلہ مین پیدا ہو گئی ہے اور معتزلہ وہ فرقہ ہے جسنے اُن احادیث کو جو احکام پیغمبر کے خلاف ہین جس حیثیت سے کہ اُن احکام کی توضیح و تشریح فلاسفۂ خاندان رسالت صلعم فقہاے اہلبیت ع نے فرمائی ہے احادیث صحاح کے دائرہ سے خارج کر دیا ہے۔

برخلاف اسکے اہل سنت کے نزدیک مسائل کا دار و مدار مجموع احادیث پر ہے۔ اور وہ خلفاء راشدین کے فیصلون کو اور اجماع امت کو احکام وحدود قرآنی کا متمم اور اُسی قدر حجت جانتے ہین۔ اور انکے نزدیک شرع شریف کے مآخذ تقریبًا غیر مختلف اور تعداد مین محدود ہین۔ انھین مآخذ کو اصول فقہ کہتے ہین اور اصول فقہ مین اہل سُنت کے مذاہب اربعہ مین چندان اختلاف نہین ہے البتہ مسائل و احکام شرع کے معنی و مفاد مین اختلاف عظیم ہے۔ اہل سنت کے نزدیک مآخذ شرع یا اصول فقہ یہ ہین۔ (۱) قرآن مجید۔ (۲) سنت یعنی احادیث نبوی۔ (۳) اجماع امت۔ (۴) قیاس۔

حدیث مین یہ سب باتین داخل ہین یعنی (الف) اقوال و ارشادات پیغمبر۔ (ب) افعال و سیرت نبی (ج) سکوت نبی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلعم نے صحابہ رض کے کسی خاص فعل کو ضمنًا پسند فرمایا جو قواعد ان اصول سے مستنبط ہوے ہین وہ باعتبار مدارج اعتبار و استناد مختلف ہین۔ اگر احادیث تواتر کے درجہ کو پہونچ گئی ہین تو حجت قطعی سمجھی جاتی ہین اگر احادیث شہرت کے درجہ کو تو پہونچ گئی ہین مگر تواتر کی حد تک نہین پہونچین تو احادیث مشہورہ کہلاتی ہین لیکن اگر انکی روات چند اشخاص مجہول الحقیقت ہین تو وہ اخبار آحاد کہلاتے ہین جنکا چندان اعتبار نہین کیا جاتا۔ پس ہر حدیث جو صحابہ رسول صلعم سے مروی ہے خواہ وہ اُنسے قرابت رکھتے ہون خواہ نہ رکھتے ہون صحیح و معتبر سمجھی جاتی ہے بشرطیکہ چند شرائط ذہنی کی تکمیل ہو جاے جو روات کی توثیق یا جرح کے لیے

بنالیے گئے ہین۔

(۳) اجماع امت سے مراد مسلمانون کا اتفاق ہے۔ لفظ اجماع مین سب احکام اور اقوال اور تاویلات اور تفاسیر جو اکابر صحابہ نے مسائل دینی اور احکام وحدود شرع کے بیان کیے ہین داخل ہین

(۴) قیاس کی حجت ہونے مین اہل سنت کے مذاہب اربعہ مین اختلاف عظیم ہے۔

شیعہ کسی ایسی روایت کو حدیث صحیح نہین جانتے جو اہل بیت علیہم السلام سے نہ منقول ہو اور اہل بیت علی اور فاطمہ اور اُنکے اولاد کو سمجھتے ہین اور جو فیصلے اُنکے ائمہ نے نہین کیے ہین اُنکے جواز کے منکر ہین اور قیاس اور سیرت صحابہ کی حجت ہونے کے باب مین بھی اہل سنت سے اختلاف عظیم رکھتے ہین

شیعون پر ہمیشہ ظلم وستم ہوا کیا ہے جسکا اثر قوی اُن خیالات پر ہوا ہے جو وہ لوگ اُس تعلق کے باب مین رکھتے ہین جو حکومتِ دینی اور سلطنت دنیاوی مین ہے۔

شیعون نے حکومت دینی کو سلطنت دنیاوی سے بالکل علیحدہ کرلیا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اُنکے اعتقاد مین امام آخرالزمان قدرت خدا سے غائب ہین اور اب تک زندہ ہین اور جب ظہور فرمائینگے تو اعداے دین کو غارت کردینگے اور کچھ یہ بھی سبب ہے کہ اُنپر اکثر ظلم وجور ہوا کیا ہے اور تقیہ کے عالم مین رہے ہین پس ممالک شیعہ مین حکومت دینی سلطنت دنیاوی سے بالکل علیحدہ ہے اور شیعہ بادشاہ جو مجتہدین کی اطاعت کرتا ہے تو غالبًا اِس خیال سے نہین کرتا کہ یہ پیشوایان دین ہین بلکہ یہ سمجھ کر اُنسے استشارہ واستصواب کرتا ہے کہ امام آخرالزمان کے نائب ہین لہذا امور دنیاوی مین بھی اُنکی راے پر عمل کرنا چاہیئے کہ اُنکے اقوال گویا امام زمان کے احکام ہین جبتک پادشاہان صفویہ نے شیعون کے مذہب کو ایران مین فروغ نہین دیا اُسوقت تک یہ فرقہ مظلوم ومقہور رہا۔

حکومت دینی اور سلطنت دنیاوی مین اِس تفرقہ کا اثر مسئلہ انتقال الی بیت المال سے ظاہر ہے۔ شیعہ بیت المال کے نام سے بیزار ہین اور اُنکے نزدیک کوئی مال ضبط ہوکر بیت المال مین نہین جاسکتا۔ بلکہ جب متوفی کا کوئی وارث یا دعویدار شرعی نہو تو اُسکا مال

امام زمان کو ملتا ہے اور غیبت امام میں نائب امام یعنی مجتہد العصر کے سپرد کیا جاتا ہے جو کہ
مال کو متوفی کے شہر کے غربا و مساکین پر تقسیم کر دیتا ہے۔

شیعوں کے بھی چند فرقے ہیں۔ مثلاً امامیہ اثنا عشریہ جو بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔ اسمٰعیلیہ
یعنی وہ لوگ جو اسمٰعیل بن جعفر صادقؑ کی امامت کے قائل ہیں۔ اور زیدیہ اور باطنیہ وغیرہ
ان فرقوں کے مسائل شرعیہ میں اسقدر اختلاف نہیں ہے جسقدر اعتقادات میں ہے۔
چنانچہ فرقہ معتزلہ نے جسکو شہرستانی نے ملل النحل میں ایک شعبہ فرقہ شیعہ کا لکھا ہے اُس فرقہ
جسکا وہ شعبہ ہے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ اس آزاد منش فرقہ (معتزلہ) کا عروج ایک
نہایت دلچسپ واقعہ تاریخ اسلام میں ہے۔ اسکی اصل یہ ہے کہ اس فرقہ کا بانی واصل ابن عطا جو
امام اعظم ابو حنیفہ کا معصر تھا اُن اعتقادات سے جو امام حسن بصری نے تعلیم کیے تھے منحرف ہو گیا۔
اور حسن بصری نے فلاسفۂ خاندان رسالتؐ و علمائے اہل بیتؑ سے تعلیم پائی تھی اور اُنکے وسیع
و نورانی خیالات اُس زمانہ کے تنگ و تاریک خیالات سے بالکل علیحدہ تھے۔ واصل ابن عطا نے
بھی اُسی معدن علوم ظاہری و باطنی یعنی خاندان رسالت سے علم اخذ کیا تھا اگر جبر و اختیار کے مسئلہ میں
اُسنے حسن بصری سے اختلاف کر کے اپنا علیحدہ فرقہ بنا لیا۔ اور اُسکے پیروان خاص نے معتزلہ
یا اہل الاعتزال (گوشہ نشینوں) کا لقب اس وجہ سے اختیار کیا کہ انکے پیر طریقت نے مذہب شیعہ
سے مخالفت کر کے ایک نیا مسلک اختیار کیا تھا۔ واصل نے اُن اصول کو جن میں اُسنے اوروں سے
اختلاف کیا تھا جلد شائع کیا۔ اگرچہ اُسکی زندگی کا وقت اور شہرت طبعی اکثر اسکا باعث ہوئی کہ لوگوں کی عقل

اسماعیلیہ [illegible] مولوی [illegible] صاحب [illegible] ایک نہایت [illegible] اور عالمانہ فیصلہ لکھا ہے اور
[illegible] فرقہ اسمٰعیلیہ کا حال [illegible] نقل کرنا مناسب ہے۔ حال
[illegible] سوال [illegible] فرمایا [illegible] فرقہ شیعہ کا ہے جو اسمٰعیل ابن جعفر
[illegible] امام اور [illegible] الزمان [illegible] قیامت [illegible]
[illegible] امامت [illegible] اولاد [illegible]
[illegible] اسمٰعیل ابن جعفر صادقؑ [illegible]

پر چونکہ علم وجود رہا تھا اسکی مخالفت میں اُسنے حد اعتدال سے باہر قدم رکھا تاہم جس طریق فلسفی اور
جس فقہ کا بانی وہ ہوا وہ اس درجہ موافق عقل سلیم تھا کہ اُس زمانہ کے بڑے بڑے مذاق اسکی طرف
راغب ہوے - چنانچہ علامہ جار اللہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف اور امام ابو الحسن المسعودی
صاحب مروج الذہب اور میر خوند مصنف روضۃ الصفا اور خوندمیر مصنف حبیب السیر یہ سب
علما معتزلہ تھے اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ معتدل الرای معتزلہ مظہر ان خیالات کے ہوے
جو حضرت علی اور اُنکی اولاد امجاد کے تھے جو حامل علوم ظاہری و باطنی تھے اسواسطے کہ بنی فاطمہ کے
اعتقادات مشابہت تامہ اُن عقائد سے رکھتے ہیں جنکا بانی واصل ابن عطا ہوا تھا اور جنکے
مصلح علامہ زمخشری[1] ہوے -

یہ بات مشہور و معروف ہے کہ اکابر علماے معتزلہ یا خود بنی فاطمہ تھے یا بنی فاطمہ کے تعلیم یافتہ تھے
معتزلہ کا یہ قول ہے کہ عدل انسان کے افعال کا اصل اصول ہے اور عدل کے یہ معنی ہیں کہ
انسان کے افعال عقل سلیم کے موافق ہوں - اور یہ بھی اُنکا قول ہے کہ انسان کے افعال
کسی ازلی و ابدی اور غیر متغیر قانون کے تابع نہیں ہیں اور احکام الہی جو انسان کے افعال سے
متعلق ہیں وہ کمال شخصی اور کمالات نوعی کے نتائج ہیں اور اوامر و نواہی اور وعدہ و وعید
جو بنی آدم سے کیا گیا ہے ہمیشہ انسان کی ترقی کے موافق ہوتا رہا ہے اور احکام شرعیہ
عقل انسانی کی ترقی کے ساتھ ہمیشہ بدلتے رہے ہیں - معتزلہ کے اعتقادات کو مامون الرشید خلیفہ عباسی نے
قبول کر لیا اور اُسنے اور اُسکے بعد دو خلیفوں نے کوشش بلیغ کی کہ معتزلہ کے فلسفہ اور الہیات کو
تمام بلاد اسلام میں جاری کریں - مگر اسلام کی بدنصیبی تھی کہ جیسا قرار داد اسلاف سے خلفاء عباسیہ کا
بھی کچھ بس نہ چلا اور متوکل علی اللہ کے عہد میں ایک مخصوص گروہ جو ہر قسم کی ترقی اور اصلاح کا
مخالف تھا ایسا غالب آگیا کہ آخر الامر زوال خلافت کا باعث ہوا -

[1] علامہ زمخشری کی تفسیر کشاف کے بابت ابن خلدون لکھتا ہے کہ ایسی شرح اور مدلل تفسیر قرآن مجید کی کوئی نہیں ہے
علامہ موصوف ۱۰۷۵ع میں پیدا ہوے اور ۱۱۴۴ع میں وفات کی - مترجم

ہندوستان کے شیعہ اکثر اثنا عشریہ ہین - اور بمبئی کے خوجے اسمعیلیہ ہین مگر انسے تعرض کرنا کچھ ضرور نہین ہے کیونکہ اُنکے تنازعات کا تصفیہ اکثر دستورات ہنود کے موافق ہوتا ہے -

پھر اثنا عشریہ کے دو فرقے ہوگئے ہین - اصولیا - اور اخباری - اصولی وہ ہین جو فروع مین اجتہاد کے قائل ہین یعنی قرآن وحدیث مین تاویل چند اصول کے موافق کرتے ہین جو مجتہدین نے مقرر کردیے ہین اور اخباری وہ ہین جو مسائل شرعیہ مین مجتہدین کی رائے کو بالکل نہین دخل دیتے تاوقتیکہ اُنکی راے عقل سلیم اور فہم مستقیم کے موافق نہو -

سنہ ۹۰۵ ہجری مطابق سنہ ۱۴۹۹ عیسوی مین شاہ عباس صفوی بانی سلطنت صفویہ نے مذہب شیعہ اختیار کرکے اُسکو قومی مذہب ایرانیون کا بنا دیا اور اُسوقت سے آج تک ایران مین یہی مذہب جاری چلا آتا ہے حالانکہ اشرف خان افغان اور نادرشاہ درانی نے بہت کوشش کی کہ سنی مذہب اُس ملک مین جاری ہوجاے - جبتک ہمایون ۱۵۵۰ع مین ایران سے واپس آیا اُسوقت تک مذہب شیعہ ہندوستان مین ریاست بیجاپور اور گولکنڈہ پر محدود تھا - سلاطین بہمنی اور عادل شاہی شیعہ تھے اور عجم کے مذہب کے ساتھ شائستگی بھی انھون نے عجم ہی سے سیکھی تھی جب شیرشاہ سور کے مرنے کے بعد ہمایون ہندوستان مین پھر آیا تو کہتے ہین کہ اُسکی نیت مین یہ تھا کہ اُس امداد کے معاوضہ مین جو ایرانیون سے اُسکو ملی تھی مذہب شیعہ اُس ملک مین جاری کرے - نہین معلوم یہ خبر صحیح ہے یا نہین ہے مگر اسمین شک نہین ہے کہ بہت سے عمائد ہمایون کے ساتھ ایران سے آئے تھے اور اس ملک مین اپنا رنگ جما یا تھا اور مذہب شیعہ شایع ہونے لگا تھا گو بادشاہ وقت کا مذہب سنی رہا - شاہ جہان کا منجھلا بیٹا شاہ شجاع شیعہ تھا - ۱۸۴۷ع مین امجد علی شاہ پادشاہ اودھ نے اس مذہب کو صوبہ اودھ مین بہت رونق دی - اور اب ملک حجاز مین اور عرب کے بلاد مشرقی مین

سلہ شیوجی حسن بنام دتو باجی خوجہ - لا رپورٹ بمبئی جلد ۱۲ صفحہ ۲۸۱ - دھیرا بائی بنام گوربائی - ایضاً صفحہ ۲۹۴ - بالفعل نیو بل خوجون کے باب مین کونسل واضع قوانین کے زیر تجویز ہے اُسکے پاس ہونے سے یہ دستورات خلاف اسلام خوب صاف ہوجاینگے - ۱۲ منہ -

بھی بہت سے شیعہ ہین - از روے تواریخ شیعون کا مذہب سنیون کے مذہب پر تقدم زمانی رکھتا ہے -

سنیون کے چار بڑے فرقے ہین اور ہر ایک فرقہ اپنے بانی کے نام سے مشہور ہے -
بانیان مذاہب اربعہ ایسے عالم جلیل تھے کہ مسائل شرعیہ مین اُنکو کسی کی تقلید واجب نہ تھی بلکہ خود اپنی راے اور قیاس کو شرع مین دخل دیتے تھے - گو مذاہب اربعہ اصول مین متفق ہین مگر قیاس کی حجت شرعی ہونے مین اختلاف کیا ہے کہ شرع مین کہانتک قیاس سے استدلال ہو سکتا ہے -

پہلے فرقہ کے بانی امام اعظم ابو حنیفہ ہوے - ۸۰ھ ہجری مین عبد الملک ابن مروان کے عہد خلافت مین پیدا ہوے اور مذہب شیعہ مین تعلیم پائی اور امام جعفر صادق سے (جو چھٹے امام اہل بیت پیغمبر مین سے تھے) علم فقہ حاصل کیا - اور علم حدیث ابو عبد اللہ ابن المبارک اور حماد ابن سلیمان سے حاصل کیا - امام اعظم نے اپنے اُستاد (امام جعفر صادق ع) کے اقوال اکثر سنداً نقل کیے ہین - اپنے وطن اصلی کوفہ مین مراجعت کرنے کے بعد بھی حضرت علی ع کے خاندان کی بڑے طرفدار اور دوستدار رہے مگر مذہب شیعہ سے منحرف ہو کر ایک نئے طریق کی بنیاد ڈالی جو اکثر اہم مسائل مین مذہب شیعہ کے مخالف ہے - اسپر بھی امام اعظم کے فتاوے اور شیعون کے اقوال مین ایسی مشابہت تامہ ہے کہ کچھ شک و شبہ اس باب مین نہین ہو سکتا کہ اصل علم اُنھون نے کس خاندان سے حاصل کیا تھا - امام اعظم نے مسائل شرعیہ مین قیاس کو بہت دخل دیا ہے کہ اِسمین کچھ شک نہین ہے کہ اُنکے فتاوے مین فقہاء خاندان رسالت و علماء اہل بیت کے اقوال کا عکس دکھائی دیتا ہے - امام اعظم نے ۱۵۰ھ ہجری مین وفات کی اور جس مذہب کے وہ بانی ہوے اسکو حنفی کہتے ہین -

اکثر مسلمانان ہند اور افغنہ اور ترکمان اور ترک اور اہل مصر اور تقریباً کل باشندگان وسط ایشیا حنفی مذہب ہین - امام اعظم کے مقلدین بہ نسبت اور ائمہ کے مقلدین کے بہت زیادہ ہین اور اُنکے احکام کی توضیح و تلمیح اُنکے دو نامی وگرامی شاگردون امام ابو یوسف اور

امام محمد نے کی۔

امام ابو یوسف یعقوب ابن ابراہیم الکوفی ۱۱۳ ہجری (۷۳۱ء) میں پیدا ہوئے اور ۱۸۲ ہجری (۷۹۸ء) میں بغداد میں انتقال کیا۔ وہ امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد تھے اور خلیفہ ہادی باللہ نے پہلے انھیں کو بغداد کا قاضی مقرر کیا تھا اور بعد ازآں ہارون الرشید کے عہد خلافت میں ترقی پاکر قاضی القضات ہوئے۔ سب سے پہلے اس منصب رفیع اور عہدۂ جلیل پر امام ابو یوسف ہی مقرر ہوئے تھے۔

امام ابو عبداللہ محمد ابن حسین الشیبانی عراق عرب میں بمقام واسط ۱۳۲ ہجری (۷۴۹ء) میں پیدا ہوئے اور مقام رے میں ۱۸۹ ہجری (۸۰۵ء) میں انتقال کیا۔ امام محمد بھی امام اعظم کے شاگرد اور امام ابو یوسف کے پیر بھائی تھے۔ اور امام اعظم کی وفات کے بعد ابو یوسف سے بھی کچھ پڑھے تھے۔ امام محمد کی تصنیفات متعدد ہیں اور اکثر مشاہیر فقہائے حنفی نے انکی شرحیں لکھی ہیں۔

امام محمد کی تصنیفات میں سے الکبیر ایک مبسوط کتاب فقہ حنفی کی ہے جسمیں نہایت اہم مسائل فقہیہ لکھے ہیں اور جسکے شروح متعدد ہیں۔ انمیں سب سے زیادہ مشہور شمس الائمہ ابو بکر محمد السرخسی کی شرح ہے جنھوں نے ۴۹۰ ہجری (۱۰۹۶ء) میں وفات کی اور برہان الدین محمد احمد کی شرح ہے۔ ان دونوں عالموں نے ایک ایک کتاب تصنیف کرکے اسکا نام المحیط رکھا شاید امام محمد کی دوسری کتاب جامع الصغیر جامع الکبیر سے بھی زیادہ مشہور ہے۔ چنانچہ ہاری صاحب لکھتے ہیں کہ "جامع الصغیر کی تالیف میں امام محمد نے امام ابو یوسف سے مدد لی تھی۔ جامع الصغیر کی شروح بکثرت ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور شمس الائمہ کی شرح ہے اور ایک اور مشہور شرح برہان الدین صاحب ہدایہ کی ہے"۔

مبسوط فی فروع الحنفیہ بھی ایک بہت مشہور کتاب امام محمد کی ہے۔ اور زیادات فی فروع الحنفیہ کو لکھا ہے کہ امام محمد نے زیر نگرانی اور باستصواب امام ابو یوسف تصنیف

کی تھی - یہ کتاب نہایت معتبر ہے اور مصنف نے اسکا ایک ضمیمہ بھی لکھا ہے اور ان دونون کی شرحون بہت سی ہین جنمین سے سرخسی کی شرح اور قاضی خان حسن ابن منصور الاوزجندی کی شرح مشہور ہے -

امام محمد کی پانچوین کتاب کا نام سیر الکبیر والصغیر ہے - اور یہ سب سے آخری تصنیف انکی خیال کی گئی ہے -

امام محمد کی چھٹی کتاب نوادر ہے جسکی نسبت مارلی صاحب لکھتے ہین کہ وہ گو یہ کتاب اسقدر معتبر نہین سمجھی جاتی جسقدر اور تصنیفات امام محمد کی سمجھی جاتی ہین تاہم بہت مستند ہے [1] جہانتک معاملات متعلق ہین وہانتک تو یہ دونون شاگرد امام اعظم پر بھی گوے سبقت لیگئے ہین اور معاملات مین انکا قول مسلم الثبوت ہے - جیسا سر ولیم صاحب نے فرمایا ہے کہ وہ اگرچہ حنفیہ امام اعظم ابوحنیفہ ہی کو اپنا امام کہتے ہین اور انھین کے نام سے یہ فرقہ مشہور ہوا ہے تاہم امام ابویوسف اور امام محمد کا اسقدر احترام کیا جاتا ہے کہ جہان جہان ان دونون صاحبون نے اپنے اُستاد سے اختلاف کیا ہے قاضی کو اختیار ہے کہ اُستاد اور شاگردون مین سے جسکے قول کو موافق عقل و صحیح السند سمجھے اُسکو اختیار کرے [1]

زمانہ سابق مین امام اعظم اور اُنکے دونون شاگردون کے مستند القول ہونے کے باب مین جو کچھ راے ہو مگر فی زمانناً اکثر علما کا اتفاق ہے کہ امام اعظم کے فتوے کی پابندی ہر زمانہ مین کرنی چاہیئے چنانچہ حمادیہ مین لکھا ہے کہ وہ فتوے امام اعظم ابوحنیفہ کے قول کے موافق دیا جائے اُسکے بعد امام ابویوسف کے قول کے موافق اُسکے بعد امام محمد کے قول کے موافق اُسکے بعد امام زفر کے قول کے موافق اُسکے بعد حسن ابن زیاد کے قول کے موافق - اور لکھا ہے کہ اگر امام اعظم کا فتوے اور ہو اور اُنکے شاگردون کی راے اور ہو تو مفتی کو اختیار ہے

---

[1] سر ولیم جونسن صاحب کی کتاب جلد ۳ صفحہ ۵۱۰ - ہارنگٹن صاحب کا انالیسس جلد ۱ صفحہ ۲۲۴ -
حمادیہ صفحہ ۱۷۵-۲-۱ منہ -

جسکی رائے چاہے اختیار کرے - لیکن پہلے قاعدہ پر اُسوقت عمل کرنا چاہئیے جبکہ مفتی عالم فقیہ نہو اور مختلف اقوال مین سے ایک قول کو ترجیح دینے کی لیاقت نہ رکھتا ہو - یہ قول قنیہ سے نقل کیا گیا ہے - مگر قضا اور فصل خصومات مین امام ابویوسف کے قول کو ترجیح دیجاتی ہے کہ وہ بڑے لائق جج تھے کیونکہ امام سرخسی نے فرمایا ہے کہ فصل خصومات امام ابویوسف کے قول کے موافق کرنا بہتر ہے اور ایسے مقدمات مین علما نے اُنھین کی تقلید کی ہے لیکن جب صاحبینؒ مین اختلاف ہو تو جن صاحب کا قول اپنے اُستاد امام اعظم کے فتوے کے موافق ہو اسی کو اختیار کرنا چاہئیے - صاحبینؒ کی متفق راے اُسوقت بھی اختیار کرنی چاہئیے جبکہ انکا قول اپنے اُستاد امام اعظم کے قول سے مختلف ہو اور اُس اختلاف کا باعث انقلاب زمانہ معلوم ہوتا ہو مگر متاخرین فقہاے حنفیہ کا اتفاق ہے کہ قضا اور فصل خصومات مین صاحبینؒ کا قول اختیار کرنا چاہئیے -

مفتی کے فرائض کے باب مین قاضی خان لکھتے ہین کہ ”اگر کوئی ایسی بحث پیش ہو جسمین ہمارے علما نے اختلاف کیا ہے تو یہ دیکھنا چاہئیے کہ آیا صاحبینؒ مین سے کسی نے امام اعظم سے اتفاق کیا ہے - ایسی صورت مین امام اعظم کا اور اُن شاگرد کا قول جنھون نے اُنسے اتفاق کیا ہے اختیار کرنا چاہئیے اسواسطے کہ انکے قول پر قوی دلائل موجود ہین - اگر صاحبینؒ نے امام اعظم سے اختلاف کیا ہو تو یہ دیکھنا چاہئیے کہ آیا انقلاب زمانہ کے باعث سے یہ اختلاف پیدا ہوا ہے یعنی آیا اس مقدمہ کا فیصلہ اُس وقت خاص اور مقام خاص اور گروہ خاص کے حوائج و حالات کے موافق ہونا چاہئیے - اگر ایسا ہو تو صاحبینؒ کا قول اختیار کرنا چاہئیے کیونکہ بشر کے حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہین - مگر زراعت اور دیگر معاملات مین امام ابویوسف کے قول پر عمل کرنا چاہئیے“

مقدمہ مسماۃ جان بی بی بنام عبداللہ حجام عدالت سپریم کورٹ دراُن صاحب چیف جسٹس

لہ یعنی امام ابویوسف اور امام محمد - ۱۲ منہ

اور گرانٹ صاحب جبٹس) نے یہ تجویز فرمایا کہ "ہمارے نزدیک متاخرین علمار حنفیہ کے اقوال اور فیصلون سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ امر متنازع فیہ مین امام ابو یوسف کے قول کو راجح تصور کرنا چاہیئے[1]"

امام اعظم اور اُنکے دونون شاگردون کے بعد ہندوستان کے حنفیہ زفر ابن الہذیل قاضی القضات بصرہ جہان اُنھون نے ۱۵۸ ہجری (۷۷۴ع) مین انتقال کیا اور حسن ابن زیاد کے قول کا اعتبار کرتے ہین - یہ دونون فقیہ امام اعظم کے ہمعصر اور دوست اور شاگرد تھے اور امام اعظم کے فتوے کی سند انکی کتابون سے خاص کر اُن مقدمات مین دیجاتی تھی جنمین صاحبین نے سکوت کیا تھا[2]

دوسرے اور تیسرے طبقہ کے فقہاے حنفیہ مین اشخاص ذیل نہایت مشہور ہین -

ابو بکر احمد ابن عمر الخصاف کے چند رسائل ہین سے رسالہ آداب القاضی بہت مشہور کتاب ہے اُنھون نے ۲۶۱ ہجری (۸۷۴ع) مین وفات کی - خصاف کی آداب القاضی کی سب سے عمدہ شرح عمر ابن عبد العزیز ابن ماجہ نے لکھی ہے جو حسام شہید کے لقب سے مشہور ہین کہ ۵۳۶ ہجری (۱۱۴۱ع) مین شہید ہوے تھے - اِس کتاب مین خصاف کے اقوال اکثر نقل ہوے ہین -

ابو جعفر احمد ابن محمد الطحاوی بھی ایک شارح منجملہ شراح جامع الصغیر مصنفہ امام محمد کے ہین - اُنھون نے ایک رسالہ بھی فقہ حنفی مین تصنیف کیا ہے جسکا نام مختصر الطحاوی ہے - اِن دونون کتابون کی سند اِس کتاب مین لکھی گئی ہے مگر ہندوستان مین یہ کتابین نایاب ہین - طحاوی نے ۳۲۱ ہجری (۹۳۳ع) مین انتقال کیا -

ابو الحسن احمد ابن محمد القدوری بھی ایک مشہور فقیہ حنفی ہین - اُنکی کتاب موسوم بہ مختصر ہندوستان مین بہت معتبر سمجھی جاتی ہے - چنانچہ مارلی صاحب اپنی کتاب کے مقدمہ مین لکھتے ہین کہ قدوری کی مختصر ایسی معتبر کتاب ہے کہ حاجی خلیفہ فرماتے ہین کہ علم فقہ مین اگر کوئی کتاب الکتاب کے لقب کی مستحق ہے تو قدوری کی المختصر ہے[3] یہ ایک فقہ کی کتاب ہے اور اسمین بارہ ہزار

۱ہ فلٹن صاحب کا لارپورٹ صفحہ ۵۴۳ - ۱۲ منہ ۲ہ ولمی او ہن صاحب کی کتاب جلد ۱ صفحہ ۱۸ - ۱۲ منہ

زیادہ نظائر لکھے ہیں۔ پس کیا تعجب ہے کہ ایسی مشہور و معروف کتاب کی شرحیں بھی بہت لوگوں نے لکھے ہیں۔ اکثر اقوال ان شروح سے فتاواے عالمگیری میں نقل کیے ہیں۔ قدوری نے ۴۲۸ھ ہجری (۱۰۳۶ء) میں وفات کی۔

قدوری کی المختصر کی ایک مشہور شرح الجوہرۃ النائرہ ہے جسکو الجوہرۃ المنیرہ بھی کہتے ہیں۔ تاریخ صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ یہ کتاب ہدایہ سے موخر ہے مگر شاید بعض اعتبارات سے اس سے زیادہ مستند ہے۔

شمس الائمہ ابوبکر محمد السرخسی جنکا ذکر سابق میں کیا گیا کہ امام محمد کی جامع الکبیر اور جامع الصغیر کی شرحیں لکھی ہیں اور کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جب مقام ارجند میں قید تھے تو قیدخانہ میں ایک نہایت عمدہ کتاب فقہ میں تصنیف کی تھی جسکا نام مبسوط ہے۔ ایک اور کتاب المحیط بھی انھیں کی تصنیف ہے جسمیں امام محمد کے مبسوط اور زیادات اور نوادر سے اکثر اقوال نقل کیے ہیں۔

برہان الدین احمد ابن محمد نے بھی (جنکا ذکر ہو چکا ہے) ایک کتاب المحیط لکھی ہے۔ مگر ہندوستان میں وہ ایسی معتبر نہیں سمجھی جاتی جیسی محیط السرخسی سمجھی جاتی ہے۔ برہان الدین کی المحیط محیط البرہان کے نام سے مشہور ہے اور اسکا ماخذ امام محمد کی مبسوط اور جامع اور سیر اور زیادات ہے اور امام محمد کے نوادر سے بھی مصنف نے بہت کچھ لیا ہے۔

شیخ علاء الدین محمد سمرقندی نے قدوری کی المختصر کا اختصار کر کے اسکا نام تحفۃ الفقہا رکھا ہے۔ علاء الدین کی کتاب کی شرح انکے شاگرد ابوبکر ابن مسعود کاشانی نے لکھی ہے جنھوں نے ۵۸۷ھ ہجری (۱۱۹۱ء) میں وفات کی۔ اس شرح کا نام بدائع الصنائع ہے متن اور شرح دونوں کا حوالہ اکثر دیا گیا ہے۔

ہدایہ بھی ایک نہایت مشہور کتاب فقہ حنفی کی ہے۔ وہ بدایع المبتدا کی شرح ہے اور متن اور شرح برہان الدین علی ابن ابوبکر المرغنانی کی تصنیف ہیں (مرغنانہ ایک قصبہ صوبہ فرغانہ میں ہے) لکھا ہے کہ ہدایہ تیرہ برس میں تصنیف ہوا تھا اور اسکے مصنف نے ۵۹۳ھ ہجری (۱۱۹۶ء)

مین وفات کی۔

ہدایہ کے شروح بہت ہین۔ سب سے پہلے اسکی شرح حمید الدین علی البخاری نے لکھی تھی جنھون نے سنہ ۶۶۷ ہجری (۱۲۶۸ع) مین وفات کی۔ یہ شرح بہت مختصر ہے اور اسکا نام الفوائد ہے ہدایہ کی شرحین جو ہندوستان مین بہت مشہور ہین یہ ہین۔ نہایہ۔ عنایہ۔ کفایہ۔ فتح القدیر۔ پہلی شرح نہایہ حسام الدین حسین ابن علی نے لکھی تھی جنکو لکھا ہے کہ برہان الدین علی کے شاگرد تھے۔ اس شرح مین ایک عمدہ بات یہ ہے کہ کتاب المیراث بھی لکھدی ہے حالانکہ ہدایہ مین مبحث میراث نہین لکھا ہے۔ اگرچہ نہایہ کی کتاب المیراث ایسی معتبر نہین سمجھی جاتی جیسے فرائض السراجیہ سمجھی جاتی ہے۔

ہدایہ کی دو شرحون کا نام عنایہ ہے۔ ایک شرح جو زیادہ مشہور ہے شیخ اکمل الدین محمد ابن محمود نے لکھی تھی جنھون نے سنہ ۷۸۶ ہجری (۱۳۸۴ع) مین وفات کی۔ عنایہ اور کفایہ دونون ایسے مشہور ہین کہ متن کے معضلات یعنی مشکل باتون کو خوب حل کیا ہے۔ ہدایہ کا ترجمہ فارسی مین ہوا ہے بعد ازان وارن ہیسٹنگس صاحب گورنر جنرل اول کی فرمائش سے ہیملٹن صاحب نے اسکا ترجمہ انگریزی مین کیا۔

ٹرکی یعنی دولت عثمانیہ مین جو کتابین فقہ کی مشہور ہوے ہین اُنمین سے شیخ ابراہیم ابن محمد الحلبی کی ملتقی الابحار بہت مشہور کتاب ہے۔ یہ فقیہ بعہد سلطان سلیمان سنہ ۹۵۶ ہجری (۱۵۴۹ع) فوت ہوے۔ یہ کتاب ایک مجموعہ مسائل فقہ حنفی کا ہے اور اسمین ائمہ اربعہ کے اقوال لکھکر اُنکی توضیح بڑے بڑے علما کے اقوال سے کردی ہے۔ تمام ممالک عثمانیہ مین اس کتاب کا اعتبار بہ نسبت اور کتب فقہ کے زیادہ کیا جاتا ہے اور اکثر اسی کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

ملتقی الابحار اصل عربی مین سنہ ۱۲۵۲ ہجری (۱۸۳۶ع) مین دار الخلافت قسطنطنیہ مین مشتہر ہوئی تھی اور اسکی شرح مجمع الانہار عبد الرحمن ابن شیخ محمد المعروف بہ شیخ زادہ نے لکھکر دار الخلافت مذکورہ مین سنہ ۱۲۴۰ ہجری (۱۸۲۴ع) مین چھپوائی تھی۔

ملا خسرو نے کہ منجملہ مشاہیر فقہائے ترک کے ہین ۸۹۳ھ ہجری (۱۴۲۹ء) مین ایک کتاب
دُرّ الاحکام نامے تصنیف کی جو ۹۵۵ھ ہجری (۱۵۴۸ء) مین مشتہر ہوئی - ملتقی الابحار کے بعد
اسی کتاب کا اعتبار کیا جاتا ہے اور اکثر اسکا حوالہ اور کتب فقہ مین بھی دیا گیا ہے -
مگر سب سے زیادہ مدلل اور بکار آمد کتاب فقہ حنفی مین ردّ المختار شرح دُرّ المختار ہے جسکو
محمد امین شامی نے سلطان محمود چہارم کے عہد سلطنت مین تصنیف کیا تھا -

دوسرے فرقہ اہل سنت کے بانی ابو عبداللہ مالک ابن انس تھے جنکا مذہب افریقہ
شمالی مین علی الخصوص صوبہ مراقش اور الجیریا مین جاری ہے - انھون نے ۱۷۹ھ ہجری مین
بعہد ہارون الرشید وفات کی - سب سے بڑا مصنف جسنے مذہب مالکی مین کتاب تصنیف کی ہے
سیدی خلیل ہے جسکی جامع اور ضخیم کتاب کا ترجمہ حسب الحکم گورنمنٹ فرانس ایم پیرن صاحب نے
فرانسیسی زبان مین کیا ہے -

تیسرے فرقہ اہل سنت کے بانی امام محمد ابن ادریس الشافعی تھے - وہ شہر غازہ واقع ملک
شام مین اسی سال پیدا ہوے تھے جس سال امام اعظم ابو حنیفہ نے انتقال کیا تھا - اور
۲۰۴ھ ہجری (۸۱۹ء) بعہد مامون الرشید مصر مین وفات کی - وہ شیعون کے امام ہشتم علی ابن
موسی الرضا ؑ کے ہمعصر تھے اور انکا مذہب افریقہ شمالی اور مصر اور جنوب عرب اور جزیرہ
جاوا اور جزیرہ نمائے ملاکا مین اور جزیرہ سرندیپ یعنی سیلون یا لنکا مین جاری ہے -
انکے مقلدین بمبئی کے بوہرون مین بھی موجود ہین -

فقہ شافعی مین کتب مشہورہ یہ ہین -

(۱) مختصر ابو خواجہ -
(۲) طریب شمس الدین ابو عبداللہ ابن قاسم الغازی -
(۳) المحرر ابو القاسم عبد الکریم ابن محمد الرافعی -
(۴) منہاج الطالبین محی الدین ابو زکریا یحیی ابن شرف النواوی (جنھون نے ۶۷۶ھ ہجری

مین وفات کی)۔ یہ کتاب مع ترجمہ چند روز ہوئے کہ چھپی ہے اور ڈچ گورنمنٹ کے حکم سے اِسکا
بہت عمدہ ترجمہ وَاْنْ ڈِیْنْ برگ صاحب نے فرانسیسی زبان مین کیا ہے۔

چوتھے فرقہ اہل سنت کے بانی امام احمد ابن حنبل ہوئے - وہ مامون الرشید اور
معتصم باللہ کے عہد خلافت مین گذرے یہ دونون خلیفہ معتزلی تھے۔ احمد ابن حنبل کے
تعصب اشد یدنے اور اُنکے اِس فعل نے کہ اُنھون نے عوام الناس کے تعصب مذہبی کو افروختہ
کرکے بادشاہان وقت کے خلاف کردیا خلفاء عباسیہ کو اُنکے برخلاف کردیا اور ۲۴۱ھ ہجری مین
اُنھون نے وفات کی - مامون الرشید کو جو ناکامی معتزلہ کا مذہب جاری کرنے مین ہوئی
اُسکا الزام احمد ابن حنبل اور اُنکی اسلاف پرستی پر عائد ہوتا ہے اور اُس زمانہ مین جو اکثر
قتل و قمع ہوا اور مسلمانون کے خون کے دریا بہگئے وہ بھی اُنھین کے نامۂ عمل مین لکھا گیا۔

پس بانیان مذاہب اربعہ ابو حنیفہ اور شافعی اور مالک اور ابن حنبل ہین - امام شافعی
اور امام مالک اور امام احمد ابن حنبل کے نزدیک قیاس کو مسائل شرعیہ مین کچھ دخل نہین ہے
بلکہ فقط نقل کی پابندی فرض ہے یعنی وہ اِسکے قائل نہین ہین کہ تعبدیات مین عقل کو دخل دیاجاے
یا نتائج منطقی کا استخراج کیا جاے یا احکام شرع مین ایسی تاویل کیجاے کہ کسی خاص مقدمہ کے
حالات مخصوصہ کے موافق ہوجائین لہذا اُنکے مقلدین کو اہل الحدیث کہتے ہین۔

شارع اسلامؐ نے احکام شرع مین عقل یا قیاس کو دخل دینا جائز رکھا ہے اور اسی اصول کی
پابندی اُنکی اولاد امجاد نے ہمیشہ کی ہے یعنی بنی فاطمہ یا فقہاے اہل بیت نے شرع مین
ہمیشہ توسیع فرمائی ہے اور عسر و حرج کو ناجائز رکھا ہے جسکا اثر امام اعظم ابو حنیفہ کے نفس پر بھی ہوا
کہ اُسی خاندان کے شاگرد تھے۔ امام اعظم اور اُنکے شاگردون کا قیاس کو حجت شرعیہ گردانںا
فتاواے عالمگیری کی اکثر عبارات سے ثابت ہے۔ اِسی وجہ سے امام اعظم کے مقلدین کو
اہل الراے والقیاس کہتے ہین -

ابن خلدون کہ ایک بڑے عالم متبحر اور فقیہ جلیل ہین مذاہب اربعہ مین قیاس کو حجت شرعیہ

گردانتے کے باب مین فرماتے ہین کہ "علم فقہ کے دو شعبے ہین۔ ایک شعبہ اہل الراے والقیاس کا ہے یعنی اہل عراق۔ اور ایک شعبہ اہل الحدیث کا ہے یعنی اہل حجاز۔ چونکہ اہل عراق کو حدیثین کم ملتی تھین لہذا اُنھون نے قیاس کو دخل دیا اور اس فن مین بڑا کمال پیدا کیا اسی وجہ سے اُنکو اہل القیاس کہنے لگے اور اُنکے پیشوا امام ابوحنیفہ اس طریق سے خوب واقف تھے اور اپنے شاگردون کو بھی یہی طریق سکھایا۔

اہل حجاز کے امام پہلے مالک ابن انس تھے پھر احمد ابن ادریس شافعی ہوے اور چند روز کے بعد بعض علما نے قیاس کو ناپسند کر کے ساقط کر دیا۔ اہل ظاہر یہی لوگ تھے اور ابو داؤد اصفہانی انکے پیرو تھے۔ اُنھون نے یہ اصول مقرر کر دیا کہ سب مسائل شرعیہ کا استنباط نصوص قرانی اور اجماع سے کیا جاے۔

متقدمین علماے حنفیہ نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ احکام شرع اور فیصل خصومات مین قیاس کو دخل دینا ضرور ہے۔ چنانچہ رضی الدین نیشاپوری نے اپنی کتاب محیط مین لکھا ہے کہ "اگر کسی مقدمہ مین اصحاب کی متفق راے نہ پائی جاے مگر معاصرین یا تابعین صحابہ کا اتفاق پایا جاے تو قاضی کو تابعین کے قول پر عمل کرنا چاہیئے۔ اگر تابعین صحابہ مین بھی اختلاف ہو تو قاضی کو چاہیئے کہ اُنکے دلائل کو جانچکر اُس قول کو اختیار کرے جسکے دلائل قوی ہون۔ لکن اگر جن اسناد کا حوالہ دیا گیا ہے وہ نہ بہم پہونچ سکین اور قاضی ایسا شخص ہو جو اجتہاد کرنے کی لیاقت رکھتا ہو تو وہ اپنے دل مین غور کرے کہ اصول انصاف اور حق کا مقتضی کیا ہے اور جو نتیجہ نکلے اُسکو اُس مقدمہ کے واقعات اور حالات سے بہ نیت خالص متعلق کر کے اُسی کے موافق فیصلہ کر دے گا"

ابوبکر کاشانی نے بدایع مین لکھا ہے کہ "جب کسی مقدمہ مین کوئی حکم شرع نہ لکھا ہو اور اتفاق علما نہ پایا جاے تو اگر قاضی اجتہاد کرنے کی قابلیت رکھتا ہو اور ناطق وقطعی فیصلہ کر سکے تو اُسکو چاہیئے کہ اپنے فیصلہ کو جاری و نافذ کرے گو اور فقہا اُس سے مختلف الراے ہون

اسواسطے کہ جو امر بعد تحقیق انیق حق اور قرین انصاف ثابت ہو وہی خداوند عالم کی درگاہ میں مقبول ہے" اور اسی کتاب مین ایک اور مقام پر یہ لکھا ہے کہ "اگر کسی مقدمہ مین قاضی مخالف دلائل سُنکر حیران و پریشان ہو جاے تو اُسکو اُس مقدمہ مین غور کرکے اپنی راے کے موافق فیصلہ کرنا چاہیئے یا زیادہ اطمینان کرنیکے لیے اور فقہا سے استصواب کرلے اگر اُنکی راے خلاف ہو تو اُسکو چاہیئے کہ دلائل کو جانچکر وہ فیصلہ کرے جو اُسکے نزدیک[1] حق ہو"

اِن اقوال سے جواب شافی اُن مہمل و مزخرف اعتراضات کا نکل آتا ہے جو اسلام پر عموماً کیے گئے ہین اور کہا گیا ہے کہ اِس دین مین ذرا بھی ملائمت اور ترقی کا مادہ نہین ہے کیونکہ اِسکے قوانین گویا پتھر کی لکیر ہین اور شکنجہ مین کھنچے ہوے ہین۔

بڑا افسوس ہے کہ اہل سنت کے ذہن مین سما گیا ہے کہ اجتہاد یعنی قیاس و استصحاب وغیرہ سے مسائل شرعیہ کا استخراج تیسری صدی ہجری مین موقوف ہو گیا۔ اِس خیال خام کا نہایت خراب اثر اُن مسلمانون کی ترقی و عروج پر ہوا ہے جو سُنی مذہب ہین۔ اہل سنت مین اجتہاد کے تین طبقہ ہین طبقۂ اول کے مجتہدین نے مسائل شرعیہ کے استخراج مین بالکل اپنی راے سے عمل کیا ہے اور اُنسے علم فقہ اُنکے شاگردون کو پہونچا جنکی یہ مجال نہ تھی کہ جو مطلب قرآن و سنت اور اجماع سے اُنکے استادون نے نکالا تھا اُسمین قیل و قال کر سکتے گو خود اُنکی راے اِن اصول کے خلاف ہو۔ اِس طبقہ کے مجتہدین تیسری صدی ہجری تک بہت ہوے۔ مگر بعد اُسکے مسائل شرع معین و مشخص ہو گئے اور امور شرع مین قیاس کو بے انتہا دخل دینا موقوف ہو گیا۔ بعض متاخرین مثل ظاہر اور سیوطی کے قیاس کو دخل دینے کے مدعی ہوے مگر اکثر جمہور نے اُنہین قیاس کو دخل نہ دینے دیا۔ طبقہ اول کے مجتہدین جو پہلی صدی ہجری مین گذرے اُن مجتہدین سے زیادہ معتبر سمجھے جاتے ہین جو دوسری اور تیسری صدی ہجری مین ہوے۔ طبقہ دوم کے مجتہدین کو اجازہ اُن مسائل کے حل کرنے کا حاصل تھا جنکو بانیان مذاہب اربعہ نے

---

[1] فتاواے عالمگیری جلد ۳ صفحہ ۳۴۳-۳۴۳ ۱۲ منہ

نہین حل کیا تھا اور وہ طبقۂ اول کے مجتہدین کے شاگرد تھے جو بعض اوقات اپنے شاگردون کو ایسے
فتوے دیتے تھے یا ایسے فتوون پر عمل کرنے دیتے تھے جو خود اُنکے مذہب کے خلاف
ہوتے تھے بلکہ کبھی کبھی اُنکے اقوال کو خود بھی اختیار کر لیتے تھے۔ جن صورتون
مین بانیانِ مذاہب اربعہ یا اُنکے شاگردون کا کوئی فتوے نہ پایا جاتا تھا
اُنہین خود فتوے دیتے تھے۔ مگر شرط یہ تھی کہ اُنکے فتاوے کا استخراج قرآن
اور سنت اور اجماع سے اس حیثیت ہوا ہو کہ ان تینون چیزون کے
ساتھ مجتہدین طبقہ اول اور طبقہ دوم کے اقوال بھی شریک کر لیے ہون اور اُنکو یہ اجازت
نہ تھی کہ طبقۂ اول و دوم کے مجتہدین کے اقوال جو درباب مبادی اور اصول احکام شرع مشہور
ہو چکے ہون اُنمین بحث کرین۔ طبقۂ سوم کے مجتہدین کو ضرور تھا کہ علم فقہ کے سب شعبون
اور سب فرقون کے مسائل سے واقفیت تامہ رکھتے ہون۔ اس طبقہ مین بہت سے علما داخل
ہین جو کم و بیش مشہور ہین اور جنمین سے بعض اپنی زندگی مین اس درجہ اجتہاد پر فائز ہو گئے تھے
اور بعض کو مرنے کے بعد یہ مرتبہ حاصل ہوا۔[سلہ]

مجتہدین کا لقب سنیون مین مدت سے متروک ہو گیا ہے۔

اسلام کی ابتدا مین جو ترقیان جلد جلد مسلمانون نے کین اُنکے مقابل مین اب وہ گویا ایک
سکتہ کے عالم مین ہین اور اُنکی ترقی کے رک جانے کی وجہ خاص کر یہ ہے کہ اُنکے ذہن مین یہ
بات سما گئی ہے کہ اجتہاد کا خاتمہ ہو چکا اور یہ سمجھے ہوئے ہین کہ جبتک کوئی علم فقہ مین اُس قیاسی
فرضی مرتبۂ کمال پر نہ فائز ہو جو پہلی اور دوسری اور تیسری صدی ہجری کے مجتہدین کو حاصل تھا
اُسوقت تک وہ اجتہاد کا دعوے نہین کر سکتا اور مسائل شرعیہ مین رائے نئی نہین کر سکتا
شیعون پر بھی یہی بلا نازل ہوئی ہے اور ایسے ہی تنگ خیالات اُنکے بھی ہو گئے ہین اور
اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اخباری مذہب کو ترک کر کے لوگون نے عموماً اصولی مذہب

سلہ فتاواے قاضیخان جلد ا صفحہ ۳ - ۱۲ منہ

اختیار کر لیا ہے - اخباریون کے مسلک مین عقلی آزادی اسقدر ہے کہ تمدنی ترقی اور تہذیب اخلاق کی گنجائش وافر ہے -

اصولیون کا یہ قاعدہ ہے کہ صاحب اجازہ مجتہدین جو فتوے دیتے ہین بلا عذر حجت اُسکو قبول کر لیتے ہین اور عقلی آزادی کے مطلق قائل نہین ہین یعنی شرع مین اپنی عقل کو نہین دخل دیتے -

نفس ناطقہ یا عقل انسانی کو اسطرح معطل کر دینے سے وہ تحریک اسلام مین پیدا ہوئی ہے جسکے آثار و علامات بہت عیان ہین اور جس سے مسلمانون کی ترقی و بہبود کی امید قوی ہوتی ہے مذہب شافعی نے اُس غل و زنجیر کو جسمین وہ جکڑا ہوا تھا توڑ کر پھینک دیا ہے اور اب سُنیون کے سامنے اس صورت سے استادہ ہے کہ تہذیب اخلاق اور اصلاح قانون کے حوصلے جو بہت سے مسلمانون کے دلون کو بیتاب اور بیقرار کر رہے ہین وہ سب اس مذہب مین جمع ہین - ہندوستان مین مذہب شافعی مسلک حنفی کے مستحکم قلعون مین گھسکر اُسکے ساتھ زور آزمائی کر رہا ہے اور معتزلہ کا مذہب بھی نوجوان مسلمانون مین بہت جلد پھیلتا جاتا ہے -

شیعون کے کتب فقہ کے باب مین ایم کوبری صاحب مورخ فرانسیسی لکھتے ہین کہ جب اسلام اُن ملکون مین جنمین مختلف قومین بستی تھین اور مختلف رسوم جاری تھے جلد جلد شایع ہونے لگا تو احادیث کو جمع کرنے اور قوانین و احکام شرع کو بہیئت مجموعی مشتہر کرنے کی ضرورت ہوئی جو ہر ملک سے جہان مذہب جدید مسلط ہو چکا تھا متعلق ہو سکین - اِس کتاب مین اتنی گنجائش نہین ہے کہ پوری فہرست اُن علماء شیعہ کی لکھی جائے جنھون نے تیسری صدی سے ساتوین صدی ہجری تک فقہ مین کتابین تصنیف کین لہذا صرف بعض مشاہیر علماء شیعہ کے اسما پر اکتفا کیجاتی ہے - ابو عبداللہ شیخ محمد ابن محمد النعمان ملقب بہ شیخ مفید ایک عالم جلیل تھے جو ۳۳۶ ہجری یا ۳۳۸ ہجری مین پیدا ہوے اور ۴۱۳ ہجری مین وفات کی اُنکی تصنیفات فقہ و حدیث مین دو سَو سے زیادہ ہین - اور مفید اُنکا لقب اِسوجہ سے ہو گیا ہے کہ اُنکے شاگرد بہت کثرت سے تھے - شیخ ابو جعفر محمد ابن علی ابن حسن الطوسی ملقب بہ شیخ الطائفہ ۳۸۵ ہجری سے ۴۶۰ ہجری تک رہے - شیخ مفید رح کے شاگرد تھے اور کثیر التصانیف تھے - اُنکی کتابین شیعون کے

تکاوین نہایت معتبر سمجھی جاتی ہین - منجملہ انکی تصنیفات کے استبصار اور الخلاف والوفاق اور نہایہ
فی مجرد الفقہ والدرایہ بہت مشہور اور معتبر ہین - اور مبسوط بھی بہت معتبر کتاب ہے جسکے شروح اور
حواشی انچی سے کم نہین ہین - ابو القاسم علی ابن ابی احمد الحسینی الملقب بشیخ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ
شیخ مفید کے شاگرد رشید تھے ۳۵۵ھ ہجری مین پیدا ہوے اور ۴۳۶ھ ہجری مین وفات کی -
بہت سا مال و دولت اور بہت سی تصنیفات اور مثنویان اور قصائد وغیرہ اور اسی ہزار قلمی
کتابین چھوڑ گئے - شیخ نجم الدین ابو القاسم جعفر ابن ابو یحییٰ ملقب بہ المحقق حلّی کی تالیف وہ کتاب ہے
جس سے مین نے ترجمہ کیا ہے مشاہیر فقہاء اسلام مین اعلیٰ درجہ پر فائز ہین - یہ عالم جلیل ایک
مشہور خاندان فقہا سے تھے اور بمقام حلہ واقع ساحل فرات ۶۰۲ھ ہجری مین پیدا ہوے تھے
لڑکپن ہی مین انکے علم و فضل اور ذکاوت اور تبحر کا شہرہ ہو گیا تھا - اور فقیہ بھی تھے خطیب بھی تھے
بھی شاعر بھی اور صاحب تصانیف بھی - لکھا ہے کہ جب خواجہ نصیر الدین طوسی کہ سرآمد حکما اور
ہلاکو قاآن کے وزیر باتدبیر تھے ہلاکو کے ہمراہ گئے اور بغداد کو فتح کیا تو اپنا فخر و سعادت سمجھکر محقق حلی
کے درس مین شریک ہوے اور جب انھون نے محقق طوسی سے تعظیماً عرض کیا کہ میری جگہ پر آپ درس دین
تو محقق طوسی نے انکار کیا - محقق حلی ۶۷۶ھ ہجری تک اجتہاد اور درس و تدریس مین مشغول رہے اور اسی
سنہ مین اپنے مکان کے چبوترہ پر سے گر کے مر گئے - اس عالم جلیل کی تصنیف فقہ مین النافع ہے اور
انکی تصنیف کئی شرحین کتب فقہ کی ہین علی الخصوص شیخ ابو جعفر طوسی کی نہایہ کی کتاب البیع کی شرح -
انھون نے متعدد رسالے اصول دین اور اصول فقہ اور منطق اور علم الاسنہ مین بھی تالیف کیے ہین
اور کئی دیوان بھی انکے ہین - مگر جس کتاب کی وجہ سے وہ اپنے ہم مذہبون کی ثنا و احترام کے مستحق
ہو گئے وہ شرائع الاسلام فی مسائل الحلال والحرام ہے - جہان جہان امامیہ مذہب جاری ہے علی الخصوص
ایران مین اسی کتاب پر عمل درآمد ہے -

وہ[1] اس کتاب کے چار حصے ہین پہلے حصہ مین عبادات - دوسرے مین معاملات تیسرے

[1] شرائع الاسلام ۱۲ منہ

ہین منجملات - جو ستہ ہین احکام متعلقہ بیع و رہن و اجارہ اور ماکل و مشارب اور حدود و قصاص و دیت وغیرہ

لکھے ہین - اِس کتاب کے مختلف حصون مین ویسا اختلاف عظیم ہرگز نہین ہے جیسا

فرانسیسی کتب قوانین مین ہے مگر مین نے اُسی ترتیب سے اِس کتاب کو ترجمہ کیا ہے جو ترتیب

مصنف نے رکھی ہے تاکہ اصل کتاب عربی کا حوالہ دینا آسان ہو جاوے "

شرایع الاسلام کی بہت سی شرحین ہین - منجملہ اِن شروح کے مسالک الافہام

شیخ زین العابدین علی الشامی ملقب بہ شہید ثانی کی اور جواہر الکلام شیخ محمد حسن نجفی کی

نہایت مبسوط اور مدلل شروح ہین -

منجملہ کتب شیعہ کے جو مشہور ہین تلخیص المرام اور نہایۃ الاحکام ہین تحریر الاحکام شیخ العلامہ

جمال الدین ابن یوسف ابن المطہر الحلی کی ہے - اور ایک اور کتاب اُنکی ارشاد الاذہان بھی

بڑی لیاقت اور علم و فضل کا نمونہ ہے - اِس کتاب کا حوالہ اکثر بہ لقب ارشاد علامہ دیا گیا ہے

جامع عباسی بھی ایک صحیح اور جامع کتاب شیعون کی ہے اور بیس ابواب پر منقسم ہے -

اسکے مصنف شیخ بہاء الدین عاملی نے ۱۰۳۱ ہجری (۱۶۲۱) مین وفات کی -

جدید اور مشہور کتب شیعہ مین سے مفاتیح ملا محسن کاشی کی ہے جنکا پورا نام محمد ابن مرتضی

الکاشانی ہے اور اُسکی شرح جو اُنکے بھتیجے اور ہمنام نے لکھی ہے جنکا لقب ہادی مشہور ہے

روضۃ الاحکام جناب سید العلما مولوی سید حسین ملقب بہ میرن صاحب کی جو اودھ کے تیسرے

مجتہد تھے چار باب پر منقسم ہے - پہلا باب میراث مین ہے اور احکام میراث نہایت شرح و بسط

سے ساتھ لکھے ہین - یہ کتاب پہلے ۱۲۶۳ ہجری مین لکھنؤ مین چھپی تھی -

جامع الشتات بھی ایک نہایت عمدہ کتاب شیعون کی ہے جسمین بہت سے مسائل اور فتوے

جو طہران کے بڑے مجتہد نے صدی گذشتہ مین جاری کیے تھے جمع کر دیے ہین

حواشی متعلقہ دیباچہ

حاشیہ ا مقدمہ منشی بذل الرحمن بنام شمس النسا بیگم د مورس انڈین اپیلس جلد ا صفحہ ۱۹۱

ہائی کورٹ کلکتہ نے شرع محمدی کی پابندی سے انکار کیا تھا اُسکی نسبت حکام عدالت العالیہ پریوی کونسل نے تقریر ذیل لکھی ہے۔

وہ حکام پریوی کونسل ہائی کورٹ کلکتہ کی اس راے سے بالکل اختلاف کرتے ہیں اُنکے نزدیک یہ راے ہائی کورٹ کی برٹش انڈیا کے قوانین کی منشار کے بالکل خلاف ہے علی الخصوص اُس قانون کے سراسر مخالف ہے جسکا ذکر سابق میں کیا گیا یعنی دفعہ ۳۷ قانون ۱۲ سنہ ۱۸۸۷ء جسمین صاف لکھا ہے کہ جو منازعات درباب نکاح اور ذات کے ہون اور تمام مذہبی رسوم و دستورات کے باب میں مسلمانون کے مقدمات میں شرع محمدی اور ہنود کے مقدمات میں شاستر عام قواعد سمجھنے چاہئیں اور اُنھیں کے موافق ججون کو فیصلے کرنے چاہئیں۔ حکام پریوی کونسل کے ذہن میں کوئی امر ایسا نہیں آتا جس سے مسلمانون کو اسقدر خوف اور اندیشہ پیدا ہو جسقدر یہ جاننے سے پیدا ہوگا کہ ہائی کورٹ نے ایک ایسا فیصلہ کیا ہے جس سے اُنکی شرع جسکی پابندی کی ضمانت اُنکے مقدمات میں اُنسے کرلی گئی ہے ایسے مقدمہ میں بالاے طاق رکھدی گئی ہے جو اُنکے خانگی تعلقات سے تعلق قائم رکھتا ہے"

حاشیہ ۲

عبارت ذیل مسٹر جسٹس رنڈل صاحب کے فیصلہ کی جو اُنھون نے ایک شیعہ و سنی کے مقدمہ میں کیا تھا نقل ہے کہ شائقین شرع محمدی کو دلچسپ معلوم ہوگی۔

وہ مسلمانون کو عموماً یہ توقع تھی کہ حضرت علی ؑ جو سابق الاسلام اور رسول اللہ کے محبوب صحابی اور اُنکے پیاری بیٹی کے شوہر تھے خلیفہ اول ہونگے۔ مگر ایسا نہین ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کہ محبوب ترین ازواج رسول میں سے تھین لیکن علی و فاطمہ سے حسد و کینہ رکھتی تھین اپنے والد بزرگوار (حضرت ابوبکر صدیق) کے خلیفہ منتخب ہونے کا باعث ہوئین۔ اُنکے بعد حضرت عمر خلیفہ ہوے اور اُنکے بعد حضرت عثمان۔ جب ۳۵ھ ع میں خلیفہ ثالث مارے گئے تو خلافت بلا شبہ حضرت علی کو دیگئی۔ مگر بنی امیہ کی مخالفت کا سامنا اُنکو

خلیفہ ہونے کے بعد بھی جاری رہا اور حضرت عائشہ اور معاویہ کی اعانت وحمایت سے بنی امیہ نے
اُنکی خلافت مین بڑا رخنہ ڈالدیا اور ہنوز وہ جھگڑا طے نہ ہوا تھا کہ سنہ ۴۰ع مین حضرت علی مسجد
کوفہ مین ایک خارجی کے ہاتھ سے شہید ہوے۔ کوفہ ایک بڑا شہر مسلمانون کا ساحل غربی فرات
تھا اب وہ بالکل برباد ہوگیا ہے اور قدیم شہر بابل کے کھنڈرون کے قریب اُسکے بھی کھنڈر ہین

الغرض حضرت علی کی شہادت سے سب مسلمانون مین ایک تہلکہ عظیم پڑگیا۔ حضرت علی کو
سب لوگ دل سے دوست رکھتے تھے اور وہ اسی قابل تھے۔ اُس زمانہ مین بھی جبکہ شجاعان عرب
شہرۂ آفاق تھے ضرغام آل ابوطالب اسد اللہ الغالب اُنکا لقب تھا اور اشجع العرب اُنکو کہتے تھے
شجاعت حکمت ہمت۔ عدالت سخاوت۔ اور زہد وتقوے مین حضرت علی کا عدیل ونظیر تاریخ
عالم مین کمتر نظر آتا ہے۔ علاوہ اِسکے وہ زوج بتول یعنی بضعۃ الرسول حضرت فاطمہ کے شوہر تھے
جو رسول اللہ کی اکلوتی اور پیاری بیٹی تھین اور ابو الحسنین تھے جنکے عاشق زار خود اُنکے نانا
رسول اللہ تھے اور خود رسول اللہ نے اُنکو مجمع اصحاب مین سردار جوانان بہشت فرمایا تھا

ان دونون صاحبزادون مین سے بڑے صاحبزادے حسن ابن علی نے عزلت گزینی
اختیار کی اور اپنی خلافت موروثی کو معاویہ کے ہاتھ بمعاوضہ ایک رقم سالانہ کے فروخت
کرڈالا اور باقی ایام زندگانی کو مدینہ مین عبادت خدا اور نیک کامون مین بسر کیا۔ سنہ ۴۹ع مین
حسن مجتبی کو اُنکی ایک زوجہ نے یزید ابن معاویہ حاکم شام سے رشوت لیکر زہر سے شہید کیا۔
وہ اب اہلبیت رسول کے رئیس صرف اُنکے چھوٹے بھائی امام حسین باقی رہگئے جنمین اپنے
پدر عالی مقدار کی ہمت وشجاعت کوٹ کوٹ کے بھری تھی۔ اپنے بڑے بھائی کی شہادت کے
گیارہ برس کے بعد سنہ ۶۰ع مین حضرت امام حسین اہل عراق کی منت وسماجت سے مجبور ہوکر مدینہ
کوفہ کو روانہ ہوے کہ غاصبین بنی امیہ سے اپنے حق خلافت کا دعوے کرین۔ اور اس سفر پُر
خطر مین اپنے عیال واطفال اور چند اصحاب کو بھی ہمراہ لیے گئے یہانتک کہ زمین کربلا پر پہنچے
جو اس زمانہ مین ایک ریگستان دریاے فرات سے ایک روز کی راہ پر قریب کوفہ کے تھا اور جہان

جو پہونچے تو ایک فوج کثیر کو مقابلہ پر آمادہ پایا۔ اسکے بعد جو واقعات غم انگیز گذرے تاریخ عالم مین کم نظر آتے ہین۔ جو مصائب و شدائد معرکہ کربلا مین اہل بیتؑ پر گذرے زبان زد خلائق ہین صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ اس واقعہ جانگزا نے اسلام کو تہ و بالا کر دیا فقط۔

پہلا باب ہبہ کے احکام

فصل اول

شرع محمدی مین جائداد موروثی اور جائداد مکسوبہ مین کچھ فرق نہین ہے۔ اور دونون قسم کی جائداد مین اُسکے مالک کے حقوق جبتک وہ زندہ ہے مطلق ہین۔ یعنی وہ جو چاہے اسکو کرے مگر جو انتظام وہ اپنی جائداد کا کرے اُسکا جائز و مؤثر ہونا اسپر موقوف ہے کہ وہ انتظام مالک کی زندگی مین جاری اور نافذ ہو جاے۔ مثلاً اگر ہبہ کیا جاے تو جائداد موہوبہ اُسی وقت صریحاً یا ضمناً موہوب لہ کو حوالہ کر دیجاے اور واہب کو چاہیے کہ اپنے تمام حقوق ملکیت سے جو اُس جائداد مین رکھتا ہے دستبردار ہو جاے اور جہانتک ممکن ہو موہوب لہ کا قبضہ اُسپر کرا دے۔ مگر وصیت کا اختیار ثلث مال پر محدود ہے جیسا آئندہ عرض کیا جائیگا۔

مسلمانون کے اختیار وصیت کے محدود ہونے کے باب مین عدالت العالیہ پروی کونسل نے بمقدمہ[1] رانی کھجورالنسا بنام مسمات روشن جہان تحریر فرمایا ہے کہ شرع محمدی کی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ موصی وصیت کے ذریعہ سے اپنے ورثۂ شرعی کو محجوب الارث کرسکے گو اُسکو اختیار ہے کہ ایک خاص جزو اپنی جائداد کا بقدر ایک ثلث کے کسی غیر شخص کو دیدے۔ مگر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مالک جائداد شرع محمدی کی اس تدبیر کو اسطرح باطل کرسکتا ہے کہ اپنی زندگی مین کل جائداد یا اُسکا ایک جز اپنے بیٹون مین سے ایک کو ہبہ کر دے مگر بعید شرائط کی پابندی سے ہا۔

[1] انڈین اپیلز لا رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۷ ۱ سنہ ۱۸۷۶ء

اختیار وصیت کے اسطرح مقید ہو جانے کی مثال بعض قوانین یورپ[1] مین بھی موجود ہے مگر یہ چند شرائط سے مشروط ہے جنکو توجہ تام ملاحظہ کرنا چاہئیے۔

جائداد کا انتقال دو قسم کا ہے۔

(۱) انتقال جائداد حین حیات

(۲) انتقال جائداد بذریعۂ وصیت جسکا نفاذ موصی کے مرنے کے بعد ہوتا ہے۔

اور جو انتقال جائداد اسوقت کیا گیا ہو جب منتقل ایسے مرض مین مبتلا ہو جسکو شرع کی اصطلاح مین مرض الموت کہتے ہین وہ بھی وصیت تصور کیجاتی ہے جسمین آئندہ بحث کیجائیگی۔

انتقالات حین حیات جسکا ذکر کرنا بالفعل منظور ہے دو ہین۔ ہبہ[2] اور وقف۔

(الف) ہبہ کی تعریف یہ ہے کہ کسی خاص جائداد کو (جو بالفعل موجود ہو یا جو نالش یا اور کسی کارروائی سے کسی شخص کو مل سکتی ہو) بلا معاوضہ اور برضا و رغبت منتقل کر دینا۔ اِس تعریف کی توضیح آئندہ کیجائیگی۔

(ب) وقف کی تعریف یہ ہے کہ کسی جائداد کے منافع کو کسی شخص کے فائدہ کے لیے یا کسی مذہبی یا خیراتی کام کے لیے ہمیشہ کے واسطے مقرر کر دینا کسی جائداد کے منافع کو ایک میعاد معین کے لیے بلا معاوضہ دیدینا اور پھر جب چاہنا اُسکو واپس کر لینا۔ اسکو عاریت کہتے ہین۔

علیگڈھ کے عالسب جج نے بمقدمہ فیض محمد خان بنام غلام احمد خان اس بحث کو بڑے شرح و بسط سے لکھا ہے کہ ہبہ اور عاریت مین یا کسی چیز کا عین اور کسی چیز کی منفعت ایک میعاد معین کے لیے دیدینے مین کیا فرق ہے اور اُنکا فیصلہ اپیل مین ہائیکورٹ اور پریوی کونسل دونوں نے بحال رکھا ہے۔ وہ فیصلہ ایسا جامع مانع ہے کہ اُسکے ایک جزو کو اس مقام پر نقل کرنا مناسب ہے

"کسی شخص کو کسی چیز کے عین کا مالک بلا معاوضہ کر دینا ہبہ ہے اور کسی شخص کو صرف منافع بلا معاوضہ دینا عاریت ہے۔ (در المختار کتاب الہبہ) ہبہ مین ضرور ہے کہ واہب

---

[1] انڈین لا رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۴۹۰ سنہ ۱۸۸۱ء [2] ایکٹ انتقال جائداد مین ہبہ کی تعریف ہے لیکن ہبہ کے شدہ ہبہ کسی [illegible]

صحیح العقل اور مالک اور بالغ ہو اور شی موہوب مشاع یعنی غیر منقسم نہو اور واہب کے قبضہ مین ہو
اور ایجاب و قبول کیا جاے - شرائط کے ناجائز ہونے سے ہبہ باطل نہین ہو جاتا بلکہ
برخلاف اسکے وہ شرائط باطل ہین - مثلاً اگر کوئی غلام اس شرط سے ہبہ کیا جاے کہ موہوب لہ
اُسکو آزاد کر دے تو یہ شرط باطل ہے مگر وہ ہبہ صحیح ہے - در المختار کتاب الہبہ) عاریت مین
یہ کچھ ضرور نہین ہے کہ واہب بالغ ہو نہ یہ ضرور ہے کہ جو چیز عاریت دیگئی ہے وہ غیر منقسم ہو
نہ ایجاب کی بعد قبول شرط ہے - (فتاواے عالمگیری) فصول عمادیہ مین لکھا ہے کہ جائداد
مشترک کو عاریت دینا جائز ہے اور اُسکو امانت رکھنا اور بیع کرنا جائز ہے (در المختار کتاب العاریت)
جن الفاظ سے عاریت متحقق ہوتی ہے وہ ایک خاص باب مین فتاواے عالمگیری کے
لکھے ہین - اور اُس باب کو مین اسلیے نقل کرتا ہون کہ معلوم ہو جاے کہ کسی چیز کو عاریت
دینے مین کیا الفاظ کس معنی مین استعمال کیے جاتے ہین - فتاواے عالمگیری کتاب العاریت
مین لکھا ہے کہ "اگر وہ شخص کہے کہ مین نے تجھے اس مکان کے منافع کا مالک مہینہ بھر کے لیے
کر دیا ہے یا مہینہ بھر کا لفظ نہ کہے تو عاریت ہوگی - فتاواے قاضی خان مین بھی یہی لکھا ہے -
اور عاریت دینا ان الفاظ سے بھی جائز ہے "مین تمکو یہ لباس عاریت دیتا ہون تم اسکو ایک دن
پہن سکتے ہو - یا مین تمکو یہ مکان عاریت دیتا ہون تم اسمین سال بھر رہ سکتے ہو - اگر وہ
کہے کہ مین اپنے اس مکان کو تمھارا مسکن ایک مہینہ کے لیے کرتا ہون یا یہ کہے کہ تمھارا
مسکن اپنی عمر بھر کے لیے کرتا ہون تو یہ عاریت ہوگی (ذخیرہ مین یہی لکھا ہے) اور اگر وہ کہے
کہ مین تجھکو یہ گھوڑا دیتا ہون اسپر سوار ہونے کے واسطے تو یہ عاریت ہوگی - (فتاواے قاضیخان) -

---

* کسی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ کو برضا و رغبت اور بلا معاوضہ منتقل کرنا ہے - منتقل کنندہ کو واہب اور منتقل الیہ کو موہوب لہ کہتے ہین - ضرور ہے کہ اُس انتقال کو موہوب لہ یا اُسکی طرف سے کوئی شخص قبول کیے اور واہب کی زندگی مین قبول کرے اور اسوقت جبکہ واہب ہبہ کرنے کی قابلیت رکھتا ہو اگر موہوب لہ ہبہ قبول کرنے کے پیشتر مر جاے تو ہبہ باطل ہو جائیگا"

اور اگر وہ کہے کہ میرا مکان تمھارے رہنے کے لیے حاضر ہے یا تم اسمین رہا کرو تو یہ عاریت ہے (ہدایہ مین یہی لکھا ہے) اور اگر وہ کہے کہ میرا مکان تمکو بطور جائے سکونت کے دیا جاتا یا یہ کہے کہ عاریت بطور ہبہ کے دیا جاتا ہے تو یہ سب صورتین عاریت کی ہین (کافی مین یہی لکھا ہے) اور اگر وہ کہے کہ میرا مکان تیرے لیے ہے اگر تو میرے بعد زندہ رہے اور میرے لیے ہے اگر مین تیرے بعد زندہ رہون یا تیرے لیے وقف ہے تو امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول کے موافق یہ عاریت ہے مگر امام ابو یوسف کے قول کے موافق ہبہ ہے۔ اگر وہ کہے کہ میرا مکان تیرے لیے ہے اگر تو میرے بعد زندہ رہے اور میرے لیے ہے اگر مین تیرے بعد زندہ رہون یا تیرے لیے وقف ہے تو سب کے نزدیک یہ عاریت ہوگی۔ (ینابیع مین یہی لکھا ہے) ہمنے یہ خچر تمکو دیا پس تو اسکو اپنے استعمال مین لا اور اپنے روپیہ سے گھانس خرید کر اسکو کھلا۔ یہ عاریت ہوگی (قنیہ مین یہی لکھا ہے) اگر وہ کہے کہ مین نے تجھکو یہ درخت اسلیے دیا ہے کہ تو اسکا میوہ کھائے تو یہ عاریت ہے الا اینکہ اُسکا مقصود ہبہ ہو۔ ان الفاظ سے عاریت سمجھی جاتی ہے اور ان سب کو دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ لفظ وَهَبْتُ (مین نے تجھکو ہبہ کیا)۔ اِنکلین کمین نہین ہے۔ لفظ هبةٌ سكنىً یا سكنىً هبةٌ جو اوپر کے جملون مین ہے اُس سے کسی چیز کی عین کو ہبہ کرنا مراد نہین ہے بلکہ وہ صرف لفظ "دار ہی لک" کے معنی کو واضح کرتا ہے اور سارے جملہ کا مفاد یہ ہے کہ جو مکان تمکو دیا گیا ہے تمھارے رہنے کے لیے دیا گیا ہے"۔ اب مین اُن الفاظ کو بیان کرتا ہون جو ہبہ مین کہے جاتے ہین۔ وہ تین قسم کے الفاظ ہین۔ اول وہ الفاظ ہین جو ہبہ کے لیے خاص کر وضع ہوے ہین۔ دوم وہ الفاظ ہین جو ہبہ پر مجازاً یا ضمناً دلالت کرتے ہین۔ سوم وہ الفاظ ہین جنسے ہبہ یا عاریت بدرجہ مساوی مفہوم ہوتا ہے۔ عبارت ذیل فتاوائے عالمگیری کتاب الہبہ سے نقل کیجاتی ہے "وہ جن الفاظ سے ہبہ کیا جاتا ہے وہ تین قسم کے ہین۔ اول وہ الفاظ جو خاص کر

ہبہ کے لیے موضوع ہوئے ہیں۔ دوم وہ الفاظ جو ہبہ پر مجازاً یا ضمناً دلالت کرتے ہیں
سوم وہ الفاظ جنسے ہبہ یا عاریت بدرجہ مساوی مفہوم ہوتا ہے۔ قسم اول کے الفاظ
ایسے ہیں جیسے۔ "میں نے ہبہ کی یہ چیز تجھکو" یا "میں نے تجھکو اس چیز کا مالک کر دیا"
یا "یہ چیز تیرے لیے ہے" یا "میں نے یہ چیز تجھکو دے ڈالی یا بخش دی"۔ یہ سب ہبہ کے
الفاظ ہیں۔ قسم دوم کے الفاظ ایسے ہیں جیسے "میں نے تجھکو یہ پوشاک پہنائی" یا جیسے
"میں نے یہ مکان تجھکو تیری حیات تک دے ڈالا" یہ سب ہبہ میں داخل ہے۔ اسی طرح
اگر وہ کہے کہ "یہ مکان تیرا ہے جبتک میں زندہ ہوں" یا "جبتک تو زندہ ہے"
یا "میری زندگی بھر" یا "تیری زندگی بھر" پس جب تو مر جائیگا تو یہ مکان مجھکو ملجائیگا۔
تو ان سب صورتوں میں ہبہ جائز ہوگا مگر شرط باطل ہوگی۔ قسم سوم کے الفاظ ایسے ہیں جیسے
اگر وہ کہے کہ "یہ مکان تیرے لیے ہے اگر میں تیرے بعد زندہ رہوں" یا "تیرے لیے
وقف ہے" اور اسکو حوالہ کر دے تو امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک یہ عاریت ہے
مگر امام ابو یوسف کے نزدیک ہبہ ہے"۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "وہبت"
"میں نے تجھکو ہبہ کیا" خاص کر ہبہ کے لیے موضوع ہوا ہے اور عاریت پر دلالت نہیں
کرتا۔ اور یہی لفظ اُس دستاویز میں لکھا جاتا ہے جسکو ہبہ نامہ کہتے ہیں۔ اسمیں کچھہ
مشکوک الفاظ نہیں لکھے جاتے اور ہبہ کی لفظ کے بعد جو الفاظ لکھے جاتے ہیں
وہ تفسیر پر مشعور ہو کے لکھے جاتے ہیں۔ کتب فقہ میں ایک مثال اسکی لکھی ہے جس سے
صاف معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ متنازع فیہ ہبہ کا تھا عاریت کا نہ تھا۔ یہ مثال ہدایہ اور
درالمختار اور فتاوے عالمگیری ان سب کتابوں میں موجود ہے۔ داری لک ھبۃ تسکنہا
"میرا مکان تیرے لیے بطور ہبہ کے ہے تاکہ تو اسمیں رہا کرے"۔ یہ ایک قاعدہ
عربی نحو کا ہے کہ جملہ فعلیہ کبھی مفسر جملہ اسمیہ کا نہیں ہوتا۔ داری لک ھبۃ جملہ اسمیہ ہے
اور تسکنہا جملہ فعلیہ ہے۔ لہذا تسکنہا اپنے ماقبل کے جملہ کا مفسر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ

برخلاف اسکے واہب بطور مشورہ کے موہوب لہ سے کہتا ہے کہ اسمین رہا کرو۔ موہوب لہ
کو اختیار ہے کہ اسکے مشورہ پر عمل کرے خواہ نہ کرے۔ منجملہ اُن جملون کے جنسے ہبہ جائز و
مشروع ہو سکتا ہے یہ جملہ در المختار مین لکھا ہے۔ داری لک تسکنہ یعنی میرا مکان تیرے
لیے ہے کہ تو اُسمین رہا کرے۔ اسواسطے کہ لفظ تسکنہ مشورہ کا کلمہ ہے تفسیر کا کلمہ نہین ہے
کیونکہ جملۂ فعلیہ جملۂ اسمیہ کا مفسر نہین ہوتا یعنی واہب موہوب لہ کو مشورہ دیتا ہے کہ اس
مکان مین رہکر اسکو اپنی ملکیت کرلے۔ پس موہوب لہ کو اختیار ہے کہ اس مشورہ پر عمل کرے
یا نہ کرے۔ لیکن اگر یہ کہا جاوے کہ داری لک ہبۃ سکنٰی یا سکنٰۃ ہبۃ جیسے وہ الفاظ ہین
جو عاریت مین استعمال کیے جاتے ہین یعنی الفاظ ہبۃ سکنٰۃ مالکیت کی تفسیر کرتے ہین بخلاف داری
لک ہبۃ تسکنہ کے جسمین لفظ تسکنہ اپنے ماقبل کا مفسر نہین ہے۔ ہدایہ مین لکھا ہے کہ اگر
وہ کہے کہ ہبۃ تسکنہ تو یہ ہبہ ہوگا کیونکہ اسکا تسکنہ یعنی تو اسمین رہا کرے کہنا بطور مشورہ کے
ہے اور اس سے صرف واہب کا مقصد ظاہر ہوتا ہے برخلاف ہبۃ سکنٰۃ کے یہ کہ اسکی
تفسیر ہے۔ جس ہبہ نامہ کا ذکر آگے کیا جائیگا اُسمین اِن الفاظ کے بعد کہ ہبہ کرکے قبضہ
دلادیا گے یہ ہدایت لکھی ہے کہ موہوب لہا جو واہب کی سالی تھی دیہات موہوبہ کا انتظام کرے
اور اُنکی آمدنی کو خود صرف کرے اور گورنمنٹ کی مالگذاری ادا کرے۔ یہ سب بطور مشورہ کے ہے
ہبہ کا معاملہ تو سابق کے الفاظ سے طے ہوگیا۔ لفظ ورہبہ کیا ہے سے اصل مطلب واہب کا
معلوم ہوتا ہے اور دیہات کی نسبت یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ہر زبان مین یہ قاعدہ ہے
کہ لفظ کے معنی حقیقی ہمیشہ سمجھے جاتے ہین۔ البتہ جب معنی حقیقی نہ لے سکین تو معنی مجازی
سمجھے جائین۔ اس قاعدہ کی تحقیق صرف عربی کتابون پر موقوف نہین ہے لفظ ہبہ کے
معنی حقیقی اُس ہبہ نامہ مین لے سکتے ہین جسمین یہ لفظ لکھا ہے۔ اور واہب نابالغ نہ تھا
شی موہوب مشاع یعنی غیر منقسم تھی۔ پس کوئی وجہ اسکی نہین ہے کہ لفظ ہبہ سے عاریت
کیون سمجھی جاوے اور جب صاف ہبہ نامہ مین یہ لکھا ہے کہ موضع سہولی اور بکال آباد ہبہ

کیے گئے تو سیاق و سباق عبارت سے یہ کیون سمجھا جاوے کہ موضع سہولی اور کمال آباد کے منافع بطور عاریت کے دیے گئے - بلکہ کل ہبہ نامہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عاریت کا خیال بھی کبھی فیض اللہ خان کے دل مین نہین آیا اور اُسنے ایسے الفاظ لکھے ہین جنسے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ہبہ کے سوا اور کچھ مراد نہین ہے - سارا انداز ہبہ کا ہے اور عاریت کا کہین نام بھی نہین ہے جائداد متنازع فیہ کی مالیت مُعیّن ہوچکی تھی اور محصول اسٹامپ ادا ہوچکا تھا اور باین خیال کہ یہ جائداد مشاع یعنی غیر منقسم نہ سمجھی جائے کہ ہبہ باطل ہوجاوے واہب نے صاف لکھدیا ہے کہ یہ دونون ضلعے و میری ملکیت بلاشرکت غیر ہا ہے - اِسکے بعد لفظ ہبہ لکھکر یہ لکھا ہے کہ مین نے یہ جائداد ہبہ کرکے تصدیق کردے اور یہانتک لکھدیا ہے کہ نہ مجھکو نہ میرے کسی وارث کو اسپر کچھ دعوے ہوسکتا ہے - اور آخر مین یہ لکھدیا ہے کہ لہذا یہ چند کلمہ بطور ہبہ نامہ کے لکھدیے - اور یہ بھی لکھدیا ہے کہ مسمات مذکورہ کا قبضہ بھی اُن دیہات پر کرادیا کہ قبضہ ہبہ مین شرط ہے عاریت مین شرط نہین ہے - اور پھر مسمات مذکورہ سے ایک قبولیت لکھوالی کہ قبول ہبہ مین شرط ہے عاریت مین شرط نہین ہے - اور اس دستاویز کے آخر مین لفظ فقط کے بعد جو الفاظ مدعاعلیے لکھے ہین اُنسے اور زیادہ کیفیت ہبہ کی معلوم ہوتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہبہ بالعوض ہوا تھا - اِسکی کوئی وجہ نہین ہے کہ ان سب الفاظ کے معنی حقیقی کیون نہ لیے جائین اور یہ معاملہ عاریت کیون سمجھا جاوے جسکے باب مین کوئی لفظ سارے ہبہ نامہ مین نہین ہے - یہ معاملہ عاریت نہین متصور ہوسکتا الا اسکے سب الفاظ معنی مجازی پر محمول کیے جائین مگر اسکے لیے کوئی نہایت دلیل قوی درکار ہے اور عدالت کے نزدیک کوئی ایسی دلیل نہین ہے پریوی کونسل نے اپیل مین جو فیصلہ اِس مقدمہ کا لکھا ہے اُسکا نتیجہ مجھکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جب ہبہ کامل و قطعی ہوگیا ہو تو جن الفاظ سے اُسکے مقاصد کو بیان کیا ہے وہ اُسکے اثر کو محدود یا قطع نہین کرسکتے ؎

فصل دوم

ہبہ یا ہبہ مطلق

مسلمانون مین ہبہ کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ سب فرقون کے نزدیک قائم مقامی کا
حق نہونے سے محجوب الارث ہونے کا اصول پیدا ہوا ہے جس سے بڑی دقت ہوتی ہے
مثلاً اگر کوئی شخص تین بیٹے رکھتا ہو اور اُنمین سے ایک بیٹا اپنے باپ کی زندگی مین مرجائے
اور اولاد چھوڑ جائے تو اُس اولاد کے حاجب اُسکے چچا ہونگے۔ اور شرع محمدی مین
اُناث کا حصہ ذکور کے حصہ سے کم ہے علی الخصوص سنیون مین تعصیب کے اصول سے
اکثر بڑی ناانصافی ہوتی ہے اور مالکان جائداد اکثر یہی چاہتے ہین کہ اس ناانصافی کا انسداد
ہماری زندگی مین ہو جائے۔ مثلاً اہل سنت مین تعصیب کے مسئلہ سے بھتیجے نواسون کے
حاجب ہوتے ہین۔ ایسی خرابیون کے انسداد کے لیے ہندوستان کے مسلمانون مین
اور دیگر بلاد اسلام مین بھی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جائداد کو ہبہ کر دیتے ہین۔ جس سے صرف
اُسی ناانصافی کا انسداد نہین ہو جاتا جسکا ذکر کیا گیا بلکہ اکثر ایک وارثکو دوسرے
کی بہ نسبت بہت زیادہ حصہ ملجاتا ہے۔ فتاوے عالمگیری مین خاص کر لکھا ہے کہ مورث کو
شرعًا جائز ہے کہ اپنی زندگی مین ایسا انتظام کر جائے جس سے ایک وارث کو دوسرے سے
زیادہ ملے۔ اور اس کتاب مین یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اگر کوئی شخص بحالت صحت نفس اپنی اولاد کو
ہبہ کرے اور بعض اولاد کو بعض سے زیادہ دینا چاہے تو امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اُسکو
ایسا کرنا شرعًا جائز ہے مگر اُسوقت جبکہ وہ اولاد جنپر جائداد تقسیم کی گئی ہے مذہب مین اور دیانت مین فضیلت
رکھتے ہون لیکن جب مذہب مین سب برابر ہون تو اُنمین فرق و امتیاز اس طرح سے کرنا مکروہ ہے
امام ابو یوسف کے نزدیک غیر مساوی تقسیم شرعًا اُسوقت ہو سکتی ہے جبکہ کسی اولاد کی نقصان
رسانی اور حق تلفی کی نیت نہو اور جسقدر بیٹے کو دیا جائے اُسی قدر بیٹی کو بھی دیا جائے۔ اسی
قول کے موافق فتوے ہے اور یہی قول راجح ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بحالت صحت نفس

اپنی کل جائداد ایک ہی اولاد کو دیدے تو شرعًا مباح ہے مگر گنہگار ہوگا - اور جب کسی شخص کا بیٹا فاسق و فاجر ہو تو اُس سے زیادہ اسکو نہ دے جتنا اُسکے نفقہ کے لیے کافی ہو تا کہ اُسکے فسق و فجور میں اعانت نہو - لکن اگر اسکا بیٹا تحصیل علم میں مشغول ہو اور کوئی کاروبار نہ کرتا ہو تو اسکو اور اولاد سے زیادہ دینا شرعًا جائز ہے[1]

ہندوستان میں ہبہ اس کثرت سے ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں جو احکام شرع میں انکو بخوبی تحقیق کرنا ضرور ہے -

پس واضح ہو کہ ہبہ مطلق یعنی بلا معاوضہ کی تعریف یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو کوئی جائداد یا کسی چیز کا عین برضا و رغبت اسطرح بخش دے کہ موہوب لہ کو مال یا شی موہوب کا مالک بنا دے - ہبہ کا جواز تین شرطوں پر موقوف ہے - (۱) واہب کی نیت یا خواہش کا ظاہر ہونا - (۲) موہوب لہ کا قبول کر لینا صریحًا یا ضمنًا - (۳) موہوب لہ کا مال یا شی موہوب پر قبضہ کر لینا حقیقۃً یا مجازًا -

فقہا سے حنفی نے ہبہ کی یہ تعریف لکھی ہے کہ بخشدینا کسی چیز کے حق ملکیت کا بلا معاوضہ[2] سیدی خلیل (فقیہ مالکی) نے ہبہ کی تعریف یہ لکھی ہے کہ ایک فیاضانہ فعل ہے جس سے مالک کسی چیز کو بلا معاوضہ کسی شخص کو بخشدیتا ہے - مگر ہبہ کی سب سے عمدہ تعریف علماے شیعہ نے لکھی ہے کہ ہبہ ایک عقد شرعی ہے جس سے کسی مال مخصوص کا حق مالکیت فورًا اور بلا معاوضہ اور بلا شرط بہ نیت ثواب مالک دوسرے شخص کی طرف منتقل کر دیتا ہے[3] ہبہ تقریرًا اور تحریرًا دونوں طرح سے ہو سکتا ہے - ایکٹ انتقال جائداد نے شرع محمدی

---

[1] مقدمہ نندا سنگھ بنام میر جعفر شاہ سلکٹ ریورٹ سیادر صفحہ ۵ - ۱۲ منہ [2] اگر معاوضہ لیا جائے تو ہبہ کی حقیقت بدل جائیگی - ۱۲ منہ [3] مفاتیح - ارشاد الاذہان - شرایع الاسلام صفحہ ۱۴۴ - ۱۲ منہ

اس حکم کو بعینہ باقی رکھا ہے - اور پریوی کونسل نے بمقدمہ قمرالنسا بنام حسینی بی بی ہبہ تقریری کو بحال و برقرار رکھا ہے جبکہ ثبوت کافی اُسکا پیش کیا گیا -

ایک اور قسم کا ہبہ مسلمانون مین ہے جو محض ایک کار ثواب ہے اور صدقہ کہلاتا ہے اور اجر آخرت کے نیت سے دیا جاتا ہے - اسکی اصل سورہ بقر کی ایت ۲۱۱ سے ہے جسمین فرمایا ہے کہ "جو مال تم دیتے ہو اُسکو خدا جانتا ہے"

اس قسم کا ہبہ سب مذاہب مین منسوخ نہین ہوسکتا جیسا آئندہ مقام مناسب پر عرض کیا جائیگا -

فقہا کی اصطلاح مین بخشنے والا واہب اور جس شخص کو بخشا جاے موہوب لہ اور جو چیز بخشی گئی ہے وہ موہوب کہلاتی ہے -

وہ صفت جسپر جواز ہبہ موقوف ہے یعنی ہبہ کرنے کے قابلیت شرعیہ ویسی ہی ہے جیسی اور معاہدات کی قابلیت شرعیہ ہے - کلیہ یہ ہے کہ ہر فعل جو باصطلاح شرع تصرفات شرعیہ مین داخل ہے اُسکے فاعل کی مرضی پیشتر ہی سے قیاس کر لیجاتی ہے - کسی حکیم نے کیا خوب کہا ہے کہ اذن ایک فعل عقل کا ہے جسکے ساتھ فکر بھی شریک ہے یعنی آدمی اپنے دل مین نفع و ضرر دونون سوچ لیتا ہے تب کسی بات کا اذن دیتا ہے - ہر فعل مشروع و مباح شرع مین عقد کہلاتا ہے اور ہر عقد کا جواز اسپر موقوف ہے کہ عاقد یہ قوت رکھتا ہو کہ اس فعل کے نتائج مین آزادانہ اور عاقلانہ غور کر سکے - اگر کوئی شخص باطنی یا خارجی یا عارضی نقص کی وجہ سے اپنی مرضی کو بطرز معقول اور موافق عقل سلیم عمل مین نہ لا سکے تو ہر عقد یا فعل جو اُسنے کیا ہو شرعاً باطل و کالعدم ہے -

پس ہر عقد یا معاملہ کا جواز شرائط ذیل پر موقوف ہے -

(۱) بلوغ

---

[1] انڈین لا رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۲۰۶ سلسلہ الہ اباد ۱۲ منہ

(۲) عقل۔

(۳) حریت یعنی آزاد ہونا

(۴) مالک ہونا اُس چیز کا جسکا معاملہ کیا ہے۔

واضح ہو کہ یہ شرائط کچھ ہبہ پر منحصر نہین ہین بلکہ تمام تصرفات شرعیہ سے متعلق ہین نابالغ لڑکے صغیر کہلاتے ہین اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ کافی عقل و شعور نہ ہونے کے وجہ سے اس قابل نہین کہ کوئی معاہدہ یا معاملہ کر سکین۔ شرع شریف کے رو سے پندرھوان[1] سال ختم ہونے پر نابالغی کا عذر رفع ہو جاتا ہے۔ لہذا قبل پاس ہونے ایکٹ ۹ سنہ ۱۸۷۵ع کے جو مسلمان پندرہ برس کا ہو جاتا تھا وہ اپنی جائداد کا انتظام کرنے کی قابلیت رکھتا تھا جبسے ایکٹ ۹ سنہ ۱۸۷۵ع نافذ ہوا ہے قانوناً تین سن بلوغ ہو گئے ہین۔ اس ایکٹ کی دفعہ ۲ مین شرع محمدی کو امور متعلقہ نکاح و طلاق و مہر مین بعینہٖ قائم رکھا ہے۔ اور تمام افعال کی نسبت سن بلوغ اُن اشخاص کا جو زیر نگرانی کورٹ آف وارڈس ہون یا جنکا ولی کسی عدالت نے مقرر کردیا ہو اکیس سال ہے اور سب کا اٹھارہ سال۔ پہلی صورت مین کوئی شخص ہبہ جائز نہین کر سکتا تاوقتیکہ اٹھارہ سال کا نہو چکا ہو۔ اس ایکٹ بلوغ مین یہ خاص صفت ایسی ہے جس سے بڑی بڑی دقتین ایک ہی شخص کی قابلیت مین نسبت مختلف افعال پیدا ہو سکتی ہین۔ مثلاً جب کوئی شخص پورا پندرہ برس کا ہو چکا ہو تو جتنے مہر پر چاہے اپنا نکاح کر سکتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ آیا بیع مقاصات کے ذریعہ سے وہ اُس مہر کو تبدیل کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ علی ہذا القیاس یہ سوال بھی ہو سکتا ہے کہ جب کسی عورت کی عمر پندرہ سال سے زیادہ ہو مگر اس ایکٹ کے بموجب نابالغ ہو تو آیا اُسکو یہ اختیار ہے کہ اپنا مہر شوہر کو معاف کر دے۔

جو عقود یا معاہدات فاتر العقل یا مجنون یا اور اشخاص سے ہون جنکے دماغ مین

[1] بعض علما نے ۱۷ سال کو سن بلوغ قرار دیا ہے مگر قول مشہور پندرہ سال کا ہے۔ ۱۲ منہ

فعل ہو شرعًا باطل ہیں لیکن جو شخص جنون میں مبتلا ہو مگر کبھی کبھی ہوش میں بھی آجاتا ہو تو ہوش کے زمانہ میں
جو فعل وہ کرے گا وہ بہ پابندی بعض شرائط کے شرعًا جائز ہوگا۔

ہدایہ[1] میں لکھا ہی کہ۔ امتناع شرعی کے اسباب تین ہیں۔ یعنے نابالغی اور عبدیت یا غلامی
اور جنون۔ اگرچہ کتب فقہ میں فقط جنون کو امتناع شرعی کا سبب لکھا ہی مگر جو مثالیں لکھی ہیں اونسے ثابت
ہوتا ہی کہ جس قسم کے لوگون کا تحفظ شرعًا کیا گیا ہی اونکا انحصار صرف اون اشخاص پر نہین ہی جو کسی قسم کے
جنون یا مالیخولیا میں مبتلا ہوں بلکہ وہ لوگ بھی مجانین میں داخل ہیں جنکی عقل کسی اتفاقی سبب سے
بصحت خاص میں زائل ہوگئی ہو۔ اسٹوری[1] صاحب نے لارڈ کوک صاحب کا قول اس باب میں
اختیار کیا ہی کہ کتنے قسم کے لوگ قانونًا مجنون یا فاسد العقل سمجھے جاتے ہیں۔ اور اونہین کے قول سے
وہ اصول صحت کے ساتھ دریافت ہوسکتا ہی جس اصول پر شرع محمدی میں مسلوب العقل لوگون کے
افعال ناجائز قرار دیے گئے ہیں۔

لارڈ کوک صاحب نے چار قسم کے لوگ لکھے ہیں جو قانونًا مجنون یا مسلوب العقل سمجھے جاتے
ہیں۔ قسم اول میں فاتر العقل لوگ داخل ہیں یعنے وہ لوگ جو خلقت یا پیدائش سے سفیہ ہیں۔ قسم
دوم میں وہ لوگ داخل ہیں جو پہلے صحیح العقل تھے مگر خدا کے غضب سے اون کی عقل زائل ہوگئی۔ قسم
سوم میں وہ مجانین داخل ہیں جنکے ہوش وحواس بعض اوقات درست ہوجاتے ہیں اور بعض
اوقات پھر مختل الحواس ہوجاتے ہیں۔ قسم چہارم میں وہ لوگ داخل ہیں جو خود اپنے فعل سے دیوانے
ہوجاتے ہیں جیسے بھنگی شرابی۔ اس قسم کے لوگون کی نسبت اگرچہ یہ کہنا صحیح ہی کہ شراب خواری کسی
فعل یا جرم خلاف قانون کے تخفیف کا باعث نہیں ہوتی بلکہ اور تشدد کا سبب ہوتی ہی اور شراب خواری سے
شراب خوار کو کوئی حق یا اختیار نہیں حاصل ہوجاتا اور اگر قانون کا ٹھیک ٹھیک برتاؤ کیا جاوے
تو اور قسم کے فاسد العقل لوگون کے بہ نسبت شراب خوار کمتر درجہ اسکی رکھتا ہی کہ اپنے افعال اور معاہدات سے

---

[1] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۴۰۳ ۱۲ منہ [1] یہ دونوں نامی و گرامی مقنن محققین انگلستان میں سے ہیں اور انکی
مبسوط کتابیں فقہ انگریزی میں موجود ہیں۔ ۱۲ مترجم

بری الذمہ رہے تاہم اوسکی افعال اور معاہدات کا اعتبار عدالتین نہین کرتی ہین درحالیکہ وہ نشہ کی
حالت مین مثل مجنون کے ہو اور فریق ثانی نے مکر و فریب سے کوی فعل یا معاہدہ اوس سے کرالیا ہو
- اسواسطے کہ خود شراب خوار کا قصور جو کچھ ہو سو ہو مگر فریق ثانی اسکا مستحق ہرگز نہین ہو کہ اپنی بدکرداری
اور دغا اور فریب کے نتائج سے بچنے کیلیے عدالت سے استغاثہ کرے - مگر کسی فعل یا معاہدہ کو نشہ
کی حالت مین منسوخ کردینے کیلیے صرف اسی قدر کافی نہین ہو کہ شراب خوار یا اور کوی شخص جو نشہ کے
عالم مین ہو از خود رفتہ ہو گیا ہو - بلکہ نشہ کو چاہیے کہ افراط اور شدت کے درجہ تک پہونچ گیا ہو
اور اوس شخص کی عقل اور شعور بالکل زائل ہو گیا ہو - اس واسطے کہ ایسی حالت مین یہ کہنا درست نہین ہو
کہ اوس شخص نے عمداً یا دیدہ و دانستہ کسی بات کا اذن دیا تھا اور بغیر ایسی اذن کے کوی فعل یا معاہدہ
قانون قدرت کے رو سے واجب العمل نہین ہو سکتا اور نہ ہونا چاہیے - اگر نشہ افراط یا شدت کے
درجہ تک پہونچا ہو تو عدالتین مطلق دست اندازی نہ کرین گے مگر اوسوقت جبکہ کسی تدبیر یا کسی حکمت سے
اس شخص کو نشہ پلا دیا ہو یا اوسکو نشہ کی حالت مین دیکھکر کوی غیر واجبی معاملہ یا فائدہ حاصل کر لیا ہو -
- کیونکہ عموماً عدالتین مصالح عامہ کی نظر سے اوس شخص کو مدد دینا گوارا نہین کرتین جسنے کوی اقرار نامہ
یا اور دستاویز دوسرے شخص سے نشہ کے عالم مین لکھوالی ہو اور نہ عدالتین یہ چاہتی ہین کہ مجبور کو یا
جو شخص نشہ مین ہو اوسکو مدد دین صرف اس عذر سے کہ اُسوقت اُسکو نشہ تھا تاکہ وہ اقرار نامہ یا اور
دستاویز کے اثر سے محفوظ رہے - عدالتین فریقین کو اونکے حال پر چھوڑ دینگی کہ قانوناً جو چارہ جوی
ہو سکتی ہو کرین مگر اُس صورت مین جبکہ کوی فریب آمیز تدبیر یا کوی مکر کیا ہو -

مئیخواری کے باب مین محققین قانون طبعی اور قانون عام نے یہ عام اصول اختیار کیا ہے
کہ جو معاہدہ کسی شخص نے نشہ کی حالت مین کیا ہو گو اُسنے عمداً نشہ پی لیا ہو یا کھا لیا ہو وہ بالکل باطل اور
کالعدم ہو اسواسطے کہ ایسا شخص ہرگز اس قابل نہ تھا کہ سمجھ بوجھکر اذن دیتا - یہی حال اون لوگون کا
بھی ہو جو مجنون یا فاسد العقل ہون - یہی قاعدہ ہنکنسیس اور پوفنڈارف نے لکھا ہو - اور اسی کو پوتھیر
نے جو ایک بہت بڑا مقنن تھا یہ لکھکر قبول کر لیا ہو کہ یہ ایک بدیہی بات ہو جسکے ثابت کرنیکی کچھ ضرورت نہین

اس بحث مین بیلنشمس نے بہت معقول تقریر لکھی ہی۔ وہ کہتا ہی کہ جس فریق نے معاہدہ کیا ہی وہ حال سے خالی نہین یا اسکو بہت نشہ تھا یا کم تھا۔ اگر کم نشہ تھا اور اُسکی عقل ایسی زائل نہین ہو گئی تھی کہ وہ یہی نہ جانتا تھا کہ کس سے اور کتنے پر مینے معاہدہ کیا ہی تو اوس معاہدہ کا پابند ہونا اوسکو چاہیئے۔ لیکن اگر شدت کا نشہ تھا جو ضرور محسوس ہو سکتا تھا تو جس فریق نے اوسکے ساتھ معاہدہ کیا ہی وہ فریب کر رہا ہوگا یا اقل مراتب یہ الزام تو اُسکو خود لینے تئین دینا چاہیئے کہ ایسے شخص کے ساتھ جو ایسی حالت مین تھا کیون معاہدہ کیا۔ اسکاٹ لینڈ کے قانون مین اس فرق کا اعتبار کیا گیا ہی اور اوس قانون کے بموجب جو اشخاص نشہ مین سرشار اور از خود رفتہ ہون اور جنکی عقل نشہ سے بالکل زائل ہو گئی ہو وہ کسی معاہدہ کے پابند نہین ہو سکتے۔

اسی کے قریب قریب وہ شخص بھی ہی جو فاسد العقل یا مجنون تو نہین ہی مگر ایسا سفیہ ہی کہ اپنے تئین کسی فریب سے نہین بچا سکتا یا کسی کی الحاح و اصرار یا دباب ناجائز سے نہین بچ سکتا اس سے غرض نہین ہے کہ کس سبب سے وہ ایسا سفیہ ہو گیا ہی یا کسی مرض کیوجہ سے یا عموماً ضعف دماغ کیوجہ سے یا اوسکی خلقت ابتدا ہی سے ایسی ہی یا بڑھاپے کیوجہ سے یا اون اتفاقی صدمات سے جو خوف یا ہراس یا شدید مصائب سے ہوتے ہین اوسکی عقل ضعیف ہو گئی ہی۔

کسی عالم نے کیا خوب فرمایا ہی کہ گو کوئی ثبوت قطعی اسکا نہ ہو کہ کوئی شخص مجنون یا مختل الحواس ہی تاہم اگر وہ سفیہ یا ضعیف العقل ہو اور اسوقت گھبرایا ہوا اور پریشان ہو یا اگر کوئی دستاویز اُسنے اُس حالت مین تحریر کی ہو جبکہ اُسکا حال سقیم ہو یا وہ مرض سکتہ مین مبتلا ہو تو یہ نہین کہہ سکتے کہ اُسکے ہوش حواس ایسے درست تھے کہ جو کام اُسنے کیا سمجھ بوجھ کے کیا بلکہ اُسکا فریب مین آجانا آسان ہی۔ محض سفاہت[1] امتناع شرعی کی دلیل نہین ہو سکتی۔ لہذا جو شخص مجنون یا فاسد العقل نہ ہو مگر سفیہ ہو

---

[1] اسٹوری صاحب کی کتاب علم فقہ مین جلد اصفحہ ۲۳۰ – ۲۳۴ ۱۲ منہ سنہ ۵۲ بمقدمہ قمر النسا بی بی بنام حسینی بی بی پروی کونسل کو ایسی ہی ایک مقدمہ کا فیصلہ کرنا پڑا اور جملہ حالات مقدمہ پر نظر کرکے ججان پروی کونسل نے یہ تجویز کیا کہ فرانسیس اس معاملہ کو سمجھنے کی قابلیت رکھتا تھا گو بادی النظر مین ایک سفیہ آدمی تھا لہذا اسوجہ سے ہبہ باطل نہین ہو سکتا انڈین لا رپورٹ جلد ۳ صفحہ

اسکے افعال جائز ہین الا اسکے کہ اون مین علامات فریب کے موجود ہون - اس قسم کے مقدمات کی تحقیق کرنے مین مسٹر جسٹس اسٹوری صاحب کے کلام کو یاد رکھنا ضرور ہی جس سے وہ اصول معلوم ہوتے ہین جن اصول پر انگلستان کی عدالتین اُن اشخاص کے افعال سے گریز کرتے ہین جو اس درجہ ضعیف ہون کہ اپنے تئین فریب یا اصرار و الحاح یا داب ناجائز سے نہ بچا سکین -

دوسری شرط معاہدہ کے جواز کی حریت ہی - غلام سے بھی وہی امتناع شرعی متعلق ہی جو نابالغ یا مجنون کے افعال سے متعلق ہی - مگر غلام اور مجنون کے افعال مین یہ فرق ہی کہ غلام کے افعال کی تصدیق اسکا آقا کرسکتا ہی جس طرح نابالغ کے فعل کی تصدیق اسکا ولی کرسکتا ہی مگر مجنون کے افعال بالکل کالعدم ہین - غلام کے افعال کے امتناع کی علت ہدایہ مین بڑی شرح و بسط سے لکھی ہے -

مگر چونکہ بردہ فروشی برٹش انڈیا مین نہین ہوتی ہی جیسے اسکی نرمی سے کبھی کبھی ہوتی یہان نہین ہوتی جیسے شرع محمدی کی رو سے جائز ہی لہذا اس بحث سے کوی اور فائدہ نہین سوا اسکے کہ یہ ایک رسم زمانہ سلف کا ہی جس سے وہ اطوار و عادات معلوم ہوتے ہین جو اس زمانہ کی تہذیب و شائستگی کی چکاچوند روشنی مین اور پیغمبر اسلام کے احکام کی صحیح تعبیر کرنے سے جلد جلد دفع ہوتے جاتے ہین

عبدیت سے جو عدم قابلیت پیدا ہوتی ہی وہ عبد یعنے غلام کی حیثیت سے متعلق کردی گئی ہی اور غلام کا حال شرعًا نابالغ کا سا ہے اور وہ فاعل مختار نہین سمجھا جاتا - مگر چند مدت تک آزادی کا زائل ہوجانا یا جیسے کہ قید یا حبس یا حوالات یا داب ناجائز کی وجہ سے بے اختیار یا بے قابو ہوجانا چونکہ انسان کی حیثیت پر نہین موثر ہوتا لہذا امتناع شرعی کا سبب نہین ہوسکتا - پس جو معاہدہ کسی شخص نے داب ناجائز یا جبر سے کیا ہو وہ جائز ہوگا اگر اُسکی تصدیق وہ شخص جسنے وہ معاہدہ کیا ہی داب ناجائز یا جبر دفع ہوجانے کے بعد کردے - فقہ کی کتابون مین ایک خاص باب جبر و اکراہ کی بحث مین لکھا ہی اور گو بعض اصول اکراہ بادی النظر مین اون قواعد سے جنکو انگلستان کی عدالتین داب ناجائز کہتی ہین بہ نسبت مین بیان کرتی ہین کمتر نظر آتے ہین مگر ہوتا دونون قسم کے اصول یا ہم

مشابہ ہین — یہ مسئلہ کہ جب کسی آزاد اور صحیح العقل اور بالغ آدمی نے کوی معاہدہ کیا ہو تو جبر و اکراہ
کی علت لگا کے اوس سے بچنے کے لیے یہ ثابت کرنا ضرور ہے کہ مجھپر دھمکی جو دیتا تھا وسکو عمل مین بھی
لا سکتا تھا اور وہ دھمکی فی نفسہ ایسی تھی جبکا اثر ایک عاقل آدمی کے کردار پر ہوتا — یہ مسئلہ صرف
ایک دوسری صورت اس قاعدہ معدلت کے ہے کہ وہ داب ناجائز ایسا تھا کہ یہ گمان ہو سکتا ہے کہ
وہ اس شخص کو جسپر اسکا اثر پہونچا تھا اپنی اختیار یا مرضی کو عمل مین لانے سے باز رکھ سکتا تھا — الغرض
— جب کوئی ایسی بات ہوی ہو کہ جس شخص نے معاہدہ کیا ہے اوسکو اپنے فعل پر اختیار نہ باقی رہا ہو
اور اوسپر جعل یا فریب کرنے کا موقع کسی کو ملا ہو تو اوس معاہدہ کو منسوخ کر دینا قاضی کو جائز ہے —
چنانچہ ہدایہ مین لکھا ہے کہ — اکراہ جب صادق آئے گا کہ جب اکراہ کرنے والا جو دھمکی دیتا ہے اسکو
عمل مین لانے پر قادر ہو خواہ وہ سلطان ہو خواہ اور کوی شخص ہو جیسے مثلاً چور — اسکی وجہ یہ ہے کہ
اکراہ ایک فعل ہے جو ایک شخص دوسرے پر کرتا ہے اور جسکے سبب سے دوسرے کی مرضی بالاے طاق
رکھی رہتی ہے حالانکہ اوس فعل کو کرنیکی قدرت اوسکو تب بھی باقی رہتی ہے اور یہ کیفیت نہین ہوتی تاوقتیکہ
دوسرا شخص جو مجبور کیا گیا ہے ڈرایا نہ جاے اور اُسکو یہ خوف نہ ہو کہ اگر وہ فعل نہ کرونگا جسکا خواہان
یہ شخص (اکراہ کرنے والا) ہے تو جس خرابی کی یہ دھمکی دیتا ہے اوس مین مبتلا ہو جاؤنگا اور یہ خوف
اور اندیشہ نہین ہو سکتا تاوقتیکہ اکراہ کرنے والا یہ قدرت نہ رکھتا ہو کہ جس بات کی دھمکی دیتا ہے اوسکو
کر دکھاے — اور اگر یہ قدرت رکھتا ہے تو عام ہے اس بات سے کہ سلطان ہو یا اور کوی شخص ہو —
قول جو امام اعظم ابو حنیفہ کا لکھا ہے کہ اکراہ کوی نہین کر سکتا مگر سلطان اسکی نسبت علما نے فرمایا ہے کہ
کہ یہ اختلاف رائے صرف انقلاب زمانہ سے پیدا ہوا ہے اور کوی وجہ نہین ہے کیونکہ امام اعظم کے وقت مین
سلطان کے سواے کوی شخص کوی اختیار نہ رکھتا تھا مگر بعد اُسکے دنیا کے رسوم مین بہت
تغیرات ہوے — واضح ہو کہ جسطرح اکراہ کے ثبوت کے لیے یہ ضرور ہے کہ اکراہ کنندہ جس بات کی دھمکی
دیتا تھا اوسکے فعل پر قادر تھا اوسی طرح یہ بھی ضرور ہے کہ جو شخص مجبور کیا گیا ہے اُسکو یہ خوف ہو کہ جس
بات کی دھمکی دی ہے وہ یقیناً وقوع مین آئے گی اور یہ خوف صرف ایک خیال خام نہ ہو بلکہ شخص مجبور کو

ظن غالب ہو کہ جابر جس بات کی دھمکی دیتا ہی اسکو کر گذرے گا اور جو فعل اُس سے کرانا منظور ہی
اُسکو زبردستی کرلے گا۔

جس شخص سے کوی معاہدہ جبرًا کرالیا گیا ہو اُسکو اختیار ہی کہ بعد ازآن اُسکو فسخ کرے۔
اگر کوی شخص دوسرے پر اسطرح جبر کرے کہ اُسکو زخمی کرے یا مارے یا قید کرے تاکہ وہ اپنی جائداد
کو فروخت کرڈالے یا کوی جائداد خریدلے یا یہ قبول کرلے کہ مین فلان شخص کا ہزار درہم کا قرضدار ہون یا
اپنے مکان کو کرایہ پر دے اور وہ دوسرا شخص یعنے جابر اوس شخص کی جائداد کو بیچڈالے یا کوی مال
تجارت خریدلے یا اور کوی بات کرے تو مجبور کو اختیار ہی کہ بعد ازآن اوسی فعل کا پابند رہے جو اُس سے
جبرًا کرالیا گیا ہی یا اُسکو فسخ کرے اور جو شی بیچڈالی گئی ہی اُسکو واپس کرلے یا جو چیز خریدی گئی ہی اُسکو واپس
کردے۔ اسواسطے کہ ایسے معاہدات کے جواز کی ایک شرط ضروری یہ ہی کہ طرفین کی رضامندی سے
ہوے ہون مگر اس صورت مین تو ایسا نہین ہوا ہی کیونکہ جب زدوکوب کرکے جبر کیا جاتا ہی تو ناراضگی پیدا
ہوتی ہی اور وہ معاہدہ باطل ہوجاتا ہی الا اینکہ جبر کا ذریعہ خفیف یا کم حقیقت ہو۔

مگر یہ قاعدہ اُس صورت مین نہ جاری ہوگا جبکہ فقط ایک ضرب لگا کر یا صرف ایک روز قید
کرکے جبر کیا جاوے اسواسطے کہ اتنی مار یا قید سے اکثر خوف نہین پیدا ہوتا۔ پس ایک ضرب یا ایک
دن کی قید سے اکراہ نہین ثابت ہوتا مگر یہ کہ شخص مجبور کوی معزز آدمی ہو جسکے لیے اتنی سی قید یا مار
بھی باعث توہین وآبروریزی ہو کیونکہ ایسی شخص کے باب مین اکراہ اسیقدر جبر سے ثابت ہوجاتا ہی
اور اتنی ہی بات سے اُسکا اختیار یا قابو جاتا رہتا ہی۔

پس جیسا قانون انگلستان مین ہی ویسا ہی شرع محمدی مین بھی اکراہ واقعی قید یا نظربندی
یا دھمکی پر منحصر نہین ہی بلکہ اکراہ ان سب صورتون پر حاوی ہی جن مین کوی شخص بے قابو ہوگیا ہو اور
خوف و دہشت کے مارے یا اپنی جان یا دوسرے کی جان کے اندیشہ سے بے بس ہوگیا ہو
کوی اشد ضرورت لاحق ہونا یا کسی مصیبت عظیم مین مبتلا ہوجانا یا معاہدین یعنے باہم معاہدہ کرنیوالے
اشخاص مین جو تعلق ہوتا ہی اُسکی حقیقت کو بالکل غلط سمجھنا یا تدلیس وتلبیس کرنا یا ایک شخص کا

دبانا دوسرے شخص پر ہونا ۔ یہ سب باتین اکراہ مین داخل ہین ۔ شرع محمدی مین کچھ خاص احکام اُن اشخاص کے فرائض کے باب مین نہین ہین جو واہب کے معتمد علیہ یا رازدار ہون ۔ ایسے مقدمات سے عموماً وہ قواعد متعلق ہین جو انگریزی عدالتون مین جاری ہین ۔ ہائی کورٹ بمبئی نے اس باب مین اسقدر مبالغہ کیا ہی کہ ایک ہبہ کو ناجائز قرار دیا ہی جو اُن اصول کے خلاف تھا جو درباب تعلقات اُن اشخاص کے جو واہب کے معتمد علیہ یا رازدار ہون انگلستان کے عدالتون مین جاری ہین حالانکہ اُس مقدمہ مین واہب ایک مسلمان عورت تھی جو ہبہ کرنیکی قابلیت شرعیہ رکھتی تھی ۔ اور اُسی اصول کو پروی کونسل نے بھی بمقدمہ ٹھاکردین بنام سید علی حسین خان بحال اور نافذ کیا۔[1]

جواز ہبہ کی ایک شرط یہ بھی ہی کہ شئی موہوب واہب کی ملکیت ہو ورنہ ہبہ باطل ہوگا ۔

جب کوئی شخص نہایت مقروض ہو یا دوالیہ ہو تو وہ ہبہ کرسکتا ہی ۔ مالکیہ اور حنفیہ نے اس مسئلہ کے دو جواب لکھے ہین گو نتیجہ پر دونون کا اتفاق ہی ۔ مالکیہ کا یہ قول ہی کہ جس شخص کی یہ حالت ہو اوسکو اپنی جائداد کی نسبت کوئی ایسی کارروائی کرنا شرعاً ممنوع ہی ۔ حنفیہ کے نزدیک عدم قابلیت شرعیہ تو نہین ہی مگر قاضی کو اختیار ہی کہ قرض خواہون کے کہنے سے اُس فعل کو ناجائز کردے ۔ یہ موافق اصول قانون انگلستان کے ہی کہ اُس قانون کی رو سے جو ہبہ برضا و رغبت بلا واسطے محروم کرنے قرضخواہون کے کیا گیا ہو وہ باطل اور کالعدم ہی ۔ صرف قرضدار ہونا کوئی دلیل عدم جواز ہبہ کی نہین ہوسکتی ۔ بلکہ ایسی ہبہ کا قرضخواہون کے مقابل مین خواہ وہ اُسوقت موجود ہون خواہ بعد ازآن پیدا ہوے ہون ناجائز ہوجانا اسپر موقوف ہی کہ وہی جائداد ہبہ کی ہو جو اُس قرضہ کی علت مین لیجائی۔[2]

---

[1] انڈین لا رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۱۹۲ سلسلہ بمبئی ۱۲ منہ

[2] اسٹوری صاحب کی کتاب علم فقہ مین جلد ۱ صفحہ ۳۶۷ ۔ ۱۲ منہ ۔ مقدمہ رام تنو مکرجی بنام بی بی زینت بیگم جلد ۱ لا رپورٹ صفحہ ۱۵۲ ۔ مقدمہ چندر رام وہب داس بنام امیر علی وغیرہ جلد ۲۵ لا رپورٹ صفحہ ۱۱۹ ۔ بمقدمہ اسکا رف بنام سولبی عرضی نالش مین لکھا تھا کہ ہبہ نامہ لکھنے کے وقت واہب دوالیہ تھا اور بہت پریشان حال اور چند اشخاص کا قرضدار تھا ۔ اس مقدمہ مین تجویز کیا گیا کہ درصورت نہ موجود ہونے دوالیہ پن کے ثبوت کے صرف یہ امر کہ اسوقت واہب کچھ قرضدار تھا

جو اصول ایسی صورتون سے متعلق ہو سکتے ہین وہ مقدمات مندرجۂ حاشیہ مین شرح و بسط
کے ساتھ بیان کیے گئے ہین - عورت کا طلاق ہو جانا اس سے مانع نہین ہی کہ بقاے نکاح کے زمانہ
مین کوئی انتقال وہ اسطرح عمل مین لاے کہ گویا اُسکا نکاح ہوا ہی نہین یا وہ مجرد ہی -

ابطال ہبہ کے لیے کافی نہین ہی - بی بی زینت کے مقدمہ کا فیصلہ ایسا اہم ہی کہ اُسکو تفصیلاً نقل کرنا ضرور ہی وہ فیصلہ یہ ہی - چیل صاحب
جسٹس - جو عبارت میکناٹن صاحب کی شرح محمدی صفحہ ۲۱۱ سے بجانب خریدار مدعی نقل کی گئی ہی وہ اس مقدمہ سے
متعلق نہین ہی بلکہ وہ اُس صورت سے متعلق ہی جسمین روپیہ کے معاوضہ مین روپیہ ہبہ کیا گیا ہو اور اس صورت مین قبضہ شرط ہی - لیکن اس مقدمہ مین
مدعی کا خریدار بہ بابتی جمعیت خان دعوی کرتا ہی اور اس حیثیت سے اس ہبہ نامہ کی عبارت اُسکے دعوے کی مانع ہی اور یہ ہبہ نامہ
رجسٹری تاریخ کا لکھا ہوا ہی - یہ ایسا مقدمہ نہین ہی جسمین اُس بات پر کہ ہبہ نامہ کے جواز مین قرضخواہون کے فائدہ کے لیے
بحث کی ہو - اسمین شک نہین ہی کہ یہ ہبہ نامہ اصلی و واقعی ہی اور تحریر کے وقت کے باب مین چونکہ کوئی شہادت خلاف نہین
پیش کی گئی ہی لہذا ہمکو یہ گمان کرنا چاہیے کہ ہبہ نامہ اُسی تاریخ تحریر ہوا تھا جو تاریخ اسمین لکھی ہی - اس دستاویز کا ثبوت معمولی طور سے ہوا ہی
یعنے ایک گواہ کو جسکے دستخط اسپر ہین بلا کر پوچھ لیا ہی اس سے زیادہ ثبوت لینے کی کچھ ضرورت نہ تھی - لکن جس قاضی کے پیشتر کے قاضی کے
سامنے اسکی رجسٹری ہوئی تھی وہ اس قیاس کی تصدیق مین بیان کرتا ہی کہ میری راے مین یہ ہی اور میرے محکمہ کا عملدرآمد بھی یہی ہی کہ اُس
قاضی کی مہر جسنے اس ہبہ کی رجسٹری کی ہی تقریباً اسی وقت ثبت ہوئی تھی جسوقت اُسکا ثبت ہونا بیان کیا گیا ہی - مگر یہ بیان
قاضی کا صرف ہمارے قیاس کا موئید و مسند ہی - پس جب یہ دستاویز رجسٹری تاریخ کی ہوئی تو اُسکے بعد کا خریدار
اوسپر فریب کا شبہ ضرور کرے گا مگر وہ سب وجوہ جنسے ایک دستاویز عموماً مشکوک ہو جاتے ہی اس مقدمہ
مین نہین ہین - ہمارے روبرو کوئی شہادت اس امر کی نہین پیش ہوئی ہی کہ ہبہ کرنیکے وقت واہب قرضدار
تھا نہ کوئی شہادت اس بات کی ہی کہ اُسنے یہ ہبہ نامہ اپنے تئین دوالیہ سمجھکر اور قرضخواہون کو فریب دینے کے لیے
تحریر کیا تھا - علاوہ برین یہ ہبہ مطلق کا مقدمہ نہین ہی بلکہ ہبہ بالعوض کا مقدمہ ہی - مدعی کا خریدار اُس سے
بہتر حیثیت نہین رکھتا ہی جو واہب کی حیثیت ہی - رجسٹری کی دستاویز یعنے مہرنامہ اور اسمین قبضہ دینے کا ذکر ہونا بجاے
ایک شہادت خلاف واہب کے ہی اُسی طرح واہب کے خریدار کے بھی خلاف ہی جسکا مرتبہ اُسکے بعد ہی - پس
شہادت سے صاف ثابت ہی کہ قبضہ دیا گیا تھا - مگر ہبہ مطلق کی صورتون مین بھی کسی کتاب سے یہ نہین ثابت ہوتا
کہ قبضہ علی الاتصال رہنا چاہیے بلکہ یہ خیال کرنا محض حماقت ہی کہ شوہر کبھی اُس مکان مین نہ رہنے جو اُسنے اپنے
زوجہ کو دی ڈالا ہی - اگرچہ ہبہ کا جواز قبضہ پر موقوف ہی مگر بیع کا جواز قبضہ پر نہین موقوف ہی بلکہ معاہدہ پر موقوف
ہی اور جو عبارت میکناٹن صاحب کی شرح محمدی ۲۲۱ سے نقل کی گئی ہی اُس سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ ابن ناسکی

جو ہبہ اُس شخص نے کیا ہو جو مرض الموت مین مبتلا ہو اُسکے باب مین مختلف فرقون کے مختلف اقوال ہین —
مالکیہ کے نزدیک ایسا ہبہ ناجائز ہی مگر جامع الشتات مین جو ایک نہایت معتبر کتاب شیعون کی ہی یہ لکھا ہی کہ
جو ہبہ اُس شخص نے کیا ہو جو ایسے مرض مہلک مین مبتلا ہو جو باعث اسکے ہلاکت کا ہوا ہو وہ شرعًا جائز
ہی بشرطیکہ واہب کے مرنیکے پیشتر قبضہ دلا دیا گیا ہو اور بشرطیکہ واہب کے ہوش و حواس بخوبی درست ہون
— یہ اصول استفتاے ذیل مین بیان کیا گیا ہی —

سوال

چہ میفرمایند در این مسئلہ کہ ہرگاہ شخصی در مرض الموت ہبہ و بخشش نماید کل مال خود را بہ شخصی در حال صحت
عقل آیا این ہبہ معتبر و صحیح است از اصل مال یا از ثلث و آیا در لزوم این ہبہ شرط است تصرف متہب
در مال یا نہ بر فرض اشتراط آیا تصرف در بعض در حکم تصرف در کل است یا نہ و ہرگاہ واہب موہوب را
بہ تصرف متہب بدہد و متہب او را در دولاچہ خانہ واہب در گذاشتہ و کلید آن دولاچہ را خود
بردارد آیا این را تصرف معتبر در شرع میگویند یا نہ و ہرگاہ پورتے را متہب ہبہ نمودہ باشد در رفع بلوا
از تصرف متہب نمودہ باین معنی کہ متہب در آن پورتے آمد و شد کند و واہب مانع او نشود و لکن از جہت
ناخوشی و بیماری در آن پورتے خوابیدہ باشد آیا این را تصرف متہب میگیرند یا لا فقط

جواب

بلی ہبہ صحیح است و اظہر این است کہ در تمام مال صحیح است و منحصر در ثلث نیست — و تصرف و قبض در لزوم
ہبہ شرط است و بدون آن لزومی ندارد و اگر قبل از اقباض بمیرد ہبہ باطل میشود مگر آنکہ متہب صغیر
باشد و واہب ولی باشد کہ قبض ولی قبض صغیر است — و ضرورت بہ قبض علیحدہ نیست و قبض بعض ...

سنتے اُن قواعد کے موافق لینے چاہئین جو بیع سے متعلق ہین اس ہبہ کے بموجب زوجہ کا حق قائم رہ سکتا ہی کہ
سعادعنہ نہ دینے کی وجہ سے دیگر موہوب لہم کا حق نہین قائم رہے گا — چونکہ مدعا علیہ نے کل مکان کے دعوی
جواب دہی کی ہی مگر صرف اسکے ایک ... پر اپنا حق ثابت کیا ہی لہذا ڈگری مدعی کے خریدار کو ملنی ضرور ہی مگر ... مکان ...
رہنا چاہیے جو زوجہ کو اس ہبہ نامہ مین ہبہ نہین کر دیا گیا ہی تاہم ... صاحب (بارسٹر) کو ہم ... اس ... کی تحریک ...
کہ مدعی کے خریدار کو کل مکان ملنے کا حکم دیا جاے اگر غور کرینگے ... معلوم ہو کہ شرع محمدی ... اصول ... ایسی ... کے مستحق ...

لزوم کل کافی نیست و در منقولات همان اخذ باید بخصوص باین نحو که در جائے مضبوط کند کافیست هرچند در خانہ واهب باشد همچنین حد اقباض بورث تخلیہ بود و رفع مانع از تصرفات کافیست هرگاه بقصد اقباض بود و موهوب له خود او در آنجا مانع از تخلیه مفید است و ظاهر انیست که هرگاه بگوید خانه از تو و تصرف کن و بیاد و بر وکلن من هم چند روزے در انجا هستم چون بیمارم یا اینکه در عرف و عادت مضائقه از بودن در آن مکان نمی شده و می گفته اند که به تصرف او داده کافیست و شاید این از باب اقباض صندوق باشد باوجود آنکه در متاع واهب در آن باشد فقط

مگر شرایع الاسلام مین یہ اصول آخری طور سے لکھا ہے۔ یعنے اوس مین یہ لکھا ہے کہ جب کسی شخص نے مرض مہلک کی حالت مین ہبہ کیا ہو لیکن بعد اوسکے تندرست ہو جاوے تو وہ ہبہ جائز ہے۔ لیکن اگر وہ اوس بیماری سے مرجاوے اور اوسکے ورثا اوس ہبہ سے راضی نہون تو حدیث صحیح سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہبہ صرف بقدر ثلث مال کے جائز ہے۔ ان مختلف اقوال مین توافق کرنا بہت دشوار ہے الا اینکہ یہ سمجھا جاوے کہ جامع الشتات مین جو مسئلہ لکھا ہے وہ ورثہ کی نارضامندی سے متعلق نہین ہے گو بادی النظر مین اوسکی عبارت سے ایسا نہین معلوم ہوتا۔ شرایع الاسلام کے موافق شیعہ کا اصول اس مسئلہ مین حنفیہ کے اصول سے بالکل موافق ہے۔ جب اون مقدمات کے فیصلون کو خیال جاتا ہے جن مین شیعہ اور سنی لوگ کے باب مین یہ تجویز کیا گیا ہے کہ جو ہبہ مرض الموت کی حالت مین ہوا ہو تا وقتیکہ ورثہ راضی نہون صرف واهب کے مال کے ایک ثلث مین نافذ ہو سکتا ہے تو یہ گمان ہوتا ہے کہ ہندوستان کی عدالتون کو سمجھا کر وہ اصول قبول کر لینا جو جامع الشتات مین لکھا ہے دقت سے خالی نہین ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق و تشریح بخوبی کیجاوے تب اسکا فیصلہ عمدہ طور سے ہو سکتا ہے۔

پس شرایع الاسلام کے موافق یہ ہے کہ اگر واهب ہبہ کرنیکے بعد اور قبضہ دینے کے قبل مرجاوے تو وہ ہبہ اوسکی میراث مین شامل ہو جاویگا ۔

یہ دونون قول آسان ہین اور بآسانی ثابت ہو سکتے ہین حنفیہ کے مذہب مین وہ ہبہ جو حالت

شرایع الاسلام صفحہ ۱۲۴۳ ۔

ہوا ہو جبکہ واہب مرض الموت مین مبتلا ہو ثلث مال مین نافذ ہو سکتا ہے- اور لفظ مرض الموت کی توضیح فتاوٰی عالمگیری مین اس طرح کی ہے-

جب کوئی بیمار عورت اپنا مہر شوہر کو بخشدے تو یہ ہبہ صحیح ہے اگر وہ اوس بیماری سے اچھی ہوجائے اور اگر وہ اوس مرض سے مر بھی جاے تو بھی اگر وہ مرض الموت نہ تھا تو بھی ہبہ بلا رضامندی ورثہ بھی جائز ہوگا -اور مرض الموت کی تعریف یہ لکھی ہے اور اسی پر فتوےٰ بھی ہے کہ جب ایسی بیماری ہو کہ اوس سے ہلاک ہوجانیکا ظن غالب ہو تو وہ مرض الموت ہے خواہ مریض صاحب فراش ہوا ہو خواہ نہ ہوا ہو- ابولیث کا قول ہے کہ جب آدمی استادہ ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو یہی مرض الموت ہے- قول مختار یہی ہے- ایک بیمار عورت اپنے شوہر کو مہر بحل کرکے مر گئی تو امام زفر نے فرمایا کہ اگر ہبہ کے وقت وہ عند الضرورت کھڑی ہو سکتی تھی اور بغیر کسی سہارے کے اوٹھ سکتی تھی تو وہ صحیح سمجھی جاے گی اور وہ ہبہ جائز تصور ہوگا- بہت معتبر تعریف مرض الموت کی یہ ہے کہ وہ بیماری جس مین ظن غالب ہو کہ مریض ہلاک ہوجائے گا عام اس بات سے کہ مریض کاروبار ضروری کے لیے گھر سے باہر نکل سکے یا نہ نکل سکے مثلاً اگر وہ فقیہ ہے تو مسجد مین جا سکے یا نہ جا سکے اور اگر تاجر ہے تو اپنی دوکان مین جا سکے یا نہ جا سکے اور اگر عورت ہے تو گھر کے اندر کام کاج کر سکے یا نہ کر سکے- مشلول اور مفلوج اور مدقوق اور وہ شخص جسکا ایک ہاتھ خشک ہوگیا ہو یا فالج گرا ہو جب وہ گویا امراض مزمن ہو چکے ہون اور موت کا خوف نہو تو یہ سب لوگ اپنی کل جائداد کو ہبہ کر سکتے ہین- لیکن جب کسی عورت کو درد زہ ہو تو اوس حالت مین جو افعال اوس سے صادر ہون وہ صرف اوسکے ثلث مال مین نافذ ہونگے مگر جب وہ خلاصی پاے تو اوسکے افعال کل جائداد مین نافذ ہونگے- اور اگر درد زہ کے عالم مین مہر شوہر کو بخشدے اور نفاس کی حالت مر جاے یہ ہبہ نا جائز ہوگا-

مگر رد المختار[1] مین یہ قاعدہ اس طرح لکھا ہے کہ مرض الموت کا زمانہ ایک سال ہے اور ہبہ اور وقف اور عتق و شرعیہ جو اس زمانے مین ہوے ہون بمنزلہ وصایا کے ہین اور ثلث مال مین نافذ ہونگے-

---

[1] اسی کتاب مین دوسرے مقام پر یہ عبارت لکھی ہے- ویطل ہبۃ مقعد ومفلوج واشل ومسلول بہ علۃ السل و ہو قرحۃ فی الریۃ من کل مالہ ان طالت مدتہ سنۃ ولم یخف موتہ منہ وان یخف موتہ فمن ثلثہ لانہا امراض مزمنۃ

بشرطیکہ واہب کی حیات میں قبضہ ہوگیا ہو - اگر موہوب لہ کا قبضہ کرانے کے پیشتر واہب مرجاسے تو وہ وصیت باطل ہوگی کیونکہ مریض کا ہبہ بمنزلہ وصیت ہی جیسا کہ قاضی خان اور اور علمار نے اس مسئلہ کو تفصیلاً بیان کیا ہے - (فتاواسے عالمگیری)

لاقالة قيل مرض الموت ان لا يخرج لحوائج نفسه وعليه اعتمد في التجريد بزازية - والمختار انه ما كان الغالب منه الموت وان لم يكن صاحب فراش قهستاني عن هبة الذخيرة - (قوله هبة مقعد الخ) المقعد بالضم او الفتح من لا يقدر على القيام والمفلوج من ذهب نصفه وبطل عن الحس والحركة والاشل من شلت يده نهاية - (قوله به علة السل) هو اولى مما في النهاية عن المغرب ان المسلول من سلت خصيتاه لما قال الاتقاني انه لا يناسب هنا لانه بعد تطاول الزمان لا يسمى مريضا اصلا - (قوله ان طالت مدته سنة) هذا على ما قاله اصحابنا وبعضهم قالوا ان عد في العرف تطاولا فتطاول والا فلا قهستاني (قوله ولم يخف موته منه) هذه الجملة وقعت موضحة للجملة الشرطية حموي عن المفتاح - ثم المراد من الخوف الغالب منه لا نفس الخوف كفاية وفسر القهستاني عدم الخوف بان لا يزداد ما به وقتا فوقتا لانه اذا تقادم العهد صار طبعا من طباعه كالعمى والعرج وهذا لان المانع من التصرف مرض الموت وهو ما يكون سببا للموت غالبا وانما يكون كذلك اذا كان بحيث يزداد حالا فحالا الى ان يكون آخره الموت واما اذا استحكم وصار بحيث لا يزداد ولا يخاف منه الموت لا يكون سببا للموت كالعمى ونحوه اذ لا يخاف منه ولهذا لا يشتغل بالتداوي (قوله والا طال وخيف موته) عبارة القهستاني والا يكن واحد منهما بان لم تطل مدته بان مات قبل سنة او خيف موته بان يزداد ما به يوما فيوما - ومفهومه انه اذا لم تطل ولم يخف موته فهو من الثلث ويخالفه عبارة الزيلعي ونصها اي ان لم يتطاول يعتبر تصرفه من الثلث اذا كان صاحب فراش ومات منه في ايامه لانه في ابتداء لا يخاف منه الموت ولهذا يتداوى فيكون مرض الموت وان صار صاحب فراش بعد التطاول فهو كمرض حادث حتى تعتبر تصرفاته من الثلث وهو الموافق لكلام الشارح وبقي اذا ما طال وخيف موته ومقتضى عبارة القهستاني انه من الثلث ايضا وهو المفهوم من تقييد المصنف ما يكون من كل المال بقوله ولم يخف موته (قوله لانها امراض مزمنة) اي طويلة الزمان وهو تعليل لقوله من كل ماله فكان ينبغي ذكره قبل قوله والا الخ قال في المنح وفي الفصول العمادية واما المقعد والمفلوج قال في الكتاب ان لم يكن قديما فهو بمنزلة المريض اذا كان قديما فهو بمنزلة الصحيح لان هذه علة مزمنة وليست بقاتلة (قوله وعليه اعتمد في التجريد) وفي المعراج وسئل صاحب المنظومة عن حد مرض الموت

علے ہذا القیاس وہ بیع جو مرض الموت مین ہوئی ہو ثلث مال مین نافذ ہوتی ہے۔ مریض کا ہبہ دو حیثیتین رکھتا ہے۔ ایک حیثیت سے وصیت کا حکم رکھتا ہے اور دوسری حیثیت سے یعنے باعتبار اقباض یا قبضہ دینے کے ہبہ کا حکم رکھتا ہے۔ وصیت مین حق ملکیت بعد موت حاصل ہوتا ہے۔ مگر ہبہ مین مال موہوب فوراً متہب کا ملک ہو جاتا ہے۔

پھر فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ جب بیمار آدمی ہبہ کرتا ہے تو وہ ہبہ ثلث مال سے زیادہ مین نہین نافذ ہو سکتا ہے اور ثلث مال سے زائد جو کچھ موہوب لہ کو چاہیئے اُسکو واپس کرے۔ اور یہی قاعدہ بیع مین بایع پر بھی صادق آتا ہے

یہ تجویز ہوا ہے کہ ہبہ نامہ جو اُسوقت تحریر ہوا ہو جبکہ واہب قریب بمرگ تھا موثر نہین ہو سکتا مگر بطور وصیت نامہ کے اور اگر کسی وارث کے نام تحریر کیا گیا ہو تو بدون اجازت دیگر ورثہ کے موثر نہ ہوگا۔[۵]

حنفیہ کے مذہب مین مرض الموت کا لفظ نہ صرف اون امراض سے متعلق ہے جو فی الواقع موت کا باعث ہوتے ہین بلکہ اون امراض سے بھی متعلق ہے جنسے موت کا ظن غالب ہو اور مریض کے دل مین جس سے موت کا خوف پیدا ہو۔

لکن ہائی کورٹ الہ آباد نے یہ تجویز کیا ہے کہ جب مرض مزمن ہو مگر فوراً مرجانیکا خوف نہ ہو تو ایسا مریض اپنی تمام جایداد کو ہبہ کر سکتا ہے۔[۶] اور مرض مزمن وہ ہے جو سال بھر سے لاحق ہو مگر فوراً مرجانیکا اندیشہ نہو

پھر مقدمہ لبتی بی بی بنام جن بی بی ہای کورٹ الہ آباد نے تجویز کیا کہ جو ہبہ کسی مسلمان نے[۷]

فقال کثرت فیہ اقوال المشایخ واعتمادنا علی ذالک علی قول الفضلی وھو ان لا یقدر ان یذھب فی حوائج نفسہ خارج الدار والمرأۃ لحاجتھا داخل الدار لصعود السطح ونحوہ وھذا الذی جری علیہ فی باب طلاق المریض وصححہ الزیلعی اقول الظاھر انہ مقید بغیر الامراض المزمنۃ التی طالت ولم یخف منہا الموت کالفالج ونحوہ وان صیرتہ ذا فراش ومنعتہ عن الذھاب فی حوائجہ فلا یخالف ما جری علیہ اصحاب المتون والشروح ھنا تامل (قولہ والمختار الخ) کذا الخ صاحب الھدایۃ فی کتاب التجنیس — [۵] رد المحتار صفحہ ۶۲۳ ۱۲ منہ — [۶] سدرلینڈ صاحب کی ریپورٹ صفحہ ۱۲۱ — منہ [۷] یہ تجویز اوس [illegible]

بیماری کی حالت مین کیا ہو وہ شرع محمدی کی روسے ناجائز نہین ہو بشرطیکہ ہبہ کرنیکے وقت اوسکی بیماری
مزمن ہو چکی ہو یعنے سال بھر کی ہو چکی ہو اور اوسکے ہوش و حواس بالکل درست ہون اور اوسکے فوراً مرجانیکا
اندیشہ نہ ہو۔ اس فیصلہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہو کہ جب واہب کسی مرض مین برس روز سے زیادہ مبتلا ہو اور اوسکے
ہوش و حواس درست ہون اور اوسکے فوراً مرجانیکا اندیشہ نہ ہو تو ہبہ جائز ہوگا گو وہ ہبہ کرنے کے تھوڑے
ہی عرصہ کے بعد مرجاے مگر یہ نہین کہہ سکتے کہ آیا اوسی بیماری سے مرجاے یا اور کسی سبب سے
ہلاک ہو جاے۔

مقدمہ غلام مصطفےٰ بنام حرمت اوسی عدالت نے تجویز کیا ہو کہ جو احکام شرع محمدی اوس
ہبہ سے متعلق ہین جو کسی شخص نے مرض مہلک کی حالت مین کیا ہو وہ اوس ہبہ سے متعلق نہین ہین
جو بعوض دین مہر کیا گیا ہو اور جو فی الحقیقت ایک قسم کی بیع ہو۔

پس اس سے یہ لازم آتا ہو کہ جو شخص ایسے مرض مین مبتلا ہو وہ اپنی کل جائداد کو شرعاً ہبہ نہین
کرسکتا تاوقتیکہ ایک سال اوسوقت سے نہ گذر چکا ہو جب اوسکو پہلے پہل وہ مرض لاحق ہوا تھا

جب ہبہ اوس شخص نے کیا ہو جو ایسی بیماری مین مبتلا ہو تو وہ ہبہ ثلث مال مین نافذ ہوگا
اگر واہب نے موہوب لہٗ کا قبضہ کرا دیا ہو۔ شرائع الاسلام سے معلوم ہوتا ہو کہ شیعون کے مذہب مین
بھی یہی ہو۔ مگر جامع الشتات مین اس اصول کو اور ہی طور سے بیان کیا ہو جیسا سابق مین لکھا گیا

اب رہا یہ مسئلہ کہ آیا وکیل اپنے موکل کی طرف سے شرعاً ہبہ کرسکتا ہو سو وکیل و موکل دونون
کے اختیار ہبہ کی ایک ہی حد ہو۔ عموماً شوہر اپنی زوجہ کا وکیل نہین ہو

فصل سوم

موہوب لہٗ

ہر شخص کے نام ہبہ ہو سکتا ہو خواہ مرد ہو خواہ عورت خواہ صغیر ہو خواہ کبیر اور خواہ کسی
مذہب و ملت کا ہو بشرطیکہ موہوب لہ ہبہ کے وقت موجود ہو۔ پس اوس لڑکے کے نام ہبہ کرنا جو
ابھی پیدا نہ ہوا ہو یا موجود نہ ہو حقیقتہً یا مجازاً جائز نہین ہو۔ مگر جو لڑکا رحم مادر مین ہو اوسکے

نام ہبہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ ہبہ سے چھ مہینے کے اندر پیدا ہو جاوے کیونکہ اس صورت میں یہ قیاس کیا جائے گا کہ وہ لڑکا نفس الامر میں موجود تھا گو رحم مادر میں سہی۔[۶] اگر زید کو کوئی جائداد تا حیات ہبہ کیجاوے اور بعد اوسکے ایسے شخص کو جو موجود نہ ہو تو حنفیہ کے مذہب میں زید کا ہبہ بطور ہبہ مطلق کے نافذ ہوگا مگر مذہب شیعہ میں زید تا حیات اوس جائداد پر قابض رہے گا اور اوسکی وفات کے بعد وہ جائداد واہب[۷] یا اوسکے ورثہ پر عود کرے گی۔

مگر جو ہبہ[۸] زید اور اوسکی اولاد کو عموماً اور نسلاً بعد نسل کیا گیا ہو یا جو ہبہ ایسے الفاظ سے کیا گیا ہو جس سے خواہ مخواہ یہی معلوم ہوتا ہو کہ یہ جائداد مستقل اور بلا عذر ہبہ کی گئی ہو وہ ہبہ مطلق کے طور پر نافذ ہوگا۔

موہوب یعنی جو جائداد ہبہ کیجائے

کوئی چیز[۹] جس پر اختیار یا حق ملکیت عمل میں آسکے یا کوئی چیز جو فی الحال یا آیندہ قبضہ میں ہوسکے یا کوئی چیز جو لفظ مال کے معنی میں آسکے ہبہ ہوسکتی ہے۔ اشیائے منقولہ[۱۰] (یعنی وہ چیزیں جنکا قبضہ بذریعہ کارروائی کے مل سکتی ہوں) اور حقوق غیر مادی بھی اسیطرح ہبہ ہوسکتے ہیں جس طرح مال مجسم ہبہ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ کفایہ میں لکھا ہے کہ بسبب قرضہ کا مال بلحاظ امید اوسکی ادائی کے کیا جاتا ہے تو وہ مال مجسم ہے کیونکہ اوسپر زکات واجب ہے اور لائق تملیک ہے۔ مگر بلحاظ حالت موجودہ کے قرضدار کی ایک صفت ہے اور لائق اسقاط ہے۔ لہذا قرضہ قرضدار کو ہبہ کرنا جو بمنزلہ اسقاط کے ہے عقلاً اور شرعاً دونوں طرح سے جائز ہے مگر قرضہ اور کسی شخص کو ہبہ کر دینا جو بمنزلہ تملیک یا انتقال جائداد کے ہے صرف شرعاً جائز ہے

---

[۶] مسمات لبتی بی بی بنام مسمات جبن بی بی۔ لا رپورٹ ہائی کورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۶ صفحہ ۱۵۹ ۱۲ سنہ [۷] بیلی صاحب کی شرح حنفی صفحہ ۵۱۷ ۱۲ سنہ [۸] اگر واہب کہے کہ یہ مکان تیری زندگی تک دیا ہے اور تیرے جانشین کو تو یہ صرف ہبہ عمری ہوگا یعنے صرف موہوب لہ کی زندگی تک نافذ رہیگا۔ شرایع الاسلام صفحہ ۴۱۴ اور کوئی حسب شرایع الاسلام صفحہ ۳۵۹ ۱۲ سنہ [۹] کفایہ جو ہدایہ کے ساتھ چھپا ہے مطبوعہ کلکتہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۶ ۱۲ سنہ [۱۰] انڈین لا رپورٹ

لہذا جو استدلال بمقدمہ[۱] ملک عبد الغفور بنام سمات لکھ کی گئی ہے وہ محض بے اصل ہے۔ بلکہ برخلاف اوسکے کفایہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک حقوق غیر مجسم اور اشیاے معلّق کو ہبہ کرنا جائز ہے۔ اور یہ قاعدہ عرفاً تسلیم کر لیا گیا ہے اور اسی پر عملدرآمد بھی ہے اور عرف اور رواج وہ چیز ہے جسکو فقہاے اسلام نے فیصل خصومات علی وجہ الاستحسان کرنے مین بہت قوت بخشی ہے تاکہ احکام شرع ہمیشہ تمدنی ترقی کے موافق رہین اسوجہ سے ایسے پرامسری نوٹون کو ہبہ کرنا شرعاً جائز ہے[۲] جنکا صرف سود وصول کرنیکا حق موہوب لہ کو حاصل ہو اور حقوق مالکانہ بھی ہبہ کرنا جائز ہے جس سے موہوب لہ کو کسی تعلقہ کی آمدنی مین گورنمنٹ سے حصہ پانیکا حق حاصل ہوجاتا ہے۔ اور مثل اسکے اور اشیار کو بھی ہبہ کرنا شرعاً جائز ہے۔ اسی طرح سے بادشاہان اسلام کے عہد دولت مین معافیات شاہی کو بھی اکثر معافیدار منتقل کردیا کرتے تھے۔

ہبہ کرنا اُس جائداد کا جو اسامیون کے قبضہ مین ہو جائز ہے کیونکہ ایسے ہبہ کے معنے صرف یہ ہین کہ ٹھیکہ داران یا اسامیان قابض سے لگان وصول کرنیکا حق بخشدیا۔ مگر جب جائداد اوس شخص کے پاس اجارہ پر ہو تو اوسکا ہبہ اس طور سے نہین ہوسکتا کہ موہوب لہ کو حق قبضہ داری واقعی حاصل ہوجاے یا وہ

[۱] ایکٹ انتقال جائداد کے بموجب التوی نالش حقوق لائق انتقال بھی ہین مگر دفعہ ۱۳۵ کی رو سے قبضہ دار جب منتقل الیہ کو وہ قیمت جو اوسنے ادا کی ہے مع مصارف اتفاقی اور مع سود دیدے تو بری الذمہ کردیا جائیگا یہ حکم ہبہ سے متعلق نہین ہے مگر آیا ہبہ بالعوض سے متعلق ہے یا نہین اس سوال کا جواب دقت سے خالی نہین ہے۔ ہبہ بالعوض حسب فی الواقع ہبہ مطلق نہو اپنے اوصاف شرعی کے اعتبار سے بمنزلہ بیع کے ہے تاہم اکثر عبارات سے ہبہ مطلق کے قواعد اوسمین جاری ہوسکتے ہین پس سوال یہ ہے کہ آیا دفعہ ۱۳۵ اوس ہبہ بالعوض سے متعلق ہوسکتی ہے جسمین کچھ معاوضہ کا دینا ثابت کردیا جاے مگر دفعہ ۱۲۹ مین جو لکھا ہے وہ بھی ذہن مین رہے۔

[۲] میکناٹن صاحب نے شرع محمدی مین وصیت ناموں کی بحث مین لکھا ہے کہ لفظ تملیک ایک عمیم المعنے لفظ ہے اور ہبہ سے متعلق ہوسکتا ہے خواہ وہ ہبہ مشروط ہو خواہ غیر مشروط اور بیع اور وصیت سے بھی متعلق ہوسکتا ہے۔ مگر لفظ ہبہ کے یہ معنی ہین کہ جائداد کا کسی کے نام فوراً اور بلا معاوضہ منتقل کردینا۔ پس تملیک اور ہبہ مین یہ فرق ہے کہ تملیک عام ہے اور ہبہ خاص ہے۔

اشباہ النظائر مین یہ عبارت لکھی ہے کہ جسمیں اوسے تملیک متحقق ہوتی ہے وہ مبادلہ مال کا ہے۔ پس مہر یعنے وہ معاوضہ جو شوہر زوجہ کو طلاق کے بابت دیتا ہے اور میراث اور ہبہ اور زکات اور وصیت اور وقت اور اشیار اور جبایات مباح کو بطور مال غنیمت لے آنا اور مقتول کے ورثہ کو اسکا خون بہا دینا یہ سب اقسام تملیک مین ہین سنہ۔ ۵۲ جمیع الانہار ۱۱ سنہ

جائداد موہوبہ کا خاص قبضہ حاصل کرسکے کیونکہ یہ امر اوس معاہدہ کے خلاف ہوگا جو واہب اور مستاجر یا ٹھیکہ دار میں ہو چکا ہے - یہی معنی فتاوے عالمگیری کے اس فقرہ کے ہیں کہ اگر جائداد موہوبہ کسی غاصب یا مرتہن یا مستاجر کے قبضہ میں ہو تو ہبہ ناجائز ہے کیونکہ قبضہ نہیں مل سکتا -

حنفیہ کے مذہب میں کفالت بے قبضہ کے نہیں ہو سکتی -

لہذا جب جائداد مرتہن یا متکفل کے قبضہ میں ہو تو راہن یا کفیل کا صرف حق مرافق بذریعہ ہبہ کے موہوب لہ کو مل سکتا ہے حق مقابضت نہیں مل سکتا جو اوس جائداد کے رہن یا کفالت ہونیکی وجہ سے مرتہن یا متکفل پر منتقل ہو گیا ہو - پس جب جائداد غیر منقولہ مستاجر یا اسامی کے قبضہ میں ہو تو واہب صرف لگان وصول کرنیکا حق ہبہ کرسکتا ہے - ہائی کورٹ بمبئی نے معتمد محی الدین بنام منوچہر شاہ یہ فیصلہ کردیا ہے کہ جب اراضی مرتہن کے قبضہ میں ہو تو شرع محمدی کے رو سے اوسکا ہبہ نہیں ہوسکتا - مگر یہ رائے ہائی کورٹ بمبئی کی مذہب حنفی کی غلط فہمی پر مبنی ہے کیونکہ اوس مذہب میں کفالت کے لیے قبضہ شرط ہے - البتہ مذہب مالکی میں کفالت کے لیے قبضہ شرط

فتاوے عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۱۲۵ و ۲۱ - لفظ مستاجر لفظ اجارہ سے مشتق ہے اور شرع کی اصطلاح میں اجارہ کا حصر صرف ٹھیکہ اراضی یا دیگر جائداد پر نہیں ہے بلکہ یہ لفظ اکثر اقسام معاہدہ پر حاوی ہے سوائے رہن اور ودایت - ... اس مقام پر ہدایہ میں یہ عبارت لکھی ہے - ما اذا کان في يده او في يده وديعة لان يده كيده بخلاف ما اذا كان مرهونا او مغصوبا او مبيعا بيعا فاسدا لانه في يد غيره او في ملك غيره والصدقة في هذا مثل الهبة -

کفایہ میں اس عبارت کی شرح یہ لکھی ہے بخلاف اذا کان مرهونا او مغصوبا الی اخره یعنی اذا کان مال الابن مغصوبا او كذا وكذا لم تتم الهبة بالعقد لانه في يد غيره في الرهن والغصب او في ملك غيره في البيع الفاسد فان قيل ينبغي ان لا يتم الهبة اذا كان في يده وديعة لاشتراط الكمال في القبض وكون هذا القبض حكما وهو نقص من القبض حقيقة قلنا القبض حكما كاف لاتمام الهبة -

مجمع الانہار شرح ملتقی الابحار میں (ماتن کا نام ابراہیم الحلبی اور شارح کا نام عبد الرحمن معروف بہ شیخ زادہ ہے)

لفظ مرتہن اور مستاجر اوس معنی سے کہیں نہیں لکھا ہے جس معنی سے فتاوے عالمگیری میں لکھا ہے - پس ظاہر ہے کہ قیود صرف اول

نہین ہی - مگر اس مسئلہ مین حنفیہ کا جو قول ہی اوس سے یہ نہین معلوم ہوتا کہ راہن فک رہن کا
حق کسی کو ہبہ نہین کر سکتا ہی[۱]

بلکہ برخلاف اسکے مسلک حنفی کے بموجب قرضدار اپنے قرضہ کو دوسرے پر منتقل کر سکتا ہی چونکہ وہ جائداد
اوس قرضہ کی ہی لہذا منتقل الیہ کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہی کہ قرضہ ادا کرکے اوسکا فک رہن کرلے - مگر جب
جائداد مرتہن کے قبضہ مین ہو جیسا اس ملک مین دستور ہی اور جب صرف اوس جائداد پر کچھ قرضہ کا بار ہو اور
وہ قرضہ اوسکی ضمانت پر دیا گیا ہو تو راہن اوسکو منتقل کرنیکا بخوبی مستحق ہی - بمقدمہ شہزادی حضرت بیگم
بنام حسین علیخان پیکاک صاحب چیف جسٹس اور جیکسن صاحب جسٹس اور مکفرسن صاحب جسٹس نے یہ تجویز
فرمایا ہی کہ کسی وقف یا عطیہ کے وقوع کے وقت رہن کے موجود ہونے سے وہ وقف یا عطیہ شرع محمدی
کی رو سے باطل و ناجائز نہین ہو جاتا - قبضہ دینا وقف اور ہبہ دونون مین بدرجہ مساوی شرط ہی
لہذا جو اصول عالم جج نے اس فیصلہ مین بیان کیا ہی وہ ان دونون سے متعلق ہو سکتا ہی -

مگر جو جائداد کسی غاصب کے قبضہ مین ہو غالبا اوسکے ہبہ کی اور ہی صورت ہی کیونکہ
اوسمین واہب کے ہبہ کرنیکا حق ناقص ہوتا ہی یعنے صرف اتنا حق ہوتا ہی کہ اوس جائداد کو دلا پانے کی
نالش کرے - پس غالبا ایسے حق کو ہبہ کرنا جائز نہ ہوگا - مگر یہ تجویز ہوا ہی کہ بیع اوس جائداد کی جو
غاصب کے قبضہ مین ہو جائز ہی - ایسی جائداد کو ہبہ کرنا شرعا جائز ہو خواہ ناجائز ہو مگر اوسکو ہبہ
بالعوض کرنا جائز ہوگا[۲] کیونکہ ہبہ بالعوض تمام اوصاف شرعی کے اعتبار سے بمنزلہ بیع ہی

اب رہا جواز ہبہ اراضی مقبوضہ اسامیان کا سو اس بحث کا تصفیہ مقدمہ
ملک عبد الغفور بنام مسمات ملکہ ایسا ہو چکا ہی کہ اب کچھ جائے قیل و قال باقی نہین ہی - اس مقدمہ کے
فیصلہ مین چیف جسٹس صاحب نے ابطال ہبہ پر جو دلائل پیش ہوے تھے اونکے باب مین فرمایا ہی کہ
پس اس عدالت مین جو بحث اس ہبہ نامہ پر پیش ہی وہ یہ ہی کہ جب جائداد موہوبہ کا خیال کیا جائے

[۱] ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۱۲۶۹ - [۲] انڈین لا رپورٹ جلد ۱۲ صفحہ ۹۱ سلسلہ الہ آباد ۱۲ - [۳] مقدمہ
محی الدین بنام منوچہر شاہ - انڈین لا رپورٹ جلد ۶ صفحہ ۲۵ - سلسلہ بمبئی ۱۲ -

اور یہ دیکھا جاوے کہ ہبہ نامہ تحریر ہونے کے وقت اس جائداد کا بٹوارہ ہوا تھا تو آیا یہ معاملہ شرعاً
بمقابلہ مدعیان جائز ہی یا نہین - اس مسئلہ پر اس عدالت مین بحث ہوئی ہی اور ہم فریقین کے عالم
بارسٹرون کے بڑے ممنون و مشکور ہین کہ اونہون نے اتنی مشقت کرکے سب کتابون کی سند اس مسئلہ
مین بیان کی - مگر جب اس مقدمہ مین خوب بحث ہو چکی تو ہمکو اطمینان ہوگیا کہ یہ ہبہ جائز ہی اور عدالت
ماتحت کا فیصلہ درست اور قرین انصاف ہی - اس مقدمہ مین جائداد موہوبہ چند زمینداریان و زمینداریون
کے حصے مین جو اسامیون کو حسب دستور دے گئے تھے اور بہت سی اراضی لکھراج بھی اسامیون کو
دی گئی تھی اور چند حقوق مالکانہ اور کچھ مکانات واقع پٹنہ و دیگر مقامات بشمول چند سڑکون اور
جھونپڑون اور باغات وغیرہ کے - یہ سب اشیا اس ہبہ مین داخل ہین اس امر کی نسبت لائق اطمینان
شہادت نہین ہی کہ جب ہبہ ہوا تھا اوسوقت یہ مکانات اور باغات وغیرہ کسکے قبضہ مین یا استعمال مین تھے

مدعی کیطرف سے جو استدلال ہوئی ہی اوسکا محصل و مفاد تین امر ہین

اول یہ کہ از روے شرع محمدی ہبہ اوس اراضی کا نہین ہوسکتا جو واہب کے قبضہ
مین ہو ۔ مال غیر محسوس ہبہ ہوسکتا ہی جیسے لگان اور حقوق مالکانہ وغیرہ -

دوم یہ کہ ایک غیر منقسم حصہ مکان یا زمینداری کا موہوب ہونیکی صلاحیت نہین رکھتا

سوم یہ کہ دو شخصون کو ہبہ کرنا بے اسکے کہ مال موہوب پیشتر تقسیم اور جدا کردیا
گیا ہو شرعاً ناجائز ہی

مخفی نرہے کہ اس مقدمہ مین شرع محمدی پر اس عدالت کو بہت توجہ دلائی گئی ہی اور
نہایت قدیم کتب فقہ اسلام کا حوالہ دیا گیا ہی مگر صدہا برس گذر گئے جب یہ شرع محمدی بغداد وغیرہ
جاری ہوئی تھی اور دیگر بلاد اسلام مین بھی شایع ہوئی تھی اور اوس زمانہ کے قوانین اور طریقہ تمدن
اون قوانین اور اوس طرز معاشرت سے بالکل مختلف تھا جو بالفعل ہندوستان مین جاری ہین
اور اگرچہ مسلمانون کے مقدمات مین حتی الامکان احکام شرع جاری کرنیکی کوشش ہم لوگ کرتے ہین
مگر اکثر اون احکام کی حقیقت دریافت کرنا دشوار رہتا ہی کہ وہ کیا ہین علی الخصوص امام اعظم ابو حنیفہ

اور اون کے دونون شاگردون مین جو اختلافات ہین اونمین توافق کرنا اوس سے بھی زیادہ مشکل معلوم ہوتا ہے اور انھین تینون صاحبون کا مذہب ہندوستان مین جاری ہے۔

ہم حتی الامکان اون اصول کو تحقیق کرنیکی کوشش کرتے ہین جن اصول پر شرع محمدی مبنی ہے اور قواعد عدل و انصاف اور ایمان اور نیز قوانین انگریزی اور اوس تمدنی حالت اور اون حالات کا کماحقہ لحاظ کر کے جو بالفعل ہندوستان مین پائے جاتے ہین اون اصول کو جاری کرینگے

اتنی تمہید لکھکر ہم اپنی رائے بیان کرتے ہین کہ ہمارے نزدیک امر اول مین اگرچہ دیر تک بحث ہوئی ہے مگر اوسکا تصفیہ بنہایت آسانی سے ہو سکتا ہے بلکہ ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ اوسکا تصفیہ ہو چکا ہے ہنگام مباحثہ چند کتابون کا حوالہ دیا گیا ہے خصوصاً در المختار کتاب الہبہ صفحہ ۶۳۵ کا جسمین لکھا ہے کہ کوئی ہبہ جائز نہین ہو سکتا تاوقتیکہ موہوب ہبہ کے وقت واہب کے قبضہ مین نہ ہو۔ یعنی جب اراضی کسی غاصب یا ظالم کے قبضہ مین ہو یا کسی مستاجر یا راہن کے پاس ہو تو ہبہ نہین ہو سکتی اسواسطے کہ ان صورتون مین واہب کا قبضہ اون اشیا پر نہین ہے جنکو وہ ہبہ کرنا چاہتا ہے

مگر ہمارے نزدیک یہ قاعدہ جو بیشک کتب معتبرہ مین لکھا ہے جہانتک یہ اراضی سے متعلق ہے اون صورتون مین صادق آتا ہے جن مین واہب کہے کہ حق متعلق بصفت نفس اراضی کا مین ہبہ کرتا ہون نہ صرف اوسکا حق غیر مقبوض البتہ شخص واقعی کو منتقل نہین کر سکتا مگر وہ شخص جو اوس وقت قابض ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کتابون مین اوس قانون کا ذکر ہو جو ہمنے سنا ہے کہ اگلے زمانہ مین بغداد اور در باب اراضی مستاجری جاری تھا ہمنے سنا ہے کہ جس چیز کو اس زمانہ مین ٹھیکہ مستاجری کہتے ہین وہ بغداد کے قانون کے موافق نفس اراضی یا اوسکے منافع کا ٹھیکہ تھا اور مالک اراضی جو ایسا ٹھیکہ دیتا تھا وہ شرعاً اپنے حق کو اسطرح منتقل نہ کر سکتا تھا کہ منتقل الیہ کو مستاجر سے لگان وصول کرنیکا حق حاصل ہو جاے (فتاوائے عالمگیری کتاب الہبہ صفحہ ۵۲۱ ملاحظہ ہو)

البتہ یہ امر مشکوک ہے کہ آیا یہی معنی اون اقوال کے ہین جنکا حوالہ دیا ہے۔ مگر یہ بات یقینی ہے کہ اگر ایسے قانون کی پابندی اس ملک مین کیجاے تو کسی زمینداری یا اور قسم کی حقیت اراضی کا

ہبہ کے ذریعہ سے منتقل کرنا محال ہو جاوے کیونکہ اس ملک مین اراضی ہمیشہ کسی قسم کے پٹہ پر دیجاتی ہے
اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اسامی قابض اور زمیندار کے درمیان چار پانچ قسم کے اسامی ہوتے ہین جس
چیز کو قبضہ کہتے ہین وہ اس ملک مین قبضہ واقعی یا قبضہ خاص نہین ہوتا بلکہ اوس سے مراد لگان
اور منافع کو وصول کرنا ہے اور اگر وہ اراضی جو پٹہ پر دیجاتی ہے ہبہ ہو سکے تو ہزار ہا ہبے جو
زمینداریون کے متواتر ہوے ہین باطل ہو جائین - اگر شرع محمدی کے اس طرفہ مسئلہ سے ہمکو
اتفاق کرنا منظور ہوتا (حالانکہ یہ ہمکو منظور نہین ہے) تو ہم جانتے ہین کہ ہندوستان کے
مسلمانون کی بڑی حق تلفی اور ناانصافی ہوتی اگر درباب انتقال جایداد وہ قیدین لگا دین جائین
جو اس ملک مین کبھی نہین لگائی گئی ہین - شرع محمدی کی یہ تعبیر کرنا بلکہ مقدمات کے
بالکل موافق ہے جنکا فیصلہ صدر دیوانی عدالت نے قاضیون سے استصواب کر کے کیا ہے اور
اون مقدمات کے بھی موافق ہے جنکا فیصلہ اس عدالت نے کیا ہے (بنگال رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۵
و ۱۲ و ۱۱۵ - اور رپورٹ ہای کورٹ بمبئی صفحہ ۱۵۷ - اور ویکلی رپورٹر جلد ۱۹ صفحہ ۸۰ و جلد ۲ صفحہ ۴۹)
اور یہ بالکل اوس فیصلہ کے خلاف ہے جو پریوی کونسل نے بمقدمہ امیر النسا بنام عبید النسا کیا ہے
(ویکلی رپورٹر جلد ۲۳ صفحہ ۲۰۸) اس فیصلہ مین چند بڑی وسیع زمینداریون کا ہبہ جائز قرار دیا گیا ہے اگرچہ
یہ ظاہر ہے کہ جیسا عموماً علاقون مین ہوتا ہے ویسا ہی اون زمینداریون مین بھی ہر قسم کی قبضہ داریان
اور حقوق موجود تھے اور اس ہبہ پر کوئی عذر یا اعتراض اس قسم کا نہین کیا گیا جیسا ہمارے روبرو اس
مقدمہ مین کیا جاتا ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلی مرتبہ ہے کہ ایسا اعتراض کیا گیا ہے اور اس مسئلہ مین
بحث ہوی ہے - علی ہذا القیاس حقوق مالکانہ کے ہبہ کے باب مین بھی کوئی وجہ ہمکو نہین معلوم ہوتی کہ اس
قسم کے حقوق کیون نہ ہبہ کئے جائین اسیطرح جسطرح لگان یا اور جایداد غیر مقبوضہ ہبہ کیجاتی ہے
ہم یہ فیصلہ کر چکے ہین کہ حقوق غیر مقبوضہ جسمین لگان وصول کرنیکا حق بھی داخل ہے اس طور سے منتقل
ہو سکتے ہین اور دیگر اشیاء غیر مقبوضہ بھی اس طرح ہبہ ہو سکتے ہین کہ جو فریق اونکے حقدار ہون
اون کو گورنمنٹ سے یا کسی شخص ثالث سے روپیہ وصول کرنیکا حق حاصل ہو جاوے ؎

"حق مالکانہ کے معنی یہ مین کہ گورنمنٹ سے وہ رقم لینے کا حق جو ہر ایک علاقہ مالگذاری مین مالک اراضی کو بطور اوسکے حصہ منافع کے ملنی چاہئیے جبکہ جمع سرکاری نہ ادا کرنیکی وجہ سے یا اور کسی علت سے اوسکے علاقہ پر سرکار خود قبضہ کرلیتی ہے یا اور کسی شخص کو دیدیتی ہے جو جمع مشخصہ دینے پر راضی ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک حق مالکانہ اور حق تحصیل لگان مین یا پرامسری نوٹون کا سود وصول کرنے مین باعتبار اصول کے کچھ فرق نہین ہے"

اسکے بعد فیصلہ لکھنے والے جسٹس نے اپیلانٹ کی اس دلیل کو بیان کیا ہے کہ یہ ہبہ مشاع ہونیکی وجہ سے باطل ہے۔ اور فرمایا ہے کہ "اپیلانٹ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ (۱) کسی جائداد کے جز غیر منقسم کو ہبہ کرنا شرعًا اسوجہ سے ناجائز ہے کہ واہب کی جانب سے مشاع یعنی ابہام ہوا ہے اور (۲) کسی جائداد کا دو شخصون کو ہبہ کرنا بغیر اسکے کہ اونکے حصے بشیر علحدہ علحدہ کردیے جائین اسوجہ سے ناجائز ہے کہ موہوب لہم کی جانب ابہام ہوا ہے"

"مگر واضح ہو کہ یہ قاعدہ صرف اون اشیاء کے ہبہ پر صادق آتا ہے جو تقسیم ہوسکتی ہین۔ ہدایہ جلد ۳ کتاب الہبہ صفحہ ۲۹۳ مین یہ قاعدہ لکھا ہے کہ "ہبہ اوس چیز کا جائز نہین ہے جو تقسیم ہوسکتی ہو تاوقتیکہ اوسکو تقسیم کرکے علحدہ علحدہ نہ کردین"۔ بیلی صاحب کی شرع محمدی طبع دوم صفحہ ۵۲۰ اور فتاوائے عالمگیری کتاب الہبہ صفحہ ۵۲۱ اور مکناٹن صاحب کی شرع محمدی صفحہ ۲۰۱ ملاحظہ ہو۔ پس یہ قاعدہ صرف اوس جائداد کے ہبہ پر صادق آتا ہے جو تقسیم ہوسکتی ہے مگر حقوق مطلقہ یا حقوق مالکانہ یا دیگر حقوق غیر مقبوضہ قابل تقسیم نہین ہین"

"یہ کہا گیا ہے کہ ایک بڑی وجہ اس قاعدہ کی جو صرف ہبہ سے متعلق ہے بیع سے متعلق نہین ہے یہ ہے کہ ہر شخص کے ورثا اون ہبون سے محفوظ رہین جو اونکے حقوق کو باطل کرنیکی لیئے کیئے گیئے ہون۔ چند عبارتون کا حوالہ دیا گیا ہے جس سے بظاہر یہ قول نکلتا ہے اور غالبًا ایک اور وجہ اس قاعدہ کی یہ بھی ہے کہ قرضدارون کے فریب آمیز ہبون سے قرضخواہ محفوظ رہین کیونکہ یہ معیار صالح کا مشہور ہے کہ آیا موہوب پر موہوب لہ کا قبضہ ہوگیا ہے یا نہین"

"ہمسے باصرار بسیار کہا گیا ہی کہ اس قاعدہ مشاع کے بموجب جو ہبہ مدعا علیہم کو کیا گیا تھا وہ بالکل باطل ہے اسواسطے کہ اراضی کا ہبہ ہوا تھا اور اوس اراضی کو تقسیم نہین کیا تھا اور اگر ہبہ بہ نسبت جائداد زمینداری کے جو پٹہ پر دی گئی تھی جائز بھی فرض کرلیا جاوے تو بھی بہ نسبت مکانات اور باغات وغیرہ کے یہ ہبہ ناجائز ہے جنکی نسبت یہ نہین ثابت کیا گیا ہے کہ ٹھیکہ یا کرایہ پر دیگئی تھے لہذا اونکی تقسیم ہو سکتی تھی۔"

ہمارے نزدیک یہ عذر جائداد متنازع فیہ کے کسی جزو پر نہین چل سکتا کیونکہ ہم بیان کرچکے ہین کہ جائداد زمینداری مین یعنی واہب کے تعلقہ مین جو حق ہبہ کیا گیا ہے وہ حق غیر مقبوض ہے اور جس حقیت کا انتقال اس تعلقہ کے ہبہ کے ذریعہ سے کیا گیا ہے وہ صرف اوس قسم کی حقیت ہے جس سے موہوب لہ صرف لگان اور منافع وصول کرنیکا مستحق ہوگیا ہے۔ ہمکو اوس شہادت سے جو مدعا علیہم نے پیش کی ہی (اور جو اس باب مین ایسی صریح و واضح تھی کہ عدالت ماتحت نے دو گواہون سے زیادہ کا اظہار لینا نہ منظور کیا) معلوم ہوتا ہی کہ کنیز فاطمہ کی زندگی بھر خود کنیز فاطمہ اور ملکہ علحدہ علحدہ لگان وصول کرتی رہین اور ہبہ ہوتے کے ساتھی ہر دو موہوب لہم کو اوسطرح قبضہ دیدیا گیا جسطرح قبضہ دینا ممکن تھا۔"

شیعون کی کتاب شرایع الاسلام[1] مین لکھا ہی کہ ہبہ قرضہ کا یا اوس چیز کا جو دوسرے شخص کے ذمہ ہو جائز نہین ہی مگر قرضدار کے نام یا اوس شخص کے نام جسکے ذمہ وہ قرضہ واجب الادا ہو۔ احوط یہی ہی اسواسطے کہ تکمیل ہبہ قبضہ پر موقوف ہی۔ قرضہ اگر قرضدار کو ہبہ کردیا جاوے تو بالکل جائز ہے اور اوسکو اوس بار سے سبکدوش کردیتا ہی۔ خود اسی عبارت سے ظاہر ہی کہ اکثر علمار کا قول اس رائے کے خلاف ہے کہ قرضہ صرف قرضدار کو ہبہ ہو سکتا ہی۔ برخلاف اسکے اکثر مشاہیر علماے شیعہ نے فقہاے حنفی سے اتفاق کیا ہی کہ قول راجح و مستحسن یہی ہی کہ قرضخواہ اپنا قرضہ تیسرے شخص کو شرعاً ہبہ کرسکتا ہی۔ اس قول کا موئید عرف یعنے رواج اسقدر ہے (اور عرف کو ایک ترقی پذیر جماعت کے متفق آرا کا مجموع سمجھنا چاہئیے) کہ جس قول کو صاحب شرایع نے احوط لکھا ہے

---

[1] شرایع الاسلام صفحہ ۲۴۲ ۱۲۔ منہ

اوسکو اگر غلط نہ سمجھے تو قول یا رہنیاد و ساقط الاعتبار تو سمجھ سکتے ہین۔

مذہب حنفی مین قرضدار کو بغیر اوسکے اذن کے قرضہ سے بری کردینا شرعًا جائز ہے لیکن اگر قرضدار اوس ابرار کو قبول نہ کرے تو وہ غیر موثر ہوجاوے گا۔

شرایع الاسلام مین صرف اتنا لکھا ہے کہ ابرار بدون اذن جائز ہے مگر یہ نہین لکھا ہے کہ اگر قرضدار اوسکو نہ قبول کرے تو کیا نتیجہ ہوگا۔ لکن جامع الشتات[1] مین ایک مسئلہ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعون کے مذہب مین بھی وہی نتیجہ ہوگا جو سنیون کے مذہب مین ہوگا۔ یعنی جب قرضخواہ قرضدار کو بری الذمہ کردے تو پھر قرضخواہ قرضدار کو مشغول الذمہ نہین کرسکتا یعنی اوسپر قرضہ کا دعویٰ نہین کرسکتا مگر قرضدار قرضخواہ سے کسی نہ کسی غرض کے بجالانے کے باب مین اصرار کرسکتا ہو جسکا بجالانا اوسپر (قرضخواہ پر) موقوف ہو یا اوسکو قرضہ قبول کرنے پر مجبور کرسکتا ہے۔

اس باب مین کہ کس چیز کا ہبہ ہوسکتا ہے اور کسکا نہین ہوسکتا ہے فتاوے عالمگیری مین لکھا ہے کہ دیجانا چاہئیے کہ خود وہ شی ہبہ کرنیکے وقت موجود ہو۔ پس اگر کوئی شخص اوس خرما کو ہبہ کرے جو نخل خرما سے اس سال پیدا ہوگا یا اوس بچہ کو ہبہ کرے جو اوسکی لونڈی یا اوسکی بھیڑ کی رحم مین ہو یا اوس دودھ کو ہبہ کرے جو اوسکی چھاتی مین ہو تو ایسا ہبہ شرعًا ناجائز ہے گو یہ اختیار دیدیا جاوے کہ بچہ پیدا ہونے یا دودھ دوہنے کے وقت اوسپر قبضہ کرلیا جاوے۔ علی ہذا القیاس اوس مکھن کا جو دودھ مین ہو اور اوس تیل کا جو تل مین ہو اور اوس آٹے کا جو گیہون مین ہو ہبہ ناجائز ہے گو ویسا ہی اختیار دیدیا جاوے۔ موہوب کو یہ بھی چاہئیے کہ قیمت یا مالیت شرعی رکھتی ہو اور اوسپر قبضہ کرلیا جاوے تاکہ موہوب لہٗ کا حق اوسمین قائم ہوجاوے اور اگر موہوب فی نفسہ قابل الانقسام ہو تو اوسکو تقسیم کرکے کسی دوسری چیز سے علحدہ کردینا چاہئیے جسکو ہبہ کرنا منظور ہو اور اوس مین ملادینا یا شریک کردینا نہ چاہئیے۔ لہذا ہبہ کرنا زمین کا جسپر غلہ اوسوقت نہ لگا ہو یا درخت خرما کا جس مین پھل نہ لگا ہو اور اسکے بالعکس ناجائز ہے۔ اسی طرح سے کسی مکان یا

[1] جامع الشتات کی روسے قرضہ شخص ثالث کو ہبہ ہوسکتا ہے ۱۲ منہ

یا جہاز کو جسمین کوئی چیز واہب کی رکھی ہوے اوس چیز کے جو اوسمین رکھی ہی ہبہ کرنا ناجائز ہی۔

آخر الذکر اصول کے باب مین حنفیہ اور شافعیہ اور شیعہ مین بڑا اختلاف ہی حنفیہ کے مذہب مین یہ ہی کہ اگر موہوب فی نفسہ قابل الانقسام ہی یا ایسی شی کا جزو ہی جسکا تجزیہ اور تقسیم ممکن ہی تو ہبہ جائز نہین ہی تا وقتیکہ وہ چیز واہب کی اور جائداد سے جسکو ہبہ کرنا منظور نہین ہی جدا نہ کر لی جاے۔ مگر جب موہوب ایسی چیز کا جزو ہو جو قابل الانقسام نہ ہو یا ایسی شی کا جزو ہو جو جدا نہ ہو سکے بے اسکے کہ کل جائداد مین نقصان عظیم پہونچے تو ہبہ جائز ہی گو تقسیم یا تفرقہ نہ ہوا ہو۔

اس اصول مین شافعیہ اور شیعہ نے حنفیہ سے اختلاف کلی کیا ہی ان دونون فرقون کا قول یہ ہی کہ ایسا ہبہ بہرکیف جائز ہی اسواسطے کہ ہبہ ایک قسم کی تملیک ہی اور اس حیثیت سے سب چیزون کا ہبہ جائز ہی خواہ وہ کسی شی قابل الانقسام خواہ غیر قابل الانقسام کا جزو ہون۔ مگر شیعہ کہتے ہین کہ موہوب کی حقیقت سے جاہل محض بھی نہ ہونا چاہیے یعنے جو چیز ہبہ کی ہی اوسکو خوب بتا دینا چاہیے تاکہ اوس مین کچھ شک نہ باقی رہے۔ جب شی موہوب غیر معین یا نامعلوم ہو تو ہبہ باطل ہوگا لکن اگر صرف مبہم و مشکوک ہو اور وہ شک و ابہام اور باتون سے رفع ہو سکتا ہو تو ہبہ جائز ہوگا۔ شافعیہ کے نزدیک صرف عدم تعین سے ہبہ باطل نہین ہوتا کیونکہ جو حصہ غیر معین ہو مگر معلوم ہو اوسمین بھی ملک اوسی طرح قائم ہو سکتا ہی جسطرح حصہ معین و محدود مین ہو سکتا ہی۔

فتاوی عالمگیری کی رو سے ہبہ اوس چیز کا جو واہب کے مال یا حقوق سے جدا کر لیگئی ہو یا خالی کر لیگئی ہو جائز ہی۔ اسی طرح سے جزو مشاع کا بھی جائز ہی یعنے اوس چیز کا جو ایسی شی کا جزو ہو جسکا تجزیہ یا تقسیم نہ ہو سکے یا جو چیز اس قسم کی ہو کہ جو فائدہ اوس حالت مین اوس سے ہو جبکہ وہ مجموع غیر منقسم ہو وہ بعد تقسیم نہ حاصل ہو سکے مثلاً چھوٹا سا حمام یا مکان مگر ہبہ شئے مشاع کا یعنے اوس چیز کا جو تقسیم ہو سکتی ہو اور تمام فوائد جو قبل تقسیم اوس سے حاصل ہو سکتے ہون بعینہ باقی رہین ناجائز ہی۔ لازم یہ ہی کہ شئے موہوب قبضہ دینے کے وقت جدا کر لیجاے نہ ہبہ کرنیکے وقت۔

ہبہ اوس چیز کے جزو مشاع یعنے غیر منفک کا جو قابل الانقسام نہ ہو شریک کے نام یا غیر شخص کے نام جائز ہی- ہبہ اوس چیز کے جزو مشاع کا جو قابل الانقسام ہو شریک یا غیر شریک کے نام جائز نہین ہی اور اگر اوسپر قبضہ ہوگیا ہو تو حسام الدین سے منقول ہی کہ موہوب لہ کا ملک ثابت کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا مگر دوسرے مقام پر اونہون نے فرمایا ہی کہ اوسکا عدم جواز ثابت کرنا مشتبہ ہوگا اور یہی فیصلہ ہوا ہی- مشاع کے باب مین اس ملک کے عدالتون مین بڑی بحثین ہوئی ہین اور اس مسئلہ مین ایسی دقتین ہین کہ اسکی کیفیت لکھنا اور جن اصول پر یہ مبنی ہی اونکی تحقیق کسیقدر احتیاط کے ساتھ کرنا ضرور ہی-

ہر مال مشترک وغیر منقسم جسمین کئی شخصون کا حق ہو مشاع کہلاتا ہی- لفظ مشاع شیوع سے مشتق ہی جسکے معنے آمیختہ ہوتا ہی- جب چند اشخاص ایک جائداد مشترک وغیر منقسم کے مالک ہون تو اونمین سے کوئی شخص یہ نہین کہہ سکتا کہ میرا حق اس جائداد کے کسی خاص جزو مین ہی- جب شرکا رمین سے کوئی شریک اپنا حصہ اوس جائداد مین ہبہ کردے تو غالباً جملہ شرکا کو اوس جائداد سے متمتع ہونے مین پریشانی ہوگی- پس اس سے ظاہر ہی کہ مسئلہ مشاع کا مفاد یہ ہی کہ ہبہ کرنا مال مشترک وغیر منقسم کا جو فی نفسہ قابل الانقسام ہو ناجائز ہی اور اس مسئلہ کی اصل حنفیہ مین یہ معلوم ہوتی ہی کہ اکابر علمائے حنفی علی الخصوص امام اعظم ابو حنیفہ کو یہ خوف ہوا کہ تاوقتیکہ قابل الانقسام چیزین نہ تقسیم کردی جائین ایسے اشیار کے قبض و تصرف مین جھگڑے ہونگے اور دقتین پڑینگی-

امام اعظم ابوحنیفہ نے شئے غیر محدود کے ہبہ پر یعنے اوس چیز کے ہبہ پر جو مشترک اور غیر منقسم ہو مگر قابل الانقسام ہو نہی کا اعتراض کیا ہی اور سخت ممانعت کی ہی- مگر اس مسئلہ مین اور اونکے دونون شاگردون مین بڑا اختلاف ہی- عموماً صاحبین (یعنے امام ابو یوسف اور امام محمد) کے اقوال اپنے استاد کے اقوال کے بہ نسبت ایک ترقی پذیر گروہ کے حوائج کے زیادہ تر موافق اکثر ہو ہوم و مشکوک معلوم ہوتے ہین ذیل مین جو عبارت فتاوے عالمگیری

نقل کیجاتی ہی اوس سے نہ صرف متقدمین کے اقوال اس مسئلہ مین بخوبی معلوم ہوجائین گے بلکہ امام اعظم اور انکے شاگردون مین جو خلاف ہوا ہی اوسکی کیفیت بھی خوب عیان ہو جاے گی مگر جو اصول اوسمین لکھے ہین اونکو متاخرین کے بیان کے موافق سمجھنا چاہیئے۔

فتاواے عالمگیری مین لکھا ہی کہ۔ ہبہ شئے مشاع کا یعنے اوس چیز کا جو دو آدمیون یا ایک گروہ پر تقسیم ہو سکے صاحبین کے نزدیک جائز ہی مگر امام اعظم کے نزدیک ناجائز ہی گو کہ لازم نہین ہی یعنے اگر قبضہ سے ملک قائم ہوجاے تو ایسا ہبہ نافذ ہو جاے گا۔ صدر الشہید نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اوس چیز کو جو قابل الانقسام ہو دو شخصون کو ہبہ کرے تو ایسا ہبہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک ناجائز ہی مگر جب اونکا قبضہ اوس چیز پر ہو جاے تو اونکا حق ملکیت اوسمین ناجائز طور سے قائم ہو جاے گا اور یہی فتویٰ کا ہی۔ جب جائداد قابل الانقسام فریقین (یعنے واہب اور متہب) کی مشتبہ ہو تو اوسکا ہبہ سب کے نزدیک ناجائز ہی اور جب صرف متہب کی جانب سے مشتبہ ہو تو بھی امام اعظم کے نزدیک ناجائز ہی مگر اونکے دونون شاگردون کے نزدیک ناجائز نہین ہی اور اگر کوئی شخص دو غریب آدمیون کو کوئی چیز ہبہ کرے تو وہ ہبہ سب کے نزدیک جائز ہوگا جیسا صدقہ اور زکات مین ہی۔ اگر موہوب لہم متمول ہون اور اونمین سے ہر شخص کو نصف نصف چیز ہبہ کیجاے یا اگر بہم الفاظ سے ہبہ کیا جاے یعنے واہب یہ کہے کہ مینے دونون کو یہ شئے ہبہ کی۔ یا یہ کہے کہ اس شخص کو اسکا ثلث اور اس دوسرے شخص کو دو ثلث ہبہ کئے۔ تو امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک ان تین صورتون مین ہبہ ناجائز ہوگا مگر امام محمد کے نزدیک ان سب صورتون مین ہبہ جائز ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہبہ اون دو صورتون مین جائز ہوگا جنمین دونون شخصون کو بغیر تعین یا نصف نصف ہبہ کیا ہی۔ لیکن اگر ایک کو دوسرے سے زیادہ دیا ہو تو ہبہ ناجائز ہوگا۔ جب دو شخص ایک شخص کو کوئی مکان ہبہ کرین تو وہ ہبہ سب کے نزدیک جائز ہوگا۔

جب ایک شخص دو آدمیون کو دو غلامون کا نصف ہبہ کرے یا دو یا دس تھان مختلف قسم کے کپڑے کے ہبہ کرے جسمین کچھ مرو کا اور کچھ ہرات کا کپڑا ہو تو ایسا ہبہ جائز ہی بشرطیکہ قبضہ ہو جاے

۔اسی طرح سے مختلف قسم کی مواشی کا ہبہ بھی جائز ہی۔لکن اگر کپڑا یا مواشی ایک ہی قسم کے ہون تو ہبہ ناجائز ہوگا تاوقتیکہ پہلے تقسیم نہ کردی جاے۔علی ہذالقیاس کسی دیوار یا راستہ یا حمام کے ایک حصہ کو ہبہ کرنا جائز ہی جبکہ اوسکے ساتھ قبضہ کرنیکا اختیار بھی دیدیا گیا ہو۔مثلاً جب کوی مکان مع اپنے جملہ حقوق اور حدود کے ہبہ کیا جاے جسمین ایسی دیوار یا ایسا راستہ شامل ہو جو مال مشترک درمیان واہب اور دیگر اشخاص کے ہو تو ان چیزون کی نسبت بھی ہبہ جائز ہوگا۔

اگر نصف مکان بطور ہبہ یا صدقہ کے دیدیا جاے اور قبضہ بھی کرادیا جاے بعد اوسکے واہب اوسکو دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرے یا بطور صدقہ کے دیدے تو اصل مین لکھا ہی کہ بیع ناجائز ہوگی اور یہ بھی اوسی کتاب مین لکھا ہی کہ اگر نصف مکان کسی شخص کو ہبہ کرکے اوسکا قبضہ کرادیا جاے اور موہوب لہٗ اوسکو فروخت کرڈالے تو وہ بیع ناجائز ہوگی اور بعض فتاوے مین اسی قول کو ترجیح دی ہی۔مگر بعض کتابون مین یہ بھی لکھا ہی کہ ہبہ ناجائز مین جب قبضہ دیدیا جاے تو ملک قائم ہوجاے گا اور یہی فتویٰ دیا گیا ہی گو فصول عمادیہ مین اسکے خلاف تھا اور لفظ فتویٰ بہ نسبت لفظ جائز کے قوی تر ہی۔

اگر کوی شخص ایک مکان ہبہ کرے جسمین کچھ اسباب اوسکا ہو اور موہوب لہٗ کا قبضہ اوس مکان پر کرادے یا مع اوس اسباب کے قبضہ کرادے تو ہبہ باطل ہوگا۔مگر ایک تدبیر یا حیلۂ شرعی سے ایسا ہبہ جائز ہوسکتا ہی۔وہ یہ ہی کہ پہلے وہ اسباب موہوب لہٗ کو حوالہ کرکے اپنا قبضہ اُٹھالے بعد اوسکے مکان پر قبضہ کرادے۔اور اگر اسکے بالعکس وہ مکان کو ہبہ کرے اور جو اسباب اوسمین ہو اوسکو ہبہ کرے اور اسباب سے اپنا قبضہ اُٹھا کر موہوب لہٗ کے حوالہ کرے بعد اوسکے مکان پر اوسکا قبضہ کرادے تو ہبہ جائز ہوگا۔اگر وہ مکان اور اسباب دونون اکٹھا ہبہ کرے اور دونون پر موہوب لہٗ کا قبضہ کرادے تو بھی ہبہ جائز ہوگا۔اگر قبضہ دینے کے وقت تفرقہ کیا جاے یعنے اون دونون مین سے ایک چیز ہبہ کرکے اوسپر قبضہ کرادیا جاے بعد اوسکے دوسری چیز ہبہ کرکے اوسپر قبضہ کرادیا جاے اور مکان سے ابتدا کیجاے تو مکان کا ہبہ ناجائز ہوگا مگر اسباب کا

ہبہ جائز ہوگا اور اگر اسباب سے ابتدا کیجاے تو دونون کا اکٹھا ہبہ جائز ہوگا - اگر کوئی شخص اراضی
بے غلہ کے ہبہ کرے یا غلہ بے اراضی کے ہبہ کرے یا درخت بغیر میوہ کے یا میوہ بغیر درختون کے
ہبہ کرے اور موہوب لہٗ کا قبضہ کرا دے تو کسی صورت مین ہبہ جائز نہ ہوگا اس واسطے کہ انمین سے
ہر چیز دوسری کے ساتھ ایسی ملحق ہی کہ ایک چیز کے اجزا دوسری چیز کے اجزا سے متصل ہین ایسا ہبہ
مانند ہبہ شایع کے ہی جو قابل الانقسام ہو - اگر وہ شخص اونمین سے ہر چیز علحدہ علحدہ ہبہ کرے یعنے
مثلاً پہلے غلہ بعد اوسکے اراضی یا پہلے اراضی بعد اوسکے غلہ ہبہ کرے اور دونون پر ساتھی قبضہ کراوے
تو دونون کا ہبہ جائز ہوگا لکن اگر قبضہ دینے کے وقت اونکو علحدہ علحدہ کرلے تو دونون مین سے کسی چیز
کا ہبہ بھی جائز نہ ہوگا چاہے جس چیز سے ابتدا کرے - اگر وہ مکان ہبہ کرے مگر اوسپر قبضہ نہ کراے
تا وقتیکہ جو اسباب رکھا ہی اوسکو بھی ہبہ نہ کرے تب دونون پر اکٹھا قبضہ کرا دے تو ہبہ جائز ہوگا -
اسی طرح سے اگر کوئی شخص ایک تھیلہ اور غلہ کے بورے ہبہ کرے اور اوسپر قبضہ نہ کرلے تا وقتیکہ جو غلہ
اونمین ہی اوسکو بھی ہبہ نہ کرلے تب دونون پر ساتھی قبضہ کرا دے تو کل کا ہبہ جائز ہوگا - لکن اگر
مکان خالی ہبہ کرے اور جب اوسپر قبضہ کرلے تو وہ مشغول ہو یعنے اوسمین کچھ رکھا ہو یا کوئی رہتا ہو
تو ہبہ ناجائز ہی - نہ اوسکا یہ کہنا کہ قبضہ کرلو یا مینے تمہارا قبضہ کرا دیا جائز ہوگا جبکہ خود واہب یا اوسکے
آدمی یا اسباب اوس مکان مین ہو -

ہبہ شاغل کا یعنے اوس چیز کا جو دوسری چیز مین رکھی ہو جائز ہی مگر ہبہ مشغول کا یعنے اوس
چیز کا جسمین دوسری چیز رکھی ہو ناجائز ہی اس قسم کے ہبہ کے عدم جواز کی وجہ یہ ہی کہ جب شی موہوب مین واہب کا اسباب
رکھا ہو تو اوسپر قبضہ نہ ہوسکے گا اور قبضہ تکمیل ہبہ کو لازم ہی مگر جب شی موہوب واہب کے مال مین
رکھی ہی تو یہ بات نہ ہوگی اسکی مثال یہ ہی کہ ہبہ اوس تھیلی کا جسمین واہب کا کھانا رکھا ہو ناجائز
ہی مگر ہبہ اوس طعام کا جو اوسمین رکھا ہو جائز ہی - اور اگر کوئی شخص ایک بار برداری کا جانور جسپر
کچھ بوجھ لدا ہو کسیکو ہبہ کرے تو وہ ہبہ ناجائز ہوگا لکن اوس جانور کو اگر ہبہ کرے اور جانور مع اوس
جو بوجھ لدا ہوا ہو اوسپر ساتھی قبضہ کرا دے تو ہبہ جائز ہوگا - علی ہذا القیاس ہبہ ظرف بے آب کا

ناجائز ہی مگر ہبہ آب بے ظرف کا جائز ہی سا اگر کوئی شخص اراضی کا غلہ یا درخت کا میوہ کسیکو ہبہ کرے اور کہے کہ اس غلہ کو کاٹ لے یا اس میوہ کو توڑلے اور موہوب لہٗ ایسا ہی کرے تو یہ ہبہ علی وجہ الاستحسان جائز ہوگا لیکن اگر اوسکو قبضہ کرنیکی اجازت نہ ہو اور وہ قبضہ کرلے تو مشغول الذمہ رہے گا۔

اگر کوئی شخص ایک مکان مع اثاث البیت کے ہبہ کرکے دونون پر قبضہ کرادے اور بعد ازان اثاث البیت مین کوئی حق ثابت ہوجاے تو ہبہ مکان کا جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص اون تھیلیونکو ہبہ کرے جن مین کچھ اسباب یا اس تھیلی کو ہبہ کرے جسمین کچھ کھانا ہو اور موہوب لہٗ کا قبضہ کرادے اور بعد ازان اون تھیلیون مین جو چیزین ہین اونمین کوئی حق ثابت ہوجاے تو ان تھیلیون اور اوس تھیلی کا ہبہ کامل اور جائز رہے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص ایک مکان ہبہ کرکے قبضہ کرادے بعد ازان اوسکے ایک جزو مین کوئی حق ثابت ہوجاے تو وہ ہبہ ناجائز ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص اراضی مع اوس غلہ کے جو اوسپر لگا ہی ہبہ کرے یا کوئی درخت مع اوسکے میوہ کے ہبہ کرے بعد ازان اوس غلہ یا اوس میوہ مین کوئی حق ثابت ہوجاے تو اوس اراضی یا اوس درخت کا ہبہ باطل ہوجائیگا اور اگر کوئی شخص اپنی اراضی مع اوس غلہ کے جو اوسمین لگا ہوا ہی ہبہ کرے اور اوس غلہ کو کاٹ کر حوالہ کرے بعد ازان اونمین سے کسی مین کوئی حق ثابت ہوجاے تو دوسری چیز کا ہبہ باطل ہوجائیگا

جب کسی شخص نے وہ جائداد جو مضاربت یعنے مشارکت مین ہو مضارب یعنے اپنے شریک کو دیدی ہو اور اوسکا ایک جزو اوسکے قبضہ مین ہو اور ایک جزو اورون کے ذمہ واجب الادا ہو تو پہلے جزو کا ہبہ جائز ہی اور باقی کا ہبہ صرف اوسوقت جائز ہی جبکہ واہب نے کہدیا ہو کہ قبضہ کرلو اور اگر کوئی جزو اوس جائداد کا از قسم منافع ہو تو ہبہ ناجائز ہوگا۔ جب دو شریکون مین سے ایک نے کہا ہو کہ مینے تمکو اپنا حصہ منافع دیدیا تو بعض علما کا قول ہی کہ اگر وہ جائداد خود موجود ہو تو ہبہ ناجائز ہوگا کیونکہ وہ مشاع اوس چیز مین ہی جو قابل الانقسام ہی۔ لیکن اگر اوس جائداد کو اوس شریک نے گم کیا ہو تو ہبہ اسوجہ سے جائز ہوگا کہ استقاط یعنے زوال حق ہوگیا ہی۔

عبارت مذکورہ بالا فتاواے عالمگیری سے باین غرض نقل کی گئی ہی کہ ناظرین کو صاف

معلوم ہو جاوے کہ جس گروہ مین یہ احکام جاری ہوے تھے اوسکی تمدنی حالت کیا تھی اور کن امور سے یہ احکام متعلق ہو سکتے تھے ۔

ان اصول کی تفسیر تعبیر متاخرین نے بہت مستحسن طور سے کی ہے جیسا آیندہ عرض کیا جائیگا اور یہ بھی ثابت کیا جاوے گا کہ جن باتون مین شرع محمدی بزرگان سلف کے اقوال کے تابع کردی گئی ہے اونمین بھی باطن شرع انسان کی ترقی کے موافق و معاضد ہے ۔ اس اصول کا لحاظ کرکے کہ قبضہ سے ہبہ ناقص وغیر مکمل جائز ہو جاتا ہے صاحب مجمع الانہار نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۴۳ مین قبضہ کی تعریف یہ لکھی ہے کہ ۔ قبض الکامل جائداد منقولہ کا اوس جائداد کی نوعیت پر موقوف ہے اور جائداد غیر منقولہ کا بھی اوسکی نوعیت کے موافق ہونا چاہیئے جیسا مکان موہوب کی کنجی لے لینا کہ بنز لہ اوسپر قبضہ کر لینے کے ہے ۔ اگر کوئی شخص اپنا مکان دو آدمیون کو ہبہ کرے تو امام اعظم کے نزدیک ایسا ہبہ ناجائز ہے اور یہی قول اونکا تمام اشیاء قابل الانقسام کے ہبہ کے باب مین ہے مگر صاحبین کے نزدیک ایسا ہبہ جائز ہے[۱] ۔ بلکہ واہب اگر حصون کی تصریح کردے تو بھی امام اعظم کے نزدیک ہبہ باطل ہوگا ۔ لکن قول مشہور اور مفتٰی بہ امام اعظم کے اس قول کے بالکل خلاف ہے ۔ اگر کوئی شخص نصف مکان ایک آدمی کو اور نصف دوسرے آدمی کو ہبہ کرے اور دونون کا قبضہ معاً یعنے ساتھ کرادے تو ایسا ہبہ جائز ہے ۔ لکن اگر ایک آدمی کو پہلے اور دوسرے کو بعد قبضہ دیا جاوے تو ہبہ ناجائز ہوگا اگرچہ امام اعظم کے نزدیک دونون صورتون مین ہبہ باطل ہے ۔

پس ہبہ بالمشاع یعنے جائداد مشترکہ غیر منقسمہ کا ہبہ کالعدم نہین معلوم ہوتا بلکہ ناجائز معلوم ہوتا ہے اور یہ نقص قبضہ سے رفع ہو جاتا ہے

مجمع الانہار صفحہ ۳۴۵ مین لکھا ہے کہ ۔ یعقوب پاشا نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص دو آدمیون کو ایسی چیز ہبہ کرے جو قابل الانقسام ہو تو ایسا ہبہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک ناجائز ہے مگر باطل نہین ہے ۔ پس اگر موہوب لہم شے موہوبہ پر قبضہ کرلین تو امام اعظم کے قول کے موافق

---

[۱] فتاوے قاضی خان مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۲۶۲ ۱۲ منہ

اونکا حق اوسمین قائم ہوجاوے گا اور فتوے بھی یہی ہے یہ قول صدر الشہید کے قول کے بالکل موافق ہے۔ مجمع الانہار کی عبارت ذیل سے ظاہر ہے کہ مال مشترک وغیر منقسم کی کسی جزو مین حق ملکیت جب قائم ہوتا ہے جبکہ اوسپر قبضہ ہوجاوے

جامع الفصولین اور بزازیہ مین لکھا ہے کہ ہبہ فاسد کی تکمیل قبضہ سے ہوجاتی ہے اور یہی فتوے ہے گو بعض علما رنے فرمایا ہے کہ دوسرا قول صحیح ہے مگر لفظ فتوی لفظ صحیح سے زیادہ قوت رکھتا ہے۔ مصنف (ملتقے الابحار) نے فرمایا ہے کہ شاع مانع تکمیل ہبہ ہے اور اس قول کی شرح شارح (صاحب مجمع الانہار) نے یہ لکھی ہے کہ "اسکا سبب یہ ہے کہ قبضہ ضروری ہے اور یہی جامع الفصولین مین لکھا ہے مگر زیلعی نے فرمایا ہے کہ ایسی چیز کا ہبہ جسمین واہب کا حق موجود ہو ناجائز ہے اور فصول عمادیے مین لکھا ہے کہ ایسا ہبہ صرف ناقص ہے اور حموی نے شرح اشباہ مین لکھا ہے کہ یہ مسئلہ دو قولون پیدا ہوا ہے جنکی وجہ سے مشاع یعنے مال قابل الانقسام کے ہبہ مین اختلاف واقع ہوا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ایسا ہبہ باطل ہے دوسرا قول یہ ہے کہ صرف ناقص یا فاسد ہے مگر قول اصح یہی ہے کہ ایسا ہبہ ناقص ہے جیسا بزازیہ مین لکھا ہے۔ اور درر الاحکام ۲۷۲ مین لکھا ہے کہ ہبہ ناجائز یا ہبہ ناقص مین قبضہ سے حق ملکیت قائم ہوجاتا ہے اور اسی پر فتوے ہے اور یہی فصولین مین لکھا ہے۔

رد المحتار مین اس عبارت پر یہ حاشیہ لکھا ہے لکن فیھا ای فی الدرر عن الفصولین الھبة الفاسدة تفید الملك بالقبض وبه یفتی ومثله فی البزازیة علی خلاف ما صححه فی العمادیة لکن لفظ یفتی اکد من لفظ یصح کما بسطه المصنف مع بقیة احکام المشاع وھل للقریب الرجوع فی الھبة الفاسدة قال فی الدرر نعم وتعقبه فی الشرح بانه غیر ظاهر علی القول المفتی به من افادتھا الملك بالقبض (جلد ۴ صفحہ ۷۰۱) یعنے درر مین فصولین سے لکھا ہے کہ ہبہ فاسد مین قبضہ سے ملک قائم ہوجاتا ہے اور اسیکے موافق فتوی ہے یہی بزازیہ مین بھی لکھا ہے جو اوس بات کے خلاف ہے جسکو عمادیہ مین صحیح لکھا ہے مگر لفظ فتوی لفظ صحیح سے زیادہ تاکید پر دلالت کرتا ہے۔

مگر قبضہ واقعی تکمیل ہبہ کی شرط نہین معلوم ہوتی یا یہ کہتے ہے کہ اوس نقص کو رفع نہین کرتا جو موہوب کے مال مشترک ہونے سے پیدا ہوتا ہو - بلکہ فقہائے کے نزدیک صرف قبضہ کا اذن یا اجازت تکمیل ہبہ کے لیے کافی ہو -

حمادیہ[1] مین جامع الفتاوے سے لکھا ہو کہ اگر کوی شخص اوس غلہ کو ہبہ کرے جو زمین پر لگا ہو یا اوس خرما کو ہبہ کرے جو درخت خرما مین لگا ہو یا اوس غلاف کو ہبہ کرے جو تلوار پر چڑھا ہو یا کوی مکان یا چند دینار ہبہ کرے جو اور شخص پر قرض ہون یا کوی ایسی چیز ہبہ کرے جسکی پیمایش ہو سکتی ہو اور موہوب لہ کو اجازت دے کہ اوس غلہ کو کاٹ لے یا خرما کو توڑ لے یا اوس غلاف کو اوتار لے یا اوس مکان یا دینارون کو لے لے یا اوس چیز کی پیمایش کر لے اور موہوب لہ ایسا کرے تو احسن یہی ہو کہ ایسا ہبہ جائز ہو - پھر لکھا ہو کہ "اگر خود واہب یا اوسکا نائب تقسیم کردے یا اگر واہب موہوب لہ کو اجازت دے کہ اوسکے شریک کے ساتھ تقسیم کر لے تو اس سے ہبہ کامل ہو جائیگا" اور اس قول کو فتاوے قاضی خان کی اس عبارت[2] سے اور بھی زیادہ قوت ہوگی کہ "اگر کسی شخص کو کوی جائداد ہبہ کیجاے اور وہ دو آدمیون کو اپنی طرف سے قبضہ کرنے کے لیے مقرر کرے تو ایسا کرنا جائز ہوگا"

عربی کتب فقہ مین جو مثالین لکھی ہین اونسے آسانی سے معلوم ہو سکتا ہو کہ مسئلہ مشاع فقط چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی اور مکانات پر صادق آتا ہے - فقہا کا منشاء یہ نہین معلوم ہوتا ہو کہ یہ مسئلہ بڑے بڑے تعلقون اور زمینداریون کے خاص خاص حصون مین جاری کیا جاے - جس زمانہ مین یہ مسئلہ ایمہ حنفیہ مین جاری ہوا تھا اوس زمانہ کی تواریخ سے معلوم ہوتا ہو کہ ایسے بڑے بڑے تعلقے ممالک اسلامیہ مین نہ تھے جیسے اس ملک مین ہین - عرب کی فتح سے قدیم فارس کی

[1] رد المحتار شامی جلد ۴ صفحہ ۷۸۲ و صفحہ ۷۸۰ - ۱۲ منہ [ ] قسمہ الواهب بنفسه او نائبه او امر الموهوب له بان يقسم مع شريكه كل ذالك تتم به الهبة - وكل موهوب له رجلين لقبض الدار قبضاها جاز

[2] رد المحتار صفحہ ۷۷۹ - ۱۲ منہ

ملکیت اراضی شکست ہو گئی تھی اور ساسانیون کے عہد دولت مین جو دہقان زمیندار تھا وہ اب صرف ایک کسان رہگیا تھا۔ عرب کی حکومت مین اوس ملک (فارس) کی اراضی یا عربون مین تقسیم کر دی گئی تھی یا مالکان قدیم کے قبضہ مین اتنی اراضی رکھی گئی تھی کہ وہ باہم اتفاق کرکے اوس نئی سلطنت کو غارت نہ کر دین۔ یہ اصلی حالت اوس زمانہ مین تھی جبکہ مذہب حنفی کا آغاز ہوا تھا اور جب متقدمین علماے حنفی گذرے۔ اوس زمانہ مین دولت تجارت سے اور بڑے بڑے گلہاے گوسفند سے اور عالی شان حدائق اور باغات سے پیدا ہوتی تھی لہذا مسئلہ مشاع کا مقصود و مآل ظاہرا یہ نہین معلوم ہوتا کہ بڑے بڑے تعلقون کے باب مین جاری کیا جاے جیسے اس زمانہ مین نکلے ہین۔

پروی کونسل نے مقدمہ حبیب النسا بنام امیر النسا۔ اس بات پر بحث کی ہے کہ آیا شاع کو عدم جواز ہبہ کی دلیل گردانکر زمینداری کے اون حصون کے ہبہ پر اعتراض ہو سکتا ہے جن کی مالگذاری علحدہ علحدہ دیجاتی ہو۔ اور یہ لکھا ہے کہ وہ اس ہبہ کے جواز پر ہائی کورٹ مین یہ عذر شرعی کیا گیا تھا کہ یہ ہبہ مشاع ہے یعنے جائداد قابل الانقسام کے جز غیر منقسم کا ہبہ ہے اور ایسا ہبہ شرعا ناجائز ہے۔ اس مسئلہ پر یہ پہلی ہی مرتبہ ہائیکورٹ مین بحث ہوی تھی اور اس عدالت مین بھی ہوئی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بعض اشیاء موہوبہ کی نسبت اس قسم کا ایک حکم شرع محمدی مین ہے اور ہدایہ مین لکھا ہے کہ یہ حکم دو باتون پر مبنی ہے۔ اول یہ کہ چونکہ ہبہ مین قبض کامل مطلقاً شرط ہے اور شے قابل الانقسام کے جز غیر محدود پر قبضہ کامل نہین ہو سکتا لہذا اس شرط کی تعمیل نہین ہو سکتی۔ دوم یہ کہ اس سے واہب پر وہ بار پڑجاے گا جسکا معاہدہ اوسنے نہ کیا تھا یعنے اوسکو تقسیم کرنی پڑیگی (ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۳ کتاب الہبہ ملاحظہ ہو) فقہاے حنفی نے اشیاء مشاع یعنے غیر منقسم کی مثالین یہ لکھی ہین جیسے وہ پھل جو درخت سے نہ توڑا گیا ہو یا وہ غلہ جو زمین سے نہ کاٹا گیا ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کی غیر منقسم چیزون پر قبضہ علحدہ علحدہ نہین ہو سکتا پس واہب اور موہوب لہ کے مال کے مشتبہ ہوجانیکا خوف ہے لہذا ایسا ہبہ شرعا جائز نہین رکھا گیا ہے۔

اس مقدمہ مین موہوب چند حصے ایک زمینداری مین ہین اور اون حصون کے حقوق کی نوعیت برٹش گورنمنٹ کے قوانین مین معین و مشخص کردے گئی ہے - ہای کورٹ نے پہلے تو یہ بیان کیا ہے کہ یہ حصے مالگذاری کے اعتبار سے علحدہ علحدہ علاقے ہین اور ہر حصہ کا ایک جدا گانہ نمبر صاحب کلکٹر کے رجسٹر مین لکھا ہے اور ہر حصہ اپنی خاص مالگذاری دینے کا ذمہ دار گورنمنٹ کا ہے - علاوہ اسکے مالک اراضی یہ ایک محدود حصہ لگان کا اسامیون سے وصول کرتا ہے اور اسی محدود حصہ کا مستحق ہے اس سے زیادہ کا مستحق نہین ہے - پس ہای کورٹ نے یہ تجویز کیا کہ اس قسم کی جائداد مین مسئلہ مشاع نہین جاری ہوسکتا "

"ججان پریوی کونسل کے نزدیک یہ رائے ہای کورٹ کی صحیح ہے - اونکے نزدیک مسئلہ مشاع کا اصول اور جن وجوہ پر یہ مسئلہ مبنی ہے وہ اوس قسم خاص کی جائداد پر نہین صادق آتے جیسے یہ محدود حصے زمینداری کے ہین کہ یہ حصے فی نفسہ علحدہ علحدہ علاقے ہین جنکا لگان علحدہ علحدہ ہے لیتھبرج صاحب نے یہ بحث کی کہ جب خود یہ اراضی غیر منقسم ہے اور حصون کے مالک اسکے تقسیم کی استدعا کرسکتے ہین تو یہ مال مشاع ہے - لکن اگرچہ تقسیم کی استدعا ہوسکتی ہے تاہم ججان موصوف کے نزدیک یہ حصے زمینداری کے بسبب اوس خاص قانون کے جو اس باب مین نافذ ہوچکا ہے فی نفسہ اور قبل تقسیم اراضی کے محدود علاقے ہین اور اس قابل ہین کہ انکا لگان محدود علحدہ علحدہ لیا جاے لہذا یہ مسئلہ مشاع کے اصول اور وجوہ سے خارج ہین "-

جب ہبہ بالمشاع اوس جائداد کا کیا جاے جو قابل الانقسام ہو تو ایسی ہبہ کی جواز کی شرط یہ ہے کہ اوس جائداد کی مقدار[1] معلوم اور معین ہو اسواسطے کہ اگر کوی شخص اپنا حصہ ہبہ کرے اور وہ حصہ مجہول المقدار ہو تو ہبہ اس وجہ سے ناجائز ہوگا کہ اوس حصہ کی مقدار نہ معلوم ہونیکی وجہ سے تنازعات[2] ہونیکا احتمال ہے بمقدمہ جعفر[3] خان بنام حبشی بیگم صدر کورٹ نے

---

[1] مقدمہ صاحبہ بیگم بنام انجمن وغیرہ - انڈین لا رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۱۱۵ الہ آباد سلسلہ سنہ ۱۸۸۲ع - منہ - [2] فتاوائے عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۱۲۵۲۳ منہ [3] سلکٹ رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۱۲ ۱۲ منہ

یہ تجویز کیا کہ ہبہ اوس اراضی کا جو جائداد مشترکہ کا جزو ہو اوسوقت جائز ہی جبکہ اراضی موہوبہ محدود و
معین ہو یعنے اوسکی مقدار اور حدود معلوم ہون۔

مگر صدر کورٹ کے پرانے فیصلون مین مشاع ہونیکے عذر کو ایسی رقوت بخشی
کہ شاید شرع محمدی کا منشاء ایسا نہین ہے البتہ ہائی کورٹ کلکتہ اور ہائی کورٹ الہ آباد نے جو
فیصلے کیے ہین اونمین اس مسئلہ کو نظر وسیع سے دیکھا ہی اور اونکی رائے اون قوا[illegible]
جو متاخرین علمائے حنفی نے مانند صاحب مجمع الانہار اور صاحب رد المحتار کے بیان
کیے ہین ۔ لیکن بمقدمہ جیون بی بی بنام امتیاز بیگم (انڈین لا رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۹۳ سلسلہ الہ آباد)
عالم ججون نے اون حدود سے تجاوز کیا ہی جو متاخرین فقہائے اسلام نے مقرر کر دئے ہین
۔ اس مقدمہ مین ایک مسلم متوفی کی بیٹی نے اوس ہبہ کی فسخ کرانیکی نالش کی جو اوسکے باپ نے
اپنی زندگی مین اپنے بڑے بیٹے یعنے مدعا علیہ کے نام کیا تھا اور یہ استدعا کی کہ جائداد متنازعہ فیہ
مین میرا حصہ شرعی دلاے ۔ معلوم ہوا کہ جو جائداد مدعا علیہ کے باپ نے اوسکو ہبہ کی تھی اوسمین
منجملہ دیگر چیزون کے ایک ثلث حصہ بعض دیہات کا بھی داخل تھا جسکی زمینداری مشترک اور غیر منقسم
تھی ۔ اور اس ایک ثلث منافع کا مستحق مدعا علیہ کا باپ بعد ادا کرنے مالگذاری سرکاری اور
مصارف تحصیل و وصول کے تھا ۔ مدعیہ نے یہ بحث کی کہ اس حصہ کا ہبہ مشاع ہونیکے وجہ سے ناجائز
ہی ۔ ہائی کورٹ نے یہ تجویز کیا کہ ملکیت اراضی کی ایک حصہ محدود و معین کے ہبہ پر شاع کا اعتراض
نہین ہو سکتا کیونکہ ملکیت اراضی کا ایک حصہ محدود و معین فی نفسہ ایک علیحدہ جائداد ہی یہ رائے
ہائی کورٹ کی فقہائے اسلام کے اقوال کے خلاف معلوم ہوتی ہی مگر غالباً شرع محمدی کے اصل
منشاء کے خلاف نہین ہی ۔

بمقدمہ قاسم حسین بنام شرف النساء (انڈین لا رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۲۰۵ سلسلہ الہ آباد)

ل مقدمہ میر عبد الکریم بنام مسمات فخر النساء بیگم سلکت رپوٹ جلد ۲ صفحہ ۴۴ ۔ و مقدمہ سیدہ باسط علی بنام سید شاہ
امام الدین سلکت رپوٹ جلد ۳ صفحہ ۱۲۷ ۔ و مقدمہ مسمات خانم بی بی بنام مسمات جان بی بی سلکت رپوٹ جلد ۳ صفحہ

جسمین ایک واہبہ نے دو موہوب لہم کو ہبہ کیا تھا ہبہ نامہ کی عبارت یہ تھی

"منمقرہ مسمات بیجی اس ہبہ نامہ کے ذریعہ سے اعلان کرتی ہون کہ بارھوان حصہ اپنی معافی کا اور ایک مکان مسکون جسمین ایک کمرہ شمال و مشرق رویہ ہی اور جسکے محاذ کی پانچ گز زمین ہی اور دو دالان مشرق رویہ اور ایک دروازہ اور ایک پاخانہ اور ایک ڈیوڑھی اور ایک زینہ ہی جو میری جائداد موروثی ہی اور جسپر مین ایک تقسیم نامہ کے ذریعہ سے قابض ہون - منمقرہ نے قاسم حسین اور کاظم حسین (مدعا علیہما) کو جائداد مذکورۂ بالا کا مع اوسکے حدود و حقوق خارجی و داخلی خورد و کلان کے مالک مطلق کردیا - اس جائداد مین کسی دوسرے شخص کا کوئی حق نہین ہی اور یہ کفالت اور ولایت اور ہبہ اور بیع اور رہن وغیرہ سے بری اور سبکدوش ہی - اس جائداد کے انتقال کا کوئی مانع نہین ہی اور آجتک یہ جائداد میرے قبضہ مین بلا شرکت غیر رہی ہی اور مینے مسمیان مذکورین کو قبضہ مالکانہ اس جائداد کا دیدیا - منمقرہ یا میرے ورثا کا کوئی حق یا دعوی اس جائداد مین نہین باقی رہا - قاسم حسین اور کاظم حسین کو مینے ان شرائط سے اس جائداد مین اپنا قائم مقام کیا ہی کہ میری حین حیات اس جائداد کی آمدنی میرے اختیار مین رہیگی اور بعد میرے مرنے کے وہ مالکان مطلق اس جائداد کے ہوجاوینگے اور نصف نصف تقسیم کرلینگے اور اسکی آمدنی کو اپنے مصرف مین لاوینگے مگر اونکو یہ اختیار کبھی نہ ہوگا کہ اس جائداد کو منتقل کرین یا اوسپر کوئی بار عائد کرین اور اگر وہ اس جائداد کو صریحاً یا ضمناً منتقل کرین تو ایسا انتقال اس ہبہ نامہ کی روسے عدالت مین باطل اور ناجائز ہوگا"

واہبہ کے ایک وارث نے فسخ ہبہ کی نالش کی اور تنسیخ ہبہ نامہ کے دو وجوہ بیان کئے - اول یہ کہ یہ وصیت نامہ ہی لہذا دو ثلث جائداد مین نافذ نہین ہوسکتا کہ ورثا کی اجازت اور رضامندی نہین ہی - دوم یہ کہ یہ ہبہ مشاع کی وجہ سے باطل ہی -

پہلے عذر کی نسبت عالم ججون نے یہ تجویز فرمایا ہی کہ -

"اس ہبہ نامہ سے معلوم ہوتا ہی کہ اسکے ذریعہ سے واہب نے لینے حصہ معافی کی حقیت کو بنام مدعاعلیہم منتقل کیا ہی اور اونکو مالکان اراضی معافی قرار دیا ہی مگر واہب نے اپنی حین حیات تک آمدنی اپنے واسطے رکھی تھی۔ خاص خاص حصون کے ہبہ پر شرع محمدی کی رو سے کوی اعتراض نہین ہوسکتا اور یہ ہبہ اسوجہ سے بھی باطل نہین ہی کہ واہب نے یہ شرط کرلی تھی کہ اس علاقہ کی آمدنی سے تاحین حیات وہ خود منتفع ہوگا اور نہ اس وجہ سے باطل ہی کہ جائداد موہوب پر قبضہ نہین ہوا کہ ہبہ مین شرعاً قبضہ شرط ہی اور نہ شرط مذکور کے ہونے سے یہ ہبہ فاسد ہوگیا ہی۔

مقدمہ[1] نواب امجد علیخان بنام محمدی بیگم پریوی کونسل نے یہ تجویز فرمایا ہی کہ اگرچہ انتقال حقیت سے شرع محمدی کی اوس حکم کی تعمیل ہوجاتی ہی جو قبضہ سے باعتبار اوسکے معنی و مفاد شرعی کے متعلق ہی تاہم ایسا کافی نہین ہی تاوقتیکہ انتقال ملکیت کا قصد یا منشا بالفعل یا آیندہ متحقق نہ ہو لیکن جب کسی واہب نے جائداد کو اپنی زندگی مین ازروے شرع محمدی منتقل کردیا ہو اور عین المال کو اپنے اختیار مین نہ رکھا ہو بلکہ صرف یہ شرط کی ہو کہ اپنی حین حیات تک اوسکے منافع سے خود منتفع ہوگا تو اس صورت مین ہبہ ازروے شرع محمدی کامل ہوگا۔ جیسا ن پریوی کونسل فرماتے ہین کہ

"ہدایہ مین یہی مسئلہ بعینہ موجود ہی اور اسکا انکار بھی موجود ہی۔ جو چیز واپس دی گئی وہ بعینہ وہی شے نہین ہی بلکہ اور چیز ہی۔ ہدایہ جلد ۳ کتاب الہبہ صفحہ ۲۹۴ ملاحظہ ہو جسمین یہ اعتراض لکھا ہی کہ جب مال موہوب مین واہب کی شرکت رہے تو ہبہ باطل ہوجاتا ہی اور اسکا جواب یہ لکھا ہی کہ واہب کی شرکت اوس چیز مین ہوی جو اوس مال مین داخل نہین ہی جسکو اوسنے ہبہ کیا ہی یعنے کل شئی غیر منقسم کو اپنے استعمال مین لانا کیونکہ اوسنے اوس شے کے عین کو ہبہ کیا تھا اوسکے تصرف یا استعمال کو نہین ہبہ کیا تھا۔ اس مقدمہ مین مال موہوب چند قطعات تھے جنکا سود واہب نے اپنے لیے رکھا تھا" پھر اس باب مین جیان پریوی کونسل فرماتے ہین کہ

---

[1] مورس انڈین اپلیس جلد ۱۱ صفحہ ۵۱۰۔ ۱۲۔ منہ

"اب ملاحظہ کیجیے کہ اگر موہوب لہ کا یہ اقرار کرلینا کہ ان نوٹون کا سود میرے باپ (واہب) کی زندگی بھر اوسی (باپ) کو ملا کرے ایک شرط منافی ہبہ سمجھی جاے یعنے موہوب لہ کے قبض و تصرف کے منافی تصور کیجاے تو بھی از روے شرع محمدی نفس ہبہ نہ باطل ہوگا بلکہ یہ شرط باطل ہوگی - ہدایہ جلد ۳ کتاب الہبہ صفحہ ۳۰۷ ملاحظہ ہو - پس اس علاقہ کی صرف آمدنی واہب کے تصرف مین آنے سے اسکا ہبہ باطل نہ ہوگا لہذا سب جج کی تجویز اس باب مین غلط ہے - گو ہبہ نامہ مین یہ شرط لکھی ہو کہ یہ جائداد منتقل نہ کیجاے مگر اس سے بھی یہ ہبہ نہیں فاسد ہوسکتا - اب رہا دوسرا عذر اوسکی نسبت عالم ججون نے یہ فرمایا ہے کہ -

" اپیلانٹ نے جو اعتراض اوس تجویز پر کیا ہے جو زینہ اور دروازہ اور پاخانہ کے باب مین سب جج نے لکھی ہے وہ عذر بھی صحیح ہے - مال موہوب کے اس جزو کا ہبہ اسلیے ناجائز قرار دیا ہے کہ یہ اشیاء غیر منقسم ہین "

" اس باب مین ہدایہ کتاب الہبہ مین لکھا ہے کہ " ہبہ کسی چیز کے جزو قابل الانقسام کا جائز نہین ہے تاوقتیکہ جزو مذکور واہب کی جائداد سے جدا نہ کرلیا جاے مگر ہبہ شے غیر قابل الانقسام کے جزو کا جائز ہے - معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء مذکورہ اوس مکان کے رہنے والون کی مشترک نہین اور وہ دیگر اعتبارات سے بھی منقسم تھا مگر وہ اشیاء غیر قابل الانقسام ہین اور واہب نے اپنی تمام حقیت اوس جائداد مین موہوب لہم کو بخشدی ہے لہذا یہ ہبہ ناجائز نہین ہے - یہ محض ایک مہمل بات ہے کہ مکان کی نسبت تو ہبہ جائز رکھا جاے مگر اوسمین آمد و رفت کے سب ذرائع مسدود کردیے جائین "

دو شخصون کو بالمشارکت کوئی جائداد ہبہ کرنا جائز ہے اگر اونکو یہ اجازت دیجاے کہ اسکو باہم تقسیم کرلین یا یہ کہ اونکا قبضہ مال موہوب پر کرا دیا جاے - مگر جب ایک موہوب لہ نابالغ ہو اور دوسرا بالغ ہو تو اس مسئلہ مین شک ہے - ردالمحتار مین لکھا ہے کہ بعض علماء کا قول ہے کہ اگر ایک نابالغ اور ایک بالغ کو بالمشارکت ہبہ کیا جاے

مال مشاع مین اونکے حصون کی تعیین و تصریح نہ کردی جاے تو ہبہ ناجائز ہی اور چونکہ نابالغ خود
اپنے حصہ پر قبضہ نہین کرسکتا لہذا ہبہ کی تکمیل نہین ہوسکتی۔ مگر امام اعظم ابوحنیفہ کے
نزدیک اسمین کچھ فرق نہین ہو کہ ہبہ دو بالغون کو کیا جاے یا ایک بالغ اور ایک نابالغ کو
یا دو نابالغون کو جیسا سابق مین عرض کیا گیا۔

پھر اوسی کتاب مین لکھا ہو کہ "اگر ہبہ ایک بالغ اور ایک نابالغ کو کیا گیا ہو اور
وہ نابالغ اوس بالغ کی حراست مین ہو یا دو بیٹون کو ہبہ کیا ہو جن مین سے ایک بالغ اور
دوسرا نابالغ ہو تو ہبہ جائز نہین ہو۔ جن وجوہ پر یہ اصول مبنی ہین وہ بعید از قیاس
معلوم ہوتے ہین گو ہای کورٹ الہ آباد نے بمقدمہ نظام الدین[1] بنام زبین بی بی
ظاہرا اون اصول کو تسلیم کرلیا ہو۔

اس مقدمہ مین ایک شخص قادر بخش نامے نے ایک ربع جایداد کی وصیت
اپنے اولاد اکبر ظہیر الدین کے حق مین اس شرط سے کی تھی کہ ایک جز اس جایداد کا جو دریاے
راوی کے شمال مین واقع ہو اور جسمین کچھ اراضی از قسم لکھراج داخل ہو موصی کی وفات کے بعد
ظہیر الدین کو ملے اور باقی جو دریاے مذکور کے جنوب مین ہو موصی کے چھوٹے بیٹے امان اللہ
کو ملے اور اوسکے قبضہ مین اس غرض سے رہے کہ وہ دونون حصون کی مالگذاری وصول
کرکے سرکار مین داخل کرے اور کچھ حساب کتاب نہ سمجھاے تا وقتیکہ ظہیر الدین کے یہان
کوی لائق اولاد پیدا ہو کیونکہ ظہیر الدین اوس علاقہ کے انتظام کی لیاقت نہین رکھتا تھا
جسکی مالگذاری گورنمنٹ کو دیجاتی تھی۔ اپنے باپ کے مرنیکے بعد ظہیر الدین اور امان اللہ
جایداد مذکورۂ بالا پر حسب منشاء موصی قابض و متصرف رہے۔ یکم ستمبر سنہ ۱۸۹۴ع کو
ظہیر الدین نے ایک ہبہ نامہ خمس اوس جایداد کا جو بذریعۂ وصیت اوسکو ملی تھی اپنے
دو بیٹون نظام الدین اور صدر الدین نابالغ کے نام لکھدیا۔ اور اوس ہبہ نامہ مین ان

[1] انڈین لا رپورٹ جلد ۱۹ صفحہ ۵۳۳ سلسلۂ الہ آباد ۱۸۹۷ء

دونون بھائیون کے حصون کی کچھ تصریح نہین کی اور نہ یہ لکھا کہ کس طریقہ سے وہ جائداد
اون کے پاس ہو یا اون مین تقسیم کیجاے - اوسی سال اوس ہبہ نامہ کی رجسٹری ہوئی
اور دریاے راوی کے شمال مین جو اراضی تھی اوسکا داخل خارج بھی ہو گیا ظہیر الدین
نے ۱۸۶۹ء مین انتقال کیا اور چند بیٹیان اور ایک نابالغ بیٹا چھوڑا جو اوسوقت پیدا
ہوا تھا جبکہ ہبہ نامہ نظام الدین اور صدر الدین کے نام تحریر ہو چکا تھا اور ظہیر الدین کا قبضہ
اوس جائداد پر جو دریاے راوی کے جنوب مین تھی کبھی نہ رہا تھا بلکہ وہ جائداد امان اللہ
اور اوسکے بیٹے کے قبضہ مین رہی تھی جو کچھ حساب اوسکے منافع کا ظہیر الدین کو نہین سمجھایا گیا
تھے اور ۱۸۸۱ء تک موہوب لہم کو اوس جائداد پر قبضہ بھی نہ حاصل ہوا تھا - دریاے
اوس جائداد کے جو دریاے راوی کے شمال مین واقع تھی یہ معلوم ہوا کہ موہوب لہم کا
قبضہ کرا دیا گیا تھا - جب ظہیر الدین کی ایک بیٹی زبیدہ بی بی نے یہ نالش کی کہ جو حصہ جائداد
کا میرے باپ نے چھوڑا ہی اور جسکی مستحق مین شرعًا ہون وہ مجکو دلا دیا جاے اور ہبہ نامہ منسوخ
کیا جاے تو عدالت ابتدائی نے یہ تجویز کیا کہ ہبہ نامہ جائز ہی کیونکہ آئین حال موہوب لہم کے
تعیین و تصریح کر دی ہی - مگر عدالت اول اپیل نے اس فیصلہ کو منسوخ کرکے مقدمہ کو واپس
کیا کہ اوس منافع کا تصفیہ کیا جاے جو مدعیہ کو ملنا چاہیئے اور یہ تجویز کیا کہ یہ ہبہ نامہ بموجب
شرع محمدی ناجائز ہی کیونکہ ہبہ بلا تعیین و تصریح حصص موہوب لہم ہوا ہی اور موہوب لہم
کا قبضہ ایک جز مال موہوب پر نہ اوس جز پر جو دریاے راوی کے جنوب مین واقع
ہی واہب کے وفات کے بعد تک نہین ہوا تھا - مگر اوس عدالت نے صاف صاف یہ نہین
لکھا ہی کہ آیا یہ ہبہ بنسبت اوس جز کے جو دریاے راوی کے شمال مین واقع تھا فورًا
نافذ ہو گیا تھا یا نہین اور اوس عدالت نے یہ بھی تجویز کیا کہ واہب کو مجنون یا سفیہ سمجھنے کے
وجوہ کافی نہین پاے گئے گو اوسکے باپ نے اوسکو علاقہ کا انتظام کرنیکی اجازت نہین دی
اس مقدمہ کا اپیل خاص ہائیکورٹ مین ہوا اور مدعیہ اپیلانٹ کی

یہ ہبہ از روے شرع محمدی ناجائز ہی اسواسطے کہ موہوب لہم نے صرف ویسا قبضہ اراضی واقع جنوب دریاے راوی پر پایا تھا جیسا قبضہ واہب دے سکا تھا مگر دریاے مذکور کے شمال مین جو اراضی تھی اوسپر قبضہ واقعی پایا تھا اور گو مال غیر منقسم کا ہبہ خلاف شرع ہی تاہم چونکہ موہوب لہم کا قبضہ ہوگیا تھا لہذا یہ ہبہ مطلقاً ناجائز نہین ہی ۔

ہای کورٹ نے اس مقدمہ مین یہ تجویز فرمایا ہو کہ ۔

" اس مقدمہ مین مدعیہ نے اپنے باپ ظہیر الدین کی جائداد مین مین اپنا حصہ پانیکا دعوی کیا ہی اور اوسکا جواب یہ دیا گیا ہی کہ ظہیر الدین نے جو کسیقدر سعفیہ تھا ایک ہبہ نامہ اپنے بیٹون یعنے اپیلانٹون کے نام ۱۸۶۳ع مین تحریر کیا تھا ۔ اس ہبہ نامہ کی تاریخ تحریر کے بعد ظہیر الدین کے یہان ایک اور بیٹا پیدا ہوا تھا ۔ پس اس ہبہ نامہ کا اثر یہ ہوا ہی کہ متوفی کا سب سے چھوٹا بیٹا اور چند بیٹیان بغیر کسی وجہ وجیہ اور سبب کافی کے محجوب الارث ہوگئی ہین ۔ عدالت ابتدائی نے اس ہبہ نامہ کو جائز قرار دیکر مدعیہ کے دعوی کو خارج کیا ۔ عدالت ماتحت اپیل نے اس ہبہ نامہ کو تین وجوہ سے ناجائز قرار دیا ۔ اول یہ کہ مال موہوب قابل الانقسام تھا مگر ہر دو موہوب لہم کے مابین تقسیم کیا گیا ۔ دوم یہ کہ ایک جزو اوس جائداد کا ہبہ نامہ تحریر ہونیکے وقت خود واہب کے قبضہ مین نہ تھا ۔ سوم یہ کہ جب ایک جزو جائداد موہوبہ کا واہب کے قبضہ مین نہ تھا تو واہب اوسکو موہوب لہم کے نام منتقل نہ کرسکتا تھا ۔ دوسرے جزو جائداد کی نسبت جسکو فریقین نے تسلیم کرلیا ہو کہ اوسوقت واہب کے قبضہ مین تھا عدالتہاے ماتحت نے اس امر کی تحقیقات کیا حتٰے نہین کی ہی کہ آیا یہ ہبہ نامہ ظہیر الدین کے وفات کے قبل نافذ ہوچکا تھا ۔ اگر یہ ہبہ نامہ اوس جائداد مین جو دریاے راوی کی سمت شمالی مین واقع تھی فوراً نافذ ہوگیا تھا کہ عدالتہاے ماتحت کی راے کا میلان اسی طرف معلوم ہوتا ہی اور عمدہ شہادت بھی اسکی تائید مین موجود ہی تو ہم یہ نہین تسلیم کرسکتے کہ یہ ہبہ نامہ اوس جائداد کی نسبت نہین نافذ ہوا تھا جو دریاے مذکور کے جنوب مین واقع تھی ۔

جزو آخر الذکر اس جائداد کا ایک امین کے سپرد تھا جسپر فرض تھا کہ اس جزو کے منافع سے کل
مالگذاری جو دونون حصون پر مشخص ہوئی تھی ادا کرے - پس جو شخص یا اشخاص حصہ شمالی پر
قابض تھے اونکو یہ نہین تصور کر سکتے کہ دوسرے حصہ پر جس سے وہ اشخاص یا شخص مالگذاری
دیا کرتے تھے قابض نہ تھے یا اوسکا منافع نہ لیتے تھے - بہر تقدیر واہب نے موہوب لہم کو دیا
قبضہ دیا جیسا وہ خود رکھتا تھا اور جیسا قبضہ وہ حصہ جنوبی پر دے سکتا تھا - البتہ جج کی دوسری
اور تیسری دلیل کی صحت مین تو ہمکو کلام ہے مگر اوسکی پہلی دلیل کو ہم غلط نہین کہہ سکتے شرع
محمدی کا عام قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شئے قابل الانقسام دو شخصون کو ہبہ کیجائے تو واہب کو
چاہیے کہ ہبہ کرنیکے وقت اوسکو تقسیم کردے یا ہبہ کرنیکے بعد فوراً اور موہوب لہم کو
قبضہ دینے کے پیشتر تقسیم کردے تاکہ مشاع کا عذر جاتا رہے اور قبضہ کامل حاصل ہو سکے
- مگر اپیلانٹون کی طرف سے یہ بحث کی گئی کہ اگرچہ جائداد غیر منقسم کا ہبہ خلاف شرع ہے
تاہم اگر موہوب لہم کا قبضہ ہو گیا ہو تو ایسا ہبہ مطلقاً ناجائز نہین ہو گا - اس بحث کا پہلو
صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کا قول ہے اور اسکے مخالف امام اعظم کا قول ہے
لیکن در المختار اور فتاوے عالمگیری کی بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی خاص صورت
مین جیسا یہ مقدمہ ہے جسمین ایک موہوب بالغ اور دوسرا نابالغ ہے مال غیر منقسم کا ہبہ صرف فاسد
ہی نہین ہے بلکہ مطلقاً باطل ہے - اس قاعدہ کے وجوہ بھی بیان کردے ہین اور لکھا ہے کہ ایک خاص
تدبیر یا حیلہ شرعی سے اس قاعدہ کو ٹال سکتے ہین مگر وہ حیلہ شرعی سمجھ مین نہین آتا اور نہ یہ دعویٰ
کیا گیا ہے کہ اس مقدمہ مین ہبہ نامہ کا کاتب یا مکتوب الیہ اوس حیلہ شرعی کو عمل مین لایا تھا -

پس ان معتبر کتابون سے تو وہی راے صحیح معلوم ہوتی ہے جو عدالت ماتحت
اپیل نے لکھی ہے اور وہی راے شرع محمدی کی بنیاد پر قائم رہ سکتی ہے - اگر ایسا نہ ہوتا
تو اس بات مین غور کرنا ہمپر فرض ہو جاتا کہ آیا اس مقدمہ مین شرع محمدی جاری کرنا
واجب ہے یا اسکا فیصلہ اصول عدل و انصاف و ایمان کے موافق کرنا چاہیے -

جنپر ہم اسمین بحث نہین کرتے بلکہ صرف اتنا ہی لکھنے پر اکتفا کرتے ہین کہ چونکہ یہ ہبہ نامہ از روے شرع محمدی ناجائز ثابت ہوا ہی لہذا ایسے مخصوص حالات مین عدل و انصاف اور ایمان کا مقتضی بھی یہ نہین ہی کہ یہ ہبہ نامہ جائز رکھا جاے - اسکو تحریر ہوے ابھی بارہ برس بھی نہین ہوے ہین اور اگر ظہیر الدین زندہ ہوتا تو اوسکے ورثہ اسکو یہ لکھکر کہ اسکی پابندی ہمپر فرض نہین ہی منسوخ کرسکتے تھے - پس اب بھی وہ اسکے جواز مین کلام کرینگے یقینًا اور بخوبی مجاز ہین "

" اس فیصلہ کے آخر مین جو استدلال کیا ہی اوسکو سمجھنا ذرا مشکل ہی اور معلوم ہوتا ہے کہ جن وجوہ پر مسئلہ مشاع حنفیہ کے نزدیک مبنی ہی اون مین حجان ہای کورٹ نے کچھ مسامحہ فرمایا ہی - اسمین کچھ شک نہین ہی کہ مشاع کا اصول اسوجہ سے پیدا ہوا ہی کہ فقہاے حنفی کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ جائداد مشترکہ غیر منقسمہ کے قبضہ مین دقت پڑے گی - یہ گمان کیا گیا ہی کہ مثلًا جب کوی چیز زید کو کہ بالغ ہی ہبہ کیجاے اور عمرو کو بھی ہبہ کیجاے جو نابالغ ہی اور زید کی ولایت مین ہی تو عمرو کا قبضہ ایسا مشتبہ رہے گا کہ بڑے بڑے جھگڑے پیدا ہونگے - علے ہذالقیاس جب ایک پسر بالغ اور ایک پسر نابالغ کو بالاشتراک ہبہ کیا جاے تو اونکا باپ بطور ولی شرعی کے پسر نابالغ کے حصہ پر قابض رہیگا اور پسر بالغ اپنے حصے پر خود قابض ہوگا - پس ظن غالب ہی کہ ہردو موہوب لہم کے قبضہ مشترک سے نہ صرف اون دونون مین بکھیڑا ہوگا بلکہ اوکین اور واہب مین دقت پیدا ہوگی - اور یہ دقت اور یہ بکھیڑا اوس صورت مین اور زیادہ ہوجاے گا جبکہ باپ کے کچھ قرضخواہ ہون اور وہ یہ کہین کہ یہ ہبہ ہمکو فریب دینے کے لیے کیا ہی - پس اس اصول کو اس نظر سے دیکھیے تو ظن غالب ہوتا ہی کہ یہ اصول کچھ تو اسلیے مقرر کیا گیا تھا کہ قرضخواہ محفوظ رہین اور کچھ اس غرض سے کہ واہب یا اوسکے قائم مقام اس معاملہ کی کامل ہونے مین کچھ قیل وقال نہ کرسکین - موہوب لہٗ کو جو کچھ ہبہ مین ملتا ہی تبرعًا یا رضایتًا ملتا ہی اور جب محض رضایتًا ملا تو اوسکا حق مال موہوب کی

کامل نہین ہو سکتا تاوقتیکہ واہب اپنی نیت اور ارادہ وہ جائداد موہوب لہٗ کو بخشدینے کا بخوبی ظاہر نہ کردے۔ یہ ارادہ اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ واہب موہوب لہٗ کا قبضہ موہوب پر کرا دیتا ہے یا اوسکو قبضہ کی اجازت دیتا ہے یا اوسکو اپنی دیگر جائداد سے یا اپنے شرکا کی جائداد سے اس طرح جدا کر دیتا ہے کہ کوی بکھیڑے کی گنجائش نہ باقی رہے جبتک یہ نہ کیا جاے قبض کامل نہین ہو سکتا اور ہبہ محض ایک فعل ناقص ہوتا ہے۔ اگر موہوب لہ نابالغ ہو تو اوسکے ولی کا قبضہ ضرور کرا دیا جاے۔ اور اگر کوی قرضخواہ نہو جسکا قرضہ مال موہوب پر جائز ہو سکے اور اگر ہبہ مین قبضہ ہو گیا ہو اور باقی رہا ہو تو ہبہ جائز ہو گا۔ اور یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس ملک مین ملکیت اراضی کی ہبہ کی نسبت داخل خارج کا قاعدہ اور اور احکام قانونی جنسے انتقال جائداد ثابت ہوتا ہی محض بے نامی[لہ] معاملات کا اندیشہ دفع کرنیکے لیے کافی ہین"

فقہاے حنفی نے شیوع کے اصول سے بچنے کی جو تدبیر لکھی ہی اوس سے بخوبی ثابت ہی کہ وہ خود اس قاعدہ کی سختی کو ناپسند کرتے ہین جیسا رد المختار مین لکھا ہی کہ۔

"اگر ہبہ ایک بالغ اور ایک نابالغ کے نام ہو اور وہ نابالغ اوس نابالغ کی پرورش یا حراست مین ہو یا دو شخصون کے نام ہو جنمین سے ایک بالغ اور ایک نابالغ ہو تو ایسا ہبہ جائز نہین ہی اسواسطے کہ نابالغ کیطرف سے اوسکا ولی قبضہ کرسکتا ہی۔ تاہم ایک حیلہ شرعی سے بالغ اور نابالغ دونون کے نام بالمشارکت ہبہ ہو سکتا ہی۔ وہ حیلہ شرعی یہ ہی کہ کل مال موہوب بالغ کے سپرد کرکے دونون کو ہبہ کر دیا جاے۔ اس صورت مین بالغ موہوب لہ نابالغ کا امین ہوگا اور چونکہ اوسکا قبضہ بطور امین کے ہو چکا ہی لہذا شیوع کا اعتراض نابالغ کے حصہ کے ہبہ پر نہ وارد ہو گا"

اگر کوی شخص دس درہم دو محتاجون کو بطور صدقہ کے دے یعنے خدا کی راہ مین دے تو ایسا ہبہ شیوع کی علت سے فاسد نہ ہو گا"

لہ شاید اس سے اسم فرضی مراد ہی ۱۲ - مترجم

دو دولتمند آدمیون کو صدقہ دینا ہبہ ہی لہذا ایسے مال موہوب مین شیوع
عارض ہوگا اور ایسا ہبہ نافذ نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ مال تقسیم نہ کردیا جاے - شیوع کے عذر سے
ہبہ صرف فاسد ہوجاتا ہی باطل نہین ہوتا - ہبہ باطل اور ہبہ فاسد یا غیر مکمل مین بڑا فرق ہی
بزازیہ مین لکھا ہی کہ ہبہ فاسد قبضہ سے جائز ہوجاتا ہی اور اسی قول کے موافق فصل خصومات
کیا جاتا ہی نہ اوس قول کے موافق جو عمادیہ مین لکھا ہی - پس جب کوی چیز دو شخصون کو ہبہ کیجاے
تو دونون کے قابض ہوجانے سے اوسکا عدم جواز رفع ہوجاتا ہی - اور ہبہ مشاع مین
اگر موہوب لہم مال موہوب کو ہبہ ہونیکے بعد باہم تقسیم کرلین تو ہبہ جائز ہوگا -

بزازیہ کے موافق نصف مکان کا ہبہ جو بہ علت شیوع فاسد ہوتا
اسطرح جائز ہوسکتا ہی کہ پہلے واہب اوس مکان کو ایک قیمت معینہ پر فروخت کرے
بعد اوسکے قرضدار کو وہ قرضہ یعنے قیمت معاف کردے -

شیوع یا اشتباہ سے ہبہ فاسد اوسوقت ہوجاتا ہی جبکہ ہبہ کرنیکے وقت
مال موہوب مشاع یا مشتبہ ہو اور اگر بعد ازآن مشتبہ ہوجاے تو ہبہ فاسد نہ ہوگا اور اشتباہ
بھی ایسا ہو جو شرعاً معتبر ہی -

اگر کوی شخص دو درہم رکھتا ہو اور کسی شخص سے کہے کہ مینے تجھکو انہین سے
ایک درہم ہبہ کیا تو اس صورت مین اگر وہ دونون درہم ہموزن ہون اور دونون خالص ہون
تو ہبہ درست نہ ہوگا لیکن اگر وہ دونون یکسان نہ ہون تو ہبہ صحیح ہوگا کیونکہ آخر الذکر صورت
مین شیوع کا عذر تقسیم سے نہین رفع ہوسکتا اسی طرح اگر وہ دو درہمون کا ایک ثلث
ہبہ کرے تو بھی ہبہ جائز ہوگا -

جب موہوب لہ کو اختیار دیا جاے کہ دو چیزونمین سے ایک کو پسند کرلے
تو اگر اوسوقت پسند کیا ہو جبکہ وہ اپنے مختار کو صاف صاف بیان کرسکتا ہو تو ہبہ درست ہوگا

سلہ رد المختار - سلہ فتاواے عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۵۲۵ - ۱۲ منہ

مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ ان دو تھانون مین سے ایک تھان تم لے لو اور دوسرا تھان اپنے بیٹے کے لیے رہنے دو تو اس صورت مین اگر موہوب لہ اونمین سے ایک تھان پسند کرلے قبل اسکے کہ وہ یا واہب اوس مجلس سے جسمین یہ عقد ہبہ ہوا تھا چلا جاسے تو ہبہ جائز ہوگا۔

اگر کوئی شخص دوسرے شخص کا دو چیزون کا قرضدار ہو اور اونمین سے ایک چیز نقد ہو اور دوسری چیز گلہ گوسفند ہو اور قرضخواہ قرضدار سے کہے کہ مینے تجھکو ان دونون مالون مین سے ایک مال ہبہ کیا تو ایسا ہبہ جائز ہوگا۔

نامحدود ہونیکے عذر پر جب بہت زور دیا جاتا ہے تو اکثر موہوب لہم یا موہوب لہم کو اس امر سے مانع ہوتا ہے کہ وہ اس اختیار کو جو اونکو مال موہوب پر قبضہ کرنیکا حاصل ہے عمل مین لاکر اوس ہبہ کو جو ابتدا مین ناجائز تھا جائز کر دین۔ اس دقت کو رفع کرنیکے لیے فقہاے عرب نے تحلیل کا مسئلہ نکالا ہے جسکے معنے حقیقی حلال بنا دینے کے ہین مگر جب ہبہ پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے تو اسکے معنی یہ ہوتے ہین کہ واہب[1] کا مال موہوب کو موہوب لہ پر حلال کرکے ہبہ کو جائز کر دینا۔ امثلۂ ذیل سے یہ مسئلۂ تحلیل ہبہ کا بخوبی سمجھ مین آجاسے گا۔

اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ جو کچھ میرے مال مین سے تمنے کھایا ہے تمھارے لیے حلال ہے تو اوسکو ایسا کرنا جائز ہے لیکن اگر کوئی علامت تنازع یا فساد کی پائی جاسے تو اوسکو ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ ملتقات مین یہی لکھا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ جس کسی نے میرے مال مین سے کھایا ہے اوسکے لیے حلال ہے تو فتوی یہی ہے کہ اوسکو حلال ہے جیسا سراجیہ مین لکھا ہے۔

ایک حدیث مین ابن مقاتل سے منقول ہے کہ ہر شخص کو خواہ امیر ہو خواہ غریب کسی درخت کا میوہ کھانا جائز ہے جبکہ اوسکے مالک نے کہدیا ہو کہ میرے درخت کا میوہ

---

[1] فتاواے عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۱۲۵۳۱ ۔ منہ

کھانا سب لوگون کو حلال ہی۔ فتاوی عتابیہ مین یہی لکھا ہی۔

اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ جتنے حقوق تمھارے مجھپر ہین اون سب کو بحل کردو اور وہ بحل کردے اور سائل کو بری الذمہ کردے تو اس صورت مین اگر صاحب حق اپنے حقوق سے واقف تھا تو سائل شرعاً اور ایماناً بری الذمہ ہوجاے گا۔ لکن اگر صاحب حق اپنے حقوق سے ناواقف تھا تو سائل صرف شرعاً بری الذمہ ہوجائیگا۔ مگر امام ابو یوسف کے نزدیک یہ ہی کہ وہ ایماناً بھی بری الذمہ ہوجاے گا۔ اور یہی فتوی ہی جیسا خلاصۃ مین لکھا ہی۔

اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز دے جسکو یہ دوسرا شخص اپنے اسباب مین آمیختہ کردے اور یقین کلی رکھتا ہو کہ اوس چیز مین اور اپنے اسباب مین کچھ تمیز نہ کرسکیگا اور وہ اوس شخص سے جسنے وہ چیز دی ہی کہے کہ یہ شے مجھپر حلال کردے اور وہ حلال کردے تو وہ چیز اوسپر حلال ہوجاے گی۔ لکن بعد ازان جب وہ اوس چیز کو پہچان جاے تو اوسکو مسترد کردے۔ کنایہ مین یہی لکھا ہی۔

اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ جو کچھ تیرا جی چاہے یا جو کچھ تجھے ملجاے میرے مال مین سے لے لے تیرے لیے حلال ہی تو امام ابو یوسف کے نزدیک تحلیل صرف درہم و دینار پر محدود ہی۔ پس اوس شخص کو زمین یا درخت یا بادام یا گاے یا بکری لینا حلال نہ ہوگا۔ ظہیریہ مین اور خلاصہ مین یہی لکھا ہی۔

اگر کوئی شخص کہے کہ مینے اپنے مال مین سے کھانا دوسرے شخص پر حلال کردیا ہی اور اوس دوسرے شخص کو یہ بابت نہ معلوم ہو تو اس صورت مین اگر وہ شخص اوس مال مین سے کچھ کھاجاے تو حلال نہین ہی اور محیط سرخسی اور تاتارخانیہ مین لکھا ہی کہ اوس شخص کو اوس مال مین سے کھانا جائز نہین ہی تاوقتیکہ اوسکے مالک کی اجازت نہ معلوم ہوجاے۔

ایک شخص دوسرے کا قرضدار ہی اور یہ قرضدار قرضہ کی مقدار سے واقف

سکتی ہی اور قرضدار قرضخواہ سے کہے کہ تیرا جو قرضہ مجھپر ہے مجھکو معاف کردے اور وہ یہ
جواب دے کہ مینے تجھکو دنیا و آخرت دونون مین معاف کیا تو نصیر ایک فقیہ ہین اونکا قول یہ ہی
کہ قرضدار صرف اوسقدر قرضہ سے بری ہوجاے گا جسقدر قرضخواہ کو یقین ہی کہ اسپر میرا اتنا قرضہ ہی
۔ مگر محمد ابن سلمہ سے منقول ہی کہ وہ شخص کل قرضہ سے بری ہوجاے گا اور فقیہ ابولیث اور
دیگر فقہا نے فرمایا ہی کہ ابن سلمہ کا جو قول ہی وہ قاضی کا فیصلہ ہی اور نصیر کا قول آخرت سے
تعلق رکھتا ہی۔ ذخیرہ مین یہی لکھا ہے ۔

اگر کوی شخص کسی سے کہے کہ جو کچھ تونے میرے مال مین سے کھایا ہی یا لیا ہی یا
دیا ہی وہ سب تجھپر حلال ہی تو اس صورت مین جو کچھ اوسنے کھایا ہی وہ تو حلال ہی مگر جو کچھ لیا دیا
ہی وہ حلال نہین ہی ۔ سراج الوہاج مین یہی لکھا ہی ۔

اگر کوی شخص ایک بیمار یا جانور کو یہ کہکر چھوڑ دے کہ جو شخص اسکو گرفتار کرکے
اپنے مصرف مین لاے یہ جانور اوسیکا ہوجاے گا اور فرض کیجیے کہ کوی شخص اوسکو پکڑکر اپنے
استعمال مین لائے تو وہ جانور شرعاً اوسکا مال ہوجاے گا ۔ ابوالقاسم کا یہی فتوی ہی ۔

اگر کوی پالو چڑیا (طیرا مملوکا) چھوڑ دیجاے تو اوسکا حال بھی اوس بیمار
جانور کا سا ہی ۔

اگر کوی شخص کسی جائداد کو غصب کرے اور اوس مال کا مالک حقیقی کہدے کہ مینے
اپنے تمام حقوق تجھپر حلال کیے تو علماے بلخ کا قول یہ ہی کہ اس صورت مین وہ غاصب تمام نقصانات
سے بری الذمہ ہوجاے گا مگر اوس مال مخصوص کو واپس کرنیسے بری ہوگا ۔ کنایہ مین یہی لکھا ہی
مگر رسول اللہ صلعم سے ایک حدیث مین منقول ہی کہ اگر ایک شخص دوسرے شخص کے مال کا
ذمہ دار ہو اور اوسکا مالک کہے کہ مینے تجھپر یہ مال حلال کردیا تو یہ ہبہ ہوجاے گا لکن اگر وہ
کہے کہ تحل لک یعنی یہ مال تیرے لیے حلال ہی تو یہ ابرا ہوگا ہبہ نہوگا ۔ ذخیرہ مین یہی لکھا ہی ۔

اگر کوی شخص کہے کہ من ہمہ قرضداران خود را بحل کردم ۔ تو یہ ابرا قرضداران کا

ہو جاے گا مگر ساجر کا ابرا نہ ہوگا - خلاصہ مین یہی لکھا ہی -

اگر کوی شخص اپنے وکیل سے کہے کہ میرے مال سے ایک درہم سے سو درہم تک کھانا تجھپر حلال ہی تو اوس وکیل کو سو یا پچاس درہم یکبارگی سے لینا حلال نہین ہی بلکہ صرف اوسقدر لینا حلال ہی جسقدر راد سکے واجبی گذارہ کے لیے درکار ہو - ملتقے مین یہی لکھا ہی -

فصل چہارم

مال مشاع کا ہبہ مذہب شیعہ کے موافق -

شیعون کے نزدیک مال مشاع یعنے جایداد مشترکہ غیر منقسمہ کے ایک حصہ کا ہبہ شرعًا جائز ہی - چنانچہ شرایع الاسلام مین لکھا ہی کہ وہ اوس مال پر اوسیطرح قبضہ کیا جاے جسطرح بیع مین ہوتا ہی یعنے واہب اوسکو صرف حوالہ کر دے یا خالی کر دے - قبضہ کی حقیقت مال موہوب کی نوعیت پر موقوف ہی جیسا سابق مین شرع حنفی کی بحث مین لکھا گیا - اور یہی قول علامہ علی رح نے تحریر الاحکام مین لکھا ہی اور فرمایا ہی کہ وہ ہبہ کی سب صورتون مین جنمین جایداد غیر منقولہ ہبہ کی گئی ہو صرف قبضہ ظاہر کر دیدینا جسمین قبضہ کے علامات موجود ہون کافی ہی - مگر جایداد منقولہ کے ہبہ مین جہانتک موہوبہ کی نوعیت متعلق ہی وہانتک قبض بالید شرط معلوم ہوتا ہی

پس مذہب شیعہ کے موافق اسمین کلام نہین ہی کہ اگر کوی چیز دو آدمیون کو بالمشارکت ہبہ کیجاے تو اونمین سے ہر ایک موہوب لہ اوسکے ایک جزو کا مالک ہو جاتا ہی - لیکن اگر اونمین سے ایک شخص ہبہ کو قبول کرکے قبضہ کرلے اور دوسرا شخص نہ قبول کرے تو قبول کرنیوالے کے نام ہبہ صحیح ہوگا -

جیسا مذہب حنفی مین قبول جواز ہبہ کی شرط ہی اوسیطرح شرایع الاسلام مین لکھا ہی کہ عقد ہبہ مین ایجاب و قبول ساتھ قبضہ کے ہونا شرط ہی

ایجاب کے یہ معنی ہین کہ واہب اپنی یہ نیت یا خواہش ظاہر کرے کہ حق ملکیت اپنے مال کا بطور ہبہ کے موہوب لہ کیطرف منتقل کرتا ہی مگر یہ معاہدہ جائز نہین ہی تاوقتیکہ واہب

بالغ و رشید اور صحیح العقل اور اپنے مال پر قابض و متصرف نہ ہو یعنے اتنا شعور رکھتا ہو کہ
اس فعل کی حقیقت کو سمجھ سکے اور کوئی نقص شرعی بھی اوسمین نہ ہو۔

جب قرضخواہ قرضدار کو قرضہ معاف کردے تو یہ بمنزلہ ہبہ کے ہوگا اور سُنی او شیعہ
دونون کے نزدیک جائز ہی مگر چونکہ قرضہ پر باشئے غیر مقبوض پر قبض بالید حاصل کرنا دشوار ہی
لہذا بعض علماے شیعہ نے جنہین سے صاحب شرایع بھی ہین لکھا ہی کہ قرضخواہ قرضہ وصول
کرنیکا حق تیسرے شخص کو نہین ہبہ کرسکتا۔ مگر بعض علماے شیعہ کا قول مثل شیخ ابوجعفر طوسی
کے اسکے خلاف ہی اور اسمین کچھ شبہ نہین ہی کہ علماے شیعہ کے اقوال کا تتبع کرنے سے اور
صدہا برس شیعون مین جو عملدرآمد رہا ہی کہ شئے غیر مقبوض کا ہبہ ہمیشہ جائز سمجھا گیا ہی اوسپر نظر
کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہی کہ قرضہ یا وہ حق جو دوسرے کے ذمہ ہو قرضخواہ یا صاحب ذمہ
تیسرے شخص کو تبرعاً بطور ہبہ کے بحل کرسکتا ہی۔ چنانچہ بمقدمہ نواب امجد علی خان
بنام محمدی بیگم وغیرہ پر امیسری نوٹ ہبہ ہوئی تھی اور غور کرنیسے معلوم ہوا کہ نوٹونکا ہبہ بمنزلہ اسکے
تھا کہ اوس سود کے وصول کرنیکے حق کو ہبہ کیا جسکی ضمانت مین وہ نوٹ سرکار نے دئے تھے
اس مقدمہ مین بحث نہین پیش کی گئی کہ یہ ہبہ اسوجہ سے ناجائز ہی کہ سود وصول کرنیکا حق
ہبہ کیا گیا ہی حالانکہ فریقین شیعہ مذہب تھے۔ بلکہ اس ہبہ پر صرف یہ اعتراض کیا گیا کہ
ان نوٹون کا سود واہب نے اپنے حین حیات اپنے تصرف مین لاتا رہا اور ایسا تصرف شرعاً
ہبہ کو باطل کردیتا ہی۔ پس یہ کہہ سکتے ہین کہ شئے غیر مقبوض یا حق غیر مقبوض کو ہبہ کرنا
شیعون کے مذہب مین جائز ہی۔ شیعون مین جو لوگ احکام شرع مین توسیع کے
قائل ہین اونکے نزدیک ابرا کا جواز موہوب لہ کے قبول کرلینے پر موقوف
نہین ہی مگر بعض اکابر علماے شیعہ نے مثل شیخ ابوجعفر طوسی رح کے حنفیہ سے
اتفاق کرکے فرمایا ہی کہ قرضخواہ یا دائن کا اذن ابرا کے جواز کے لیے ضرور رہی۔ اور
یہی قول اصول انصاف کے موافق معلوم ہوتا ہی۔ کیونکہ ابرا کے معنی صرف یہ ہین کہ قرضخواہ

یا دائن اپنا یہ ارادہ ظاہر کرے کہ قرضدار یا مدیون پر قبضہ کا دعوے کرے گا۔ لکن اگر قرضخواہ یہ ارادہ ظاہر کرے کہ قبضہ کا دعوے نہ کرے گا اور اس ابرا کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ قبضہ کا مطالبہ نہ کرسکے تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ قرضدار قرضخواہ سے اصرار نہ کرسکے کہ قرضہ کا ادا ہونا قبول کرلے۔ دین کی تعریف ایک عالم انگریز[1] نے یہ لکھی ہے کہ دین وہ تعلق ہے جو دو آدمیوں میں ہوتا ہے جنمیں سے ایک شخص دوسرے کے افعال پر متصرف ہونیکا ایک خاص حق رکھتا ہے اور اوسکو کسی خاص امر کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم کرتا ہے۔ یہی تعریف اوس معاملہ پر صادق آتی ہے جسکو فقہاے عرب کی اصطلاح میں عقد کہتے ہیں۔ عقد کے معنی فقہاے اسلام کی اصطلاح میں یہ ہیں کہ وہ تعلق جس سے ایک شخص کو دوسرے پر کوئی حق حاصل ہوجاتا ہے اور اوس شخص پر اس دوسرے شخص کا بھی کوئی حق اکثر پیدا ہوجاتا ہے۔ اسی خیال سے فقہاے حنفی نے یہ قرار دیا ہے کہ قرضدار کو قرضہ ہبہ یا معاف کردینا ہبۂ کامل ہے بے اسکے کہ قرضدار اوسکو قبول کرے۔ البتہ اگر وہ اوسکو نہ قبول کرے تو ہبہ منسوخ ہوجائے گا۔ مگر یہ قول صرف اصل قرضدار پر صادق آتا ہے اسواسطے کہ ضامن کو قرضہ ہبہ کرنا ہبۂ کامل نہیں ہے بدون اسکے کہ وہ اوسکو قبول کرے اور اگر وہ نہ قبول کرے تو منسوخ ہوجائے گا۔ اگر قرضخواہ اصل قرضدار کو قرضہ ہبہ یا معاف کردے اور وہ اوسکو قبول کرلے تو قرضدار اور ضامن دونوں بری الذمہ ہوجائینگے لکن اگر قرضدار اوسکو نہ منظور کرے تو بری الذمہ نہ ہوگا۔ پس یہ سمجھنا چاہیے کہ شرایع الاسلام میں جو یہ قول لکھا ہے کہ ابرا کے لیے قبول شرط نہیں ہے اسکی تفصیل اون مسائل سے معلوم ہوتی ہے جو جامع الشتات میں لکھے ہیں اور جنسے ثابت ہوتا ہے کہ اگر ابرا نہ قبول کیا جائے تو غیر موثر اور باطل ہوگا۔ فقط

---

[1] پالک صاحب کی کتاب صفحہ ۱۲۴۔ منہ [2] فتاوائے عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۵۳۵۔ ۱۲۵۳۶۔ منہ

دوسرا باب

ہبہ سے متعلق رسوم شرعیہ

فصل اول

شرع محمدی میں ہبہ کسی خاص رسم شرعی کا تابع نہیں ہے نہ کوئی خاص شہرت یا اعلان اوسمین درکار ہے۔ ہبہ زبانی اور تحریری دونوں طرح سے ہوسکتا ہے۔ مگر جب جائداد غیر منقولہ کا ہبہ تحریراً کیا جائے تو ایکٹ رجسٹری اور ایکٹ اسٹامپ کے احکام کی تعمیل کرنا ضرور ہے۔

ہبہ کرنیکے لیے کچھ خاص الفاظ استعمال کرنا ضرور نہیں ہے (یعنے ہبہ کا کوئی خاص صیغہ نہیں ہے) بلکہ اگر ایجاب و قبول زبانی ہوا ہو اور کردار یا افعال سے ہبہ کا ارادہ مفہوم ہو تو وہی کافی ہے۔ اگر ہبہ تحریری یا زبانی کیا گیا ہو تو کوئی لفظ جس سے واہب کا ارادہ شئی موہوب کو بخش دینے کا معلوم ہوتا ہو اوس شئی کی ملکیت کے انتقال کو کافی ہے۔ مشکوک صورتو نمین صرف اون قرائن پر عمل کرنا چاہیے جو ہبہ کے ارادہ پر دلالت کرتی ہوں۔ خلاصہ یہ کہ اگر واہب کے کلام سے اوسکا یہ ارادہ پایا جائے کہ حق ملکیت شئی موہوب کا اوسنے منتقل کیا ہے تو بس یہی ہبہ ہوجاویگا لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ واہب کا ارادہ صرف منافع ہبہ کرنیکا تھا عین ہبہ کرنیکا نہ تھا تو یہ عاریت[۱] ہوگی۔

---

[۱] ہو الایجاب وفی خزانة الفتاوی اذا دفع لابنه مالاً فتصرف فیه الابن یکون للاب الا اذا دلت دلالة التملیك۔ قلت فقد افادت التلفظ بالایجاب والقبول لا یشترط بل تکفی القرائن الدالة علی التملیك کمن دفع لفقیر شیئاً وقبضه ولم یتلفظ واحد منهما بشئی وکذا یقع فی الهدیة ونحوها۔ رد المختار جلد ۴ صفحہ ۷۷۱۔ ۵۲ والاصل فی هذه المسائل انه اذا اتی بلفظ ینبئ عن تملیك الرقبة یکون هبة واذا کان منبئاً عن تملیك المنافع یکون عاریة واذا احتمل ونوی الشئی فی ذالك کذا فی المستصفی شرح النافع منقول از عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۲۱

اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو چند دینار دیکر کہے کہ اسکے کپڑے بناکر میرے سامنے پہنکر آ اور زوجہ اون دیناروں کو کسی تجارت مین صرف کرڈالے تو خود وہ دینار اور جو منافع اوس سے پیدا ہو زوجہ کا مال ہو جائیگا بچون کیلیے جو کپڑے بنائے جائین وہ اونہین کا مال ہوجاتے ہین مگر گماشتون یا نوکرون کے لیے جو پوشاک بنائی جائے وہ اونکا مال نہین ہوجاتی ۔

ہبہ کے فعل کے جواز کے شرائط یہ ہین ۔

(۱) ایجاب کسی زبان مین جس سے واہب کا مطلب سمجھ مین آجائے یا وہ ایجاب جو کردار یا افعال سے مفہوم ہو ۔

(۲) قبول صریحی یا ضمنی ۔

(۳) موہوب لہ کا قبضہ شئی موہوب پر ۔[۵۲]

ہدایہ مین ان اصول کو اسطرح بیان کیا ہے ۔

"ہبہ ایجاب و قبول اور اقباض سے جائز ہوتا ہے ۔ ایجاب و قبول اسلیے ضروری کہ ہبہ ایک معاہدہ ہے اور ایجاب و قبول سب معاہدات مین ضروری ہے اور اقباض اسلیے ضروری ہے کہ مال موہوب مین حق ملکیت قائم ہوجائے اسواسطے کہ ہمارے علمار کے نزدیک حق ملکیت شئی موہوب مین صرف معاہدہ بلا اقباض سے نہین قائم ہوتا ۔ امام مالک نے فرمایا ہے کہ مال موہوب مین ملک قبل اقباض قائم ہوجاتا ہے اسواسطے کہ ہبہ بیع کے مشابہ ہے اور صدقہ کے باب مین بھی یہی اختلاف ہے ۔ ہمارے علما کی دو دلیلین اس مسئلہ پر ہین ۔ اول یہ کہ رسول اللہ صلعم نے ایک حدیث مین فرمایا ہے

حاشیہ [۵۲] فتاوے عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۳۴۵ ۱۲ منہ موہوب لہ کا قبضہ اوسوقت شرط ہے جبکہ شئی موہوب پیشتر سے اوسکے قبضہ مین نہو ۔ اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے اور کہے کہ مین نے تجھکو یہ چیز بخشدی اور موہوب لہ اوسپر قبضہ کرلے اور ایک کلمہ بھی نہ کہے تو ہبہ جائز ہوگا ۔ ردّ المختار جلد ۴ صفحہ ۷۸۱ ۱۲ منہ

کہ ہبہ بغیر اقباض جائز نہین ہی - اِس سے آنحضرتؐ کی یہ مراد تھی کہ ملک نہین قائم ہوسکتا تاوقتیکہ اقباض نہو - دوم یہ کہ ہبہ ایک فعل اختیاری ہی پس اگر ہبہ مین ملک قبل اقباض قائم ہوجائے تو یہ لازم آئیگا کہ اقباض فاعل مختار پر فرض ہی قبل اسکے کہ اوسنے برضا و رغبت خود اوسکا اقرار یا عہد کیا ہو - مگر وصایا کا اور ہی حال ہی اسواسطے کہ مال وصیتی مین ملک موصی کی وفات پر قائم ہوتا ہی - اور اوس وقت موصی کی یہ حالت ہوتی ہی کہ وہ اپنے اوپر کسی بات کو فرض نہین کرسکتا یعنے اپنے تئین کسی بات کا پابند نہین کرسکتا ،، -

بمقدمہ نند اسنگھ بنام میر جعفر شاہ یہ تجویز ہوا تھا کہ ہبہ ایجاب و قبول پر موقوف ہی مگر ہبہ کی تکمیل اقباض پر موقوف ہی - اخیر زمانہ مین جو فیصلے ہوے ہین اونمین اس امر سے کسی قدر چشم پوشی کی ہی کہ شرع محمدی مین اقباض کو جواز ہبہ مین کیا دخل ہی - بعض اوقات تو یہ گمان کیا گیا ہی کہ جواز ہبہ مین جو اقباض شرط ہی تو اوسکے معنے یہ ہین کہ قبضہ واقعی یا انتقال قبضہ کردیا جائے - پس یہ تحقیق کرنا ضرور ہوا کہ لفظ اقباض کے ٹھیک معنے شرع محمدی مین کیا ہین - یہ تسلیم کرنا ضرور ہی کہ تاوقتیکہ اقباض صریحی یا ضمنی موہوب لہ کا بعد ہبہ کے قیاس نہ کرلیا جائے ہبہ غیر موثر ہوگا - مگر اس مسئلہ مین جو علما کے اقوال لکھے ہین اونکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ قبضہ واقعی ضرور نہین ہی - یعنے اگر قبضہ کی نوعیت بدل گئی ہو تو مال موہوب کے صرف واہب کے قبضہ مین رہنے سے جواز ہبہ مین فرق نہین آسکتا - جائز ہی کہ واہب بطور امین یا متولی کے مال موہوب پر قابض رہے ایسا قبضہ جواز ہبہ پر موثر نہوگا - اسی طرح سے اگر مال موہوب موہوب لہ کے قبضہ مین آگیا ہو

سلاکٹ رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۱۲۵ سنہ - ویکلی رپورٹر جلد ۱۶ صفحہ ۱۸۸ سنہ ۱۲ - ہدایہ ترجمۂ انگریزی جلد ۳ صفحہ ۲۹۵ سنہ ۱۲۰

تو اس صورت مین ہبہ کامل ہوگا گو اقباض نہوا ہو کیونکہ جب مال موہوب موہوب لہ کے قبضہ مین ہوا تو اقباض کی کیا ضرورت باقی رہی۔ مگر جب آس نے اپنی امانت کو این کے ہاتھ فروخت کرڈالے تو اس صورت مین قبضہ اصلی کافی نہوگا اسواسطے بیع وشرا مین جو اقباض ہوتا ہی اوس سے ذمہ داری پیدا ہوتی ہی پس وہ اوس اقباض کے قائم مقام نہین ہو سکتا جو امانت مین ہوتا ہی۔ مگر برخلاف اسکے جو اقباض ہبہ مین ہوتا ہی چونکہ اوس سے ذمہ داری نہین پیدا ہوتی لہذا وہ اوس اقباض کے قائم مقام ہو سکتا ہی جو امانت مین ہوتا ہی،،۔

جن صورتون مین ہبہ نابالغون کو کیا گیا ہو اونمین شرع کا مدار واہب کے ارادہ پر ہی۔ جب باپ یا اور کسی ولی کا ارادہ ہبہ کرنیکا پایا جائے تو تبدیل یا انتقال قبضہ کی کچھ ضرورت نہین ہی کیونکہ بعد ہبہ کے واہب کا مال موہوب پر قابض رہنا یہ سمجھا جائیگا کہ نابالغ موہوب لہ کی طرف سے قابض رہا۔ یہ اصول بمقدمہ عبیدالنسا رخاتون بنام امیرالنسا رخاتون نہایت واضح طور سے مقرر کردیا گیا ہی۔[1] اس مقدمہ کے فیصلہ مین پروی کونسل نے یہ تجویز فرمایا ہی کہ جب باپ یا اور کسی ولی کا واقعی ارادہ ہبہ کرنیکا ہو تو شرع محمدی کے روسے تبدیل قبضہ کی ضرورت نہین ہی بلکہ یہ قیاس کیا جائے گا کہ بعد ہبہ جو واہب قابض رہا تو نابالغ موہوب لہ کیطرف سے قابض رہا۔

قاضی خان کا قول یہ ہی کہ موہوب لہ اگر بالغ ہی تو اوسکا شئی موہوب پر قبضہ کرنیکے قابل ہونا یعنے اوس شئی پر حق ملکیت کو عمل مین لانیکے قابل ہونا جواز ہبہ کو کافی ہی۔ پس جب ہبہ کیا جائے اور موہوب لہم سے کہدیا جائے کہ مال موہوب کو

---

[1] مقدمہ امیرالنسا رخاتون بنام عبیدالنسا رخاتون۔ انڈین لارپورٹ جلد ۲ انڈین اپیلس صفحہ ۸۷ سنہ ۱۲۔

قبضہ کرکے آپسمین تقسیم کرلو تو ایسا ہبہ جائز تصور کیا جائیگا۔ بعض صورتونمین قبضہ کرنیکا اختیار بمنزلہ قبضہ کرادینے کے ہوتا ہی۔ اسکے معنے یہ ہین کہ جب واہب موہوب لہ کو یہ اختیار دیدیتا ہی کہ شئی موہوب پر حق ملکیت کو عمل مین لائے تو بمنزلہ اقباض یعنے قبضہ کرادینے کے ہوجاتا ہی۔ مثلاً اگر زید اپنا گھوڑا جو اوسکے اصطبل مین بندھا ہوا ہی بکر کو ہبہ کرے اور بکر کو اوس اصطبل کی کنجی دیدے اور اوسکو قبضہ کرنیکی اجازت دیدے تو ایسا اقباض شرعاً کافی ہی۔

مگر قبضہ موہوب لہ کا چاہئیے کہ واہب کی اجازت سے ہوا ہو۔ جیسا ہدایہ میں لکھا ہی کہ۔ ”اگر موہوب لہ اوس محفل مین جسمین ہبہ کیا گیا ہو بغیر اجازت واہب قبضہ کرے تو ہبہ جائز ہوگا علی وجہ الاستحسان۔ لیکن اگر اسکے برخلاف اوس محفل کے برخواست ہونیکے بعد موہوب لہ نے بلا اجازت واہب قبضہ کرلیا ہو تو ناجائز ہی تاوقتیکہ واہب سے قبضہ کرنیکی اجازت نہ لیلے۔ قیاس کا مقتضی تو یہی ہی کہ ان دونون صورتونمین قبضہ ناجائز ہی اسواسطے کہ یہ اقباض کا فعل نسبت اوس شئی کے ہی جو تابحال واہب کا مال ہی اور چونکہ اقباض کے وقت تک اوسکا ملک اوس شئی مین باقی رہتا ہی لہذا قبضہ کرلینا بغیر اوسکے اذن کے ناجائز ہی۔ اس صورت مین جو حکم شرعی کی توسیع کی گئی ہی تو اس وجہ سے کی گئی ہی کہ ہبہ مین اقباض ایسا ہی جیسا بیع مین قبول اس دلیل سے کہ ہبہ مین ملک کا قائم ہونا اقباض پر موقوف ہی اور بیع مین قبول پر

فی هبة المشاع رجل وهب نصيبا مما يقسم كالدار والارض والكيل والموزون من غير شريكه لا يجوز عند الكل وان وهب من شريكه لا يجوز عندنا وقال ابن ابي ليلى رح يجوز ولو وهب دارا من رجلين لا يجوز في قول ابي حنيفة رح وكذلك كل ما يقسم وقال صاحباه رح جاز ولو رهن دارا من رجلين جاز عند الكل وكذا لو اجر دارا من رجلين ولو وهب نصف داره من رجل ووهب النصف الآخر من رجل آخر وسلم الدار اليهما معا جاز وان تقدم تسليمها الى احدهما لا يجوز وقال ابو حنيفة رح لا يجوز في الوجهين۔ فتاوی قاضی خان صفحہ ۲۸۲

علاوہ برایں چونکہ ہبہ سے مقصود ملک قائم کرنا ہی لہذا اس سے یہ لازم آتا ہی کہ واہب کا
ایجاب موہوب لہ کے اقباض پر ضمناً دلالت کرتا ہی۔ مگر جب اوس جلسہ کے برخواست
ہونیکے بعد جسمین ہبہ کیا گیا ہی قبضہ کیا جائے تو اور صورت ہوجائیگی۔ اس صورت مین
ہمارے علمار نے شئ موہوب مین موہوب لہ کا ملک قائم ہونا نہین تسلیم کیا ہی لکن جب
اقباض سے متصل قبول واقع ہو تو جیسے جواز قبول کا اوس جلسہ خاص کے ساتھ مخصوص ہی
ویسے ہی اوس چیز کا جواز بھی ہی جو اوس سے ملحق ہی۔ اور اوس صورت مین بھی حکم
شرع اور ہی جبکہ واہب اوس جلسۂ خاص مین موہوب لہ کو قبضہ کی ممانعت کردے
کہ اس صورت مین موہوب لہ کا اقباض اوس جلسہ مین ناجائز ہوجائیگا کیونکہ ممانعت
صریحی کے مقابلہ مین محض نیت یا ارادہ جو قرائن سے مفہوم ہو حجت[1] نہین ہوسکتا"

فی الواقع ہبہ شرعاً ناتمام اور غیر موثر ہی تاوقتیکہ موہوب لہ کا قبضہ شئ موہوبہ پر
نہو جائے۔ اور اس حیثیت سے غیر شخص اور واہب کی اولاد بشرطیکہ بالغ ہو برابر ہی
مگر موہوب لہ کا قبضہ واہب کی اجازت سے ہونا چاہیئے گو اوسکی اجازت کا صریحی
ہونا ضرور نہین ہی۔ بلکہ اگر واہب کی اجازت یعنے رضامندی قبضہ سے اوسکے افعال سے
ثابت ہوجائے تو اسقدر ہی کافی ہی۔ اگر ہبہ ہونیکے بعد فوراً قبضہ کرلیا جائے تو اوس ہبہ کے
جواز مین کچھ کلام نہین ہوسکتا لکن اگر ہبہ کرنیکے بعد واہب موہوب لہ کو قبضہ سے مانع ہو
اور اگر اسپر بھی موہوب لہ قبضہ کرے تو یہ ناجائز ہی۔ جب کوئی شئ دو آدمیونکو یکے بعد
دیگرے ہبہ کیجائے اور ہبہ کے بعد دوسرا آدمی قبضہ کرے تو دوسریکا ہبہ
جائز ہوگا۔

جو مقدمات از روے شرع محمدی انتقال جائداد سے پیدا ہوتے ہین اونمین
قبضہ کی بحث کو اسقدر دخل ہی کہ اس لفظ (قبضہ) کے معنے تحقیق کرنا ضروری ہی۔

---

[1] ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۲ ۱۲ منہ

قبضہ اُردو لفظ ہی اور اسکا مرادف عربی مین قبض ہی۔ بمقدمہ[1] آمنہ بی بی بنام خدیجہ بی بی ہائی کورٹ بمبئی مین قبضہ کی بحث پیش ہوئی۔

اس مقدمہ مین شوہر نے اپنا مکان اور اوسکے متعلق کچھ کرایہ کی کوٹھریان وغیرہ اپنی زوجہ کو ہبہ کی تھین۔ اور اوسکو کنجیان حوالہ کرکے (تاکہ قبضہ کرا دینا بخوبی ثابت ہو جائے) خود چند روز کے لیے اوس مکان سے چلا گیا مگر بعد ازآن پھر آیا اور اوسی مکان مین اپنی زوجہ کے ساتھ مرتے دم تک رہا۔ شوہر نے اپنی حیات مین اون کوٹھریونکا کرایہ غالباً زوجہ کی طرف سے وصول کیا تھا۔ شوہر کے ورثہ نے اوسکی زن بیوہ پر تنسیخ ہبہ کا دعوی دائر کیا اور وجہ یہ لکھی کہ قبضہ نہوا تھا۔ اس مقدمہ کے فیصلہ مین ہائس صاحب چیف جسٹس فرماتے ہین کہ۔

وہ جن افعال پر ہبہ کا جواز شرع محمدی مین موقوف ہی وہ ایجاب و قبول اور اقباض ہین۔ مگر جس طریقہ سے قبضہ کرانا چاہیے اوسمین بہت کچھ تغیر کرنا لازم ہی تاکہ اون تعلقات مخصوصہ کے مناسب ہو جائے جو ازروے شرع محمدی شوہر و زوجہ مین ہوتے ہین۔ پس واضح ہو کہ ازروے شرع محمدی شوہر اور زوجہ کی جائداد علیحدہ علیحدہ ہوتی ہی اور ایک کو دوسرے سے کچھ تعلق نہین ہوتا مگر شوہر و زوجہ دونونکو اختیار ہی بلکہ شرع مین دونونکو ترغیب دیگئی ہی کہ ایک دوسرے کو اپنی جائداد ہبہ کرے تاکہ دونونمین باہمی محبت زیادہ ہو جائے۔ اس اصول کی تاکید اکید شرع محمدی مین ہی کہ ایسے ہبہ کو واپس کرلینا جائز نہین ہی گو اور بہت سی صورتونمین ہبہ کو واپس کرلینا جائز ہی۔ زوجہ اپنے شوہر کو وہ مکان ہبہ کرسکتی ہی جسمین وہ دونون رہتے ہین اگرچہ اوسمین زوجہ کی ذاتی جائداد رکھی ہو اور اگرچہ بعد ہبہ کے بھی وہ دونون اوسی مکان مین رہا کیے ہون۔ پس اس اصول کے

---

[1] رپورٹ ہائی کورٹ بمبئی جلد ۸ صفحہ ۱۵۷ ۱۲ منہ

بموجب مین کوئی وجہ نہین دیکھتا کہ شوہر بھی کیون اسکا مجاز نہین ہی کہ اپنی زوجہ کو
وہ مکان ہبہ کرے جسمین وہ دونون رہتے تھے اور جسمین بعد ہبہ کے بھی وہ دونون
رہا کیے ہون بشرطیکہ شوہر ہبہ کرنیکا اختیار رکھتا ہوا ور نیک نیتی سے ہبہ کیا ہو قرضخواہون
یا اور لوگونکے ساتھ فریب کرنیکی نیت سے ہبہ نہ کیا ہو۔ پس اب صرف اقباض یعنے
قبضہ کرانیکی وقت باقی رہی کہ یہ ایک شرط ضروری ہبہ کی ہی۔ اگر کوئی شوہر جو ہبہ
کرنیکا پورا اختیار رکھتا ہو ایک ہبہ نامہ تحریر کرے اور اوس ہبہ نامہ کے شرائط کے
بموجب مکان یا اور کسی جائداد پر قبضہ بقرائن کرا دے یعنے کنجیان وغیرہ موہوب لہ
کے حوالہ کردے بلکہ اپنی نیک نیتی ثابت کرنیکے لیے یہ بھی کرے کہ اوس مکان کو گواہونکے
سامنے خالی کرکے چلا جائے اور جو کچھ اوس مکان مین ہو وہ سب اپنی زوجہ کے
قبض و تصرف مین بلا شرکت غیر چھوڑ جائے تو مین نہین سمجھتا کہ اس سے زیادہ
وہ اور کیا فعل کرسکتا تھا کہ اوس ہبہ کا نفاذ ہو جاے اور پھر اوسکے دیگر حقوق
زوجیت کی تعمیل مین فرق نہ آئے۔ اوسوقت زوجہ کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ مال
موہوب کو لیکر اپنے قبضہ مین رکھے اور اوسی مکان مین رہا کرے اور از روے
شرع محمدی شوہر کو زوجہ کے ساتھ رہنا فرض ہی پس اگر ایسا صاف صاف اظہار
واہب کی نیت کا جیسا اس ہبہ مین ہوا ہی اور اوسکے ساتھ ایسا بدیہی فعل اوسکا
جو گواہونکے سامنے ہوا ہی اوس قبضہ پر دال نہ سمجھا جاے جو از روے شرع محمدی
ہبہ مین شرط ہی تو یہ بمنزلہ اسکے ہوگا کہ ہبہ مین ایک نئی قید لگائی جائے جو میرے
علم و یقین مین کسی کتاب مین نہین لکھی ہی۔ شوہر کو ایک عام اختیار زوجہ کو
ہبہ کرنیکا حاصل ہی لیکن اگر یہ ہبہ ناجائز تصور کیا جاے تو یہ بمنزلہ اسکے ہوگا کہ
یہ قرار دیا جائے کہ شوہر کسی حال مین وہ مکان اپنی زوجہ کو نہین ہبہ کرسکتا
جسمین وہ دونون اوسوقت رہتے ہون اور شوہر کے مرتے دم تک رہا کیے ہون

اگر ایسی کوئی قید ہبہ مین از روے شرع نہین ہی تو شوہر کی جائداد کے ہبہ کرنیکا اور کوئی شرعی طریقہ ضرور ہونا چاہیے - جب ایک مرتبہ قبضہ کرا دیا گیا ہو تو اوسکا دوام قبض کامل کی شرط نہین معلوم ہوتا اور نہ اوسکا عدم دوام ہبہ کو باطل کر دیتا ہے مقدمہ جعفر خان بنام چھٹی بی بی - رپورٹ صدر عدالت دیوانی بنگالہ جلد ۱ صفحہ ۱۲ جسکا حوالہ مارلی صاحب کے خلاصہ نظائر باب ہبہ صفحہ ۵ مین دیا ہی ملاحظہ ہو "شرع محمدی مین جو اقباض معتبر ہی وہ اوس اقباض کے مشابہ معلوم ہوتا ہی جو اگلے زمانہ مین انگلستان مین ہوا کرتا تھا اور جسکی حقیقت یہ ہی کہ زمین کے ایک ٹکڑے پر یا دروازہ کی کنڈی یا کھٹکے پر براے نام قبضہ کرا دیتے تھے - چنانچہ کوک صاحب لکھتے ہین کہ "اگر ہبہ نامہ اوس اراضی کے قبضہ کے نام سے دیدیا جائے یا اگر واہب موہوب لہ سے کہے کہ اس اراضی کو لیکر اس ہبہ نامہ کے موافق اپنے تصرف مین لا یا اس اراضی مین داخل ہو خدا تجھے مبارک کرے تو یہ الفاظ اقباض یعنے قبضہ کرانے پر ضرور دلالت کرتے ہین"

"مدعا علیہ نے دو عبارتین تحفہ جلد ۴ صفحہ ۵۹ و ۵۳۳ سے یہ ثابت کرنیکے لیے نقل کی ہین کہ مکان کی کنجیان دیدینا اور لے لینا بیع و شرا مین اقباض کافی ہی اور اس اعتبار سے ہبہ کو بھی مثل بیع و شرا کے سمجھنا چاہیے - جائداد غیر منقولہ پر مشتری کا قبضہ کرا دینا اون الفاظ پر موقوف ہی جو بایع نے استعمال کیے ہون اور جنسے یہ معنے نکلتے ہون کہ وہ مکان خالی کر دیا گیا ہی اور اوس مکان کی کنجیان دیدینے پر موقوف ہی - تحفہ جلد ۴ صفحہ ۵۹ - اور جو چیز ہبہ کیگئی ہی وہ موہوب لہ کا مال نہین ہو جاتی تاوقتیکہ اوسکا قبضہ نہ کرا دیا جائے - اور یہی حال اون اشیاء کا بھی ہی جو فروخت کیجائین اور واہب کا یہ کہدینا کہ مین نے قبضہ کرا دیا ہی قبضہ واقعی کے لیے کافی ہی - تحفہ جلد ۴ صفحہ ۵۳۳"

"اس مقدمہ مین ہبہ نامہ دیدیا گیا تھا اور اوسکے ساتھ اون مکانات اور اسباب کی کنجیان بھی دیدی گئی تھین جو اوس ہبہ نامہ مین درج تھا اور جسمین وہ مکان بھی داخل تھا جسمین شوہر اور زوجہ اوسوقت رہتے تھے۔ کونسے الفاظ قوی تر اون کلمات سے ہین جو اس ہبہ نامہ مین لکھے ہین اور جنسے واہب کا قصد اتمام و تکمیل ہبہ کا ثابت ہوتا ہی۔ وہ کلمات یہ ہین "منتفعہ اپنا قبضہ اوٹھا کر مکانات وغیرہ پر مسمات مذکورہ کا قبضہ کرا دیا جسکو یہ جائداد ہبہ کیگئی ہی اور تمام شرائط کی تکمیل مین نے اور موہوب لہانے کر دی یعنے ایجاب و قبول اور قبضہ بھی ہوگیا اور مکانات کو خالی بھی کر دیا۔ آیندہ مجھکو کوئی دعوے اس جائداد پر نہین رہا نہ میرے کسی وارث کو کوئی دعوے ان اشیاء مین سے کسی شئی پر ہو سکتا ہی"۔

"میری راے مین شوہر و زوجہ کا باہمی تعلق اور شوہر کا یہ حق کہ اپنی زوجہ کے ساتھ رہا کرے اور اوسکی جائداد کا انتظام کرے یہ دونون باتین اوس نتیجہ کی مبطل ہین جو اون اشخاص کے باب مین جنمین ایسا تعلق نہو اس امر سے نکل سکتا تھا کہ ہبہ کرنیکے بعد مدت تک واہب اوس مکان مین رہا کیا اور اوس سے متعلق جو دوکانین وغیرہ تھین اونکا کرایہ وصول کرتا رہا۔ یہ امر بھی لائق غور ہی کہ شوہر نے بعض کرایہ دارون سے کہدیا تھا کہ مین اپنی زوجہ کی طرف سے کرایہ لیتا ہون جسکو مین نے یہ سب ہبہ کر دیا ہی"۔

"یہ مقدمہ اوس قسم کا نہین ہی جسمین قرضخواہون نے ہبہ کی نسبت دعوے کیا ہو کہ ہمارا حق تلفی کے لیے کیا گیا ہی بلکہ اس مقدمہ مین ورثہ نے پتردید اوس ہبہ کے دعوے کیا ہی جو اوس شخص نے کیا تھا جسکے ذریعہ سے وہ مدعی ہوے ہین"۔

بمقدمہ[۱] جعفر خان بنام حبشی بی بی یہ تجویز ہوا تھا کہ جب ایک مرتبہ قبضہ کرا دیا گیا ہو تو دوام قبضہ کچھ ضرور نہین ہی۔

بمقدمہ[۲] شیخ ابراہیم بنام شیخ سلیمان ہائی کورٹ بمبئی مین باجلاس مسٹر جسٹس ویسٹ صاحب و مسٹر جسٹس نانابھائی ہریداس اس بات پر بحث ہوئی تھی کہ آیا جائداد غیر منقولہ کے ہبہ کی تکمیل قبضہ سے کرنیکے لیے یہ بھی ضرور ہی کہ اوس جائداد کے عین پر قبضہ واقعی ہو جاوے یا باضابطہ طور سے دخل ہو جاوے

مسٹر جسٹس ویسٹ صاحب نے قبضہ کے باب مین اصول شرع محمدی نہایت واضح طور سے تحریر فرمایا ہی کہ۔

وہ اس مقدمہ مین بدالتماس ماتحت کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب اراضی اسامیون کے قبضہ مین ہو تو اونسے یہ کہدینا کہ تم موہوب لہ کی اسامی ہو یا قبول کرو صرف یہی قبضہ ہی جو واہب اوس اراضی پر تکمیل ہبہ کے لیے کرا سکتا ہی۔ بموجب فیصلہ مقدمہ کھیورالنسا بنام روشن جہان ایسا قبضہ کافی ہوگا۔ اس مکان کے قبضہ کی نسبت یہ اصول یاد رکھنا چاہیے کہ جب وہ شخص جسکو کوئی مکان دینا منظور رہا اوس مکان مین موجود ہو تو جو شخص اوس سے پہلے قابض تھا صرف اوسکے کہدینے سے اوس دوسرے شخص کا قبضہ ہو جائیگا۔ وہ شخص مکان کے ایک حصہ مین رہتا ہی اور جب فریقین کی رضامندی سے اوسکا رہنا قبضہ واقعی ہو گیا تو کل مکان پر حاوی ہو گیا ہو متصل اوس جزو کے ہی جسپر قبضہ جائز طور سے کیا گیا ہی ناجائز طور سے نہین کیا گیا ہی۔ جب دو شخص ایک مکان مین موجود ہون تو اونمین سے ایک کا ارادہ ایک کو قابض اور دوسرے کو خارج کرسکتا ہی بے اسکے کہ ایک اوسمین سے نکل جاوئے یا دوسرا باقاعدہ طور سے اوسمین داخل ہو اور

---

[۱] سائکسٹ رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۱۲۔ ۱۲ منہ [۲] انڈین لا رپورٹ جلد ۹ صفحہ ۱۴۶ سلسلہ بمبئی ۱۲ منہ

جہانتک ممکن ہو اوس مالک کے مقصد کی تعمیل کرنا چاہیے جسکا ارادہ منتقل کرنیکا کما حقہ ظاہر ہو گیا ہو"[۵۱]

جب موہوب لہ پیشتر ہی سے قابض ہو تو تجدید قبضہ کی ضرورت نہین ہی۔ پس انتقال باضابطہ کی ضرورت اوسوقت نہین ہی جبکہ مبادین یا ضامن یا متولی کے نام کیا گیا ہو جو پیشتر ہی سے مال موہوب پر قابض ہو[۵۲] - مقدمہ[۵۳] ولایت حسین بنام میرن ہائی کورٹ کلکتہ نے یہ تجویز کیا ہی کہ جب مال موہوب موہوب لہ کے قبضہ مین بحیثیت منتظم یا داروغہ یا مختار واہب کے ہو تو ایسا قبضہ موہوب لہ کا اسلیے کافی نہین ہی کہ جواز ہبہ کے واسطے مال موہوب پر قبضہ واقعی کرا دینے کی ضرورت نہ باقی رہے - اس مقدمہ مین ہبہ مرض الموت کے عالم مین کیا گیا تھا - پس عرض کیا جاتا ہی کہ عالم مجوزان نے جو اصول قرار دیا ہی وہ شرع محمدی سے باہر ہی -

---

[۵۱] ہنود کے ایک مقدمہ مین یعنے مقدمہ کالی داس ملک بنام کنہیا لال پنڈت (انڈین لا رپورٹ جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۱ سلسلہ کلکتہ) پریوی کونسل نے اوس اصول کا ذکر کیا ہی جسکو مسلمانونکے ہبہ کے مقدمات مین بخوبی یاد رکھنا چاہیے - پہلے اس بحث کا تصفیہ کرکے کہ جب ہبہ کے شرائط غیر محدود دیجاوین تو موہوب لہ کو کیا حق پہونچتا ہی جہان پریوی کونسل نے فرمایا ہی کہ - "ہمارے نزدیک ہبہ کے نامحدود شرائط کو ہبہ کے مقصد سے محدود کر دینا چاہیے اور رام سندری کا مقصد یہ تھا کہ رتن منی صرف اپنی زندگی بھر یہ جائداد رکھے"

دربارے جواز یا عدم جواز ہبہ بوجہ نہونے قبضہ کے حکام پریوی کونسل نے یہ عبارت لکھی ہی کہ - "جب واہب کسی ہبہ کی تائید کرے اور دوسرا شخص اوسمین حجت کرے اور واہب اور موہوب لہ دونونکی مخالفت دعوے کرے تو ہبہ صرف اس وجہ سے ناجائز ہو جائیگا کہ واہب نے قبضہ نہین کرایا اور جب موہوب لہ یا مشتری ہبہ یا بیع کے شرائط کے بموجب قبضہ کا مستحق ہو تو اسکی کوئی وجہ نہین ہی کہ ایسا ہبہ یا بیع جائداد منقولہ کی ہو یا غیر منقولہ کی (بشرطیکہ وہ ہبہ یا بیع اس قسم کی نہو کہ اوسکا نافذ کرنا مصالح عامہ کے خلاف ہو) اسطرح کیون نہ نافذ کیجائے کہ موہوب لہ یا مشتری قبضہ پانیکا حق حاصل ہو جائے" - ۱۲ منہ

[۵۲] ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۵ - ردالمختار جلد ۴ صفحہ ۷۸۳ - ۱۲ منہ
[۵۳] لا رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۹۱ سلسلہ کلکتہ ۱۲ منہ

فصل دوم

ہبہ نابالغون کو

جب باپ اپنی نابالغ اولاد کو ہبہ کرے تو قبول کی ضرورت نہین ہی بلکہ اوس ہبہ کی تکمیل صرف معاہدہ سے ہوجاتی ہی اور اسمین کچھ فرق نہین ہی کہ مال موہوب باپ کے قبضہ مین ہی یا کسی امین پاس ہی - اگر باپ کوئی چیز اپنی پسر نابالغ کو ہبہ کرے تو اوس ہبہ کی وجہ سے پسر نابالغ مال موہوب کا مالک ہوجائیگا بشرطیکہ ہبہ کرنیکے وقت شی موہوب یا باپ کے قبضہ مین ہو یا اوس شخص کے قبضہ مین ہو جو باپ کی طرف سے ولی کی حیثیت رکھتا ہو اسواسطے کہ باپ کا قبضہ بمنزلہ اوس نابالغ کے قبضہ کے ہی جو ہبہ مین ہوا ہو اور متولی کا قبضہ بمنزلہ باپ کے قبضہ کے ہی - یہی حکم شرع اوس ہبہ مین بھی جاری ہوگا جو ماں نے اپنی نابالغ اولاد کو کیا ہو جسکو وہ پرورش کرتی ہو اور جسکا باپ مرگیا ہو اور جسکا کوئی ولی نہ مقرر ہوا ہو - اور یہی حکم اوس ہبہ مین بھی جاری ہوگا جو اوس شخص نے جو کسی نابالغ کو پرورش کرتا ہو ایسے ہی حالات مین کیا ہو " واضح ہو کہ صدقہ مین بھی قبضہ کا حکم ویسا ہی ہی جیسا ہبہ مین ہی - مثلاً اگر کوئی شخص کسی غریب کو کوئی چیز بطور صدقہ کے دے جو اوسوقت اوس محتاج کے قبضہ مین ہو تو اس صورت مین وہ محتاج اوس چیز کا مالک ہوجائیگا اور تجدید قبضہ کی ضرورت نہوگی اور اسی طرح سے اگر کوئی باپ اپنی نابالغ اولاد کو کوئی چیز بطور خیرات کے دے اور وہ چیز خود اوسکے قبضہ مین یا اوسکے متولی کے قبضہ مین ہو تو وہ نابالغ اوسکا مالک ہوجائیگا - برخلاف اسکے کہ جب وہ چیز جو اسطرح ہبہ کیگئی ہو رہن رکھی جائے یا غصب کر لی جائے یا بذریعہ بیع ناجائز کے بیچ ڈالی جائے "

" اگر کوئی غیر آدمی کسی نابالغ کو کوئی چیز ہبہ کرے تو اوس نابالغ کے باپ کا قبضہ کرا دینے سے اوس ہبہ کی تکمیل ہوجائیگی اسواسطے کہ جب وہ اوس نابالغ کے

نیک وبد اور نفع ونقصان سب کا ذمہ دار ہوا تو اوس ہبہ کا مالک اور ذمہ دار تو بدرجہ اولےٰ ہوا کہ اوسمین سراسر نابالغ کا فائدہ ہی متصور ہی،،۔

اگر کوئی شخص ایک یتیم کو کوئی چیز ہبہ کرے اور اوسکی طرف سے اوسکا ولی اوس چیز پر قبضہ کرلے اور وہ ولی خواہ اوسکے باپ کا مقرر کیا ہوا وصی ہو خواہ اوسکا دادا خواہ دادا کا مقرر کیا ہوا وصی ہو تو وہ ہبہ جائز ہوگا اسواسطے کہ یہ سب اشخاص اوس یتیم پر ایک قسم کی حکومت رکھتے ہین اور اوسکے باپ کی جگہ ہین۔

اگر کوئی بن باپ کا بچہ اپنی مان کی حراست مین ہو اور وہ اوس چیز پر قبضہ کرلے جو اوس بچہ کو ہبہ کیگئی ہو تو وہ ہبہ جائز ہوگا اسواسطے کہ مان اوسکی جان اور مال کی حافظ ونگہبان ہی اور جب اوس چیز پر قبضہ مان کا ہوا جو اوس بچہ کو ہبہ کیگئی ہو تو گویا خود اوس بچہ کی جان کی حفاظت کا سامان ہوا کیونکہ بچہ کی گذر بے جائداد کے کیونکر ہوسکتی ہی،، یہی قاعدہ اوس غیر آدمی کے قبضہ مین بھی جاری ہوگا جسکے سپرد کوئی بچہ ہو یعنے جب کوئی چیز اوس یتیم کو ہبہ کیجائے جو کسی غیر آدمی کی ولایت مین ہو اور وہ غیر آدمی شئی موہوب پر قبضہ کرے تو شرعاً کافی ہوگا۔

اگر کوئی نابالغ جو ذی شعور یا رشید ہو اوس چیز پر خود قبضہ کرے جو اوسکو ہبہ کیگئی ہو تو شرعاً جائز ہی اسواسطے کہ ایسے فعل مین اوسکا فائدہ ہی اور اس فعل کے کرنیکی قابلیت شرعیہ وہ رکھتا ہی کیونکہ اسکی قابلیت عقل وشعور پر موقوف ہی اور وہ عقل وشعور رکھتا ہی۔

اگر زوجہ نابالغ ہو تو شوہر اوسکی طرف سے اوس چیز پر قبضہ کرسکتا ہی جو زوجہ کو ہبہ کی گئی ہی بشرطیکہ وہ اپنے باپ کے گھر سے شوہر کے گھر جاچکی ہو۔ اور اگر زوجہ کا باپ زندہ ہو تو بھی اوسکا شوہر شرعاً ایسا کرسکتا ہی اسواسطے کہ باپ نے جب اپنی بیٹی کو رخصت کرکے اوسکی سسرال بھیجدیا تو گویا اوسکے معاملات سے دست کش ہو کر اوسکے شوہر کے سپرد کردیا۔ مگر جب لڑکی اپنے باپ کے گھر سے نہ گئی ہو تو ایسا نہو گا

اسواسطے کہ اس صورت مین یہ سمجھا جائیگا کہ باپ اوسکے معاملات سے دست کش نہین ہوا ہی۔ جب ماں یا اور کوئی شخص اوس لڑکی کا ولی ہو تب بھی اور صورت ہوگی اسواسطے کہ وہ اوسکی طرف سے شی موہوب پر قبضہ کرنیکے مستحق نہین ہین الّا اوس صورت مین جبکہ اوسکا باپ مرگیا ہو یا او رکہین چلا گیا ہوا ور اوسکا مقام سکونت نہ معلوم ہو کیونکہ اونکو ایک ضرورت سے اختیار دیا گیا ہی خود اونکی حکومت کچھ نہین ہی اور جب باپ موجود ہو تو وہ ضرورت کہاں باقی رہی۔ اگر کوئی مکان کسی نابالغ کو ہبہ کیا جاے اور اوسمین اوسکے باپ کا اسباب رکہا ہو تو یہ ہبہ[1] جائز ہی۔ اور یہی اصول اور کسی ولی کے ہبہ پر بھی صادق آتا ہی۔ اگر باپ اپنی نابالغ اولاد کو کوئی مکان ہبہ کرے در آنحالیکہ خود اوسمین رہتا ہو تو ایسا ہبہ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہی اور فتوے اونھین کے قول کے موافق ہی۔

جو چیزین دولھن کو جہیز مین دیجاتی ہین اور دولہ کے گھر چلی جاتی ہین وہ دولھن کا مال رہتا ہی الّا اونکا اوسکا باپ کہے کہ مین نے یہ چیزین عاریتاً دی تھین اور اسکا بار ثبوت اوسی پر رہیگا اور باپ کی حیثیت کے باب مین رواج کا لحاظ کیا جائیگا۔

اگر ماں اپنی نابالغ اولاد کو اپنا مہر جو اوسکے شوہر پر ہو ہبہ کرے تو جائز ہی بشرطیکہ ماں اوس اولاد کو مہر وصول کرنیکا اختیار دیدے یعنے ذین مہر لینے کی اجازت اوسکو دیدے۔ چونکہ ہبہ کرنا مال موہوب کے لیلینے کی اجازت پر دلالت کرتا ہی لہذا اس شرط کو ایک لزوم بالالتزام سمجھنا چاہیئے۔

اصول مصرحۂ بالا کا خلاصہ یہ ہی کہ اگر کوئی غیر شخص کسی نابالغ کو کوئی چیز ہبہ کرے تو قبول اور قبضہ کا حق منجانب اوس نابالغ کے اولاً اوسکے باپ کو حاصل ہی

[1] فتاواے عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۵۲۶ ۱۲ منہ

اگر باپ مر گیا ہو یا اتنے فاصلہ پر ہو کہ اوسکا آنا ممکن نہو تو اس صورت مین باپ کا وصی اوسکا قائم مقام ہوگا۔ اگر باپ کا کوئی وصی نہو تو دادا ہوگا اور اوسکی عدم موجودگی مین اوسکا وصی ہوگا۔ علاوہ ان لوگون کے جنکو اولیاے حقیقی سمجھنا چاہیے کوئی شخص مال موہوب پر قبضہ نہین کر سکتا الا اینکہ وہ شخص ولی مجازی اوس نابالغ کا ہو یعنے وہ نابالغ اوس مرد یا عورت کی حراست مین ہوا اور وہ اوسکو پرورش کر رہا ہو یا کر رہی ہو۔

اگر کسی لڑکے کو اوسکا چچا پرورش کر رہا ہو اور اوسکے باپ کا ایک وصی بھی موجود ہو تو چچا کا قبضہ کافی نہوگا تاوقتیکہ یہ نہ ثابت کر دیا جائے کہ وہ وصی نابالغ کیطرف سے مال موہوب پر قبضہ کرنے پر راضی نہوا۔

مان کا قبضہ اوسوقت جائز اور موثر ہی جبکہ اولاد اوسکی حراست مین ہو اور باپ یا دادا نہو۔

اگر لڑکا کسی غیر آدمی کی حراست مین ہو اور وہ اوسکو پرورش کر رہا ہو تو مان یا بھائی یا چچا کا قبضہ ناجائز ہوگا اور اوسی غیر آدمی کا قبضہ کافی ہوگا۔ مگر بمقدمہ ہیدُ بانو بی بی بنام فخرالدین حسین صدر کورٹ کلکتہ نے اس سے بھی ترقی کرکے ایک ہبہ کو جائز قرار دیا ہی جو ایک عورت نے ایک نابالغ لڑکے کے نام لکھدیا تھا جسکو اوسنے اپنا متبنی بنایا تھا اور کچھ جائداد اوسکو ہبہ کی تھی مگر ہبہ کے وقت اور واہب کی زندگی بھر موہوب لہٗ کا قبضہ اوسپر نہین ہوا۔ بلکہ وہ عورت اوس لڑکے کی طرف سے خود اوس جائداد پر قابض رہی۔ پس صدر کورٹ کلکتہ نے ایسے ہبہ کو جائز اور کامل قرار دیا حالانکہ اوس لڑکے کا باپ زندہ تھا۔

اگر کسی نابالغ لڑکی کی شادی ہوگئی ہو اور وہ اپنے شوہر کے پاس رہتی ہو

۱- سلکٹ رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۱۸۰ ۱۲ منہ

اور اوسکو کوئی چیز ہبہ کیجائے جسپر اوسکا باپ یا شوہر قبضہ کرے تو وہ ہبہ صحیح ہی۔

مگر قبل اسکے کہ نابالغ زوجہ اپنے شوہر کے گھر بھیجی جائے اور بعد اسکے کہ وہ سن بلوغ کو پہونچے اوسکا شوہر قبضہ کرنیکا مستحق نہین ہی۔ نابالغ زوجہ کی ولایت اوسکے شوہر سے اوسوقت متعلق ہوتی ہی جبکہ وہ اوسکے گھر آجاتی ہی[۱]۔ جبتک وہ شوہر کے گھر نہ بھیجی جاے شوہر یہ حق نہین رکھتا کہ جو چیز اوسکو ہبہ کیگئی ہو اوسپر اوسکی طرف سے قبضہ کرے البتہ جب وہ اوسکے گھر آجاتی ہی تب وہ اوسکا ولی ہوجاتا ہی[۲]۔

اگر باپ زندہ یا موجود ہو مگر لڑکے کی پرورش اوسکا چچا یا دادا کررہا ہو یا ماں کررہی ہو تو اونکا قبضہ کافی ہوگا۔

اگر نابالغ رشید ہو تو مال موہوب پر قبضہ کرسکتا ہی اور قاضی کو چاہیے کہ اوس مال کا ایک کیوریٹر یعنے ناظر مقرر کردے تاکہ کچھ جھگڑا نہ ہونے پائے۔ جب موہوب لہ مجنون ہو تو قبضہ کا حق اوسکے ولی سے متعلق ہوگا۔

اگر لطیق (لاوارث بچہ) کو کوئی چیز ہبہ کیجاے تو اوس شخص کا قبضہ جو اوسکو پرورش کررہا ہی یا حاکم کا قبضہ کافی ہی۔

نابالغ جو سن رشد کو پہونچ چکا ہو انکار اور قبول دونوں کا حق رکھتا ہی۔ جب کوئی ضرورت لاحق ہو (اور یہ ثابت ہوسکے کہ واہب کا منشا یہ تھا کہ والدین ایسا کرین) تو والدین کو جائز ہی کہ اوس ہبہ کو استعمال مین لائین جو اونکے لڑکے کو کیا گیا مگر اوسکو صرف نہ کرڈالین۔

جو چیزین لڑکے کو ختنہ کی تقریب مین دیجاتی ہین اگر اوسکے مناسب حال ہون

[۱] نابالغ زوجہ کی ولایت اوسکے شوہر سے متعلق نہین ہی جیسا مقدمہ خدیجہ بی بی بنگال لارپورٹ بنگالہ جلد ۵ صفحہ ۵۱۷ فیصلہ ہوچکا ہی۔ مگر اوسکی حراست ناجائز نہین ہی جیسا مقدمہ مریم بی بی لارپورٹ بنگالہ جلد ۱۳ صفحہ ۱۶۰ فیصلہ ہوچکا ہی ۱۲ منہ

[۲] دفعہ ۱۴ ایکٹ ۵۰ سنہ ۱۸۶۰ء ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

تو اوسکے نام ہبہ ہوجاتی ہین - اگر اوسکے مناسب حال نہون تو اوسکے والدین کا مال ہوجاتا ہی یعنے باپ کے عزیزون نے جو چیزین دی ہین وہ باپ کا مال ہوجاتی ہین اور مان کے عزیزون نے جو چیزین دی ہین وہ مان کا مال ہوجاتی ہین - لکن اگر بخشش کرنیوالا اوسوقت صاف صاف کہدے کہ یہ اس لڑکے کو بطور نذر کے دیا جاتا ہی تو وہ اوسی کا مال ہوجائیگا -

جو چڑھاوا دولھن کو چڑھایا جاتا ہی اوسمین بھی یہی قاعدہ جاری ہوگا یعنے اگر دولہ کے عزیزون نے کچھ چیزین دی ہین تو وہ دولہ کا مال ہوگا تاوقتیکہ وہ صاف صاف یہ نہ کہدین کہ یہ دولھن کو دیا جاتا ہی -

کوئی شخص اپنی اولاد کی جائداد کو معاوضہ لیکر بھی نہین ہبہ کرسکتا - یہ ایک نتیجہ بضروری اوس اصول کا ہی جو اولیا رکو نابالغ کا مال بیع کرنیسے مانع ہی الا حالات مخصوصہ مین -

جو لڑکا سن تمیز کو پہونچ گیا ہو یعنے رشید ہو مگر بالغ نہو وہ ہبہ قبول کرسکتا ہی گو اوسکے ولی نے اوسکو نامنظور کیا ہو -

فتاوے قاضی خان مین لکھا ہی کہ اگر کوئی شخص اپنی نابالغ اولاد کو ایک مکان ہبہ کرے اور بعد ازان اوس مکان کو فروخت کرکے اوسکی قیمت کا ایک اور مکان خریدے تو یہ مکان اوس نابالغ کا مال ہوگا - ردالمختار کے موافق بھی قول مختار یہی ہی گو بعض علمانے اسمین اختلاف کیا ہی - جب اس مسئلہ کو نظر تعمق سے دیکھے تو یہ اصول اس سے نکلتا ہی کہ جب باپ نے اپنی اولاد کو کوئی چیز ہبہ کی ہو تو وہ چیز اوس لڑکے کا مال ہوجاتا ہی گو وہ باپ ہی کے قبضہ مین رہے - پس اگر باپ کوئی ایسا فعل اوس جائداد کے ساتھ کرے جو اوس نابالغ کے حق کے منافی ہو تو اوس سے اوس جائداد کے ہبہ کی حقیقت نہ بدل جائیگی اور نہ اوس نابالغ کا

حق زائل ہو جائیگا۔

مگر ممکن ہی کہ وہ ہبہ فریب سے کیا گیا ہو اور اوسکے نافذ کرنیکا قصد کبھی نہوا ہو۔ لیکن یہ جھگڑا باپ اور اوسکی اولاد مین کبھی نہین ہو سکتا اسواسطے کہ والدین جب کوئی چیز اپنی اولاد کو ہبہ کرین تو وہ ہبہ منسوخ نہین ہو سکتا اسمین حنفیہ اور شیعہ دونون کا اتفاق ہی جیسا آیندہ عرض کیا جائیگا۔ یہ جھگڑا صرف باپ کے قرضخواہ کر سکتے ہین جنکا قرضہ ہبہ کرنیکے وقت موجود ہو اور وہ قرضہ اوسی جائداد پر عائد ہوتا ہو جو ہبہ ہوئی ہی اور وہ قرضخواہ یہ دعوے کرین کہ ہبہ کے بعد اس جائداد سے ایسی کارروائی کیگئی ہی جس سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ یہ ہبہ جعلی تھا اور اونکی حق تلفی کے لیے ایک جھوٹ موٹ کا ہبہ نامہ لکھ لیا گیا ہی۔

فصل سوم

ہبہ مع الشرائط

ہبۂ مشروط اور ہبہ مع الشرائط مین بڑا فرق ہی۔ ہبۂ مشروط مانند اون عقود کے ہی جنکا نفاذ بعض امور اتفاقی کے وقوع پر موقوف رکھا جائے سب فرقون کے نزدیک باطل ہی۔ اور ہبہ مع الشرائط کے باب مین حنفیہ اور شیعہ مین کچھ اختلاف ہی حنفیہ کا قول یہ ہی کہ جب ہبہ کی تکمیل مین کوئی نقص ہو جائیگا ہبہ باطل ہو جائیگا۔ اور اگر واہب کا ارادہ موہوب لہ کو کل مال موہوب ہبہ کرنیکا عیان ہو جائے تو اوسکے بعد جو شروط اوسکے حق کو ناقص یا محدود کرنیکے لیے کیے گئے ہون وہ باطل اور کالعدم ہونگے۔ پس حنفیہ کے نزدیک وہ ہبہ تو جائز ہوگا مگر وہ شروط باطل ہونگے۔

مگر شیعون کے نزدیک یہ ہی کہ اگر شرط ہبہ کی معین ہو تو وہ ہبہ اور وہ شرط دونون جائز ہونگے۔ مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہے کہ مین تمکو وہ قرضہ ہبہ

کرتا ہون جو زید کے ذمہ واجب الادا ہی اس شرط سے کہ تم اوسکا سود بکر کو دیدینا تو حنفیہ کے مذہب مین یہ شرط باطل ہی مگر ہبہ صحیح ہی اور مذہب شیعہ مین یہ ہی کہ اگر ہبہ اوس شرط پر موقوف ہی تو کُل ہبہ فاسد ہی - جو ہبہ امور اتفاقی کے وقوع پر موقوف ہو وہ فریقین کے نزدیک باطل ہی - مثلاً قرضہ کو ساقط کرنیکے لیے کوئی شخص یہ کلام کرے کہ "جب کل ہوگا اور تم اتفاقاً مرجاؤگے تو میرا قرضہ جو تمپر ہی وہ ساقط ہوجائیگا" تو یہ باطل اور کالعدم ہی - یا یہ کہے کہ اگر تم اس بیماری سے مرجاؤگے تو یہ مکان تمھارا ہی اس صورت مین بھی ہبہ قطعاً باطل ہی - مگر ایسی شرط کرنا جائز ہی جس سے ہبہ کا فوراً نافذ ہوجانا سمجھا جائے - مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ اگر میرا کچھ روپیہ تمپر قرض ہی تو مین نے تمکو معاف کیا یا جب مین مرجاؤنگا تو میرا قرضہ تمپر معاف ہوجائیگا[۱] -

اگر ایک شخص دوسرے سے کہے "کہ یہ مکان تمھارا ہی - اگر تم میرے پیشتر مرجاؤ تو یہ میرا ہی اور اگر مین تمھارے پیشتر مرجاؤن تو یہ تمھارا ہی" تو نوادر مین امام اعظم ابوحنیفہ سے منقول ہی کہ یہ ہبہ صحیح ہی اور یہ شرائط باطل ہین - اگر کوئی شخص کہے کہ "مین نے یہ رقبہ تمھارے لیے دیا ہی" تو یہ عاریت ہی یعنے موہوب لہ پاس وہ چیز عاریت رہیگی اور اوسکے بیع وغیرہ کا اختیار اوسکو نہوگا بلکہ واہب کو اختیار ہوگا کہ جب چاہے اوس چیز کو واپس کرے - اگر کوئی شخص کہے کہ "مین نے یہ رقبہ تیرے لیے دیا ہی اور یہ تیرا ہی" تو یہ ہبہ ہوگا - مذہب شیعہ[۲] مین یہ ہی کہ جو کلمات حق ملکیت پر دلالت کرین وہ ہبہ کے لیے کافی ہین -

حنفیہ کے نزدیک حین حیاتی عطیہ جسکو عمرہ کہتے ہین ہبہ کا حکم رکھتا ہی اور جو شرط اوسمین لگادی ہی وہ باطل ہی - مثلاً اگر کوئی چیز زید کو اوسکی زندگی تک ہبہ کیجائے

---

[۱] فتاواے قاضی خان جلد ۳ صفحہ ۲۲۹ ۱۲ منہ [۲] جامع الشتات ۱۲ منہ

اور باقی ماندہ بکر کو ہبہ کیجائے تو زید کا ہبہ ہبۂ مطلق ہوگا یعنے اوسکا ملک موہوب مطلقاً قائم ہوجائیگا۔

صرف کسی چیز کے منافع کو بخشدینا شرعاً عاریت[له] ہی اور موہوب لہ یا عاریت لینے والے کو واجب ہی کہ اوس چیز کو واپس کردے۔

شیعون کے مذہب مین محدود عطیات کو ہبہ کرنا جائز ہی اور اونکی کتب فقہ مین ایک خاص باب اسی مضمون مین ہی اور اوسکا نام کتاب الحبس والسکنہ ہی۔

حبس کے معنے لغوی اسباب کا باندھنا ہی اور اسکے اصطلاحی معنے وہ عطیات ہین جو ایک وقت معین پر محدود ہون۔

حبس وہ فعل ہی جس سے مالک کسی چیز کو تصرف مین لانا یا اوس سے منتفع ہونا دوسرے شخص کو مفت یعنے بلا معاوضہ بخشدیتا ہی مگر اپنا حق ملکیت اوسمین باقی رکھتا ہی۔ فریقین کی باہمی رضامندی خواہ صریحی ہو خواہ ضمنی اور تبدیل قبضہ اس معاہدہ کے جواز کو کافی ہی۔

چندروزہ یا محدود عطیات کے مختلف نام اوس مقصد کے موافق ہین جس مقصد سے وہ وقوع مین آئے ہین۔

کسی چیز کو اپنی زندگی بھر اپنے تصرف مین لانا یا اوس سے منتفع ہونا عمرہ کہلاتا ہی۔

کسی مکان کو اپنے تصرف مین لانا بے اسکے کہ اوسمین حق ملکیت پیدا ہوجاے

[له] فتاواے قاضیخان صفحہ ۲۳۰ مین لکھا ہی کہ کسی چیز کے منافع کو بخشدینا عاریت ہی عاریت لینے والا اوس چیز کو اپنے استعمال مین لاسکتا ہی مگر اوسکو ضائع نہین کرسکتا مگر جو چیزین استعمال کرتے کرتے صرف ہوجاتی ہین اون سے ہبہ سمجھا جاتا ہی سواے روپیہ کے

سکنہ کہلاتا ہی۔

کسی چیز کو ایک میعاد معین تک اپنے تصرف مین لانا یا اوس سے منتفع ہونا رقبہ کہلاتا ہی۔ اس لفظ کے معنے لغوی غلامی ہین اور یہ لفظ اوس شرط پر صادق آتا ہی جو ہبۂ کامل کو ناقص کر دیتی ہی اور ہبۂ مطلق کو ایک عطیۂ محدود بنا دیتی ہی۔

ایسا معاہدہ کرنیکے لیے کوئی خاص صیغہ نہین ہی۔ مگر یہ معاہدہ ایسے الفاظ سے ہوسکتا ہی کہ "مین نے فلان زمین سے متمتع ہونیکی اجازت فلان شخص کو اوسکی حیات تک یا فلان میعاد تک دی"۔ یا اور الفاظ سے بھی ہوسکتا ہی جنسے مالک کا ارادہ ظاہر ہوجائے۔ اس معاہدہ کا نفاذ قبضہ کرانیکے بعد واجب ہوجاتا ہی۔ جس معاہدہ کے ذریعہ سے کسی شخص کو کسی مکان مین رہنے یا اوسکو اپنے تصرف مین لانے یا اوس سے منتفع ہونیکا حق عطا کیا گیا ہو وہ معاہدہ معطی کی وفات پر ختم ہوجاتا ہی۔

جب کوئی عطیہ ان الفاظ سے دیا جائے کہ "جب تم مرجاؤگے تو یہ چیز مجھکو واپس ملیگی"، تو اوسکی واپسی عطیہ دار کی وفات کے بعد عمل مین آئیگی۔

جس عطیہ مین معطی نے عطیہ دار اور اوسکے جانشین کو کسی جائداد سے منتفع ہونے یا تصرف مین لانیکا حق بخشا ہو وہ صرف مادام الحیات سمجھا جائیگا اور عطیہ دار کے مرنیکے بعد وہ جائداد معطی کو اسطرح واپس ملیگی گویا کہ جانشین کا لفظ اوسنے نہین کہا تھا۔

جب منافع ایک میعاد معین تک دیا جائے تو اس معاہدہ کی تعمیل بمجرد قبضہ کرا دینیکے واجب ہوجاتی ہی اور مالک اوس عطیہ کو تا انقضائے میعاد معین واپس نہین کرسکتا۔ جو عطیہ معطی کی حیات پر محدود ہو وہ عطیہ دار کے

مرنیکے بعد تمام نہین ہوجاتا بلکہ وہ حق عطیہ دار کے ورثہ پر منتقل ہوجاتا ہی جو معطی کی وفات تک اوس سے منتفع ہوتے ہین۔

جب کسی چیز کا منافع بلاتعیین میعاد دیا گیا ہو تو معطی[1] کو اختیار ہی کہ جب چاہے اوس عطیہ کو منسوخ کردے۔

عطیہ محدود یا عطیہ کسی جائداد کے منافع کا اوس جائداد کے عین کے فروخت کرنیسے ختم نہین ہوجاتا بلکہ عطیہ دار اسکا مستحق ہوتا ہی کہ تا انقضاے میعاد معین اوس جائداد پر قابض رہے اور اوسکے منافع سے منتفع ہو۔

حق سکونت جو عام الفاظ مین عطا کیا گیا ہو عطیہ دار کو مع عیال و اطفال اوس مکان مین رہنے کا مجاز کردیتا ہی مگر وہ اوس حق کو دوسرے شخص پر منتقل نہین کرسکتا تاوقتیکہ کوئی خاص شرط اس مضمون کی نہ ہوگئی ہو۔

عطیہ دار کسی مکان کو جو اوسکے رہنے کے لیے دیا گیا ہو بغیر اجازت خاص معطی کے کرایہ پر نہین دے سکتا۔

سب عطیات جو خاص خاص اشخاص کے تا م بلاتعیین مدت ہون مالک یا معطی کے مرنے پر ختم ہوجاتے ہین اور اوسکے ترکہ مین شامل ہوجاتے ہین اسی طرح سے سب عطیات جنکی میعادین معین ہون بعد انقضاے مدت معینہ ختم ہوکر معطی یا اوسکے ورثہ کو واپس ملتی ہین۔

جب کوئی چیز زید کو اور اوسکی اولاد کو نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ عطا کیجائے تو عطیہ دار کو حق مطلق حاصل ہوجاتا ہی اور وہ عطیہ دائمی ہوجاتا ہی جیسا کہ اون

---

[1] جس چیز کا وقف جائز ہی اوسکا عمرہ بھی جائز ہی یعنے مادام الحیات اوسکو بخشدینا اور یہ عطیہ اوس شی کے بیع سے باطل نہین ہوجاتا اسواسطے کہ مشتری کو واجب ہی کہ جو شروط اوس عطیہ کے قرار پائی ہون اونکی تعمیل کرے۔ شرائع الاسلام صفحہ ۲۴۶ ۱۲ منہ

الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ فی الواقع جب کسی شخص کو اور اوسکی اولاد کو کوئی چیز دوامًا عطا کیجاسے تو عطیہ دار کو اوسمین ایسا حق حاصل ہوجاتا ہے جسکے انتقال وغیرہ پر کوئی قید نہین ہوتی ہے۔

بمقدمہ ناصرحسین بنام صغرے بیگم معلوم ہوا کہ مدعی کے باپ ذوالفقار حسین نے ۲۳ نومبر ۱۸۶۹ء کو اپنے ایک مکان کا ہبہ نامہ اپنے چچازاد بھائیون علی محمد و مظفر حسین اور ابوالمظفر مدعا علیہ کے نام لکھدیا تھا اور ۲۴ دسمبر ۱۸۷۲ء کو ایک اور رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعہ سے اوسی مکان کا حق ملکیت ناصر حسین مدعی کو عطا کیا تھا۔ علی محمد کا حق جو بموجب دستاویز مرقومہ ۲۳ نومبر ۱۸۶۹ء منجملہ تین منتقل الیہم کے ایک منتقل الیہ تھا بعلت اجراے ڈگری صغرے بیگم مدعا علیہا کے قرق کیا گیا۔ مدعی نے بصیغہ اجراے ڈگری عذرداری کی مگر جب اوسکے عذرات نامنظور ہوئے تو اوسنے اوس مکان کی نسبت استقرار حق کی نالش دائر کی اور استدعا کی کہ یہ اعلان فرمایا جاسے کہ علی محمد کی وفات کے بعد اوسکا سارا حق اس مکان مین جاتا رہا۔ پس اس مقدمہ مین تنقیح طلب یہ امر تھا کہ آیا حسب شرائط دستاویز مرقومہ ۲۳ نومبر ۱۸۶۹ء حق ملکیت اس مکان کا منتقل الیہم پر منتقل ہوگیا تھا یا نہین۔ اوس دستاویز کی عبارت ضروری درج ذیل ہے۔

"مین نے یہ مکان اپنے بھائیون علی محمد و مظفر حسین اور ابوالمظفر کو برضا و رغبت خود اور بلا اجبار و اکراہ دیا کہ وہ اور اونکی اولاد نسلاً بعد نسلٍ و بطنًا بعد بطنٍ اسمین رہا کرین۔ مجھے اور میرے ورثہ کو کوئی دعوے اس مکان پر نہین ہے اور نہ آیندہ ہوگا لیکن اگر برادران مذکورین اس مکان کو بیع یا رہن کرنا چاہین تو مجھے اور میرے ورثہ کو اسپر دعوے رہیگا۔ جبتک بیع یا رہن نہ عمل مین آئے مجھے اور میرے ورثہ کو اس مکان سے کچھ تعلق اور سروکار نہین ہے۔

عدالت ابتدائی نے اس مقدمہ مین یہ تجویز کیا کہ علی محمد کا حق جو منجملہ موہوب لہم کے ایک موہوب لہ ہی لائق توریث اور قابل الانتقال ہی اور دعوے خارج کر دیا۔ مدعی نے ہائی کورٹ مین اپیل کیا اور یہ عذر پیش کیا کہ چونکہ اس مقدمہ مین فریقین شیعہ مذہب ہین لہذا جن کتب فقہ پر عدالت ماتحت نے بھروسا کیا ہی اور جو اہل سنت کی کتابین ہین اونکے پابند فریقین نہین ہوسکتے۔ ہائی کورٹ الہ آباد نے عدالت ابتدائی کے فیصلہ کو بحال رکھا اور یہ تجویز لکھی کہ۔

"ہمارے نزدیک سب جج کی راے اس مقدمہ مین صحیح ہی کہ مکان متنازع فیہ مدعا علیہم نے صرف رہن کے لیے نہین لیا تھا بلکہ مطلقاً لے لیا تھا۔ ہبہ نامہ مین جو الفاظ ہبہ مطلق پر دلالت کرتے ہین وہ بہت صاف ہین (اون الفاظ کو نقل کرکے عالم جج نے فرمایا ہی) ایسی دستاویز کے معنی بخوبی عیان ہین۔ اس مکان کے ہبہ سے مقصود وہان سکونت تھی مگر خود یہ مکان موہوب لہم کو "نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ" ہبہ کیا گیا ہی اور اسکے بعد جو لکھا ہی وہ صرف بطور سفارش کے لکھا ہی اور شرعاً یہ قوت نہین رکھتا کہ نفس مکان کے ہبہ کو محدود کر دے۔ ایسی دستاویزون کے یہی معنے سب قوانین کے موافق لیے جاتے ہین خواہ یورپ کے قوانین ہون خواہ ہندوستان کے ہون۔ یہ معنے قانون انگلستان کے بالکل موافق ہین اور سب جج نے ثابت کردیا ہی کہ شرع محمدی کے بھی موافق ہین"۔

اپیلانٹ کی طرف سے یہ بحث کی گئی کہ اس مقدمہ مین فریقین شیعہ مذہب ہین اور جن کتابون کا حوالہ دیا گیا ہی وہ سنیون کی کتابین ہین۔ اسمین شک نہین ہی کہ اس مقدمہ مین فریقین شیعہ ہین اور اگر مذہب امامیہ مین کوئی حکم سنیون کی شرع کے خلاف ہوتا جسکا حوالہ سب جج نے دیا ہی تو اوس حکم کو نافذ کرنا ہمپر فرض ہوجاتا۔ مگر بیلی صاحب کی شرع امامیہ صفحہ ۲۲۶ سطبوعہ ۱۸۶۹ء مین ہمنے مسائل شیعہ مین

بخوبی غور کیا تو سمجھو خوب ثابت ہو گیا کہ اس مسئلہ مین فریقین مین کچھ اختلاف نہین ہی
فی الواقع سنیون کی شرع تو اس باب مین بہت صریح و واضح ہی مگر امامیہ کی شرع
ساکت وصامت ہی۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ امامیہ کی شرع کا منشا یہ ہی
کہ جب امامیہ کی کتابون مین اس قسم کے ہبہ کا کہین ذکر نہین لکھا ہی کہ ایسا ہبہ موہوب
لہ کے حیات پر محدود ہی تو اس صورت مین شیعون کے مقدمات مین سنیون کی
شرع جاری کرنی چاہیے[1]"

تاہم بیلی صاحب کی شرع امامیہ صفحہ ۲۲۶-۲۲۷ مین ایک عبارت ایسی لکھی ہی
کہ اگر شیعون کا قول یہی ہی جیسا اس عبارت سے ثابت ہوتا ہی تو اوسمین غور کرنا
لازم ہی۔ وہ عبارت یہ ہی کہ "اگر کوئی شخص کہے کہ مین نے یہ مکان تجھکو تاحیات دیا
اور تیرے جانشین کو دیا تو یہ صرف عمرہ ہوگا یعنے اوسی کی حیات تک رہیگا اور قول
اصح یہی ہی کہ اوسکے جانشین پر منتقل ہوگا گویا کہ اوسنے جانشین کا لفظ کہا ہی نہ تھا"
اگر شرع امامیہ یہی ہی تو اوسکا سمجھنا مشکل ہی اور اوس سے بھی زیادہ یہ سمجھنا مشکل ہی کہ
حقیت ایسی محدود ہو گئی کہ ہبہ کے صیغہ سے اوس لفظ کو نکال ڈالنے کی ضرورت
ہوئی جو اوسکے اثر کو جانشین تک صاف پہونچا دیتا ہی۔ مصنف نے یہ نہین لکھا ہی
کہ قول اصح یا قول مختار اونھون نے کسکے قول کو کہا ہی۔ یہ ایک بالکل خود رایانہ
اور بے دلیل تفسیر ہبہ کی ہی جس سے یہ لازم آتا ہی کہ اگر "تیرے جانشین" کا لفظ بھی
اس ہبہ کا جزو رکھا جائے تو ہبہ نہ باقی رہیگا۔ مگر اس مقدمہ مین مکان ایسے
وسیع الفاظ سے موہوب لہ کو ہبہ کیا گیا ہی کہ اگر اون الفاظ کے کچھ معنے شرع مین
ہین تو اون سے صاف یہ معلوم ہوتا ہی کہ یہ مکان مطلقاً ہبہ کیا گیا"

---

[1] اسمین کچھ شک نہین ہی کہ یہ راے ہائی کورٹ کی شرع امامیہ کی غلط فہمی پر مبنی ہی ۱۲ منہ

فصل چہارم

ہبہ بشروط۔

اگر کوئی شخص کسی کو ایک قطعہ اراضی اس شرط پر ہبہ کرے کہ موہوب لہ اوس اراضی کی پیداوار واہب کو اوسکی بسر اوقات کے لیے دیا کریگا تو ابو القاسم کے قول کے موافق یہ ہی کہ اگر اوس اراضی مین کچھ پیداوار ہوتی ہو تو ہبہ صحیح ہی مگر شرط باطل ہی۔ لکن اگر وہ اراضی افتادہ یا غیر قابل الزراعت ہو تو ہبہ فاسد ہی۔ شیعون کے مذہب مین ہبہ اور شرط دونون صحیح ہین۔ بموجب اوس فیصلہ کے جو پریوی کونسل نے بمقدمہ[۱] نواب امجد علی خان بنام محمدی بیگم کیا ہی جب کسی شی کا عین ہبہ کیا جائے اور اوسکا منافع واہب اپنی حیات مین اپنے تصرف مین لائے تو ایسا ہبہ جائز تصور کیا جائیگا۔ اس فیصلہ مین حکام پریوی کونسل نے فرمایا ہی کہ "زیر غور طلب یہ امر ہی کہ جب کوئی واہب اپنی زندگی مین کوئی جائداد از روے شرع محمدی کسی کے نام منتقل کرے اور عین المال پر اپنا ملک کلاً و جزاً نہ باقی رکھے بلکہ صرف یہ شرط کرے کہ جبتک خود زندہ رہیگا اوسکا منافع پانیکا مستحق ہوگا تو آیا ایسا ہبہ از روے شرع محمدی غیر مکمل ہی۔ ہدایہ مین بعینہ یہی مسئلہ لکھا ہی اور اسکا استفسار کیا ہی۔ جو چیز واہب کو واپس دیجائیگی وہ بعینہ مال موہوب نہین ہی بلکہ اور ہی چیز ہی۔ ہدایہ کتاب الہبہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۴ ملاحظہ ہو جسمین پہلے یہ اعتراض لکھا ہی کہ شی موہوب مین واہب کی شرکت سے ہبہ فاسد ہوجاتا ہی اور اسکا جواب یہ لکھا ہی کہ " واہب کا تصرف اوس چیز مین ہوا ہی جسکو اوسنے ہبہ نہین کیا ہی یعنے اوسکا تصرف اوس چیز کے منافع مین ہوا ہی اور اوسنے اوس چیز کا عین ہبہ کیا تھا اوسکا منافع نہین ہبہ کیا تھا"

---

[۱] مورس انڈین اپیلس جلد ۱۱ صفحہ ۵۱۰ ۱۲ منہ

پھر ملاحظہ کیجیے کہ اگر یہ اقرار کہ باپ اون لڑکون کا منافع اپنی زندگی بھر اپنے تصرف مین لائیگا ایک شرط منافی ہبہ تصور کیجائے یعنے موہوب لہ کے انتفاع اور تصرف کے بالکل مضر سمجھی جاوے تو اس صورت مین ہبہ شرعاً نہ فاسد ہوجائیگا بلکہ وہ شرط باطل ہوگی - ہدایہ کتاب الہبہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۷ - مگر چونکہ یہ اقرار جو باپ بیٹے مین ہوا ہی ایک معاوضہ جائز پر مبنی ہی لہذا بیٹے کا اقرار صحیح و جائز ہی جسکا نفاذ اوسپر ہندوستان کی عدالتون مین بطور اوس اقرار کے ہوسکتا تھا جس سے ایک معاہدہ پیدا ہوا ہی یعنے وہ اقرار صالح اس امر کا ہی کہ مابین میعاد مشروط منافع واہب کو دیا جائیگا - لہذا فریقین کی اس بحث سے ہدایہ کی کسی حکم مین کوئی خلل نہین پڑتا اور یہ ہبہ مکمل ہی"

بادی النظر مین یہ فیصلہ فقیہ حنفی ابو القاسم کے قول کے خلاف معلوم ہوتا ہی مگر یہ بات ذہن نشین رہے کہ مذہب حنفی مین اکثر شروط ہبہ کا بطلان عربی الفاظ سے پیدا ہوجاتا ہی - عام قاعدہ یہ ہی کہ جب ہبہ مطلق کرنیکا ارادہ صاف ظاہر ہو تو جو شرط مانع تکمیل ہبہ ہو وہ باطل سمجھی جاتی ہی - پس اس لحاظ سے حکام پروی کونسل کا فیصلہ مقدمہ مذکورہ بالا شرع حنفی کے موافق معلوم ہوتا ہی کہ منافع کا واہب کی حیات تک اوسی کے تصرف مین آنا مال موہوب مین موہوب لہ کا ملک پیدا ہونے سے مانع نہین ہی -

ہبہ اوس چیز کا جو گم ہوگئی ہو اوسکے ملجانیکے بعد فاسد ہوجاتا ہی - مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ "مین نے تجھکو وہ موتی دیڈالا جو گم ہوگیا ہی اوسکو ڈھونڈکر لے لے" تو امام ابو یوسف کے نزدیک یہ ہبہ فاسد ہی کیونکہ صرف ایک شئی موہوم ہبہ کیا ہی - مگر امام زفر ایسے ہبہ کو جائز سمجھے ہین -

اگر کوئی چیز ہبہ کیجائے اور موہوب لہ کو اوسکے لینے نہ لینے کا اختیار دیا جائے

اور وہ اوس اختیار کو اوسی جلسہ مین فوراً عمل مین لائے تو ایسا ہبہ جائز ہی۔

اگر واہب کوئی چیز ہبہ کرے مگر اوسکے دینے نہ دینے کا اختیار اپنے لیے رکھے تو ہبہ صحیح ہے مگر وہ اختیار باطل ہی۔

امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اگر کوئی شخص ایک مکان اپنے پسر نابالغ کو صدقہ دے اور خود اوسمین بلا کرایہ رہا کرے تو ہبہ صحیح ہی۔ اور اگر اوس مکان مین اور کوئی شخص بلا کرایہ رہے تو چونکہ باپ اپنے بیٹے کی طرف سے اوسپر قابض سمجھا جاتا ہی لہذا اوس صورت مین بھی ہبہ صحیح ہوگا۔

ہبہ شرط ناجائز کی وجہ سے باطل نہین ہوجاتا۔ لہذا جب شوہر اور زوجہ مین اپنے اپنے حقوق کی نسبت کوئی قول و قرار ہوگیا ہو تو ایسے قول و قرار کا معاوضہ ہبہ کا حکم رکھتا ہی اور کسی شرط ناجائز کی وجہ سے باطل نہین ہوجاتا۔ مگر فتاوائے قاضی خان مین لکھا ہی کہ "بیع اور رہن اور اجارہ شروط ناجائز سے باطل ہوجاتا ہی"۔

جب کوئی شخص ایک مکان خریدے اور اوسپر قبضہ کرکے اوسکو ہبہ کر دے اور اوسکے ہبہ کرنیکے بعد کوئی اور شخص حق شفعہ کا دعوے کرکے نصف مکان پر قابض ہوجاوے تو باقی ماندہ مکان کا ہبہ باطل ہوجائیگا۔

ہبہ کا اقرار اسپر دلالت کرتا ہی کہ تمام شرائط ضروری ہبہ کے تعمیل کیے گیے ہین۔ اگر کوئی شخص کہے کہ مین نے کوئی جائداد زید کو ہبہ کی ہی تو یہ اقرار قبضہ کے لیے بھی کافی ہوگا۔

اگر کوئی شخص اپنے شریک تجارت سے کہے کہ میرے حصہ کی جائداد میری بیٹی کو دیدو مگر بیٹی کو اوسپر قبضہ کرنیکی اجازت نہ دی ہو تو ہبہ کامل نہوگا اور باپ کا حق اوس جائداد مین بعینہٖ باقی رہیگا۔

سلہ فتاوائے قاضی خان صفحہ ۲۳۶ ۱۲ منہ

باب تیسرا

تنسیخ ہبہ۔

فصل اوّل

واہب کے اختیار تنسیخ ہبہ کے باب مین فرقِ اسلام مین اختلاف عظیم ہی۔

شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک (بجز اوس ہبہ کے جو والدین نے اپنی اولاد کو کیا ہو) اور کوئی ہبہ منسوخ نہین ہوسکتا خواہ قبضہ تبدیل ہوا ہو خواہ نہوا ہو۔ البتہ جو ہبہ جبراً یا نافہمی سے ہوا ہو وہ اسمین داخل نہین ہی مگر والدین اوس ہبہ کو منسوخ کرسکتے ہین جو اونھون نے اپنی اولاد کو کیا ہو۔ لکن حق تنسیخ ہبہ جو مان باپ کو حاصل ہی مطلق نہین ہی۔ جب ہبہ صدقہ کے قبیل سے ہو (یعنے راہ خدا مین بہ نیت ثواب کوئی چیز دی گئی ہو) تو ایسا ہبہ منسوخ نہین ہوسکتا۔

والدین اوس ہبہ کو جو اونھون نے اپنی اولاد کو کیا ہو حالات ذیل مین بھی نہین منسوخ کرسکتے۔

(۱) جب شی موہوب اپنی ہیئت اصلی پر نہ باقی رہی ہو یا کُلًّا یا جزءً ا غائب ہوگئی ہو یا بیع یا مبادلہ کرلی گئی ہو۔ نرخ بازار کے تغیر و تبدل سے جو کمی و بیشی قیمت مین ہوجائے وہ اسمین داخل نہین ہی۔

(۲) جب واہب نے عقد کرلیا ہو اور وہ عقد بما وصف شی موہوب ہوا ہو۔

(۳) جب موہوب لہ مرگیا ہو اور وہ جائداد اوسکے ورثہ کو وراثتًا ملی ہو۔

مذہب شیعہ مین یہ ہی کہ "اگر شی موہوب پر قبضہ ہوگیا ہو اور وہ شی والدین کو ہبہ کی گئی ہو تو علمار کا اتفاق ہی کہ ایسا ہبہ نہین منسوخ ہوسکتا نہ ہبہ اوس ہنگام مین منسوخ ہوسکتا ہی جبکہ موہوب لہ واہب کے اقربا نسبی مین سے ہو گو اسمین کچھ اختلاف ہی مگر وہ معتبر نہین سمجھا گیا ہی"۔ لکن اگر ہبہ کسی غیر شخص کو کیا گیا ہو تو

جبتک کسی موہوب کا عین موجود رہے منسوخ ہو سکتا ہی مگر جب اوسکا عین فنا ہو جاوے تو ہبہ نہین منسوخ ہو سکتا۔ اسی طرح سے وہ ہبہ بھی نہین منسوخ ہو سکتا جسکے معاوضہ مین کچھ لیا گیا ہو گو وہ معاوضہ کیسا ہی خفیف یا کم قیمت ہو۔ شئی موہوب کا موہوب لہ کے استعمال مین آنا واہب کو تنسیخ ہبہ سے مانع نہین ہی تاوقتیکہ موہوب لہ کے استعمال مین اوس شئی کی حقیقت بالکل نہ بدل گئی ہو۔ محقق ابوالقاسم حلی نے شرائع الاسلام مین فرمایا ہی کہ جب زوجہ نے کوئی چیز اپنے شوہر کو ہبہ کردی ہو تو اوس ہبہ کو منسوخ کرنا مکروہ ہی اور جب شوہر نے کوئی شئی اپنی زوجہ کو ہبہ کی ہو تو اوسکو بھی منسوخ کرنا مکروہ ہی۔ مشاہیر فقہاے شیعہ سے جنمین محقق بھی داخل ہین اس سے بھی ترقی کرکے فرمایا ہی کہ باہمی ہبہ کے باب مین شوہر اور زوجہ مین وہی نسبت ہی جو اقربا نسبی مین ہی یعنے جب شوہر زوجہ کو یا زوجہ شوہر کو کوئی چیز ہبہ کرے تو وہ ہبہ منسوخ نہین ہو سکتا۔ ان علماے شیعہ سے فقہاے حنفی نے بھی اس مسئلہ مین اتفاق کیا ہی کہ زوجیت مانع تنسیخ ہبہ ہی جیسا آیندہ بیان کیا جائیگا۔

حنفیہ کے نزدیک ہبہ کو منسوخ کرنا مکروہ ہی مگر حرام نہین ہی۔ چنانچہ فتاوے عالمگیری مین لکھا ہی کہ "ہبہ کو منسوخ کرنا جملہ حالات مین مکروہ ہی مگر جائز ہی"۔ اسکا نتیجہ یہ ہی کہ ہر ایک ہبہ قبل اقباض منسوخ ہو سکتا ہی مگر اقباض کے بعد بعض قسم کا ہبہ منسوخ نہین ہو سکتا اور بعض قسم کا ہبہ قاضی کے حکم سے یا موہوب لہ کی رضامندی سے منسوخ ہو سکتا ہی۔

جب محارم شرعیہ[۱] یا محرمات شرعیہ مین سے کسی عزیز کو ہبہ کیا گیا ہو اور قبضہ بھی

---

[۱] یعنے وہ مرد اور وہ عورتین جو ایک دوسرے پر حرام ہین یعنے جنمین مناکحت شرعاً حرام ہی ۱۲ مترجم

کرادیا گیا ہو تو واہب اوسکو نہین منسوخ کرسکتا - پس معلوم ہوا کہ ہبہ اوسوقت نہین منسوخ ہوسکتا جبکہ واہب اور موہوب لہ مین ایسی قرابت نسبی ہو کہ باہم مناکحت حرام ہو - چچازاد بھائی یا بہن کو جو ہبہ کیا ہو وہ منسوخ ہوسکتا ہی اسواسطے کہ وہ ایک دوسرے پر حرام نہین ہین - اسی طرح سے خوشدامن کو جو ہبہ کیا ہو وہ بھی منسوخ ہوسکتا ہی اسواسطے کہ خوشدامن محرمات شرعیہ مین سے تو ہی مگر اقرباء نسبی مین سے نہین ہی -

یہ عرض ہوچکا ہی کہ سوا اوس ہبہ کے جو محارم یا محرمات شرعیہ مین سے کسی کو کیا گیا ہو اور سب ہبے منسوخ ہوسکتے ہین - قبل اقباض واہب خود ہبہ کو کلاً یا جزءً منسوخ کرسکتا ہی اور بعد اقباض وہ صرف موہوب لہ کی رضامندی سے یا قاضی کے حکم سے ہبہ منسوخ کرسکتا ہی -

سب علماء کا اتفاق ہی کہ قاضی کے حکم سے اصل ہبہ منسوخ ہوجاتا ہی مگر اسمین اختلاف ہی کہ باہمی رضامندی سے ہبہ مطلقاً منسوخ ہوجاتا ہی یا نہین - نظائر سے بھی ثابت ہوتا ہی کہ مطلقاً منسوخ ہوجاتا ہی - مثلاً اگر کوئی شخص کوئی چیز دوسرے کو ہبہ کرے اور دوسرا تیسرے کو ہبہ کرے اور پھر اوس ہبہ کو منسوخ کردے تو اختیار تنسیخ ہبہ واہب اول کو ہوگا - لکن ایسا اوس صورت مین نہوگا جبکہ دوسرا موہوب لہ اوسی چیز کو اپنی واہب کو بطور ہبہ کے واپس کردے - اسواسطے کہ چونکہ دوسری منسوخی تنسیخ کامل ہی لہذا یہ لازم آتا ہی کہ جو چیز واپس دی گئی ہی اوسنے ملک سابق پر عود کیا ہی اور واہب پھر اوسکا مالک ہوجاتا ہی بلا اسکے کہ اوسپر ازسر نو قبضہ کرنیکی ضرورت ہو - ہبہ منسوخ ہونیکے بعد مال موہوبہ بصیغۂ امانت موہوب لہ پاس رہتا ہی پس اگر وہ ضائع ہوجاے تو موہوب لہ اوسکا ذمہ دار نہین ہی - لکن جب ہبہ قاضی کے حکم سے یا فریقین کی مرضی سے

نہ منسوخ ہوا ہو اور موہوب لہ مال موہوب واہب کو پھیر دے اور وہ اوسکو
قبول کرلے تو وہ دوبارا اوسکا مالک نہین ہوسکتا جبتک کہ اوسپر قبضہ نہ کرے - اور
جب واہب مال موہوب پر قبضہ کرلے تو یہ ہبہ جو موہوب لہ نے اوسکو کیا ہے ہبہ
اول کی تنسیخ بحکم قاضی یا برضا مندی طرفین سمجھی جائیگی اور پھر موہوب لہ کو
اوسکے منسوخ کرنیکا اختیار نہین ہے -

امام ابو یوسف کا یہ قول ہے کہ جبتک قاضی تنسیخ ہبہ کا حکم نہ صادر کرے موہوب لہ
مال موہوب کو اپنے استعمال مین لاسکتا ہے اور اوسکو فروخت وغیرہ کرسکتا ہے مگر
جب قاضی حکم تنسیخ صادر کرچکا ہو تو پھر اوسکا استعمال یا فروخت وغیرہ ناجائز ہے
اور امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے - اگر قاضی کا حکم صادر ہونے کے بعد
اور واہب کے دوبارا قبضہ کرنے کے پیشتر مال موہوب موہوب لہ کے پاس ضایع
ہوجائے تو موہوب لہ اوسکے ضایع ہونیکا ذمہ دار نہوگا الا اینکہ اوس سے قبضہ کرانیکی
کی درخواست کی گئی ہو اور اوسنے انکار کیا ہو - اگر ہبہ منسوخ ہونے کے بعد مگر قاضی کا
حکم صادر ہونے کے پیشتر موہوب لہ شئی موہوب واہب کو دیدے اور وہ اوسپر
قبضہ کرلے تو وہ منسوخی قاضی کے حکم سے سمجھی جائیگی -

اگر واہب اختیار تنسیخ سے صاف صاف دست بردار ہوجائے تو بھی وہ اختیار
بعینہ باقی رہتا ہے اور زائل نہین ہوجاتا - لکن اگر موہوب لہ سے کچھ معاوضہ لیکر
واہب حق تنسیخ سے باز آئے تو یہ جائز ہے اور یہ ایک قسم کا مبادلہ ہوجائیگا جس سے
حق تنسیخ جاتا رہیگا -

تنسیخ ہبہ بالفاظ مناسب ہونی چاہیئے - جیسے "مین نے اس ہبہ کو منسوخ کیا
یا "اسکو اپنے مال مین دوبارا شامل کرلیا" یا "مین نے اسکو منسوخ اور فسخ کیا"
اگر واہب ایسا کوئی فقرہ نہ کہے اور شئی موہوب کو بیع کرنے یا رہن رکھنے کا

معاہدہ کرے تو ایسا فعل بمنزلہ منسوخی ہوگا۔ اور اگر منسوخی مشروط ہو تو غیر موثر ہے
مثلاً اگر واہب کہے کہ "جب ایسا ہوگا تب مین اس ہبہ کو منسوخ کرونگا یا یہ ہبہ
منسوخ ہوجائے گا" یا "فلان تاریخ منسوخ ہوگا" تو ایسی تنسیخ ناجائز ہوگی اسواسطے
کہ منسوخی کسی شرط پر موقوف[1] نہین ہوسکتی نہ زمانہ آیندہ پر محوّل ہوسکتی ہی

حالات ذیل مین ہبہ نہین منسوخ ہوسکتا۔

(۱) جب شئی موہوب ہبہ یا بیع یا اور کسی انتقال کے ذریعہ سے جس سے
حق ملکیت منتقل ہوجاتا ہی موہوب لہ کی ملک سے نکل گئی ہو۔

(۲) جب موہوب لہ مرگیا ہو اور شئی موہوب اوسکے ورثہ کو وراثتاً ملی ہو۔

(۳) جب واہب مرگیا ہو تو اوسکے ورثہ کو ہبہ منسوخ کرنیکا اختیار نہین ہی
بیسے تنسیخ ہبہ کا اختیار ایک ذاتی حق واہب کا ہی۔

(۴) جب شئی موہوب ضایع یا گم ہوگئی ہو۔

(۵) جب ہبہ بالعوض ہونیسے معاوضہ ہوا ہو۔

(۶) جب شئی موہوب کی ماہیت موہوب لہ کے پاس بدل گئی ہو۔

(۷) جب مال موہوب مین کچھ افزونی یا اضافہ ہوا ہو اور وہ افزونی یا اضافہ
اس قسم کا ہو کہ اوس سے غیر منفک ہونیسے جدا نہ ہوسکے۔ ہبہ کے قابل منسوخی
ہونے مین اس سے کچھ فرق نہین پڑتا کہ وہ اضافہ موہوب لہ کے کسی فعل کی وجہ سے
ہوا ہی یا بغیر ایسے فعل کے ہوا ہی اور وہ افزونی خود اوس شئی سے حادث ہوئی ہی (جیسے
میوہ درخت سے) یا اوس شئی مین افزونی ہوگئی ہی (جیسے وہ افزونی جو نمو سے ہو
بہرکیف۔ اوس افزونی کو چاہیئے کہ شئی موہوب کا جزو ماہیت اور اوسکے مین
یا جوہر مین شامل ہوگئی ہو اور اوسکی قیمت مین اضافہ کا باعث ہوئی ہو۔ زنگنا

[1] فتاوا ے عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۵۳۷ ۱۲ منہ

یا سینا یا اٹھا لیجانا وغیرہ اختیار تنسیخ کے اسباب ہتفی یعنے فنا کرنے والے سمجھے گئے ہین۔

صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ اٹھا لیجانا جب اس سے قیمت مین کچھ افزونی ہوئی ہو یا کچھ خرچ کرنا پڑا ہو تنسیخ ہبہ کا مانع کافی ہی۔ جو افزونی شئ موہوب کی عین سے جدا ہوسکتی ہو وہ مانع تنسیخ ہبہ نہین ہی یا جو نقصان یا حرج اوس شئ مین ہوا ہو وہ بھی مانع تنسیخ ہبہ نہین ہی۔

(۸) جب واہب اور موہوب لہ مین رشتۂ زوجیت ہو۔ مگر ایسا ہبہ قابل تنسیخ اوس ہنگام مین نہوگا جبکہ حالت وجود یا بقائے زوجیت مین ہوا ہو۔ مثلاً قبل نکاح جو ہبہ ہوا ہو وہ منسوخ ہوسکتا ہی۔ مگر جب حالت بقائے نکاح مین ہبہ کیا گیا ہو تو بعد فسخ نکاح وہ ہبہ نہین منسوخ ہوسکتا۔ تمام کچین یعنے شوہر اور زوجہ کے اختلاف مذہب سے ہبہ کے قابل منسوخی نہ ہونے مین کچھ فرق نہین پڑتا۔

(۹) قرابت نسبی جو تحریم[1] نکاح کے درجہ تک پہونچی ہو مانع تنسیخ ہبہ ہی۔

[1] یعنے والدین اور جدین چاہیے کیسے ہی عالی ہوں اور اولاد اور اوسکی اولاد چاہیے کیسی ہی سافل ہو۔ بھائی اور بہنین اور اونکی اولاد اور چچا اور پھوپھیان اور ماموں اور خالائین۔ ردالمحتار۔
اگر کوئی شخص کوئی چیز اپنے کسی محرم شرعی کو ہبہ کرے تو اوس ہبہ کو منسوخ کرنا جائز نہین ہی۔ بلا جو قرابت رضاعت یا زوجیت سے پیدا ہو وہ مانع تنسیخ ہبہ نہین ہی۔ خزانۃ المفتیین۔
جب کوئی ذمی مستئمن جو سلطنت اسلامیہ کا مطیع ہوا ور دارالاسلام مین رہتا ہو اپنے ہیاد مسلم کو ہبہ کرے اور موہوب لہ کو قبضہ کی اجازت دیکر کہین چلا جائے اور وہ قبضہ کرے تو ایسا ہبہ شرعاً جائز ہی۔ لکن اگر کسی مسلم نے کسی ذمی مستئمن کو ہبہ کیا ہوا ور قبول کرنیکے پیشتر وہ دارالحرب مین چلا گیا ہو تو وہ ہبہ باطل ہو جائیگا مبسوط۔ جب بھائی کے وکیل یا گماشتہ کو ہبہ کیا گیا ہو تو وہ منسوخ نہین ہوسکتا۔ اور اگر وہ وکیل اوسکو نامنظور کرے مگر اوسکا موکل اوسکو قبول کرے تو ہبہ جائز ہوگا۔ کنایہ ۱۲ منہ

ہمین واہب اور موہوب لہ کے مذہب کی کچھ قید نہین ہی۔

(۱۰) شئی موہوب کا خود بخود نمو پانا بھی واہب کو مانع تنسیخ ہبہ ہی۔

جب اختیار تنسیخ ہبہ موجود ہو تو کل یا جزء دونون کی نسبت عمل مین آسکتا ہی

جب ہبہ منسوخ کیا جائے تو واہب اپنے حقوق ملکیت اور تمام لوازم ملکیت کو اوسوقت سے عمل مین لا سکتا ہی جبکہ مال موہوب پر اوسکا قبضہ ہو جاے مگر اوسکے پیشتر سے نہین عمل مین لا سکتا۔ مثلاً جب کسی شخص نے ایک مکان ہبہ کرکے موہوب لہ کا قبضہ اوسپر کرا دیا ہو اور اوسکے متصل ایک اور مکان فروخت ہوا ہو اور اوسکے بعد واہب اوس ہبہ کو منسوخ کرے تو اوس دوسرے مکان مین اوسکا حق شفعہ نہ باقی رہیگا۔

جب کسی قرضدار کا قرضہ معاف کر دیا گیا ہو تو اوس قرضہ کے ہبہ کی تنسیخ کا اختیار قرضخواہ یا واہب کو نہین ہی۔

جو قرابت رضاعت یا زوجیت سے پیدا ہو وہ مانع تنسیخ ہبہ نہین ہی۔

جب کوئی شخص کسی کو گھوڑا ہبہ کرے اور موہوب لہ اوس گھوڑے کو تعلیم دلوائے تو واہب کو اختیار تنسیخ ہبہ نہین ہی گو امام زفر نے ظاہرا اس مسئلہ مین اختلاف کیا ہی۔ لوازم شئی موہوب جو بعد ہبہ حاصل کیے گئے ہون مانع تنسیخ ہبہ ہین۔

شئی موہوب کو کچھ خرچ کرکے اور محنت کرکے ایک جگہہ سے دوسری جگہ لیجانا مانع تنسیخ ہبہ ہی۔ اگر کوئی شخص کسی کو کپڑے ہبہ کرے اور موہوب لہ اونکو دھوبی سے دھلوائے تو حق تنسیخ ہبہ جاتا رہیگا۔

اگر کوئی شخص چند درہم کسی کو ہبہ کرے اور بعد اوسکے اونکو موہوب لہ سے

لہ فتاوائے قاضی خان ۱۲ منہ

قرض سے تو شئی موہوب کی کیفیت بدل جائیگی وجہ سے حق تنسیخ ہبہ زائل ہوجائیگا۔

چونکہ بغیر حکم قاضی کے یا بلا رضامندی طرفین ہبہ نہین منسوخ ہوسکتا لہذا اگر کوئی شخص کوئی چیز ہبہ کرکے موہوب لہ کا قبضہ اوسپر کرادے اور بعد ازآن بغیر حکم قاضی یا بلا رضامندی موہوب لہ اوسکو واپس کرلے اور وہ چیز گم ہوجائے تو واہب مستوجب ہرجہ ہوگا۔

اگر کوئی عورت کوئی چیز اپنے شوہر کو ہبہ کرے اور بعد اوسکے بیان کرے کہ اوسکے شوہر نے زبردستی یا دہمکی دیکر ہبہ کروالیا تھا تو اوسکا دعوے مسموع ہوگا[1]۔

جب کوئی چیز محارم یا محرمات شرعیہ مین سے کسی عزیز کو اور کسی غیر آدمی کو ایک ہی وقت مین یا بالمشارکت ہبہ کیجاے تو اوس غیر شخص کا ہبہ منسوخ ہوسکتا ہے۔

جب صدقہ کی تکمیل قبضہ سے ہوجاے تو منسوخ نہین ہوسکتا۔

قبل اقباض ہبہ بغیر حکم قاضی اور بلا رضامندی موہوب لہ منسوخ ہوسکتا ہے اگر موہوب لہ کا قبضہ کرادیا گیا ہو تو وہ شئی موہوب کو اپنے پاس رکھنے اور اوسکے منافع کو اپنے تصرف مین لانیکا مستحق ہے تاوقتیکہ قاضی حکم تنسیخ نہ صادر کرے۔

جو ہبہ غربا و مساکین کو کیا جاے وہ صدقہ ہے اور منسوخ نہین ہوسکتا۔

اگر کوئی شخص کسی کو کوئی مکان ہبہ کرے اور موہوب لہ اوسمین رنگ بہروائے یا اوسمین درخت لگائے یا اور کسی طور سے اوسکو متغیر کرے تو ہبہ قابل منسوخی نہوگا۔

جب مال موہوب کا کوئی جز ضایع و برباد ہوگیا ہو تو باقی ماندہ جز کا ہبہ منسوخ ہوسکتا ہے۔

---

[1] غالباً جب اوسکے ثبوت مین شہادت پیش کیجاے ۱۲ منہ

جب کوئی چیز دو نامحرموں کو ہبہ کیجائے تو اونمین سے ہر ایک کے حصہ کا ہبہ منسوخ ہوسکتا ہی اور دوسرے کے حصہ کا ہبہ صحیح رہیگا۔

اختیار تنسیخ ہبہ سے دست بردار ہوجانے سے وہ اختیار سلب نہین ہوجاتا

جب قرضدار کو قرضہ ہبہ کیا جاے تو اوسکی تنسیخ کا اختیار نہین ہی اسواسطے کہ ہبہ کی وجہ سے وہ قرضہ ادا ہوجاتا ہی اور وہ باقی نہین رہتا کہ منسوخ کیا جائے۔

اگر کوئی شخص کسی کو ایک قطعہ آراضی ہبہ کرے جسپر ہبہ کے وقت کوئی قابض ہو نہ کچھ مکانات یا درخت اوسپر ہون اور موہوب لہ اوسپر درخت لگائے یا مکانات بنوائے تو اس صورت مین واہب تنسیخ ہبہ کا مستحق نہین ہی۔ لکن اگر کوئی چھپر وغیرہ چندروز کے لیے بنوالیا گیا ہو تو مانع تنسیخ ہبہ نہوگا۔ جب موہوب لہ نے کوئی اصلاح واقعی یا ترقی معتد بہ شی موہوب مین کی ہو تو واہب کا حق تنسیخ ہبہ جاتا رہیگا۔

واہب کا کچھ عوض قبول کرلینا مانع تنسیخ ہبہ ہی۔ اور اگرچہ ہبہ کا عوض کسی تیسرے شخص نے برضا و رغبت خود موہوب لہ کی طرف سے دیا ہو تو بھی واہب کا اوسکو قبول کرلینا اوسکے حق تنسیخ ہبہ کو زائل کردیگا۔

اگر موہوب لہ نے کچھ عوض ہبہ کا دیا ہو اور اوس ہبہ کا ایک جز دوسرے شخص کا مال ثابت ہو جو اوسکو موہوب لہ سے لیلے تو اس صورت مین موہوب لہ واہب سے اوسی قدر حصہ اوس عوض کا جو اوسنے اوسکو دیا ہی پانیکا مستحق ہوگا۔ اگر برخلاف اسکے کوئی جز اوس عوض کا دوسرے شخص کا مال ہو تو اس صورت مین واہب اوتنی حصہ شی موہوب کا واپس کرلینے کا مستحق نہ ہوگا مگر وہ باقی ماندہ عوض جو اوسکے پاس ہی موہوب لہ کو پھیر کر اپنے ہبہ کو واپس لے سکتا ہی۔

جب کوئی شخص قاضی کے حکم یا موہوب لہ کی رضامندی سے ہبہ کو منسوخ کرے

تو یہ منسوخی اصل ہبہ کی سمجھی جائیگی موہوب لہ کی جانب سے از سر نو ہبہ نہ سمجھا جائیگا لہذا ایسی صورت مین واہب کا قبضہ کرا دینا کچھ ضرور نہین ہی۔

جزو غیر منقسم کی نسبت تنسیخ ہبہ جائز ہی۔ اگر کوئی منسوخی بمنزلہ اسکے ہو کہ موہوب لہ نے واہب کو از سر نو ہبہ کیا تو فقہاے حنفیہ کا قول ہی کہ اقباض شرط ضروری ہوگی لہذا جزو غیر منقسم کی نسبت تنسیخ ہبہ نا جائز ہوگی۔

جو ہبہ بطور صدقہ ہوا ہو وہ اسوجہ سے نہین منسوخ ہو سکتا کہ بغرض خوشنودی خدا ہوا تھا اور یہ غرض اوس ہبہ سے حاصل ہوگئی۔ اگر کوئی شخص کسی متمول آدمی کو کوئی چیز بطور صدقہ کے دے تو ایسے ہبہ کو منسوخ کرنا جائز نہین ہی اسواسطے کہ بعض اوقات مالدار آدمی کو بھی محض خوشنودی خدا کے لیے صدقہ دیا جاتا ہی "اسی طرح سے اگر کوئی شخص کسی محتاج کو کوئی چیز ہبہ کرے اور صدقہ کا لفظ نہ کہے تو ایسے ہبہ کو منسوخ کرنا اوسکو جائز نہین ہی"۔

کوئی ہبہ جو بہ نیت ثواب کیا گیا ہو صدقہ ہی اور منسوخ نہین ہو سکتا۔ صدقہ ہر شخص کو دیسکتے ہین خواہ امیر ہو خواہ غریب خواہ عزیز خواہ غیر۔ ہبہ اور صدقہ مین صرف مقصد یا غرض کے اعتبار سے فرق ہی یعنے ہبہ سے یہ غرض ہوتی ہی کہ طرفین مین خلوص و محبت زیادہ ہو یا اظہار تعظیم و توقیر منظور ہوتا ہی اور صدقہ سے یہ غرض ہوتی ہی کہ خدا وند عالم سے تقرب حاصل ہو" جیسا ہدایہ مین لکھا ہی کہ "جب خیرات دینا نذر کر لیا جائے تو صدقہ کا حکم رکھتا ہی اور صدقہ کے احکام اوسمین جاری ہوتے ہین "صدقہ مین بھی ہبہ کی طرح قبضہ شرط ہی اور بے قبضہ کے صدقہ بھی صحیح نہین ہی اور نہ صدقہ اوس چیز کا جائز ہی جو جزو غیر منقسم شئی قابل الانقسام کا ہو۔ صدقہ کو پھیر لینا جائز نہین ہی اسواسطے کہ صدقہ سے غرض خوشنودی خدا ہی اور وہ حاصل ہوگئی۔

مشکات المصابیح۔ فتاواے قاضی خان۔ شرایع الاسلام ۱۲ منہ

اگر کوئی شخص کسی متمول آدمی کو صدقہ دے تو احوط یہی ہے کہ اوسکا پھیر لینا بھی جائز نہین ہی اسواسطے کہ بعض اوقات امیر کو صدقہ دینے سے بھی خوشنودی خدا حاصل ہوجاتی ہی۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص کسی غریب کو صدقہ دے تو اوسکو واپس لینا جائز نہین ہی کیونکہ اوس سے غرض خوشنودی خدا تھی اور وہ حاصل ہوگئی۔

چوتھا باب

ہبہ بالعوض

فصل اول

ہبہ مین عوض دینے کے شرط خود ہبہ کے معاہدہ مین ہوسکتی ہی اور ہبہ کے بعد بھی ہوسکتی ہی۔ اگر عوض ہبہ کرنے کے بعد دیا جاے تو یہ تصریح کردینی چاہیئے

ہبہ دو قسم کا ہی۔ ہبہ مطلق وغیر مشروط یعنے واہب اپنے مال کو مطلقاً اور بلا قید ہبہ کردے۔ اس صورت مین شئی موہوب پر قبضہ کرا دینا جواز ہبہ کی شرط ہی۔ یا ہبہ مشروط ہی۔ اسکی دو قسمین ہین اول ہبہ بشرط العوض جسمین کوئی شرط کردی جاتی ہی یعنے واہب موہوب لہ کو کوئی چیز اس شرط سے ہبہ کرتا ہی کہ موہوب لہ اوسکو کوئی اور چیز دے۔ اس صورت مین بھی اقباض مال موہوب پر مشروط ہی اور یہ بھی شرط ہی کہ مال موہوب کی تصریح کردی جاے اور واہب کی دیگر جائداد سے علیحدہ کردیا جائے۔ مگر اس قسم کا ہبہ صرف اوس ہبہ کے مشابہ ہی جسکا ابتدائی درجہ ہوا اور اوس بیع کے مشابہ ہی جسکا آخری درجہ ہو یعنے معاوضہ لینے کے بعد جو بیع کا درجہ ہوتا ہی۔ لہذا ایسا ہبہ جسمین اقباض نہ ہوا ہو مانع ارث نہین ہوسکتا یعنے جتنے حقوق اوس جائداد پر مثل قرضہ اور مہر اور وصیت وغیرہ کے ہون اونکو ادا کرنیکے بعد احکام میراث اوسمین جاری ہوسکتے ہین۔

دوئم ہبہ بالعوض جسمین واہب موہوب لہ سے کہے کہ مین نے فلان چیز تجھکو فلان چیز کے عوض مین ہبہ کی مثلاً اس کپڑے یا اس غلام یا ہزار درہم کے عوض مین۔ اس قسم کا ہبہ دونون درجون کی بیع کے مشابہ ہی بقول مشہور کے ہی اور اسمین موہوب لہ کا قبضہ شرط نہین ہی،، میکناٹن صاحب کے اصول شرع محمدی صفحہ ۲۲۰ ۱۲ منہ

کہ یہ عوض اس ہبہ کا دیا گیا ہی اور یہ بھی ضرور ہی کہ وہ عوض شئی موہوب کا جزو
نہ قرار دیا جائے - اگر عوض ہبہ کا جزو ہو تو ہبہ صحیح ہوگا اور وہ عوض نہوگا - لکن
اگر شئی موہوب مین ایسا تغیر ہوگیا ہو کہ ہبہ منسوخ نہ ہوسکے تو اوسکا ایک جزو
مابقی کا عوض ہوسکتا ہی - اگر دو چیزین دو معاہدون مین علیحدہ علیحدہ ہبہ کیجائین
تو اونمین سے ایک چیز دوسرے کا عوض ہوسکتی ہی - ہبہ بالعوض کی یہ بھی شرط ہی
کہ عوض واہب کو دیا جاوے - پس اگر واہب کو وہ عوض دوسرے
شخص کو دیدینا پڑے تو وہ عوض نہ رہیگا اور وہ ہبہ منسوخ ہوسکتا ہی - لکن اگر
ایک جزو اوس عوض کا ضایع یا گم ہوجائے تو مابقی کل ہبہ کا عوض
ہوسکتا ہی -

(۵) جب عوض ہبہ کے بعد دیا جاوے تو ہمارے علمار کا اتفاق ہی کہ وہ عوض
ابتدا ہی سے ہبہ مین داخل ہی - پس اگر ہبہ جائز ہی تو وہ عوض بھی جائز ہی اور
اگر ہبہ باطل ہی تو وہ عوض بھی باطل ہی - اون دونون مین کچھ فرق نہین ہی سوائے
اسکے کہ عوض مین اختیار تنسیخ ساقط ہوجاتا ہی اور ہبہ مین اختیار تنسیخ باقی رہتا ہی
اور جب عوض پر قبضہ ہوجاوے تو اختیار تنسیخ ہبہ بھی ساقط ہوجاتا ہی - پس کوئی
فریق دوسرے سے اوس چیز کو پھیرنا نہین سکتا جسپر اوسکا قبضہ ہوچکا ہی خواہ
عوض موہوب لہ نے دیا ہو خواہ اور کسی شخص نے اور خواہ موہوب لہ کے
کہنے سے دیا گیا ہو خواہ بغیر اوسکے اذن کے - ہدایہ مین یہی لکھا ہی - ہبہ کے
سب شرائط عوض پر صادق آتے ہین اور یہ معاملہ ابتدا سے انتہا تک اوس
قسم کا معاہدہ نہین ہی جسکو معاوضہ یعنے ایک دوسرے کو عوض
دینا کہتے ہین لہذا اسمین حق شفعہ نہین ہی نہ شئی موہوب کو یا اوسکے
عوض کو واہب یا موہوب لہ اسوجہ سے نامنظور کرسکتا ہی کہ اوسمین کوئی عیب یا نقص ہی -

محیط سرخسی مین بہی لکھا ہی ،،۔

سلہ یہ عبارت فتاواے قاضی خان سے نقل کی گئی ہی۔ اور عبارت ذیل بیلی صاحب نے فتاواے عالمگیری سے نقل کی ہی۔

،، عوض دو قسم کا ہوتا ہی۔ ایک وہ جو بعد ہبہ کے دیا جاوے اور ایک وہ جسکی شرط خود ہبہ مین کیجاے۔ جو عوض ہبہ کے بعد دیا جاوے اوسمین دو امر غور طلب ہین۔ اول وہ شرائط جن شرائط سے عوض دینا جائز ہی اور دوسرا ہبہ پہلے ہبہ کا عوض ہوجاتا ہی۔ دوم نوعیت اور حقیقت اوس عوض کی۔ امر اول یعنے شرائط جواز عوض تین ہین۔ اول یہ کہ عوض بمقابلہ ہبہ اول ایسے صریح و واضح الفاظ سے دیا جاے جو صاف مقابلہ پر دلالت کرتے ہون یعنے مثلاً یہ کہا جاوے کہ ،، یہ عوض یا بدل تیرے ہبہ کا ہی ،، یا ،، مین نے یہ ہبہ تیرے ہبہ کے عوض مین کیا ہی ،، یا ،، مین نے یہ تجھپر مباح کیا یا تیرے لیے مقرر کیا ،، یا اوسی مضمون کے اور فقرے کہے جائین پس اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے اور موہوب لہ اوسپر قبضہ کرے اور پھر اور کوئی چیز واہب کو ہبہ کرے اور یہ نہ کہے کہ تیرے ہبہ کے عوض مین مین نے یہ دیا ہی یا اسی قسم کا اور کوئی فقرہ نہ کہے تو دوسرا ہبہ پہلے ہبہ کا عوض نہوگا بلکہ ایک نیا ہبہ ہوگا اور فریقین کو اوسکے تنسیخ کا اختیار ہوگا۔ دوسری قسم کے ہبہ بالعوض مین چاہیے کہ جو عوض ہبہ کے معاہدہ مین قرار دیا جاوے وہ ایسی چیز نہو جو خود اوس ہبہ کے ذریعہ سے موہوب لہ کے قبضہ مین آجاوے۔ پس اگر موہوب لہ ہبہ کے عوض مین ایک جزو شی موہوب کا دے تو ہبہ صحیح نہوگا اور وہ عوض عوض نہوگا۔ لکن اگر شی موہوب مین ایسا تغیر ہوگیا ہو کہ مانع تنسیخ ہبہ ہو تو اوسکا ایک جزو مابقی کا عوض ہوسکتا ہی۔ اور اگر دو چیزین دو معاہدون کے ذریعہ سے علیحدہ علیحدہ ہبہ کیجائین اور اونمین سے ایک چیز دوسری چیز کے عوض کے طور پر واپس کیجاوے تو اس مسئلہ مین علمار نے اختلاف کیا ہی مگر امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول یہ ہی کہ یہ عوض صحیح و جائز ہوگا۔ اور اگر اونمین سے ایک چیز بطور ہبہ کے اور دوسری چیز بطور صدقہ کے دیجاوے اور صدقہ ہبہ کے عوض مین دیا جاوے تو سب علما کے نزدیک یہ عوض ہوجائیگا۔ سوم یہ کہ عوض واہب کو حاصل ہوجانا چاہیے۔ اگر عوض اوسکو نہ حاصل ہو یعنے مثلاً اگر واہب کا حق عوض مین اوسوقت پیدا ہوجاے جبکہ وہ اوسکے قبضہ مین ہو تو وہ عوض نہوگا۔ اور وہ اوس ہبہ کو منسوخ کرسکتا ہی اگر شی موہوب ابتک موجود ہو اور ضایع نہوئی ہو اور اوسمین کچھ ترقی یا اصلاح نہوئی ہو یا کوئی ایسی بات نہوئی ہو جو مانع تنسیخ ہبہ ہو۔ اگر وہ شی ضایع ہوگئی ہو یا اوسکو موہوب لہ نے برباد کردیا ہو تو وہ اوسکا ذمہ دار اوس سے زیادہ نہ ہوگا جتنا اوسوقت ہوتا

"دوسری قسم کا عوض وہ ہی جسکی شرط ہبہ کے معاہدہ مین ہو جاے — جب کوئی ہبہ بہ شرط عوض کیا جاے تو تمام شرائط ہبہ کے اوس عوض سے ابتدا ہی متعلق ہو جاینگے — پس عوض اوس چیز کے مُشاع مین جائز نہین ہی جو تقسیم ہو سکتی ہو — اور عوض مین ملک قبل اقباض نہین قائم ہوتا اور فریقین مین سے ہر ایک کو اختیار ہی کہ قبضہ نہ کراے — مگر جب باہمی قبضہ ہو جاے تو وہ ہبہ بیع کے حکم مین ہو جائیگا اور واہب اوس ہبہ کو نہین منسوخ کر سکتا نہ موہوب لہ اوسکے عوض کو منسوخ کر سکتا ہی — اس معاملہ سے حق شفعہ قائم ہو جاتا ہی اور اگر اوس چیز مین جسپر قبضہ ہوا ہی کوئی عیب ہو تو فریقین اوسکو پھیر سکتے ہین — مگر مقتضے قیاس یہی ہی کہ جب ہبہ بہ شرط عوض ہوا ہو تو ابتدا سے انتہا تک وہ بیع کے

متصوّر جبکہ وہ شئ عوض دینے کے پیشتر ہی ضائع و برباد ہو جاتی — اگر عوض کے ایک جزو پر کوئی حق ثابت کر دیا جاے تب بھی مابقی کل ہبہ کا عوض ہو جائیگا — مگر موہوب لہ کو اختیار ہی کہ عوض مین سے جتنا اوسکے پاس رہ گیا ہو اوسکو واپس کرکے کل ہبہ کو منسوخ کرے اگر شئ موہوب ابتک موجود رہا ہو اور اوسکے عین مین کوئی افزونی نہ ہوئی ہو اور اوسکی ملک سے نہ نکل گئی ہو — شئ موہوب کا محفوظ ہونا بھی ایک شرط ہبہ بالعوض کی ہی — پس اگر اوسمین کوئی حق ثابت ہو جاے تو اصل ہبہ کے موجب موہوب لہ اوس عوض کو منسوخ کر سکتا ہی اور اگر نصف شئ موہوب مین کوئی حق ثابت ہو جاے تو نصف عوض منسوخ کر سکتا ہی جب وہ شئ قابل الانقسام ہو — اس سے کچھ غرض نہین ہی کہ خود اوس عوض کے عین یا قیمت مین زیادتی ہوئی ہی یا کمی موہوب لہ نصف زیادتی یا کمی پائیگا — یہ اوس صورت مین ہوگا جبکہ شئ موہوب یا عوض ایسی چیز ہو جو تقسیم یا تجزیہ نہو سکے اور اوسکے ایک جز مین کوئی حق ثابت ہو جاے — لیکن جب وہ قابل الانقسام ہو اور اوسکے ایک جز مین کوئی حق ثابت ہو جاے تو وہ عوض باطل ہو جائیگا اور اسی طرح سے وہ ہبہ بھی باطل ہو جائیگا اگر اوسمین کوئی حق ثابت کر دیا جاے اور جب عوض باطل ہو جاے تو ہبہ منسوخ ہو سکتا ہی اور جب ہبہ باطل ہو تو عوض منسوخ ہو سکتا ہی" — بیلی صاحب کی شرع محمدی صفحہ ۲۴۲ ۱۲ منہ

حکم مین ہوگا - فتاوائے قاضی خان مین یہی لکھا ہی - جب کوئی شخص دو آدمیون کو ایک مکان بہ شرط عوض ہبہ کرے جیسے مثلاً ہزار درہم اوسکا عوض قرار دے تو باہمی قبضہ کے بعد یہ معاملہ بیع صالح ہوجاتا ہی - کنایہ مین یہی لکھا ہی "-

" اگر کوئی شخص کل ہبہ کا عوض دے تو وہ مانع تنسیخ ہبہ ہوگا چاہے اوس عوض کی مقدار جو کچھ ہو - اگر عوض شئے موہوب کے ایک جزو کا دیا گیا ہو تو جس جزو کا عوض نہین دیا گیا ہی اوسکا ہبہ منسوخ ہوسکتا ہی مگر اوس جزو کا ہبہ نہین منسوخ ہوسکتا جسکا عوض دیا گیا ہی - شرح طحطاوی مین یہی لکھا ہی - کسی غیر آدمی کا عوض دینا جائز ہی خواہ موہوب لہ کی اجازت سے دے خواہ اوسکی بلا اجازت - اور جس غیر آدمی نے وہ عوض دیا ہی وہ موہوب لہ پر دعوے نہین کر سکتا خواہ اوسکے حکم سے دیا ہو خواہ بغیر اوسکے حکم کے دیا ہو الا اسکے موہوب لہ نے یہ کہدیا ہو کہ " فلان شخص کو میری طرف سے عوض دیدو مین اوسکا ذمہ دار ہون " یہ بمنزلہ اسکے ہی کہ وہ کہے کہ " اپنا یہ غلام میری طرف سے فلان شخص کو دیدو " اس صورت مین وہ شخص جسکو یہ حکم دیا گیا ہی اوس شخص پر کچھ دعوے نہین کر سکتا جسنے یہ حکم دیا ہی تاوقتیکہ اوسنے یہ نہ کہا ہو کہ " میری ذمہ داری پر دیدو " - ایسی صورتون مین عام اصول یہ ہی کہ جب کسی چیز کے عین کا مطالبہ کسی شخص پر ہوسکے اور اوسپر قرض ہو تو اوسکا دوسرے شخص سے یہ کہدینا کہ یہ دیدو اسکا باعث ہی کہ خود اوس شخص پر دعوے ہوسکتا ہی بے اسکے کہ اوسنے اپنی ذمہ داری کی شرط کر لی ہو اور جب کسی چیز کے عین کا مطالبہ کسی شخص پر نہ ہوسکتا ہو اور اوسپر قرض نہو تو اوسکا دوسرے شخص سے یہ کہدینا کہ یہ دیدو اسکا باعث نہین ہوسکتا کہ خود اوسپر دعوے ہوسکے تاوقتیکہ اوسکی ذمہ داری اوسکے دینے کی شرط نہ ہوگئی ہو - جیسا فتاوائے قاضی خان مین لکھا ہی "-

اگر کسی نابالغ لڑکے کا باپ اوس لڑکے کی جائداد کسی شخص کو ہبہ کرکے اوس سے

کچھ عوض دے لے تو واہب جب چاہے اوس ہبہ کو منسوخ کرسکتا ہی اور موہوب لہ جب چاہے اوس عوض کو منسوخ کرسکتا ہی - اور جب کوئی شخص کوئی چیز کسی نابالغ کو ہبہ کرے اور اوس نابالغ کا باپ اوسکی جائداد مین سے اوسکو کچھ عوض دیوے تو وہ عوض ناجائز ہوگا اگرچہ ہبہ بشرط عوض کیا گیا ہو - جب کوئی شخص ایسی بیماری کی حالت مین جو آخر الامر اوسکی موت کا باعث ہو ہزار درہم کی جائداد کسی کو ہبہ کرے اور اوسکے سواے اور کوئی جائداد نہ رکھتا ہو اور موہوب لہ اوسکو کچھ عوض دے اور واہب اوسپر قبضہ کرنیکے بعد مرجائے اور وہ عوض مرنیکے وقت اوسی کے قبضہ مین ہو پس اگر وہ عوض مال موہوب کے دو ثلث یا اس سے زیادہ کے برابر ہو تو وہ ہبہ صحیح ہوگا لکن اگر وہ عوض اوس مال کی دو ثلث قیمت سے کم ہو تو اوسکے ورثہ اسکے مستحق ہونگے کہ مال موہوب کے دو ثلث اور اوس عوض کی قیمت واقعی مین جو تفاوت ہو اوسکو موہوب لہ سے وصول کرلین - مثلاً اگر عوض صرف ۵۰۰ درہم قیمت کا ہو تو واہب کے ورثہ ہزار درہم کا ایک سدس موہوب لہ سے پھیر لینے کے مستحق ہونگے اگرچہ عوض کی شرط اصل ہبہ مین ہوگئی ہو - مگر موہوب لہ اگر چاہے تو کل مال موہوب کو واپس کرکے اپنا عوض مسترد کرسکتا ہی یا مال موہوب کا ایک سدس واپس کرکے مابقی اپنے پاس رکھ سکتا ہی -

امثلۂ ذیل جو فتاواے قاضی خان سے نقل کی گئی ہین فائدہ سے خالی نہین ہین -

"جب کوئی چیز ہبہ مین بطور عوض کے دیجاے تو وہ ہبہ منسوخ نہین ہوسکتا - اور نہ عوض کا ہبہ منسوخ ہوسکتا ہی - مگر یہ صاف معلوم ہونا چاہیے کہ وہ عوض ہبہ کے مبادلہ مین دیا گیا تھا"

"موہوب لہ کے سواے اور شخص بھی موہوب لہ کی اجازت سے یا بغیر اوسکی اجازت کے ہبہ کا عوض دیسکتا ہی اور اس صورت مین واہب کا حق تنسیخ ہبہ زائل ہوجاتا ہی بشرطیکہ اوسنے وہ عوض قبول کرلیا ہو"

"اگر موہوب لہ کے سواے اور کسی شخص نے عوض دیا ہو تو وہ اوسکو منسوخ کرسکتا ہی الا اینکہ موہوب لہ نے اوس شخص سے اقرار کرلیا ہو کہ وہ عوض اوسکو واپس کیا جائیگا"

"اگر واہب اوس چیز مین جو بطور عوض کے دی گئی ہی کوئی عیب دیکھے تو بھی ہبہ کو منسوخ نہین کرسکتا"

"جب کوئی چیز دو شخصون کو ہبہ کیجاے اور اونمین سے ایک شخص اوس حصہ کا عوض دیدے جو اوسکو ملا ہی تو واہب دوسرے حصہ کے ہبہ کو منسوخ کرسکتا ہی"

"اگر کوئی چیز کسی نابالغ کو ہبہ کیجاے اور اوسکا باپ یا باپ کا وصی اوسکی جائداد مین سے اوس ہبہ کا عوض دیدے تو ایسا عوض دیدینا نہین جائز ہی لہذا واہب اوس ہبہ کو منسوخ کرسکتا ہی"

"اگر کوئی شخص عوض کا دعوے کرکے اوسکو واپس کرے تو واہب ہبہ کو منسوخ کرسکتا ہی لکن اگر اوسنے صرف ایک جزو عوض کا واپس کرلیا ہو اور باقی واہب کے پاس رہا ہو تو واہب اوس ہبہ کو نہین منسوخ کرسکتا اسواسطیکہ کیسے ہی قلیل عوض سے بھی اختیار تنسیخ ہبہ زائل ہوجاتا ہی"

"اگر شئی موہوب کو اور کوئی شخص جو شرعًا اوسکا مستحق ہووے لے تو موہوب لہ کل عوض کو واپس لے سکتا ہی لکن اگر وہ شخص جو شرعًا ذی حق ہو صرف ایک جزو اوس عوض کا لے لے تو موہوب لہ صرف اوسی قدر جزو واپس لے سکتا ہی"

"اگر موہوب لہ شئی موہوب کو اور کسی چیز سے بدل کرکے اوسکو بطور عوض کے دے تو ایسا عوض جائز ہوگا۔ اگر کوئی شخص ہزار درہم زید کو ہبہ کرے اور زید اونمین سے ایک درہم اوسکا عوض دے تو ہمارے نزدیک ایسا عوض درست نہین ہی گو امام زفر نے اسمین اختلاف کیا ہی"

"اگر کوئی عیسائی کسی مسلمان کو کوئی چیز ہبہ کرے اور وہ مسلمان کوئی ایسی چیز جو شرعاً حرام ہو اوسکے عوض مین دے تو ایسا عوض شرعاً درست نہین ہی"

"جب کوئی نابالغ کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے اور موہوب لہ اوسکا عوض دے تو وہ ہبہ باطل اور غیر موثر ہی اور وہ عوض اوس نابالغ کا مال نہوگا"

"ہبہ بالعوض اپنے تمام اوصاف شرعی کے اعتبار سے بیع ہی۔ بیع مین جواز معاہدہ کے لیے مقابضت شرط نہین ہی اور جن الفاظ سے اس قسم کا معاہدہ کیا جاتا ہی وہ اس بات پر دلالت کرتے ہین کہ جو چیزین ایک دوسرے کے عوض مین دی گئی ہین وہ موجود ہین اور اسکا اندیشہ نہین ہی کہ ایک فریق دوسرے فریق کے فریب سے نقصان اُٹھائیگا" "مین نے یہ چیز تجھکو فلان چیز کے عوض مین دی" اس سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ عوض موجود ہی اور وہ شخص پہلے اوسکو لے گا تب اپنا مال دیگا۔ لہذا ہبہ بالعوض شرط اور اثر دونوںکے لحاظ سے شرعاً بیع کے حکم مین رکھا گیا ہی"

"فرض کیجیے کہ کوئی شخص ہبہ ایسے الفاظ سے کرے جنکا مفہوم یہ ہو کہ مین نے اپنی کل جائداد کا حق ملکیت فلان شخص سے کچھ عوض لیکر اوسکو بخشدیا۔ تو یہ ہبہ بالعوض نہین ہی۔ بلکہ شرط اور اثر دونون کے لحاظ سے یہ ایک معاہدہ انتقال یا بیع[1] ہی۔

[1] ایکٹ انتقال جائداد مین بیع کی یہ تعریف لکھی ہی کہ "بیع انتقال ملکیت ہی بعوض زرثمن کے جو دیدیا گیا ہو یا جسکا اقرار کیا گیا ہو یا جسکا ایک جزو دیدیا گیا ہو اور ایک جزو کا وعدہ کیا ہو" ۱۲ منہ

ایسی صورت مین اقباض کو شرط نہین قرار دیا ہی "

ہبہ بشرط العوض ایک اور ہی قسم کا معاہدہ ہی۔ ایسے ہبہ مین جو الفاظ کہے جاتے ہین وہ جملہ شرطیہ ہوتا ہی۔ مثلاً "مین نے تجھکو یہ چیز اس شرط سے دی کہ تو مجھکو فلان چیز دے "۔ اس سے ظاہر ہی کہ اس معاہدہ کا نفاذ ایک شرط کی تعمیل پر موقوف ہی اور وہ شرط عوض دیدینا اور اوسپر قبضہ کرا دینا ہی ورنہ اگر بغیر ایسی شرط کے یہ معاہدہ جائز اور واجب العمل ہوتا تو ممکن ہی کہ عوض نہ دیا جاتا اور عوض نہ دینے کی وجہ سے یہ معاہدہ فاسد ہوجاتا۔ ایسے معاہدہ کو بیع کے حکم مین لکھا ہی یعنے بعد مقابضت باہمی یہ بیع کا اثر پیدا کرتا ہی۔

مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ مین نے اپنی کل جائداد کا حق ملکیت فلان شخص کو اس شرط سے ہبہ کیا اور بخشدیا کہ وہ مجھکو کوئی چیز اسکے عوض مین دے اور موہوب لہ اس شرط کو قبول کرلے تو یہ ہبہ بشرط العوض ہوگا۔ اور اصطلاحاً شرط کے لحاظ سے ہبہ اور اثر کے اعتبار سے بیع سمجھا جائیگا۔ ایسے ہبہ کے جواز کو اقباض شرط ہی اور یہ ہبہ منعقد نہین ہوسکتا تاوقتیکہ فریقین ایک دوسرے کا قبضہ نہ کرا دین بلکہ مال موہوب واہب کے اختیار مین حسب دستور رہتا ہی۔ اور اوسکو اختیار ہی کہ بعد ازآن جو فعل چاہے اوس جائداد کے ساتھ کرے۔

امثلہ ذیل سے جو شرح چلپی اور اور کتب معتبرہ سے نقل کی گئی ہین ان اصول کی اور زیادہ توضیح ہوجائیگی۔

"مین نے تجھکو یہ غلام تیرے اس کپڑے یا ہزار درہم کے عوض مین دیا" اور اس ایجاب کو مخاطب قبول کرے تو شرط اور اثر دونون کے لحاظ سے یہ ہبہ بالعوض ہی۔ شرح وقایہ مین یہی لکھا ہی۔ عقد بیع ایک چیز کا حق

دوسری چیز کے عوض مین دینے سے منعقد ہوتا ہی۔ ہدایہ مین یہی لکھا ہی کہ
یہ الفاظ کہ "مین نے تجھکو یہ چیز اوس چیز کے عوض دی یا اسکو لیکر اسکے
عوض مین اتنا دے" وہی معنے رکھتے ہین جو یہ الفاظ رکھتے ہین کہ "مین نے یہ
چیز تیرے ہاتھ بیچی یا تجھ سے مول لی" وقایہ مین بھی یہی لکھا ہی "جب یہ امور واقع
ہون تو بیع کامل ہی۔ ان امور سے مراد ایجاب و قبول ہی اور جب ایجاب
و قبول ہو گیا ہو تو بیع کی پابندی فرض ہی جس سے یہ لازم آتا ہی کہ اقباض شرط
نہین ہی مگر جب ایجاب و قبول نہ ہوا ہو تو بیع کی پابندی فرض نہین ہی۔ وقایہ مین
لکھا ہی کہ ہبۂ مشروط شرط کے لحاظ سے ہبہ ہی لہذا اقباض ضروری ہی اور
یہ بھی لکھا ہی کہ باعتبار اثر کے ایسا ہبہ بیع ہی۔ شرح وقایہ مین ہبۂ مشروط کی
تعریف یہ لکھی ہی کہ مثلاً کوئی شخص کسی سے کہے کہ "مین تمکو یہ چیز اس شرط سے
دیتا ہون کہ تم مجھکو وہ چیز دو"۔ ہدایہ مین یہ بھی لکھا ہی کہ ہبۂ مشروط کی سب
صورتون مین باہمی مقابضت اون اشیاء پر جنکا مبادلہ کیا گیا ہی[1] ضروری ہی"۔

بقالی مین امام ابو یوسف سے منقول ہی کہ اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ
"یہ چیز اگر تمھارا جی چاہے تو لے لو" اور وہ شخص جواب دے کہ "میرا جی چاہتا ہی
یا مین نے اسکو قبول کیا"، تو یہ شرط صحیح ہی۔ اسی طرح سے امام محمد سے
منقول ہی کہ اگر درخت خرما مین خرما لگنا شروع ہوا ہوا ور اوس درخت کا
مالک کسی شخص سے کہے کہ "یہ خرمے تیرے ہین اگر یہ پک جائین" یا جب "کل ہوگا"
تو ہبہ درست ہی۔ لکن اگر وہ کہے کہ "یہ خرمے تیرے ہو جائین گے اگر زید اس
مکان مین داخل ہوگا" تو ہبہ ناجائز ہوگا۔

اگر ہبہ اس شرط سے کیا جاوے کہ موہوب لہ کو اختیار ہی کہ تین روز کے اندر

---

[1] میکناٹن صاحب کے اصول و نظائر شرح محمدی صفحہ ۲۲۹ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

اوسکو منظور یا نامنظور کرے تو ایسا ہبہ صحیح ہی اگر قبول فریقین کے جدا ہونیکے پیشتر ہو گیا ہو لکن اگر اونکے جدا ہونیکے بعد تک قبول نہوا ہو تو ہبہ ناجائز ہی - اور جب ہبہ اس شرط سے کیا جاسے کہ واہب کو تین روز کے اندر اوسکے منسوخ کرنیکا اختیار رہیگا تو ہبہ جائز ہوگا مگر شرط باطل ہوگی - اسواسطے کہ ہبہ معاہدہ واجب العمل نہین ہی لہذا ایسی شرط کرنیکا اختیار اوسمین نہین ہی - جب کوئی شخص کسی سے کہے کہ "مین نے تجھکو اپنے حق سے بری الذمہ کیا بشرطیکہ مجھکو اختیار باقی رہے" تو یہ ابرار شرعاً جائز ہی مگر یہ شرط باطل ہی -

"ایک شخص کے کسی پر ہزار درہم آتے ہین اور وہ اوس سے کہے کہ "جب کل ہوگا تو یہ ہزار درہم تیرے ہوجائینگے" یا جب تو نصف اس مال کا ادا کر دیگا تو دوسرا نصف تجھکو معاف کر دیا جائیگا" یا دوسرا نصف تیرا مال ہوجائیگا" تو ایسا ہبہ باطل ہی لکن اگر وہ یہ کہے کہ "مین نے تجھکو اس شرط سے بری کیا کہ تو اپنے غلام کو آزاد کر دے یا یہ کہے کہ تو بری کیا گیا بشرطیکہ تو اپنے غلام کو اس وجہ سے آزاد کر دے کہ مین نے تجھکو بری کر دیا ہی" اور وہ کہے کہ "مین نے قبول کیا" یا "مین نے اوسکو آزاد کیا" - تو وہ اوس قرضہ سے بری ہوجائیگا"-

"ہمارے سب علمار کا اتفاق ہی کہ جب ہبہ کیا جائے اور اوسمین کوئی شرط مبطل ہبہ کیجائے تو ہبہ جائز ہوگا مگر وہ شرط باطل ہوگی - مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز اس شرط سے ہبہ کرے کہ وہ اوسکو فروخت نہ کرے تو ہبہ صحیح ہوگا مگر شرط باطل ہوگی - سراج الوہاج - جن معاہدات مین قبضہ شرط ہی جیسے ہبہ یا رہن اونمین عام قاعدہ یہ ہی کہ جب ایسی شرط کی گئی ہو جو معاہدہ کی مطلق و ناطق ہونیکی منافی ہو تو اوس شرط سے وہ معاہدہ نہ باطل ہوجائیگا بلکہ خود وہ شرط ساقط ہوجائیگی - سراج الوہاج -

نکاح کسی شرط پر نہین موقوف ہوسکتا - مثلاً اگر کوئی عورت اپنے بیمار شوہر سے

کہے کہ اگر تو اس بیماری سے مرجائیگا تو میرے مہر سے بری الذمہ رہیگا۔ یا میرا مہر تیرے لیے
صدقہ ہوجائیگا تو یہ باطل ہی کیونکہ یہ ایک شرط پر موقوف ہی۔ ظہیریہ مین یہی لکھا ہی۔ اگر
کوئی بیمار عورت اپنے شوہر سے کہے کہ اگر مین اس بیماری سے مرجاؤن تو میرا مہر تیرے لیے
صدقہ ہی یا تو میرے مہر سے بری ہی اور وہ اوس بیماری سے مرجائے تو یہ ہبہ باطل ہی اور
اوسکا مہر اوسکے شوہر پر واجب الادا رہیگا۔ خزانۃ المفتیین مین یہی لکھا ہی۔ جب
کوئی عورت چاہے کہ میرا خاوند جسنے مجھے طلاق دیدیا ہی مجھ سے پھر نکاح کرے اور
اوسکا شوہر کہے کہ مین تجھ سے نکاح نہ کرونگا تاوقتیکہ تو اپنے دین کو جو مجھپر ہی معاف
نہ کردیگی اور وہ اوسکو اپنا مہر اس شرط سے معاف کرے کہ وہ اوس سے دوبارا عقد
کریگا۔ تو اس صورت مین مہر شوہر پر دین رہیگا خواہ وہ اوس عورت سے دوبارا
عقد کرے خواہ نہ کرے اسواسطے کہ اوس عورت نے اوس مال کو جو اوسکا حق تھا عقد کے
ساتھ مبادلہ کرلیا اور عقد نکاح مین زوجہ پر مبادلہ دینا فرض نہین ہی۔ فتاوے
قاضی خان۔ اگر کوئی شخص اپنے قرضدار سے کہے کہ اگر تو میرا قرضہ اوسوقت تک نہ ادا کرے
جبتک کہ تو مرجائے تو بری الذمہ ہوجائیگا۔ تو یہ باطل ہی۔ بحرالرائق۔ لکن اگر وہ کہے کہ
جبتک مین مرجاؤنگا تو بری الذمہ ہوجائیگا' تو یہ جائز ہی۔ فتاوے قاضی خان۔ اور اگر
وہ یہ کہے کہ اگر مین مرجاؤنگا تو اس قرضہ سے بری ہوجائیگا' تو ابرا نہوگا کیونکہ یہ
مشروط ہی۔ اسی طرح سے اگر وہ کہے کہ اگر تو اس مکان کے اندر چلا آئے تو اوس قرضہ سے
بری ہی جو میرا تجھپر ہی۔ تو یہ بھی باطل ہی۔ اگر کوئی شخص کسی کو قرضہ اسلیے معاف کردے
کہ اوسکا کوئی اہم معاملہ سلطان سے اوسنے طی کیا ہو تو وہ اوس قرضہ سے بری نہوگا
کیونکہ یہ ایک قسم کی رشوت ہی۔ کنایہ مین یہی لکھا ہی''۔

فصل دوم

قرضہ ہبہ کردینا

فتاوائے عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۵۳۵ کتاب الہبہ مین لکھا ہی کہ "قرضدار کو قرضہ ہبہ کر دینا شرعًا اور قیاسًا دونون طرح سے جائز ہی۔ اور سوائے قرضدار کے اور کسی شخص کو قرضہ ہبہ کرنا شرعًا اوسوقت جائز ہی جبکہ اوسکو اوسپر قبضہ کرلینے کی اجازت دی گئی ہو۔ تاتارخانیہ مین یہی لکھا ہی"

"قرضدار کو قرضہ ہبہ کر دینا ابرا ہی اور بغیر قبول کے ہبہ مکمل ہی۔ لکن اگر قرضدار اوسکو قبول نہ کرے تو وہ ہبہ نافذ نہوگا۔ سب مشایخ کے نزدیک قول مختار یہی ہی جیسا جواہر الاخلاطی مین لکھا ہی۔ یہ اصول اوسی صورت مین جاری ہو سکتا ہی جبکہ قرضہ نقد نہو۔ اگر قرضہ نقد ہو تو جواز ہبہ قرضدار کے قبول کرنے پر موقوف ہی اگر وہ اوسکو قبول کرلے تو بری الذمہ ہوجائیگا۔ اگر نہ قبول کرے تو مشغول الذمہ رہیگا۔ یہ کیفیت اور قرضون کی نہین ہی جو بہر کیف ادا ہوجاتے ہین خواہ قرضدار اوس ابرا کو قبول کرے خواہ نہ کرے۔ مگر ان قرضون کا ہبہ بھی نامنظور ہو سکتا ہی"

"ضامن کو ہبہ کرنے یا قرضہ معاف کر دینے کے باب مین یہ اصول ہی۔ کہ اوسکو قرضہ ہبہ کرنا جائز نہین ہی بے اسکے کہ وہ قبول کرلے اور اگر وہ قبول نہ کرے تو ہبہ منسوخ ہوجائیگا۔ مگر ابرا بے قبول کے جائز ہی اور قبول نہ کرنے سے منسوخ نہوجائیگا"

"اگر قرضدار کو قرضہ ہبہ کیا جاے اور وہ اوس ہبہ کو نامنظور کرنے سے پیشتر مرجاے تو بھی وہ اوس قرضہ سے بری ہوجائیگا۔ اسی طرح سے اگر قرضدار کے مرنیکے بعد قرضہ ہبہ کیا جائے یا قرضہ سے ابرا کیا جائے تو جائز ہی۔ مگر اوسکے ورثہ اوسکو نامنظور کرسکتے ہین پس اس صورت مین قرضہ ادا کیا جائیگا۔ امام ابو یوسف کا یہی قول ہی۔ امام محمد نے اونسے اختلاف کرکے فرمایا ہی کہ اس صورت مین کوئی ذمہ داری نہ باقی رہیگی۔ ذخیرہ مین یہی لکھا ہی"۔

"اگر قرضخواہ قرضدار کو بری کر دے اور قرضدار قبول کرے تو وہ اور ضامن

دونون بری ہوجائینگے - لیکن اگر قرضدار قبول نہ کرے تو نہ وہ بری ہوگا اور نہ ضامن بری ہوگا - خلاصہ مین یہی لکھا ہی -

"اگر کوئی شخص دوسر یکا قرضدار مرجاے اور قرضخواہ قرضدار کے ورثہ کو اپنا قرضہ ہبہ کردے تو جائز ہی - فتاوے قاضی خان" -

"اگر بعض ورثہ کو قرضہ ہبہ کیا ہو تو سب ورثہ اوس سے منتفع ہونگے" "اگر قرضخواہ[1] ورثہ مین سے ایک وارث اپنا حصہ قرضہ قبل تقسیم ترکہ قرضدار کو ہبہ کردے اور متوفی کے متروکہ مین روپیہ اور اسباب دونون ہون تو ایسا ہبہ بقول مشہور باطل ہی - مگر امام اعظم ابو حنیفہ کا قول ہی کہ جب قرضخواہ کوئی ایسی جائداد ہبہ کرے جو قابل تقسیم ہو تو ہبہ جائز ہی خواہ قرضدار کے وارث کو خواہ اور کسی شخص کو کیا گیا ہو - لیکن جب وہ جائداد قابل تقسیم ہو تو ہبہ جائز نہین ہی - کنایہ مین یہی لکھا ہی" -

"جب قرضہ جائز طور سے قرضدار کو ہبہ کیا جائے تو وہ اسکا مستحق ہی کہ جو مال اوسکا اوس قرضہ کے بابت قرضخواہ کے پاس مکفول ہو اوسکو واپس کرے - تاتارخانیہ مین یہی لکھا ہی"

"جب کوئی قرضخواہ قرضہ قرضدار کو ہبہ کردے اور قرضدار اوس جلسہ مین اوس ہبہ کو نہ قبول کرے نہ نامنظور کرے اور چند روز کے بعد اوس ہبہ کو نامنظور کرے تو اس مسئلہ مین کچھ اختلاف ہی - مگر قول صحیح یہی ہی کہ وہ ہبہ منسوخ ہوگا"

"جب دو شخصون کا قرضہ ہو اور اونمین سے ایک اپنا حصہ قرضدار کو ہبہ کردے تو ایسا ہبہ درست ہی - جب قرضدار کچھ جائداد قرضخواہ کو ہبہ کرے تو قرضخواہ بذریعہ ہبہ کے اوس جائداد کا مالک ہوجائیگا نہ بذریعہ قرضہ کے"

---

[1] فتاواے عالمگیری مین تاتارخانیہ سے عبارت ذیل نقل کی ہی - قرضخواہ کے پسر نابالغ کو قرضہ ہبہ کرنا شرعاً نہین جائز ہی اس قول کی سند کچھ نہین ہی اور یہ ایسی دلیل پر مبنی ہی جو نہین پائی جاتی یعنے قبضہ کرنیکے قابل نہ ہونا - یہ قول اور کسی کتاب مین نہین لکھا ہی اور مجمع الانہار مین اسکی صحت مین کلام کیا ہی ۱۲ منہ

"اگر کوئی شخص قرضدار سے کہے کہ جب کل کا دن آئیگا یا جب تو مرجائیگا یا میں مرجاؤنگا تو قرضہ سے بری ہو جائیگا"۔ ایسا ہبہ ناجائز ہے[1]۔

"لکن اگر کسی شرط سے ہبہ کیا جاوے اور اوس شرط کی تعمیل فوراً کر دیجائے تو ایسا ہبہ ناجائز نہیں ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ اگر تو میرا قرضدار ہے تو میں تجھکو اوس سے بری کرتا ہوں۔ تو ایسا ہبہ جائز ہوگا اگر وہ قرضہ اوسوقت موجود ہو۔ اسی طرح سے اگر وہ کہے کہ جب میں مرجاؤنگا تو میرے قرضہ سے بری ہو جائیگا تو ایسا ہبہ بھی جائز ہے اور یہ ہبہ بطور وصیت نافذ ہوگا۔ جیسا فتاوائے قاضی خان میں لکھا ہے۔

جب قرضہ قرضدار کو ہبہ کیا جاوے اور وہ اوس سے بری کر دیا جاوے تو ایسے ہبہ یا ابراء میں قبول شرط نہیں ہے۔ کیونکہ قرضہ معاف کر دینا بمنزلہ اوسکے منسوخ کر دینے کے ہے[2] لہٰذا موہوب لہ کا قبول اور قبضہ کرنا کچھ ضرور نہیں ہے۔

قرضدار کے سواے دوسرے شخص کو قرضہ ہبہ کرنا حالات ذیل میں جائز ہے۔[3]

(۱) جب ہبہ بطور حوالہ کیا جاوے یعنے جس شخص کو قرضہ ہبہ کیا ہے وہ قرضخواہ کا کارندہ یا مختار قرار دیا جائے۔

(۲) جب قرضہ از روے وصیت ہبہ کیا جائے۔

(۳) جب موہوب لہ قرضہ وصول کرنیکے قابل کر دیا جائے۔

مبادلہ کی شرط جائز ہے[4] بشرطیکہ جس چیز کا مبادلہ کیا ہے وہ معلوم ہو مجہول نہو۔
اگر کوئی عورت اپنے شوہر پر مہر کسی شرط سے معاف کر دے اور بعد ازان شوہر اوس شرط کے خلاف ورزی کرے تو وہ مشغول الذمہ رہیگا اور دین مہر اوسپر باقی رہیگا۔ مثلاً اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے کہے کہ میں اپنا مہر اس شرط سے معاف کرتی ہوں کہ تم دوسری عورت سے نکاح نہ کرنا اور شوہر اس

[1] ہدایہ باب ۲ صفحہ ۳۰۹ ۱۲ منہ [2] ہدایہ باب ۲ صفحہ ۲۰۶ ۱۲ منہ [3] ردالمختار باب ۲ صفحہ ۶۷۴ ۱۲ منہ

ابرار کو قبول کرنیکے بعد دوسرا نکاح کرے تو وہ پہلی زوجہ کے مہر کا ذمہ دار رہیگا۔

اگر کوئی شخص اپنے قرضدار سے کہے کہ "اگر مین اپنا قرضہ تجھ سے اپنی وفات تک نہ طلب کرون تو وہ تیرا ہو جائیگا، تو یہ ناجائز ہی۔

قرضہ کا ہبہ واپس نہین ہو سکتا اگر قرضدار نے ایک مرتبہ اوس سے ابرار قبول کر لیا ہو۔

جب دو قرضخواہ ہون اور ایک قرضدار ہو تو اونمین سے ہر ایک قرضخواہ اپنا حصہ قرضدار کو معاف کر سکتا ہی یا فقہاے اسلام کے اصطلاح کے موافق یہ کہیے کہ اوس قرضہ مین جو اوسکا حصہ ہی اوسکو قرضدار کو ہبہ کر سکتا ہی۔

باپ بحالت صحت نفس و ثبات عقل اپنی ساری جائداد اپنی اولاد مین[1] کسی کو ہبہ کر سکتا ہی[2]۔ ایسا کرنا گناہ ہی لکن اگر ایسا ہبہ دیگر وجوہ سے باطل ہو تو ٹھیریگا جائز ہی[3]۔

جب اوس مکان کو ہبہ کرے جسمین وہ خود رہتا ہو یا جسمین اوسکا اسباب رکھا ہو تو ایسا ہبہ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہی اور فتوے اونھین کے قول کے موافق ہی[4]۔

---

[1] فتاوای قاضی خان ۱۲ منہ [3] درالمختار - اور میکناٹن صاحب کی شرع محمدی صفحہ ۲۲۷ ۱۲ منہ

[2] اس مسئلہ پر شرح وقایہ مین لکھا ہی کہ "اگر باپ کوئی چیز اپنے پسر نابالغ کو ہبہ کرے تو اوس ہبہ کی وجہ سے پسر نابالغ اوس چیز کا مالک ہو جائیگا - یہی حکم اوس صورت مین بھی جاری ہوگا جبکہ ماں کوئی چیز اپنے پسر نابالغ کو ہبہ کرے جسکو وہ پرورش کرتی ہو اور جسکا باپ مرگیا ہو اور جسکا اور کوئی ولی نہ مقرر ہوا ہو - اور یہی حکم اوس صورت مین بھی جاری ہوگا جبکہ کوئی اور شخص ایسے ہی حالات مین کوئی چیز اوس نابالغ کو ہبہ کرے جسکی پرورش وہ کرتا ہو۔ اگر کوئی غیر شخص کوئی چیز کسی نابالغ کو ہبہ کرے تو اوس نابالغ کے باپ کے قبضہ کر لینے سے صح

اگر باپ اپنے پسر نابالغ کے لیے خاص کر اس نیت سے کپڑے بنواے کہ یہ کپڑے اسی کے ہین تو دوسرے شخص کو وہ کپڑے نہین دیسکتا۔

جب شوہر نے جبرًا یا مغالطہ دہی کر کے زوجہ سے مہر معاف کروالیا ہو تو ایسا ہبہ ناجائز ہی[۵۱] یعنے جب شوہر جبر سے یا غلط بیانی کر کے زوجہ سے مہر معاف کروا تو ایسی معافی یا ابرا جائز نہین ہی[۵۲]۔

بحر الرائق مین لکھا ہی کہ جس شخص کا قرضہ کسی پر آتا ہو اوسکو شرعًا جائز ہی کہ وہ قرضہ اوس شخص کو ہبہ کردے جو اوسکا قرضدار نہوا ور موہوب لہ سے کہدے کہ اوس قرضہ کو وصول کرے اور اپنے مصرف مین لائے ایسا ہبہ شرعًا جائز ہی اسی اصول کا نتیجہ فتاواے قاضی خان مین یہ لکھا ہی کہ "وہ عورت اپنا دین مہر اپنی نابالغ اولاد پر منتقل کر سکتی ہی اور بعد بلوغ وہ لڑکا باپ پر اپنی ماں کے مہر کا دعوے کر سکتا ہی۔ اسی طرح سے شوہر دار عورت کو اختیار ہی کہ اپنا مہر شوہر کو دیکر اوسکے عوض مین اور کوئی چیز لے لے" اس ملک مین یہ دستور ہی کہ جب شوہر کوئی جائداد اپنی زوجہ کو اوسکے مہر کے عوض مین دیتا ہی تو اسکو بیع مقاسات کہتے ہین۔

ص وہ ہبہ کامل ہوجائیگا۔ اگر کوئی شخص کوئی چیز یتیم کو ہبہ کرے اور اوسکی طرف سے اوسکا ولی اوس چیز پر قبضہ کرے اور وہ ولی یا اوسکے باپ کا مقرر کردہ ہو یا اوسکا دادا ہو تو یہ ہبہ جائز ہوگا۔ اگر کوئی بن باپ کا لڑکا اپنی ماں کی حراست مین ہو اور وہ اوس چیز پر قبضہ کرے جو اوس لڑکے کو ہبہ کی گئی ہی تو ایسا ہبہ بھی صحیح ہوگا۔ یہی قاعدہ اوس صورت مین بھی جاری ہوگا جبکہ کوئی یتیم کسی غیر آدمی کی سپردگی مین ہو۔ اگر کوئی نابالغ اوس چیز پر جو اوسکو ہبہ کی گئی ہی خود قبضہ کرے تو جائز ہی بشرطیکہ وہ رشید یعنے ذی شعور ہو" ۱۲ منہ

[۵۱] فتاواے قاضی خان ۱۲ منہ [۵۲] مقدمہ منشی بذل الرحمن بنام شمس النسا بیگم۔ مورس انڈین اپیلیس جلد ۱۱ صفحہ ۵۱ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

"اگر کوئی عورت اپنے مہر کے عوض مین کوئی ایسی چیز قبول کرے جسکو اوسنے قبل قبضہ پانیکے نہ دیکھا ہوا ور بعد ازآن اوسکو معلوم ہو کہ اوس چیز مین کوئی نقص ہی تو وہ فسخ معاہدہ کرسکتی ہی اور اوسکا حقِ مہر بعینہ قائم رہیگا۔[۱]

عورت اپنے شوہر متوفی پر مہر معاف کرسکتی ہی یعنے اپنے شوہر متوفی کی جائداد کو دینِ مہر سے بری کرسکتی ہی۔

جب عورت نے چند شرائط سے اپنا مہر ہبہ کیا ہوا ور اون شرائط کی تعمیل نہ کی گئی ہو تو ایسا ہبہ باطل ہی۔ مثلاً اگر اوسنے اس شرط سے مہر ہبہ کیا ہو کہ شوہر اوسکو حج کرنیکے لیے لیجائیگا یا اوسپر ظلم نہ کریگا یا اوسکے عزیزون کو اوسکو ملنے دیگا اور اس طرح یا ان شرائط کی تعمیل نہ کی گئی ہو تو مہر ساقط نہ ہوگا۔[۲]

"جب کوئی عورت اپنا مہر اس شرط سے ہبہ کرے کہ شوہر اوسکے معاوضہ مین ہر سال اوسکو کچھ دیا کریگا اور شوہر اپنے اقرار کی تعمیل سے قاصر رہے تو ہبہ باطل ہوجائیگا کیونکہ اس صورت مین ہبہ بشرط العوض ہوا ہی جسکی تکمیل نہین ہوسکتی تا وقتیکہ عوض کی شرط پوری نہ کردیجائے لہذا جب عوض نہ ملا تو ہبہ باطل ہوگیا"

"جب کوئی عورت اپنا مہر اس شرط سے ہبہ کرے کہ شوہر اوسکو طلاق دیدے اور شوہر اوس ہبہ کو اس شرط پر قبول کرے مگر طلاق نہ دے تو مہر سے بری نہ ہوگا"

"جب کوئی بیمار عورت اپنا مہر شوہر کو ہبہ کردے اور بعد اوسکے تندرست

---

[۱] فتاوائے قاضی خان ۱۲ منہ [۲] ردالمختار ۱۲ منہ

ہو جائے تو وہ ہبہ صحیح ہوگا اور اگرچہ وہ اوس بیماری مین مرجاے مگر وہ مرض الموت نہ ہو تو بھی یہی جواب دیا جائیگا لکن اگر وہ مرض الموت ہو تو بلا رضامندی ورثہ ہبہ جائز نہوگا"

۳۰ جب کوئی جائداد زید کو تاحین حیات ہبہ کیجائے اور بعد اوسکی وفات کے اوسکے ورثہ کو ہبہ کیجاے تو شرع حنفی کے موافق ایسا ہبہ پہلے موہوب لہ کی نسبت مطلق و ناطق ہے اور اوسکو مال موہوب مین ویسے حقوق حاصل ہو جاتے ہین کہ گویا اوسکو وہ مال مطلقاً ہبہ کردیا گیا ہے۔

شیعہ اور شافعیہ اور مالکیہ کے مذہب مین جب ہبہ موہوب لہ کی حیات پر محدود ہو تو اوسکے مرنیکے بعد مال موہوب واہب یا اوسکے ورثہ کو واپس ملیگا۔ جو ہبہ بطور رقبہ کیا گیا ہو وہ سب فرقون کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ وہ ہبہ ایسی شرط پر موقوف ہے جسکا یقین نہین ہو سکتا بلکہ گویا ایک آدمی کی جان پر شرط بدی ہے۔ رقبہ کے معنے یہ ہین کہ کوئی شخص کسی سے کہے کہ اگر مین تمسے پیشتر مرجاؤن تو یہ میرا مکان تمہارا ہو جائیگا اور اگر تم مجھسے پیشتر مرجاؤ تو یہ مکان میرا ہی رہیگا"

جب رقبہ موہوب لہ کے قبضہ مین ہو تو بمنزلہ عاریت ہے اور جب واہب یا معطی چاہے اوسکو واپس لے سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی مکان کا اور نیز اوس زمین کا جسپر وہ مکان بنا ہوا ہے مالک ہو تو وہ اوس مکان کو بے اوس زمین کے ہبہ کرسکتا ہے اور ایسا ہبہ جائز ہوگا۔

---

[1] ردالمحتار باب ۴ صفحہ ۸۰ ۲ ۱۲ منہ

پانچوان باب

ہبہ کے احکام موافق مذہب شیعہ

فصل اول

شیعون کے مسائل سابق مین خوب بیان ہو چکے ہین۔ تاہم اُنکے اصول عامّہ کو یکجا کر کے مجملاً بیان کرنا فائدہ سے خالی نہو گا۔

شیعہ اور حنفیہ مین بڑا اختلاف ہبہ مُشاع کے باب مین ہے۔ شیعون کے نزدیک شئی موہوب کا قابل الانقسام ہونا مُبطل ہبہ نہین ہے۔ اور برخلاف حنفیہ کے حقوق محدود کا ہبہ بھی اُنکے نزدیک جائز ہے۔ مثلاً زید کو اُسکے مادام الحیات کوئی چیز ہبہ کرنا جائز ہے اور اُسکے مرنے کے بعد شئی موہوب واہب یا اُسکے ورثہ کو واپس ملے گی۔ علیٰ ہذا القیاس جب کوئی چیز زید کو ہبہ کیجائے اور اُسکے بعد بکر کو صریحاً ہبہ کیجائے تو زید اپنی حین حیات اُسکا حقدار رہیگا اور اُسکے بعد بکر اپنی حین حیات اُسکا ذیحق رہیگا اور بعد اُسکے وہ مال اصل واہب یا اُسکے ورثہ کو واپس ملیگا۔ مگر جب کوئی چیز زید اور اُسکے جانشین کو ہبہ کیجائے تو اُسمین صرف زید کو حق حاصل ہو گا کیونکہ اُسکے جانشین کی تصریح نہین کی ہے کہ وہ کون ہے۔ جب کوئی چیز زید کو اور اُسکی اولاد کو نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ ہبہ کیجائے تو زید کو اُسمین حق مطلق حاصل ہو جائے گا اور نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ یہ جملہ بیانیہ سمجھا جائیگا تحدیدیہ نہ سمجھا جائیگا۔

شیعہ نے حنفیہ سے اُس جائداد کے قبضہ کے باب مین بھی اختلاف کیا ہے جو نابالغ کو ہبہ کی گئی ہو۔ حنفیہ کے نزدیک جس شخص کی حراست مین نابالغ ہے اُسکا قبضہ کافی ہے مگر علماء شیعہ مین سے محقق ابو القاسم حلّی کا یہ قول ہے کہ نابالغ کی طرف سے وہ شخص قبضہ کرے جو شرعاً مجاز ہو یا حاکم شرع قبضہ کرے۔ اِس اختلاف کا محصل ومفاد یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ولی واقعی کا قبضہ کافی ہے مگر شیعہ کے نزدیک ولی شرعی کا قبضہ چاہیئے

لیکن یہ قاعدہ اس صورت مین جاری ہوگا جبکہ نابالغ کی طرف سے اسکے باپ یا دادا کے سوائے دیا اُنکے اوصیا کے سوائے کہ یہی اُسکے اولیاے شرعی ہین اور کسی شخص نے قبضہ کر لیا ہو جب یہ صورت[1] ہوگی تو عدالت اس ہبہ کو جو نابالغ کو کیا گیا ہے ناجائز ہونے دیگی۔

شیعہ اور حنفیہ مین عوض کے باب مین اور جو شرط ہبہ مین کیجائے اُسکے اوصاف شرعی کے باب مین بھی اختلاف عظیم ہے۔

فصل دوم

ہبہ کی تعریف یہ لکھی ہے کہ وہ فعل جس سے ایک شخص کسی چیز کے قبضہ کامل ومطلق کو دوسرے شخص پر مفت اور بغیر قصد خوشنودی خدا کے منتقل کرکے فوراً اُسکا قبضہ اُسپر کرادیتا ہے یعنے جو چیز بطور تحفہ یا ہدیہ کے دیجائے اور عطیہ بھی ہبہ مین داخل ہے۔

واہب اور موہوب لہ کی باہمی رضامندی اور شئی موہوب پر موہوب لہ کا قبضہ کرا دینا جواز ہبہ کو کافی ہے۔

ہبہ کے لیے کوئی خاص صیغہ نہین مقرر ہے۔ اگر واہب کے فعل یا قول سے اُسکا قصد بلاشک وابہام ظاہر ہوجائے تو یہی کافی ہے۔ مثلاً یہ صیغے کہ مین نے دیا یا مین نے نذر دیا یا مین نے فلان چیز کا ملک مطلق فلان شخص کو دیدیا۔ انہین سے ہر صیغہ سے ہبہ ہوسکتا ہے۔

واہب اور موہوب کو بالغ ورشید اور صحیح العقل اور معاہدہ کرنے کے قابل ہونا چاہیئے۔

قرضہ کا ہبہ صرف اُسوقت جائز ہے جب قرضدار کو کیا جائے کہ اس صورت مین ہبہ ابرا ہوجائیگا۔ ہبہ اور ابرا مین بنابر قول مشہور یہ فرق ہے کہ قرضدار کی رضامندی قرضے ابرا کے لیے ضرور نہین ہے۔

---

[1] اس امر کا فیصلہ پیئر صاحب جسٹس اور سیکلین صاحب جسٹس ایک مقدمہ مین جسکا رپورٹ نہین ہوا فرما چکے ہین ۱۲ منہ

ہبہ اسوقت تک جائز نہین ہے جبتک کہ شئی موہوب موہوب لہ کو حوالہ کر دیجائے یعنی جبتک انتقال قبضہ حقیقۃً یا مجازاً نہ وقوع مین آئے۔

ہبہ کا جواز ثابت ہوجاتا ہے اگر واہب کہے کہ مین نے ہبہ کیا ہے اور موہوب لہ کا قبضہ شئی موہوب پر کرادیا ہے گو اُسوقت وہ چیز واہب کے قبضہ مین ہو۔

جب واہب کے ایجاب سے اور تبدیل قبضہ سے ہبہ وقوع مین آچکا ہو تو پھر وہ منسوخ نہین ہوسکتا۔

اگر ہبہ کرنے کے بعد مگر شئی موہوب پر موہوب لہ کا قبضہ کرانے کے پیشتر واہب مر جائے تو ہبہ باطل ہوگا اور شئی موہوب جزو متروکہ قرار پائیگی۔

موہوب لہ بلا اجازت واہب شئی موہوب پر قبضہ نہین کرسکتا۔

اگر ہبہ کرنے کے وقت شئی موہوب موہوب لہ کے قبضہ مین ہو تو اقباض کی ضرورت نہین ہے۔

یہی قاعدہ اُس صورت مین بھی جاری ہوگا جبکہ شئی موہوب موہوب لہ کے قبضہ مین اتنی مدت تک رہی ہو کہ واہب کو موقع شکایت کا ملا ہو مگر اُسنے شکایت نہ کی ہو۔ یہ قول بعض علماء کا ہے۔

جو ہبہ نابالغ کو اُسکے باپ یا دادا نے کیا ہو وہ جائز ہے کیونکہ یہ اشخاص ہبہ کرنے اور شئی موہوب کو نابالغ کی طرف سے لے لینے کی قابلیت رکھتے ہین۔

جن صورتون مین واہب نابالغ موہوب لہ کا باپ یا دادا ہو خواہ وہ اُسکا ولی ہو خواہ نہو اُن صورتون مین لازم ہے کہ ہبہ کو تیسرا شخص نابالغ کی طرف سے قبول کرے۔

اور یہ تیسرا شخص اگر خود واہب نہو تو اُسکا ولی ہوسکتا ہے۔ اور جب خود ولی واہب ہو تو جس شخص کو حاکم شرع مقرر کردے اُسکا قبضہ کافی ہوگا۔

مال مشاع کا ہبہ ہوسکتا ہے اور اقباض اُسی طور سے ہوگا جسطور سے بیع مین ہوتا ہے

جب دو شخصون کو ہبہ کیا جائے تو وہ بالمشارکت قابض نہین ہوتے بلکہ آئین سے ہر ایک اُس جز کا مالک ہوجاتا ہے جو اُسکو دیا گیا ہے درحالیکہ دونون نے اُس ہبہ کو قبول کر لیا ہو۔ لیکن جب ایک ہی موہوب لہ نے ہبہ قبول کیا ہو تو اُسکی نسبت ہبہ جائز ہوگا مگر دوسرے کی نسبت جسنے اُسکو نہین قبول کیا ہے ناجائز ہوگا۔

باپ ایک یا زیادہ اولاد کو اور اولاد پر ترجیح دیکر اُسکے نام ہبہ کر سکتا ہے مگر ایسے ہبہ سے پرہیز کرنا انسب ہے۔

جو ہبہ واہب کے طبقۂ اول کے اجداد کو کیا گیا ہو اور جسکو اُنھون نے قبول کر لیا ہو وہ منسوخ نہین ہوسکتا۔

مان باپ کے سواے اور اقربا کو جو ہبہ کیا جائے اُسکا قابل تنسیخ نہونا بھی مُسلّم ہے گو اسمین کچھ اختلاف ہے۔

جو ہبہ غیر آدمی کو کیا گیا ہو وہ منسوخ ہوسکتا ہے تاوقتیکہ شئی موہوب موجود رہے مگر جب شئی موہوب فنا ہو گئی ہو تو ہبہ نہین منسوخ ہوسکتا۔

ہبہ اُس صورت مین بھی نہین منسوخ ہوسکتا ہے جبکہ شئی موہوب کو موہوب لہ نے فروخت کر ڈالا ہو یا دوسرے طور سے منتقل کر دیا ہو اِس صورت مین ہبہ کے قابل تنسیخ نہونے مین اختلاف ہے مگر ترجیح اسی قول کو ہے کہ وہ قابل تنسیخ نہین ہے۔

اقربا کو عموماً اور اولاد یا ان باپ کو خصوصاً ہبہ کرنا سنت موکدہ ہے۔ اِسی طرح سے مال کو سب اولاد مین برابر تقسیم کر دینا بھی ثواب ہے۔

شوہر و زوجہ کو چاہیے کہ جو ہبہ اُنھون نے ایک دوسرے کو کیا ہو اُسکے منسوخ کرنے سے پرہیز کرین۔ بعض علمار کا قول ہے کہ اِس اعتبار سے شوہر اور زوجہ مثل اقربار نسبی کے ہین مگر قول اول پر عمل کرنا بہتر ہے۔

سلہ یہ محقق ابو القاسم حلی کا قول ہے مگر شیخ مفید کا قول زیادہ تر عقل سلیم کے موافق معلوم ہوتا ہے۔

فصل سوم

خاص احکام ہبہ کے

اگر موہوب لہ واہب کے اقربا نسبی مین سے ہو اور بعد انتقال قبضہ کے (خواہ وہ انتقال صریحًا ہوا ہو خواہ ضمنًا) واہب شئی موہوب کو فروخت کر ڈالے تو وہ بیع باطل ہوگی علی ہذا القیاس اگر موہوب لہ کوئی غیر آدمی ہو (یعنی واہب کے اقربا نسبی مین سے نہو) اور اگر اُسنے کوئی چیز ہبہ کے عوض مین دی ہو تو بھی اُسکی بیع ناجائز ہوگی۔

اگر غیر آدمی کو ہبہ کرکے اُسکا قبضہ کرا دیا ہو مگر اُس ہبہ کا کچھ عوض نہ دیا گیا ہو تو بھی بیع باطل ہوگی اِسواسطے کہ واہب نے اُس چیز کو فروخت کیا ہے جسکا وہ اُسوقت مالک تھا۔ بعض فقہاکے نزدیک ایسی بیع جائز ہے کیونکہ اِس صورت مین واہب اختیار تنسیخ ہبہ رکھتا تھا۔ مگر پہلا قول زیادہ ترصحیح معلوم ہوتا ہے۔

اگر ہبہ نامشروع ہونے کی وجہ سے باطل ہو اور واہب نے شئی موہوبہ فروخت کر ڈالا ہو تو وہ بیع جائز ہوگی۔

یہی اصول اُس صورت مین بھی جاری ہوگا جبکہ کوئی وارث اپنے مورث کی جائداد پانے کی توقع رکھتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ ابھی مورث زندہ ہے اِسواسطے کہ اگر یہ معلوم ہوجاسے کہ مورث اُسوقت مرچکا تھا تو بیع جائز ہوجائے گی۔

ہبہ اقباض یا انتقال مال موہوب کے وقت سے قائم ہوتا ہے نہ تاریخ معاہدہ سے یعنی تمام لوازم ہبہ اور وہ حقوق و فرائض جو اُس سے پیدا ہوتے ہین اُس تاریخ سے وقوع مین آتے ہین جس تاریخ موہوب لہ نے شئی موہوب پر قبضہ کیا ہے۔

برخلاف وصیت کے کہ وصیت مین موصیٰ لہ کا حق موصی کے مرنے کے وقت سے قائم ہوجاتا ہے گو انتقال جائداد بعد ہو۔

جب واہب اور موہوب لہ مین تنازع واقع ہو اور واہب بیان کرے کہ مین نے

ہبہ تو کیا تھا مگر قبضہ نہین کرایا تھا تو یہ بیان واہب کا قبول کر لیا جائیگا لیکن اگر موہوب لہ کہے کہ شئے موہوب پر اسکا قبضہ جائز طور سے کرا دیا گیا تھا تو واہب کو اپنا بیان حلفاً ثابت کرنا پڑے گا۔

یہی قاعدہ جب بھی جاری ہوگا جب کوئی شخص کہے کہ "مین نے یہ چیز اسکو دیدی اور اسکو اسکا مالک بنا دیا" اور پھر کہے کہ مگر قبضہ نہین کرایا۔ اسواسطے کہ ممکن ہے کہ اُسنے دوسرا جملہ (اور اسکو مالک بنا دیا) بتائید پہلے جملہ (مین نے اسکو یہ چیز دیدی) کہا ہو اور انتقال نہ ہوا ہو۔

درصورت تنسیخ ہبہ کے واہب کو کچھ تاوان دینا واجب نہین ہے اگر شئے موہوب کو کچھ ضرر پہونچا ہو۔ البتہ اگر شئے موہوب کی قیمت مین کچھ افزونی ہوئی ہو تو وہ افزونی واہب کا مال ہے۔

جب بعد ہبہ شئے موہوب مین ایسا اضافہ یا الحاق ہوا ہو جو اُس شئے کے عین سے جدا ہو سکتا ہو تو وہ موہوب لہ کا مال ہوگا لیکن جو اضافہ یا الحاق قبل اقباض ہوا ہو وہ درصورت تنسیخ ہبہ واہب کا مال ہے۔

جب ہبہ بلا قید کیا گیا ہو تو ہمیشہ یہی قیاس کیا جائیگا کہ بلا عوض ہوا ہے۔ اگر موہوب لہ اپنی طرف سے کوئی چیز واہب کو ہبہ کرے تو وہ ہبہ قابل تنسیخ نہوگا۔

جو ہبہ اس شرط سے کیا گیا ہو کہ موہوب لہ واہب کو کچھ نذر دیگا یا کچھ پیشکش کرے گا یا اُسکی کوئی خدمت کریگا وہ ہبہ جائز ہے۔ ایسا ہبہ صرف اُسوقت منسوخ ہو سکیگا جبکہ موہوب لہ نے اُس شرط کی تعمیل نہ کی ہو۔

جب وہ نذر جسکا دینا یا وہ فائدہ جسکا بخشنا موہوب لہ پر واجب ہے نامحدود یا غیر معیّن ہو تو موہوب لہ اُسکو اپنی مرضی کے موافق معیّن کر سکتا ہے اور جب ایسی نذر یا فائدہ کو واہب قبول کرلے تو ہبہ قابل تنسیخ نہ باقی رہیگا۔

مذکورۂ بالا صورتون مین موہوب لہ اسپر مجبور نہین ہوسکتا کہ جو نذر اُسنے معیّن کی ہے وہی دے
بلکہ وہ اُسکے نہ دینے کا حق رکھتا ہے مگر اس صورت مین واہب کو اختیار تنسیخ ہبہ باقی رہیگا
اگر صورت مذکورۂ بالا مین موہوب لہ کا انکار تنسیخ ہبہ کا باعث ہوا ہو تو وہ شئے موہوب کے
ضایع ہوجانے یا اُسکی قیمت کے کم ہوجانے کا ذمہدار نہین تصور ہوسکتا کیونکہ اُسنے اس چیز مین
تصرف کیا ہے جسکی ملکیت جائز طور سے اُسپر منتقل ہوچکی تھی۔ اِس مسئلہ مین اختلاف ہے۔
اسمین بھی کچھ اختلاف ہے کہ جب کوئی کپڑا ہبہ ہونے کے بعد موہوب لہ نے رنگ لیا ہو
تو آیا ایسے ہبہ کی تنسیخ کا اختیار واہب رکھتا ہے یا نہین۔ جن علما کے نزدیک موہوب لہ کا
شئے موہوب کو اپنے استعمال مین لانا مانع تنسیخ ہبہ ہے اُنکے نزدیک اُس کپڑے کو رنگنے سے
حق تنسیخ ہبہ زائل ہوجائیگا۔ مگر جن علما رکا یہ قول نہین ہے اُنکے نزدیک اُس کپڑے کا
رنگنا مانع تنسیخ ہبہ نہین ہے بلکہ موہوب لہ صرف اُس رنگ کی قیمت لے لینے کا مستحق ہوجاتا ہے
اور اُسکی قیمت اُس کپڑے پر باقی رہتی ہے۔
جو ہبہ مرض شدید کی حالت مین کیا گیا ہو وہ جائز ہے اگر واہب اُس مرض سے
شفا پائے۔ اگر وہ مرجائے تو ہبہ صرف باذنِ ورثہ جائز ہوگا اور اگر وہ راضی نہون
تو صرف بقدر ثلث مال متوفی نافذ ہوگا۔

چھٹا باب[۱]

ہبہ کے احکام موافق مذہب شافعی

ہبہ انتقال جائداد برضا و رغبت خود یا بلا استحقاق کا نام ہے خواہ اُس انتقال سے
ثواب اخروی حاصل کرنا منظور ہو خواہ موہوب لہ کے اعزاز کا اظہار مقصود ہو۔ جواز ہبہ کی
شرط ضروری یہ ہے کہ واہب کی طرف سے ایجاب اور موہوب لہ کی طرف سے قبول ہو
اور ایجاب و قبول صریحاً کرنا چاہیے نہ ضمناً۔ البتہ نذر مین ایجاب و قبول صریحاً کرنا کچھ ضرور

[۱] یہ احکام منہاج الطالبین سے لیے گئے ہین ۱۲ منہ

نہین ہے۔ ہبہ مین صرف اتنا کافی ہے کہ واہب شئے موہوب کو لے آئے اور موہوب لہ اسپر قبضہ کرے۔ ہبہ ان الفاظ سے ہوسکتا ہے ٭ مین چاہتا ہون کہ تم میرے اس مکان مین رہا کرو اور تمھارے مرنے کے بعد یہ تمھارے ورثہ کو ملے ٭ یا مین چاہتا ہون کہ تم اس مکان مین رہا کرو ٭ (یہ قول امام شافعی نے دوسرے زمانہ مین اختیار کیا تھا) اور تمھارے مرنے کے بعد یہ تمھارے ورثہ کو ملے ٭ جو ہبہ بالفاظ ذیل کیا گیا ہو اسکے جواز کے باب مین امام شافعی کا قول پہلے اور تھا اور بعد از آن اور ہوگیا ٭ مین تمکو اس مکان کا منافع تمھاری زندگی تک دیتا ہون یا مین تمکو اسکا منافع تمھاری زندگی تک ہبہ کرتا ہون ٭ یعنی اگر تم پہلے مرجاوگے تو یہ پھر مجھی کو ملیگا اور اگر مین پہلے مرجاؤنگا تو یہ ہمیشہ کے لیے تمھارا ہوجائیگا۔ مگر اس زمانہ مین یہ دونون قول امام شافعی کے جاری ہین یعنے بعض مقامات مین اسکے ایسی ہبہ کو جائز اور بعض ناجائز سمجھتے ہین۔ جس چیز کی بیع و شرا ہوسکتی ہے اسکا ہبہ بھی ہوسکتا ہے۔ مگر جس چیز کی بیع نہین ہوسکتی جیسے شئے مغصوب یا مجہول یا جانور جو بھاگ گیا ہو اسکا ہبہ بھی نہین ہوسکتا قرضہ کے ہبہ سے قرضہ کا معاف کردینا لازم آتا ہے اگر قرضدار کو ہبہ کیا جائے۔ لیکن اگر کسی غیر شخص کو قرضہ ہبہ کیا جائے تو ناجائز ہوگا۔

شئے موہوب مین جو ملک واہب کا ہے وہ صرف اسوقت منتقل ہوتا ہے جبکہ واہب کی رضامندی سے موہوب لہ اسپر قبضہ واقعی کرے۔ جب واہب یا موہوب لہ ہبہ کرنے اور قبضہ کرنے کے مابین مرجائے تو اسکے ورثہ اسکے قائم مقام ہوجائینگے ٭ تاہم بعض فقہا نے فرمایا ہے کہ ایسے حال مین اس ہبہ کو منسوخ کرنا چاہیئے۔

احادیث مین وارد ہوا ہے کہ والدین اگر فاجر و فاسق نہون تو یہ اختیار رکھتے ہین کہ اپنی حیات مین اپنی جائداد کو اپنی اولاد مین بلا امتیاز ذکور و اناث بمقدار مساوی ہبہ کردین۔ مگر بعض احادیث مین یہ بھی وارد ہوا ہے کہ والدین کو قاعدۂ میراث کو اسطرح باطل کردینا نہ چاہیئے۔

باپ نے جو ہبہ اپنی اولاد کو کیا ہو اُسکو منسوخ کرسکتا ہے بشرطیکہ موہوب لہ نے شئے موہوب کو فروخت وغیرہ نہ کرڈالا ہو۔ یہی حال اجداد کا بھی نسبت اُس ہبہ کے ہے جو انھوں نے اپنی اولاد کی اولاد یا اُسکی اولاد کو کیا ہو۔ مگر جب موہوب لہ شئے موہعب کے ساتھ کوئی ایسا فعل کرے جس سے اُسکا ملک بعینہ باقی رہے مثلاً اُسکو رہن رکھے یا ہبہ مشروط کرے (تاوقتیکہ قبضہ نہ کرادے) یا عتق[1] مشروط یا ٹھیکہ مستاجری تو شافعیہ کے نزدیک ان سب صور تون مین حق تنسیخ ہبہ زائل نہو گا۔ اگر موہوب لہ کا ملک شئے موہوب مین جاتا رہے اور بعد ازآن پھر اُسکو ملجائے تو حق تنسیخ ہبہ عود نہ کریگا اور اگر اس عرصہ مین شئے موہوب مین کچھ افزونی ہوگئی ہو تو ہبہ صرف اُسوقت منسوخ ہوسکتا ہے جبکہ وہ افزونی اُس شئے کا جزو ہوگئی ہو لیکن اگر اُس سے علیحدہ ہو تو نہین منسوخ ہوسکتا۔ ہبہ بالفاظ ذیل منسوخ ہوسکتا ہے "مین اپنے ہبہ کو منسوخ کرتا ہون" یا "مین اس چیز کو پھیرے لیتا ہون" یا "مین اپنی ہبہ کو ساقط کیا چاہتا ہون" مگر ہبہ ضمناً نہین منسوخ ہوسکتا یعنی اسطرح نہین منسوخ ہوسکتا کہ بعد ازآن وہ چیز دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرڈالی جائے یا وقف یا ہبہ کردی جائے۔

اگر ہبہ اس شرط سے کیا گیا ہو کہ کچھ معاوضہ نہ لیا جائیگا تو حق تنسیخ سواے آبا و اجداد کے اور کسی کو حاصل نہین ہے۔ لیکن جب ہبہ مین معاوضہ کی شرط نہ کی گئی ہو تو یہ سمجھا جائیگا کہ ہبہ بغیر امید معاوضہ کیا گیا ہے اگر موہوب لہ کسی طرح واہب سے پست مرتبہ ہے بلکہ اگر وہ اُس سے بلند مرتبہ ہے تب بھی یہی سمجھا جائیگا۔ شافعیہ نے اِس سے بھی ترقی کرکے اِس اصول کو اُس صورت مین بھی جاری کیا ہے جبکہ واہب اور موہوب لہ دونو مرتبہ مین بہر نوع مساوی ہون۔

جب ہبہ مین عوض دینا واجب ہو مگر معاہدہ کے وقت کچھ عوض طے نہوا ہو تو عوض کو شئے موہوب کا ہم قیمت ہونا چاہئیے۔ اور ایسی حالت مین اگر موہوب لہ عوض دینے مین

---

[1] یعنی بردہ آزاد کرنا۔ ۱۲ منہ

غفلت کرے تو واہب ہبہ کو منسوخ کرسکتا ہے۔

عوض معین دینے کی شرط پر ہبہ کرنا جائز ہے مگر ایسے ہبہ کو ایک قسم کی بیع تصور کرنا چاہیئے۔ لیکن شافعیہ کے نزدیک عوض غیر معین دینے کی خاص شرط پر ہبہ کرنا باطل اور ناجائز ہے۔

جب کوئی چیز کسی کو نذر دیجائے تو جس ظرف مین وہ چیز رکھی ہے وہ اُس چیز کا جو نذر دیگئی ہے جزو سمجھا جائیگا اور جب اُسکے پھیرنے کا دستور نہو تو نہ واپس کیا جائیگا۔ مثلاً جس ٹوکری مین خرمے نذر دیے جائین وہ نہ پھیری جائیگی۔ ورنہ وہ ظرف واہب ہی پاس رہیگا اور موہوب لہ اُسکو اور کسی مصرف مین نہین لاسکتا سواے اُس خاص مصرف کے مثلاً وہ پیالہ جسمین کھانا نذر دیا گیا ہو بشرطیکہ اُسکو استعمال مین لانا روا جائز ہو۔ فقط

ساتوان باب

وقف کے احکام

فصل اول

شرع محمدی مین اوقاف کا سلسلہ زمانۂ سلف سے برابر چلا آتا ہے اور از روے تواریخ اُسکی اصل شارع اسلام صلعم سے معلوم ہوتی ہے۔

ایک حدیث مین وارد ہوا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو بعد ازآن خلیفہ ثانی ہوے جناب رسول مقبول سے عرض کی کہ یارسول اللہ مین چاہتا ہون کہ اپنی کچھ جائداد غربا و مساکین پر ہمیشہ کے لئے وقف کرون پس آپ مجھکو ہدایت فرمائین کہ کس طور سے مین اُس جائداد کو ابدالآباد تک غیر قابل الانتقال کرسکتا ہون۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تُو اُس جائداد کو علیحدہ کرکے اُسکی آمدنی کو وقف کر۔ اِس ارشاد فیض بنیاد سے ایک عظیم الشان سلسلۂ قوانین متعلقۂ اوقاف و امانات پیدا ہوا ہے۔

وقف کی تین قسمین بنظر سہولت ہوسکتی ہین۔ یعنی وقفِ عام۔ وقفِ خاص و عام

وقف خاص۔ مگر شرع محمدی میں دو ہی قسمیں رکھی گئی ہیں۔ وقف عام اور وقف خاص اور ان دونوں میں فرق بین رکھا گیا ہے۔ جو اوقاف مصالح عامہ کے لیے ہوں یعنے مفید عام کاموں یا غربا و مساکین کے فائدہ کے لیے عمل میں آئے ہوں وہ اوقاف عامہ کہلاتے ہیں۔ اور سب اوقاف اوقاف خاصہ سمجھے جاتے ہیں۔ البتہ اوقاف خاصہ کے لیے کوئی خاص لفظ نہیں ہے بلکہ مصالح عامہ سے جو اوقاف کیے جائیں اُنکے سوائے اور سب اوقاف خاصہ سمجھے جائینگے۔ مگر چونکہ بہت سے اوقاف ایسے ہیں جو اوقاف عامہ نہیں ہیں مگر جنمیں کچھ صفت اوقاف عامہ کی بھی پائی جاتی ہے لہذا ایسی اوقاف کو میں نے بہ لفظ خاص و عام تعبیر کرنا مناسب سمجھا۔ پس وقف خاص و عام سے میری مراد وہ اوقاف ہیں جنکا اصل مقصد کچھ تو امور دینی اور کارہاے خیر میں امداد کرنا ہے اور کچھ خاص خاص اشخاص یا خاص خاص فرقوں کی نفع رسانی ہے۔

وقف خاص سے میری مراد وہ اوقاف ہیں جنکا مقصود اہل واقف کے عیال و اطفال یا اقربا کے لیے آذوقہ مہیا کرنا ہو۔

معنی لغوی لفظ وقف کے یہ ہیں۔ اُسنے باندھ دیا یا حبس کر لیا۔ اور اصل میں یہ لفظ گھوڑے اور اونٹ وغیرہ کے باندھنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اور فقہاے اسلام کی اصطلاح میں وقف سے مراد کسی کار خیر کے لیے مال دیدینا ہے (جسکو علماء شیعہ نے علی وجہ البر والاحسان اور علماء حنفیہ نے علی وجہ الخیر[1] لکھا ہے) لفظ بر و خیر میں سب امور نیک اور کارہاے ثواب داخل ہیں۔ کسی شخص کا اپنے لیے آذوقہ مہیا کرنا علماے حنفیہ[2] کے نزدیک کار خیر ہے اسواسطے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو کوئی چیز دے اُسنے گویا راہ خدا میں دیا۔ پس مسلمان کا اپنے عیال و اطفال کے لیے کوئی جائداد وقف کرنا سب فرقوں کے نزدیک جائز ہے

---

[1] ہدایہ باب ۲ صفحہ ۶۸۸۹ ۸۸۸ – ۱۲ مسند [2] ہدایہ باب ۲ صفحہ ۱۰۹ – ۱۰ مصنف

لفظ وقف کی سب سے عمدہ تعریف وہ ہے جو صدر دیوانی عدالت کے مشیران قانونی نے بمقدمہ[1] محمد صادق بنام محمد علی وغیرہ لکھی ہے۔ انھون نے بیان کیا ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول کے موافق (اِس مسئلہ مین انھین کے قول پر عمل کیا جاتا ہے) وقف کی تعریف یہ ہے کہ کسی جائداد مثل اراضی و مکانات وغیرہ کے حق ملکیت سے دست بردار ہو کر راہ خدا مین اسکو اسطرح دیدینا کہ بندگان خدا کو اُس سے فائدہ ہو بشرطیکہ مال موقوف وقف کرنے کے وقت واقف کا مال ہو۔ اِس تعریف مین آگے چلکر بحث کیجائیگی اور یہ تعریف وقف کی تمام مقاصد عُلی پر حاوی ہے۔

فصل دوم[2]

مختلف فرقون مین اس باب مین اختلاف عظیم ہے کہ وقف کس طور سے اور کن لوگون کے لیے کیا جائے۔ خود حنفیہ مین بڑا اختلاف اِس مسئلہ مین ہے جسپر خاص توجہ کرنا لازم ہے۔ مثلاً ایک طرف امام ابو یوسف اور امام محمد اور دوسری طرف امام اعظم ابو حنیفہ مین وقف کی ماہیت اور اُسکے اوصاف شرعی کے باب مین اختلاف عظیم ہے۔

امام اعظم کے نزدیک وقف کی تعریف یہ ہے کہ کسی خاص چیز کا واقف کے قبض و ملک مین رہنا اور اُسکی منفعت کو غربا و مساکین کے مصرف مین لانا یا اور کارہاے خیر[3] مین لگانا بطور عاریت[4] کے۔ مگر چونکہ وقف قطعی نہین ہوتا ہے لہذا واقف مال موقوف کو واپس کرکے جو چاہے کر سکتا ہے۔ صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) جنکے اقوال کی پابندی

---

[1] سلکٹ رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۱-۱۲ منہ [2] والتصدق بالمنفعة على الفقراء او على وجه من وجوه الخير ہدایہ صفحہ ۸۸-۱۲ منہ [3] عاریت کو عاریت دینے والا جب چاہے البر لے سکتا ہے۔ بیلی صاحب نے لکھا ہے کہ اس سے یہ مراد نہین ہے کہ صرف منفعت عاریتاً مل سکتی ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ جن لوگون پر وقف کیا گیا ہے اُنکو ویسا ہی فائدہ اُس سے ہو جیسا اُسوقت ہوتا جب وہ چیز عاریتاً دیجاتی کہ اُس صورت مین اُسکی منفعت اُنکو اُسوقت تک حاصل رہتی جبتک وہ چیز اُنکے قبضہ مین رہتی۔ بیلی صاحب کی شرع محمدی صفحہ ۵۵۷ طبع ثانی ۱۲ منہ

حنفیہ یہ فرض ہے اور جنکی راے اس مسئلہ مین تمام بلاد حنفی مین صحیح و معتبر سمجھی جاتی ہے اُنکے نزدیک
وقف کی تعریف یہ ہے کہ باقی رہنا کسی چیز کا خداوند عالم کی ملک مین اس طور سے کہ اُسکی منفعت
بندگان خدا کے نفع رسانی مین صرف کیجائے اور جب ایک مرتبہ وقف کر دیا جائے تو پھر وہ مطلق
وقطعی ہوجاتا ہے یعنی شئے موقوف فروخت نہین ہوسکتی نہ ہبہ ہوسکتی ہے نہ میراث مین منتقل ہوسکتی ہے
فتاوای عالمگیری مین اس اصول کو اسطرح بیان کیا ہے کہ ؎ امام ابو یوسف[له] کے نزدیک
صرف واقف کے کہدینے سے کہ کسی خاص جائداد کو مین نے وقف کیا ہے وقف ناطق و
قطعی ہوجاتا ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک بجز اسکے کہ قاضی حکم صادر کرے
واقف کا حق زائل ہوجاتا ہے۔ ایسا حکم قاضی کا اس طور سے حاصل ہوسکتا ہے کہ واقف
مال موقوف کو متولی کے حوالہ کرے بعد اُسکے قاضی سے کہے کہ یہ مال مجھکو واپس دلا دیجیے
کہ وقف قطعی نہ تھا جسکی پابندی مجھپر فرض ہوتی۔ اُسوقت قاضی یہ حکم صادر کرسکتا ہے کہ یہ
وقف قطعی سمجھا جائے اور وہ ایسا ہی[له] سمجھا جائیگا۔ اگر واقف اپنے مرنے کے وقت یہ کہکر کہ
جب مین مرجاؤن تو میرا مکان فلان مصرف مین لایا جائے وقف کو معطل کر دے تو بقدر
ثلث مال کے جائز ہوگا اور ثلث سے زائد جو ہوگا وہ معطل رکھا جائیگا اور یہ دیکھا جائیگا کہ
واقف کی اور کوئی جائداد بھی ہے یا نہین۔ اگر اُسکے ورثہ وقف کی اجازت نہ دین تو اُسکے
مال کے تین حصہ کیے جائین اور ایک ثلث وقف کرایا جائے دو ثلث ورثہ کو دیے جائین
اگر وقف مرض الموت کی حالت مین ہوکر بعد وفات معطل رکھا جائے تو وہی اثر ہوگا کہ گویا
صحت کی حالت مین معطل کیا گیا تھا۔

[له] عیون وغیرہ مین لکھا ہے کہ فتوے صاحبین کے قول کے موافق ہین۔ فتاوی عالمگیری جلد ۲
صفحہ ۴۵۴۔ ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۸۸۸ - ۱۲ منہ [۲له] فلٹن صاحب کا لا رپورٹ صفحہ ۴۵ مین
عالم بجون نے صداقت فرمایا ہے کہ اس زمانہ مین جو فیصلے قضات اور علماء حنفی نے کیے ہین اُنسے یہی معلوم
ہوتا ہے کہ اس مسئلہ مین امام ابو یوسف کا قول ترجیح رکھتا ہے ۱۲ منہ [۳له] کافی ۱۲ منہ [۴له] طحاوی ۱۲ منہ

امام محمد کے نزدیک واقف کا حق اُسوقت تک نہین جاتا جبتک کوئی متولی نہ مقرر ہو جائے
اور وہ مال اُسکے سپرد نہ کر دیا جائے۔

سابق مین عرض کیا گیا کہ مشرقی ایشیا کے فقہائے حنفی نے علمائے بلخ کی تقلید کر کے امام ابو یوسف کے
قول کو سب مسائل مین اختیار کیا ہے اور صوبہ الجیریا اور مصر اور افریقیہ[سلہ] شمالی اور ممالک روم
مین بھی عموماً انھین کی تقلید کیجاتی ہے۔ البتہ بعض ممالک ایشیا مین جہان علمائے بخارا کا غلبہ ہا ہے
امام محمد[سلہ] کے اقوال پر عمل کیا جاتا ہے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک واقف کو خود اپنے تئین متولی مقرر کر کے مال موقوف کے
مبادلہ کا اختیار اپنے لیے باقی رکھنا جائز ہے۔ امام محمد نے اس مسئلہ مین بھی اُنسے اختلاف کیا ہے
مگر امام ابو یوسف کا قول حکم[سلہ] ترجیح قرار دیا گیا ہے اور اُسی کی پابندی سپریم کورٹ کلکتہ نے
مقدمہ مذکورۂ بالا مین کی ہے۔

مالکیہ اور شیعہ کے نزدیک وقفی چیز کا متولی کے حوالہ کر دینا ایک شرط ضروری ہے جس سے
معلوم ہو جاتا ہے کہ وقف صالح ہے اور نیک نیتی سے کیا گیا ہے۔ شیعون کا مسئلہ شرایع الاسلام
مین یہ لکھا ہے کہ "وقف کا معاملہ قطعی نہین ہوتا الا جبکہ قبضہ کرا دیا جائے" اس قول سے
بادی النظر مین یہ معلوم ہوتا ہے کہ مالکیہ اور شیعہ کے نزدیک جو وقف کا قطعی ہونا اقباض پر
موقوف ہے تو اقباض سے مراد واقف کا مال وقفی کو متولی یا امین پر منتقل کر دینا اور اسکے
سپرد کر دینا ہے۔ مگر نفس الامر مین ایسا نہین ہے۔ بلکہ اسکا مطلب صرف اتنا ہے کہ قبضہ کی

سلہ ساٹر صاحب کی کتاب صفحہ ۸۴ مضمون ۹۵۵ ۔ ۱۲ منہ سلہ یہی مطلب ہے فتاوائے عالمگیری کی اس
عبارت کا کہ علماء کا اتفاق ان دونو صاحبون کے فتوے پر تقریباً برابر معلوم ہوتا ہے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ فتوی امام ابو یوسف
کے قول کے موافق ہے مگر دو عالمون نے فرمایا ہے کہ فتوی امام محمد کے قول کے موافق ہے" یہ گمان کرنا غلط ہے کہ
ان دونو صاحبون کے قول کے موافق فصل خصومات کیا جاتا ہے جیسا بیلی صاحب نے لکھا ہے ۱۲ منہ
سلہ بیلی صاحب کی شرع محمدی صفحہ ۵۵۹ ۔ ۱۲ منہ

حقیقت یا ملک کی نوعیت مین ایک خاص قسم کا تغیر صریحًا یا ضمنًا کر دیا جائے۔ مثلاً مالکیہ اور شیعہ دونو کے نزدیک واقف خود اپنے تئین مال موقوف کا متولی مقرر کر سکتا ہے۔ اور اگر اس مال پر وہ بطور متولی نہ بطور مالک قبضہ کر لے تو وقف ناجائز نہو جائیگا۔

فصل سوم

وقف کا منعقد یا متحقق ہونا

وقف کے اوصاف شرعی بیان کرنے سے پیشتر یہ تحقیق کرنا مناسب ہے کہ شرع محمدی کے منشاء کے موافق کیونکر اور کن حالات مین وقف ہو سکتا ہے۔ اول تو یہی عرض کیا جاتا ہے کہ وقف کے لیے کوئی خاص رسم شرعی ادا کرنا یا کوئی خاص صیغہ پڑھنا ضرور نہین ہے۔ یہ مسئلہ اسوجہ سے کسی قدر مشکوک ہو گیا تھا کہ فقہ کی کتابون مین بعض مسائل وقف کے ٹھیک معنی سمجھنے مین دقت پڑی تھی مگر مقدمہ جیون داس ساہو بنام شاہ کبیر الدین[1] یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ اس مقدمہ مین جو فرمان شاہی[2] پیش کیا گیا اسمین لفظ وقف کہین نہین لکھا تھا۔ بلکہ برخلاف اسکے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ عطیہ بطور انعام کے دیا گیا تھا جس سے

---

[1] مورس انڈین اپلیس جلد ۲ صفحہ ۳۹۰-۱۸۴۰ء [2] عالمگیر کا فرمان جسکے ذریعہ سے یہ وقف ہوا تھا بعبارت ذیل ہے "از آنجا کہ ما بدولت کو معلوم ہوا ہے کہ موافق اس سند کے جو حکام نے عطا کی ہے بعض مواضع واقع صوبۂ بہار فقرا اور طلبۂ مدرسہ و خانقاہ و مسجد ملا درویش حسین ولد ملا غلام علی کے مصارف کے لیے عطا کیے گئے ہین اور نامبردہ مواہب و عطیات سلطانی کا امیدوار ہے لہذا ما بدولت کی مرضی مبارک یہ ہے کہ اگر مواضع مذکورہ نامبردہ کے قبض و تصرف مین ہون تو وہ کل مواضع حسب دستور سابق چندرہ ہزار دام جمع بر اس تاریخ سے بطور مدد معاش نامبردہ کے قبض و تصرف مین رہین موافق مضمون سند کے اور تاکہ نامبردہ الیہ اراضیات کی پیداوار کو اپنے مدرسہ کے طلبا اور اپنی مسجد کے صرف مین لائے۔ لہذا انتظام و عمال حال و آئندہ کو حکم دیا جاتا ہے کہ مواضع مذکورہ کو نامبردہ کے قبضہ مین چھوڑ دین اور انکو من جمیع الوجوہ معافی اور عطیہ سلطانی سمجھکر ہر سال ایک سند جدید طلب نہ کرین۔ اگر نامبردہ کسی اور جنیز پر اور کسی طور سے قبضہ کرے تو وہ ایسا کرنے کے روادار نہون۔ ۱۲ منہ

حقوق مالکانہ شخصی مفہوم ہوتے ہین - لہذا مدعا علیہ کی طرف سے یہ بحث کی گئی کہ یہ دیہات جو عطیہ سلطانی ہے وقف لاتملک یعنی غیر قابل الانتقال نہین ہے - حکام پریوی کونسل نے اپنے فیصلہ مین عبارت ذیل بہ تائید فیصلہ صدر عدالت دیوانی تحریر فرمائی ہے -

"اس مقدمہ کا اور مشیران قانونی کی راے کا حوالہ دیکر صدر دیوانی عدالت نے بمقدمہ مسماۃ قادرہ بنام شاہ کبیر الدین یہ تصفیہ کیا ہے کہ اگرچہ فرمان شاہی مین انعام اور 'تمغہ' کا لفظ لکھا ہے اور ان اشخاص کا بھی ذکر ہے جنکی عرضی پر یہ مواضع عطا ہوے تھے مگر چونکہ یہ صاف ظاہر ہے (جیسا ان عرائض مین لکھا ہے) کہ یہ جائداد بغرض باقی رکھنے ایک کار خیر کے عطا ہوئی تھی لہذا جن اشخاص کا نام لکھا ہے وہ اس جائداد کے مالک نہین تصور ہو سکتے بلکہ اصل موہوب لہ یا موقوف علیہ خانقاہ تھی اور جن لوگون کا نام لکھا ہے وہ صرف اُس خانقاہ کے متولی تھے اور متولی اختیار انتقال نہین رکھتا ہے لہذا شاہ شمس الدین کا اس جائداد کو بذریعہ ہبہ کے یا اور کسی طور سے منتقل کرنا ناجائز تھا"

"یہ فیصلہ موافق اُس قول کے ہے جو ہدایہ باب ۱۵ - مین درباب وقف لکھا ہے - یعنی ہملٹن صاحب کے ترجمہ ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۴ مین لکھا ہے کہ وقف کے لغوی معنے رکھ چھوڑنا ہین اور فقہاے حنفی کی اصطلاح مین وقف کے معنے یہ ہین کہ کسی خاص چیز کو ایسے طریقہ سے دیدینا کہ واقف کا حق اُسمین باقی رہے اور اُسکی منفعت کسی کار خیر مین بطور عاریت لگائی جائے - صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک وقف کے یہ معنی ہین کہ کسی خاص چیز کو اس طور سے دیدینا کہ وہ چیز مالِ خدا کے احکام کے تابع ہو جائے جس سے واقف کا حق اُسمین زائل ہو جاتا ہے اور وہ شے خدا کا مال ہو جاتا ہے جسکی منفعت اُسکے بندون کے مصرف مین آتی ہے - پس صاحبین کے نزدیک وقف ایک معاملہ قطعی ہے اور اُنمین صرف اتنا اختلاف ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک وقف بمجرد انشا قطعی ہو جاتا ہے مگر امام محمد کے نزدیک اُسوقت قطعی ہو جاتا ہے جب مال وقف

متولی کے سپرد کردیا جائے لہذا وہ ہبہ یا بیع نہین ہوسکتا۔ پس لفظ وقف کے معنی لفظی مین وہ سب باتین داخل ہین جو امام اعظم اور اُنکے دونو شاگردون نے فرمائی ہین۔

"پھر اسی کتاب کے صفحہ ۳۴۴ مین لکھا ہے کہ جب وقف جائز یا قطعی ہوجائے تو سب علماء کے نزدیک مال وقف کو بیع یا منتقل کرنا حرام ہے۔ اُسکو منتقل کرنا اِس سبب سے حرام ہے کہ جناب رسول مقبول نے ایک حدیث مین فرمایا ہے کہ "نفس اراضی کو اِسطرح بخشدو کہ وہ قابل بیع یا لائق توریث نہ باقی رہے" لہذا احکام پروی کونسل نے یہ تجویز فرمایا کہ "ازروے شرع محمدی اوقاف مذہبی وخیراتی کے لیے یہ ضرور نہین ہے کہ لفظ وقف وقف نامہ مین لکھدیا جائے اگر اُسکے سیاق وسباق سے وقف مستنبط ہوسکے" یہ فیصلہ بالکل اصول عامۂ شرع محمدی کے موافق ہے اور اِسی کا لحاظ کرکے مسائل ذیل کو سمجھنا چاہیے۔

"وقف اِسطرح ہوتا ہے کہ لفظ وقف کے ساتھ لفظ صدقہ یا خیرات استعمال کیا جائے یا صرف لفظ وقف استعمال کرنا کافی ہے"

"جب کوئی شخص کہے کہ "یہ میری زمین صدقہ یا خیرات ہے اور میری زندگی بھر اور میرے مرنے کے بعد بھی وقف لاتملک ودائمی ہے یا یہ میری زمین صدقہ ہے جو میری زندگی بھر اور میرے مرنے کے بعد ہمیشہ[1] کے لیے وقف رہیگی تو وہ زمین سب علماء کے نزدیک وقف جائز وواجب العمل[2] ہوجائیگی۔ اور اگر وہ کہے کہ "صدقہ موقوفہ وآبدی ہے تو اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ وقف جائز ہوگا۔ یا وہ کہے کہ "صدقہ موقوفہ یا صدقۂ محبوس ہے" اور لفظ مؤبد یا ابدی نہ کہے۔ تو جو علماء[3] ایسے وقف کے جواز کے قائل ہین اُن سب کے نزدیک وہ زمین وقف صالح ہوجائیگی اِسواسطے کہ صدقۂ مؤبدہ ثابت ہوگا جو منسوخ نہین ہوسکتا۔ یہ الفاظ بھی کہ "یہ میری زمین ہر کار خیر کے لیے

---

[1] موقوفۃ محبوسۃ مؤبدۃ ۱۲ منہ [2] فتاوی عالمگیری مین مبسوط سے لکھا ہے ۱۲ منہ [3] علی قول عامۃ من یجیز الوقف ۱۲ منہ

صدقہ ہے یا سب[1] نیک کامون کے لیے ہے بمنزلہ وقف کے ہے ۔

لہٰذا جو تجویز بمقدمہ[2] محمد حمید اللہ خان بنام بدر النسا و خاتون لکھی ہے وہ شرع محمدی کی غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتی ہے ۔ اِس مقدمہ مین وقف بعبارت ذیل کیا گیا تھا "مین نے باقیماندہ ۱۰ر اپنی دختر بدر النسا اور اُسکی اولاد پر نسلاً بعد نسلٍ وقف کیے اور جب وہ نہون تو غربا و مساکین پر ۔ یہ وقف صحیح و صالح و جائز بطور عطیہ دائمی و استمراری کیا گیا اور میری حیات مین اور بعد میری وفات کے بھی صحیح و نافذ و موثر رہیگا اور تملک و تملیک سے بری رہیگا ۔ بعد ادا کرنے مالگزاری سرکاری اور مصارف کلکٹری وغیرہ کے اور منہا کرنے متولی کے حق تولیت کے محاصل جائداد موقوفہ مصرحہ بالا سے جو کچھ فاضل بچے وہ حسب ذیل تقسیم کیا جائے ۔ ۱۰ر کا حصہ جمیلہ خاتون عرف منھی بی بی کو اور ۱۰ر کا حصہ بدر النسا رخاتون کو دیا جائے اور ۱۰ر کا حصہ مستورات موصوفہ پر وقف کیا گیا وغیرہ وغیرہ "

جہانتک وقف کی ماہیت متعلق ہے وہانتک اُس اعلان سے زیادہ تر کیا چیز صریح و واضح ہوسکتی ہے جو اِس وقف نامہ مین کیا گیا ہے ۔ واقف نے تمام حقوق ملکیت کو جائداد موقوفہ سے سلب کر لیا ہے اور اُسکو بدر النسا اور اُسکی اولاد پر جبتک اُنمین سے کوئی موجود رہے ابداً و مؤبداً و خالداً و مخلداً وقف کر دیا ہے ۔ اور جب اُنمین سے کوئی موجود نہو تو واقف نے صاف لکھدیا ہے کہ اِس وقف کی منفعت غربا و مساکین کو دی جائے ۔ پس یہ ظاہر ہے کہ اِس وقف کے شرائط بالکل شرع محمدی کے موافق ہین

جب محمد حمید اللہ خان نے یہ نالش دائر کی کہ ایک جزو جائداد وقفی کا جو بعلت اجراے ڈگری فروخت کر ڈالا گیا ہے وہ بیع منسوخ کیجائے اِسواسطے کہ یہ جائداد وقفی ہے

---

[1] علی وجہ البر او علی وجہ الخیر او وجوہ الخیر او وجوہ الخیر والبر ۱۲ منہ

[2] لا رپورٹ کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۱۶۴ ۔ ۱۲ منہ

اور لائق انتقال نہین ہے۔ تو اس مقدمہ مین ہائی کورٹ نے امور ذیل تجویز کیے۔
(۱) جواز وقف اسپر موقوف ہے کہ مال وقف فقط خدا کی راہ مین یا امور مذہبی یا خیرات کے لیے دیا گیا ہو۔ (۲) جب کوئی چیز از روے شرع محمدی کسی خاص شخص اور اسکی اولاد کو نسلاً بعد نسلٍ دی گئی ہو اور جب اُنمین سے کوئی موجود نہو تو غربا و مساکین وقف کی گئی ہو تو ایسا وقف صرف اُسوقت جائز ہوگا جبکہ وقف نامہ مین صدقہ کا لفظ لکھا ہو۔ امر اول کی نسبت ہائی کورٹ کلکتہ نے غالباً اُس فیصلہ سے دھوکھا کھایا ہے جو بمقدمہ[1] عبد الغنی حسن بنام حسین میان رحمت اللہ ہوا ہے۔ اِس مقدمہ کا فیصلہ ہائی کورٹ بمبئی نے ایسے وجوہ سے کیا تھا جو صرف شرع محمدی پر مبنی نہ تھی۔ بلکہ اِسکا فیصلہ قانون انگلستان کے بموجب ہوا تھا جو دوام و استمرار وقف کے خلاف ہے اور جو اُس اصول کے بالکل منافی ہے جو شرع محمدی مین وقف کا رکھا گیا ہے۔ جو راے ہائی کورٹ نے اِس مقدمہ مین اور نیز بمقدمہ محمد حمید اللہ خان بنام بدر النسار خاتون تحریر فرمائی ہے وہ وقف کے احکام شرعی کے غلط فہمی پر مبنی ہے۔ کتب فقہ مسئلہ وقف کو صرف ایک نظر دیکھ لینا اِس امر کے تصفیہ کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ جن ججون نے مقدمہ محمد حمید اللہ خان بنام بدر النسار خاتون کا فیصلہ کیا تھا اُنمین سے ایک جج نے اپنی اِس راے مین ایک اور مقدمہ[2] مین ترمیم فرمائی۔

اب رہا امر دوم یعنی یہ امر کہ جب کوئی شخص اپنی اولاد یا عیال پر وقف کرنا چاہے تو اُسکو صدقہ کا لفظ کہنا یا لکھنا ضرور ہے سو اِس امر کے تصفیہ کے لیے حکم شرع بہت صاف ہے اُسکو ذیل مین ملاحظہ کیجیے۔

"اگرچہ صدقہ کا لفظ نہ کہا جائے بلکہ صرف وقف کا لفظ استعمال کیا جائے۔ یعنی

[1] انڈین لار پورٹ سلسلہ بمبئی جلد ۱۰ صفحہ ۱ – ۱۲ امنہ [2] لچھمی پت سنگھ بنام شاہ امیر عالم لار پورٹ کلکتہ جلد ۱۲ صفحہ ۲۲ – ۱۲ امنہ

واقف کہے کہ "یہ زمین میری وقف ہے" یا "مین نے اپنی اس زمین کو وقف کیا ہے" تو امام ابویوسف کے نزدیک وہ زمین غربا پر وقف ہو جائیگی۔ (یہ جب ہے جبکہ متولیون کا ذکر نہ کیا گیا ہو) اور صدر الشہید اور مشائخ بلخ نے فرمایا ہے کہ "فصل خصومات امام ابویوسف کے قول کے موافق کیا جاتا ہے اور ہم (علماء ہندوستان) اُنھین کے قول کے موافق اور نیز عرف کا لحاظ کرکے فتویٰ دیتے ہین" عبارت تحت الخط نہایت اہم وضروری ہے اور اسکا مفاد و مآل آگے چل کر معلوم ہوگا جب مسئلہ وقف کی تحقیق تفصیلاً لکھی جائیگی۔ لیکن اسکے بعد جو عبارت لکھی ہے وہ غور طلب ہے "اور اگر وہ کہے کہ "یہ چیز اللہ تعالےٰ کی راہ مین ہمیشہ کے لیے وقف کی گئی" تو جائز ہے گو صدقہ کا لفظ نہ کہا ہو اور وہ چیز غربا پر وقف ہو جائیگی"[1] امام ابویوسف کا قول قول راجح ہے اور اُس قول کے بموجب صرف لفظ وقف یا اُسکے ساتھ لفظ حبس کہنے سے وقف ثابت ہوتا ہے[2] "اگر کوئی شخص کہے کہ "مین نے اس زمین کو محرمہ کیا یا یہ محرمہ کی گئی" تو امام ابویوسف کے نزدیک یہ بمنزلہ اسکے ہوگا کہ مین نے اسکو وقف کیا[3]۔ اور اگر وہ کہے کہ "وقف اور محرم اور حبس کیا" یا یہ کہے کہ "وقف اور محرم اور حبس کیا تاکہ یہ بیع نہو سکے نہ ہبہ ہو سکے نہ میراث ہو سکے" تو ان سب الفاظ سے موافق اقوال مشہورہ و قول امام ابویوسف وقف ہو جائیگا" اور فقیہ ابوجعفر نے فرمایا ہے کہ "حبس کیا گیا اور خیرات مین دیا" بمنزلہ یہ کہنے کے ہے کہ "خیرات مین دیا گیا اور وقف کیا گیا" "اگر کوئی شخص کہے کہ "یہ میری زمین فلان شخص پر وقف کی گئی۔ یا میرے بیٹے پر یا میرے اقربا پر جو غریب اور تنگ ہون یا ایتام پر اور یہ وقف منسوخ نہ کیا جائے" تو امام محمد کے نزدیک یہ وقف نہوگا کیونکہ یہ وقف ایسے مقصد سے

---

[1] فتاوی قاضی خان جلد ۳ صفحہ ۳۰۲۔ ۱۲ منہ [2] وذکر الوقف وحدہ او الحبس معہ یثبت به الوقف علی ما هو المختار وهو قول ابی یوسف رحمہ غیاثیہ ۱۲ منہ

[3] فتاوی قاضی خان ۱۲ منہ

کیا گیا ہے جو قطع ہو سکتا ہے اور دائمی نہین ہے مگر امام ابو یوسف کے نزدیک وقف ہو جائیگا کیونکہ وقف کا دائمی[1] ہونا انکے نزدیک شرط نہین ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ "میری زمین یا میرا مکان صدقۂ موقوفہ ہے فلان شخص پر یا فلان شخص کی اولاد پر تو وہ لوگ جبتک زندہ رہینگے اسکی منفعت یا پیداوار کے مستحق ہونگے اور انکے مرنے کے بعد وہ غربار کو ملیگا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ "میری زمین خدا کی راہ مین صدقہ ہے یا فی سبیل اللہ وقف ہے" تو یہ وقف ہو جائیگا اسی طرح سے اگر وہ کہے کہ "میری زمین خدا کی راہ مین وقف ہے یا قربۃً الی اللہ وقف ہے"[2] یا وہ کہے کہ "میری زمین کسی نیک کام کے لیے وقف ہے۔ تو بھی یہ وقف اسطرح جائز ہوگا کہ گویا اسنے صدقۂ موقوفہ کا لفظ کہا ہے"[3]

جب کوئی شخص کہے کہ "یہ زمین میری اس راہ کے لیے ہے" اور وہ ایسے شہر مین رہتا ہو جہان ایسے الفاظ سے عموماً وقف سمجھا جاتا ہو تو وہ زمین وقف ہو جائیگی۔ اگر ان الفاظ کے معنی عموماً نہ سمجھے جاتے ہون تو اس سے کہا جائے کہ انکی تشریح کرے اور اگر وہ کہے کہ اپنے میری مراد وقف ہے تو یہی معنی ان الفاظ کے لیے جائینگے۔ اگر وہ کہے کہ میری مراد صدقہ تھی یا مین نے کوئی خاص معنی نہین مراد لیے تھے تو ان الفاظ سے نذر مراد لیجائیگی اور وہ زمین یا اسکی قیمت خیرات[4] مین دیجائیگی۔ جب کوئی شخص بیماری کے عالم مین کہے کہ "میرے اس مکان کی منفعت سے مہینہ مین دس درہم کی روٹی خرید کر فقرا پر تقسیم کر دیا کرو" تو وہ مکان وقف ہو جائیگا۔ جب وہ کہے کہ "مین نے اپنے مرنے کے بعد اس مکان کو وقف کیا ہے یا مین وصیت کرتا ہون کہ میرے مرنے کے بعد یہ مکان وقف کر دیا جائے تو ثلث مال مین وقف نافذ ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص کہے کہ "یہ صدقہ ہے اور فروخت نہ کیا جائے تو یہ صدقہ یا نذر ہوگی وقف نہوگا۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ "یہ ہبہ نہ کیجائے اور نہ میراث مین دیجائے" تو وہ غربار پر وقف ہو جائیگی۔

---

[1] محیط سرخسی ۱۲ منہ [2] ظہیریہ ۱۲ منہ [3] فتاواے عالمگیری از محیط سرخسی ۱۲ منہ

فصل چہارم

شرائط متعلقۂ واقف

عام قاعدہ یہ ہے کہ جتنے اشخاص ہبہ کرنے کی قابلیت رکھتے ہین وہ سب وقف کرنے کی بھی لیاقت رکھتے ہین۔ واقف کو چاہیئے کہ (۱) حُر ہو یعنی غلام نہو۔ (۲) اتنی عقل رکھتا ہو کہ اپنے اِس فعل کی حقیقت کو سمجھ سکے یعنے صحیح العقل ہو۔ اور کُل وقف کا جائز ہونا اِسپر بھی موقوف ہے کہ (۳) واقف تندرست ہو یعنی ایسے مرض مین نہ مبتلا ہو جو انجام کار اُسکی ہلاکت کا باعث ہو گیا۔ اِس صورت مین اگر وقف کسی وارث کو کیا ہو تو وہ مطلقًا باطل ہے (تا وقتیکہ دیگر ورثہ راضی نہون) اگر وقف کسی غیر شخص کو کیا ہو جو واقف کا وارث نہو یا کسی کار خیر یا امر مذہبی کے لیے وقف کیا ہو تو ثلث مال مین نافذ ہوگا (۴) واقف کو چاہیئے کہ مالک اُس جائداد کا ہو جسکو وقف کیا ہے (۵) اُسکو چاہیئے کہ بالغ ہو یعنی سنِ بلوغ شرعی کو پہونچ چکا ہو۔

واقف کی قابلیت شرعیہ پر سب فرقون کا اتفاق ہے۔ چنانچہ کتب شیعہ مین سے شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ ”واقف کو چاہیئے کہ بالغ اور صحیح العقل ہو اور اپنی جائداد کو بلا قید اپنے مصرف مین لاسکتا ہو“ علی ہذا القیاس فتاوے عالمگیری مین لکھا ہے کہ ”منجملہ شرائط وقف کے واقف کا عاقل اور بالغ ہونا ہے کہ وقف لڑکے یا مجنون کا جائز نہین ہے“[1] مگر سفیہ کا فعل بالکل ناجائز نہین ہے۔ ردالمحتار مین لکھا ہے کہ ”جو شخص سفیہ یعنی ضعیف العقل ہو اگر وہ کوئی چیز اپنے لیے اور اپنے مرنے کے بعد کسی اور مقصد کے لیے جو ضرور وقوع مین آئے وقف کرے تو امام ابو یوسف کے نزدیک ایسا وقف جائز ہے مگر اسکا نفاذ صرف اُسوقت ہوگا جب قاضی اِسکو منظور کرلے“

کسی شخص کا کوئی چیز اپنے اوپر وقف کرنا ثواب ہے۔ جیسا ہدایہ مین لکھا ہے کہ ”

[1] ہدایہ ۱۲ منہ

وقف بنیت ثواب کیا جاتا ہے اور ثواب اِس صورت مین بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مال وقف کی منفعت خود اپنے مصرف مین لائے جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو دے[۱] اُسنے زکات دی "

پس جو شخص بالکل مجنون تو نہو مگر سفیہ یا ضعیف العقل ہو جب ایک جزو کسی چیز کا اپنے نفس پر وقف کرے اور مابقی اور لوگون پر وقف کرے تو جسقدر اُسنے اپنے نفس پر وقف کیا ہے وہ جائز ہوگا مگر جسقدر اور لوگون پر وقف کیا ہے وہ اِس شرط سے جائز ہوگا کہ قاضی اُسکو منظور کر لے ۔

ہر شخص جو بالغ و عاقل ہو وقف کر سکتا ہے ۔ اور جن وجوہ سے ہبہ فاسد ہو جاتا ہے یعنی اکراہ یا داب ناجائز یا فریب یا وقف کی حقیقت سمجھنے کے قابل نہونا اُنھین وجوہ سے وقف بھی باطل ہو جاتا ہے[۲] بمقدمہ[۳] ولروس بانو بیگم بنام نواب اصغر علیخان اپیلانٹ نے ۱۸۵۸ء مین ایک وقف نامہ تحریر کر کے اپنی تمام جائداد بعض مقاصد دینی کے لیے وقف کر دی تھی ۔ جب رسپانڈنٹ نے یہ نالش دائر کی کہ مسماۃ مذکورہ کا انتظام مال وقف سے اُٹھا لیا جائے کیونکہ وہ اُسمین مداخلت بیجا کرتی ہے تو ہائی کورٹ نے فیصلہ ذیل صادر فرمایا ۔

" جج نے لکھا ہے کہ مدعا علیہا اب یہ نہین کہہ سکتی کہ وہ اُن الفاظ کے معنی جو اُسنے استعمال کیے تھے یا اُن افعال کی حقیقت جنھے اُسنے اِس وقف کی تکمیل کی تھی غلط سمجھی تھی ۔ اور معمولی حالات مین البتہ یہی قیاس کیا جائیگا کہ جس شخص نے کوئی فعل عمداً اور سمجھ بوجھ کر کیا ہو وہ اُسکے نتیجہ سے واقف تھا مگر اِس مقدمہ کی اَور ہی کیفیت ہے مدعا علیہا ایک مسلمان عورت پردہ نشین ہے اور جیسی مسلمان شرفا زادیان کی

---

[۱] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۲۳۰ – ۱۲ منہ [۲] جامع الشتات ۱۲ منہ [۳] لا رپورٹ کلکتہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۶۷ – ۱۲ منہ

عموماً کیفیت ہے اُسی طرح وہ بھی ناخواندہ اور جاہل محض ہے - اُسکا اظہار جو لیا گیا تو اُسنے
حلفاً بیان کیا کہ مین اُس دستاویز کے معنی نہ سمجھی تھی جو میرے نام سے تحریر کی گئی تھی مینے
تسلیم کر لیا ہے کہ میری خواہش یہ تھی کہ میری جائداد اسواسطے رکھی جائے کہ میری مان کے
ولیمہ وغیرہ کے رسوم اُس سے ادا کیے جائین اور جو کچھ اُن رسوم مین صرف ہو میرے ورثہ
شرعی کے ہاتھ سے صرف ہو - اور اسی غرض سے مین نے اپنے ملازم معتمد علی ضامن سے
مشورہ لیکر ایک دستاویز پر دستخط کر دیے تھے جسکی نسبت مجھسے یہ کہا گیا تھا کہ اسکا اثر یہی ہوگا
اُسنے حلفاً بیان کیا ہے کہ تولیت نامہ فارسی مین پڑھ کر مجھکو سنایا گیا تھا اور اُس زبان سے
مین محض ناواقف تھی اور مجھے یہ گمان نہ تھا کہ اِس دستاویز کی وجہ سے مین اپنے حقوق ملکیت سے
محروم ہو جاؤنگی - اِس بیان کی تردید مین کوئی شہادت نہین پیش کی گئی ہے - صرف
تولیت نامہ کا ایک گواہ عبد العزیز طلب کیا گیا تھا اور اُسنے یہ نہین ثابت کیا کہ تولیت نامہ
زبان اُردو مین پڑھ کر بیگم کو سنایا گیا تھا کہ اِس زبان کو وہ سمجھتی تھی یا یہ کہ اُسکا مضمون
اُس سے بیان کیا گیا تھا - خود بیگم کے افعال ابتدا ہی سے اِس بات کے بالکل منافی ہین
کہ وہ جانتی تھی کہ اِس تولیت نامہ سے میرے حقوقِ ملکیت زائل ہو گئے ہین - بلکہ تولیت نامہ
کے تحریر ہونے کے تھوڑی ہی مدت کے بعد اُسنے اِس جائداد سے ایسی کارروائی شروع کی
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتک وہ اُسکو اپنا ہی مال سمجھتی تھی یعنی اُسکو خرید و فروخت
کرتی رہی اور قرض لیتی رہی اور مقرری پٹے دیتی رہی اور تمام معمولی حقوق مالکانہ کو عمل مین
لاتی رہی اور جن دستاویزون کے ذریعہ سے ایسے معاملات کرتی رہی اُنکو رجسٹری کرا کے
اپنے ہر فعل کا اعلان و اشتہار بھی بخوبی کرتی رہی - مزید بر آن مجھکو یہ بھی معلوم ہوا کہ جب
تولیت نامہ سنہ [illegible]ء مین تحریر ہوا اُسکے مدت مدید کے بعد صاحب کلکٹر ۲۴ پرگنہ نے
محلروس بانو بیگم کو پٹے دیے اور اُسکو اپنی جائداد کا مالک سمجھا - یہ بھی اِسکی دلیل ہے
کہ یہ جائداد وقفی کبھی نہین سمجھی گئی جیسا قانون ۱۹ سنہ ۱۸۱۰ء کا منشا ہے - قطع نظر اِسکے

یہ بھی گمان نہین ہوسکتا کہ اگر دلروس بانو بیگم یہ جانتی کہ جائداد کو وقف کردینے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے تو وہ لگان کی رسیدون پر جو اسامیون سے ملتی تھین اپنے تئین متولیہ لکھتی اور اپنی جائداد کو مال وقفی لکھتی اور پھر اُس جائداد کو جو چاہتی کرتی جاتی گویا اُسنے اُسکو وقف نہ کیا تھا۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے افعال سے ازابتدا تا انتہا یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی جائداد کا ایسا انتظام کررہی تھی کہ اُسکے ورثہ کا دعویٰ نہ چل سکے اور یہ جائداد اُسکے پاس خاص مقاصد کے لیے رہے گی مگر یہ خیال اُسکو ہمیشہ رہا کہ جبتک مین زندہ ہون مجھکو یہ حق حاصل ہے کہ جو چاہون اِس جائداد کو کرون"

مگر جب کوئی وقف ایک باضابطہ رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعہ سے ایسے شخص نے کیا ہو جو بالغ وعاقل ہو اور یہ گمان کرنے کی کوئی وجہ نہو کہ یہ وقف اکراہ یا داب ناجائز یا فریب سے وقوع مین آیا ہے تو وہ منسوخ نہ کیا جائیگا۔ بمقدمہ[1] فاطمہ بی بی بنام ایڈووکیٹ جنرل معلوم ہوا کہ ایک سُنّی مذہب عورت نے ۱۶۔ نومبر ۱۸۶۶ء کو ایک وقف نامہ تحریر کر کے اپنی تمام جائداد مقاصد مصرحۂ وقف نامہ کے لیے وقف کردی اور اولاً اپنے لیے اور اپنی اولاد کے واسطے اور ثانیاً غربا کے لیے وقف کیا۔ ۱۸۸۱ء مین اُسنے اُس وقف کو منسوخ کرنا چاہا۔ تب حسب منشاء دفعہ ۵۲۷ مجموعۂ ضابطہ دیوانی ایک مقدمہ دائر ہوا جسکا فیصلہ ویسٹ صاحب جسٹس نے حسب ذیل فرمایا۔

"وقف کو چاہیئے کہ قطعی اور غیر مشروط ہو اور اُسکو منسوخ کرنا کسی کے اختیار مین نہو اور یہ بھی ضرور ہے کہ وقف کسی ایسے مقصد سے کیا گیا ہو جسمین کوئی قصور وفتور نہ واقع ہو اور قول مشہور یہی ہے کہ اُس مقصد کو چاہیئے کہ تصریح کے ساتھ بیان کیا جائے۔ وقف نامہ متنازع فیہ مین وقف تصریح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور مدعا علیہا کی حیات تک مال موقوف کے منافع سالانہ اُسکو ملنا باعث عدم جواز

---

[1] انڈین لا رپورٹ بمبئی جلد ۶ صفحہ ۴۲ سے ۴۳ تک

وقف کا نہین ہے کیونکہ ایسا نتیجہ صرف اُسوقت پیدا ہوتا ہے جبکہ وقف نامہ مین یہ لکھا ہو
کہ جائداد وقفی کے عین کو فروخت کرکے محاصل بیع پر واقف تصرف کرے۔ بمقدمہ
دلروس بانو بیگم بنام سید صغر علی وقف اِسوجہ سے ناجائز قرار دیا گیا تھا کہ واقفہ گو ایک
متموّل عورت تھی مگر ناخواندہ تھی اور جب اُسنے امام باڑہ پر وقف کیا تھا تو اپنے فعل کی
حقیقت کو نہ سمجھی تھی کہ مین کیا کر رہی ہون۔ وہ امام باڑہ مسمات مذکورہ کے گھر کے اندر تھا
اور اُسنے اپنے تئین خود متولیہ مقرر کیا تھا اور جو متولی اُسکا شریک تھا وہ مرگیا تھا۔ اور جائداد
وقفی کبھی یہ نہین سمجھی گئی کہ عام مذہبی مقصد کے لیے حسب منشا ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ع
وقف کی گئی ہے۔ ہر بات سے یہی ثابت ہوتا تھا کہ وقف واقعی نہین ہوا تھا مگر جس عالم
جج نے عدالت کا فیصلہ سُنایا اُسنے کہا کہ اگر وقف نامہ کو بیگم موصوفہ نے عمدًا اور حقیقتہً
تحریر کیا ہوتا تو وہ اُسکی پابند ہو جاتی اور اُسکو منسوخ نہ کرسکتی۔ مگر اس مقدمے مین
واقفہ جائداد وقفی کی مِلک سے بالکل دست بردار ہو چکی ہے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے
کہ واقفہ نے اِس مقدمہ مین نادانی کی اور یہ بھی سچ ہے کہ جو وقف اُس لڑکی نے کیا ہو
جسکا سِن کل چودہ برس کا ہو وہ بلا تحقیقات قائم نہین رکھا جاسکتا مگر اِس مقدمہ مین
مدعیہ کے شوہر نے اپنی زندگی مین کبھی کوئی اعتراض نہین کیا اور خود مدعیہ اپنے اُس
فعل کو جو سِن نادانی مین ہوا تھا پندرہ برس سے اِسطرح تصدیق کرتی چلی آئی ہے کہ متولیون سے
مال وقفی کا منافع ہمیشہ وصول کرتی رہی ہے۔ پس اب وہ نہین کہہ سکتی کہ یہ وقف
اِسوجہ سے باطل ہے کہ اِسمین کوئی عیب شرعی ہے یا یہ کہ یہ وقف بالارادہ نہوا تھا"
"مقدمہ[۱] عبد الغنی قاسم بنام حسین میان اِس دعوے کی دلیل ہے کہ از روے
شرع محمدی کسی خاندان کے فائدہ کے لیے لفظ وقف کہکر جائداد کو وقف کردینا غیر موثر[۲]
ہوگا۔ بمقدمہ بی بی کنیز فاطمہ بنام بی بی صاحب جان بعض مقامہ نیک کو لکھا ہے کہ

---

[۱] لا رپورٹ بمبئی جلد ۱ صفحہ ۱۷-۱۲ امنہ [۲] ویکلی رپورٹر جلد ۸ صفحہ ۵ نمبر ۳ — ۱۲ امنہ

وقف کا باعث و محرک ہوئے تھے نہ یہ کہ وقف خود اُن مقاصد کے لیے کیا گیا تھا جنکی تکمیل قبضہ کی
شرط قرار دی گئی ہو۔ یہ وقف عبادت خدا یا مقاصد دینی یا اغراض نیک کے لیے نہین
ہوا تھا۔ اور بمقدمہ عبدالغنی قاسم بنام حسین میان بھی کسی ایسے مقصد کا دعوے نہین
کیا گیا تھا۔ پس انہین سے کسی مقدمہ مین بھی وقف اُس معنی سے نہین ہوا جو معنی اسکے شرع
محمدی مین ہین اور نہ وقف کے اوصاف شرعی پائے جاتے ہین۔ مگر بمقدمہ[1] دیال چند ملک
بنام سید کرامت علی واقف کا ارادہ صاف یہ تھا کہ اُس جائداد کو مقاصد مذہبی کے لیے
وقف کرے۔ اگرچہ اِس وقف مین اور قسم کے مضامین بھی شریک کر دیے تھے مگر وقف کو
نافذ کر دیا تھا۔ اور بمقدمہ[2] ظہور الحق بنام ہیراج دتاری کیمپ صاحب جسٹس نے فرمایا ہے
کہ ہماری رائے یہ ہے کہ اگر جائداد وقفی کے منافع سے کچھ ایسے مصارف مقرر
کر دیے جائین جو چند عرصہ مین خود بخود موقوف ہو جائینگے کہ وہ ایک ہی خاندان اور
چند مقاصد مخصوصہ پر محدود و منحصر ہین اور جب وہ مصارف موقوف ہو جائینگے تو
کل منافع انھین مقاصد اصلی کے لیے بعینہ باقی رہینگے جن مقاصد کے لیے وقف وقوع مین
آیا تھا تو اِس سے وقف از روے شرع محمدی ناجائز نہین ہو جاتا۔ اگر اس شرط کی
تکمیل ہو جائے کہ آخر الامر مال وقف کسی مذہبی کام مین دے دیا جائے مگر بیچ مین وہ
مال واقف کی اولاد اور اُسکی اولاد کو دیا جائے تو اِس سے وقف ناجائز نہ ہو جائیگا
جو منافع وہ لوگ پے درپے پائین وہ از روے قانون انگلستان وقف نہ سمجھے جائینگے
مگر از روے شرع محمدی مبطل وقف نہونگے بشرطیکہ وہ کار خیر کے لیے جائداد وقف
کی سبب صاف صاف بیان کر دیا گیا ہو۔"

"جن مقدمات کا مین نے حوالہ دیا ہے انھین سے بعض مقدمات مین یہ لکھا ہے
کہ وقف صالح یعنی وقف لاملک قابل تنسیخ نہین ہے۔ اور خود وقف کی تعریف سے

[1] ویکلی رپورٹر جلد ۱۳ صفحہ ۱۱۶ – ۱۲ منہ [2] ویکلی رپورٹر جلد ۱۳ صفحہ ۴۳۵ – ۱۲ منہ

یہی ثابت ہوتا ہے۔ وقف کا نتیجہ یہ ہے کہ جب مال وقفی کا ملک واقف لینے اختیار مین
رکھتا ہے تب بھی اُسکا منافع اُسکی مِلک سے نکلجاتا ہے۔ اِس مقدمہ مین ملک متولیون کو
دیدیا گیا ہے۔ اگر منجملہ متولیان جو متولی زندہ رہ گیا ہو وہ اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر رہے
جوازروے شرع محمدی اُسکی راے پر موقوف ہے تو مدعی یا اُسکے قائم مقام اُس وقف کو
نافذ کرا سکتے ہین مگر جب ایک مرتبہ وقف ہوچکا تو پھر منسوخ نہین ہوسکتا۔ اگر وقف کے
درمیانی مقاصد فوت ہوجائین تو شرع محمدی کا مسئلہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وقف کا مقصد
اصلی جو خیرات یا کار خیر ہے وہ نہین جاتا رہتا بلکہ وہ اور زیادہ قوی ہوجاتا ہے کیونکہ غرض
اصلی تو وہی سمجھی جاتی ہے جسکے ضمن مین یہ مقاصد درمیانی انجام دیے گئے ہین۔ پس
جب اوقاف کی اسقدر عظمت کیجاتی ہے تو واقف کے اختیار تنسیخ وقف کو تسلیم کرلینا
خلاف عقل ہے۔ بلکہ یہ اختیار نہین تسلیم کیا گیا ہے لہذا جتنی بحثین عدالت مین پیش
کی گئی ہین اُن سب کا تصفیہ مین مدعی کے خلاف کرتا ہون "

ویسٹ صاحب جسٹس کا فیصلہ اصول مصرحۂ ذیل پر مبنی ہے۔

(۱) ازروے شرع حنفی جائز ہے کہ واقف اپنے نفس پر وقف کرے۔

(۲) جب ایک مرتبہ وقف جائز طور سے ہوگیا ہو تو پھر منسوخ نہین ہوسکتا۔

(۳) وقف کے مقاصد درمیانی کے فوت ہوجانے سے اُسکا مقصود اصلی جو غربا و مساکین کی پرورش ہے کسی طرح باطل یا ناجائز نہین ہوجاتا۔

ازروے شرع محمدی ہر وقف جسمین اور کسی مقصد کی تصریح نہ کردی گئی ہو اُسکے مستحق غربا و مساکین ہین یہی کوئی وقف ناکام نہین رہ سکتا۔

وقف کرنے مین اسلام شرط نہین ہے۔ مگر حکم شرع یہ ہے کہ واقف اور موقوف علیہ مین مناسبت ہونی چاہیے[۱] مثلاً کافر کسی مسجد کے لیے وقف نہین کرسکتا نہ مسلمان

---

[۱] فتاوی عالمگیری صفحہ ۵ - دیکھو بمبئی رپورٹر جلد ۱۶ صفحہ ۱۱۶ - ۱۲ منہ

کسی بتخانہ کے لیے وقف کرسکتا ہے۔

اگر کوئی مرد مسلم مرتد ہوجائے تو اُسکا وقف باطل ہے یعنی اگر کوئی شخص وقف کرنے کے بعد مرتد ہوجائے یعنی دین اسلام کو ترک کرے تو وہ وقف باطل ہوجائیگا۔ لیکن اگر کوئی شخص مرتد ہونے کے بعد وقف کرے تو وہ جائز ہے[1]۔

اگر کوئی عورت وقف کرنے کے بعد مرتد ہوجائے تو وہ وقف باطل نہوگا۔

شرع محمدی کے رو سے ہر مذہب وملت کا آدمی وقف کرسکتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ وقف مین اور اُسکے مقاصد مین کچھ علاقہ ہو جیسا سابق مین بیان کیا گیا مثلاً مسلم کسی بت پر یا کسی کلیسا یا گرجا پر یا اور کسی چیز پر جو شرع شریف مین ناجائز اور غیر مشروع ہو وقف نہین کرسکتا۔ علیٰ ہذا القیاس نصرانی یا یہودی اپنے مکان کو مسلمانون کی عبادت گاہ یعنی مسجد نہین بنا سکتا اور اپنے ورثہ کو اس سے محجوب الارث نہین کرسکتا۔ فتاواے عالمگیری مین یہ مسئلہ بعبارت ذیل بیان کیا ہے۔

"اگر کوئی کافر ذمی اپنے مکان کو مسجد بنائے اور اُسکو اس طرح تعمیر کرے جسطرح مسلمان مسجد بنواتے ہین اور اُنکو اُسمین نماز پڑھنے دے اور اسکے بعد وہ مرجائے تو سب علماء کا اتفاق ہے کہ وہ مسجد اُسکے ورثہ کا مال ہوجائیگی اور اگر کوئی کافر ذمی اپنے مکان کو بتخانہ یا کلیسا یا آتشکدہ بنائے درحالیکہ وہ صحیح وسالم ہو اور اُسکے بعد مرجائے تو وہ اُسکے ورثہ کا مال ہوجائیگا"

---

[1] قوله او ارتد المسلم يبطل وقفه و يصير ميراثا سواء قتل على ردته او مات او عاد الى الاسلام الا ان اعاد الوقف بعد عوده الى الاسلام و يصح وقف المرتدة لانها لا تقتل۔ بحر۔ وفي هذه المسئلة الاعتبار في الابتداء لا في البقاء عكس القاعدة لان الردة المقارنة للوقف لا يبطله بل توقف بخلاف الطارية فانها يبطله و سياتی تمام الكلام على ذالك في الفصل الاتی۔ بحر الرائق۔ رد المحتار باب ۳ صفحه ۵۵۰ جلد ۳

یہ بھی ضرور ہے کہ جس چیز کو وقف کیا ہے وہ وقف کرنے کے وقت واقف کا مال ہو یعنی واقف اُسمیں تصرف کرسکے۔ لہذا اگر کوئی شخص کسی جائداد کو وقف کرے جسپر وہ ناجائز طور سے قابض تھا اور بعد ازان اُسکو اُسکے مالک سے خرید لے تو وقف ناجائز ہوگا۔ علی ہذا القیاس اگر کوئی شخص دوسرے کی اراضی کو کسی کار خیر کے لیے وقف کرے اور بعد اُسکے اُس زمین کا مالک ہو جائے تو یہ جائز نہین ہے۔ لیکن اگر اُس اراضی کا مالک اُس وقف کی تصدیق کر دے تو وہ وقف جائز ہو جائیگا۔

جب کوئی شخص کچھ جائداد کسی کو از روے وصیت دیجائے اور موصی لہ موصی کی وفات کے پیشتر اور قبل اِسکے کہ وہ جائداد اُسکی ملک مین آجائے اُسکو وقف کر دے تو یہ ناجائز ہے وہ جائداد بھی وقف نہین ہو سکتی جسمین پورا حق ملکیت واقف کو نہ حاصل ہو۔ مگر اِس قاعدہ کے چند مستثنیات ہین۔—

"اگر ہبہ ناجائز کے ذریعہ سے اراضی پر قبضہ کرا کے اُسکو وقف کر دیا ہو تو ایسا وقف جائز ہوگا اور اُسکی قیمت کا ذمہ دار موہوب لہ ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص بیع ناجائز کے ذریعہ سے کوئی چیز خرید کر اور اُسکو اپنے قبضہ مین لا کر غربا و مساکین پر وقف کر دے تو ایسا وقف اِس شرط سے جائز ہوگا کہ اُس چیز کی قیمت بائع کو دینی پڑیگی لیکن اگر قبضہ کرنے سے پیشتر اُسکو وقف کر دیا ہو تو وقف ناجائز ہوگا۔ جب کوئی شخص اراضی کو جائز طور پر خریدے مگر قبضہ کرنے اور زر ثمن دینے سے پیشتر اُسکو وقف کر دے تو یہ وقف اُسوقت تک معطل رہیگا جبتک کہ وہ اُسکی قیمت ادا کر کے اُسپر قبضہ کرے۔ جب وہ یہ کر لیگا تب وہ وقف جائز ہو جائیگا۔ لیکن اگر وہ مر جائے اور کچھ جائداد نہ چھوڑ جائے اور وہ اراضی فروخت کیجائے تو وہ وقف باطل ہو جائیگا۔ اور اگر اُس جائداد مین کوئی حق ثابت کر دیا جاے یا کوئی شخص اُسکو خرید چکا ہو یا کوئی شفیع اُسمین حق شفعہ کا دعوی کرے تو وہ وقف باطل ہو جائیگا"

سلہ نہر الفائق ۱۲ [illegible]

احکام مذکورۂ بالا سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو جائداد کسی شخص کے قبضہ مین بذریعہ کسی عطیۂ مشروط کے ہو اُسکو وقف کرنا جائز نہین ہے تاوقتیکہ اصل معطی کی منظوری سے نہ وقف کیا جائے۔

مگر یہ ضرور نہین ہے کہ وقف کرنے وقت کل جائداد وقفی واقف کے قبضہ مین ہو بلکہ جس جائداد کو واقف وقف کرنے کے بعد حاصل کرے اُسکو بھی مال وقفی مین شرعاً داخل کر سکتا ہے۔ اور یہ بھی ضرور نہین ہے کہ جو جائداد وقف کی گئی ہے وہ اور لوگون کے حقوق ودعاوی سے بری ہو۔ لہذا جو جائداد اسامیون کی کاشت مین ہو یا رہن یا مکفول ہو اُسکو وقف کرنا جائز ہے۔

چنانچہ فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ "یہ ضرور نہین ہے کہ مال وقفی دیگر اشخاص کے حقوق سے بالکل بری ہو یعنی مثلاً رہن ہو یا پٹہ پر دی گئی ہو۔ پس اگر کوئی شخص اپنی اراضی کا پٹہ دیکر قبل انقضاے میعاد پٹہ اُسکو وقف کردے تو وہ وقف جائز اور واجب العمل موافق اُن شرائط کے ہوگا مگر وہ پٹہ نہین ناجائز ہو جائیگا اور جب اُسکی میعاد ختم ہو جائیگی تو وہ اراضی اُن مقاصد کی طرف عود کریگی جن مقاصد سے وقف کی گئی تھی۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص اپنی زمین کو رہن کرے اور قبل فک رہن اُسکو وقف کردے تو وہ زمین رہن سے نکالی جائیگی اور اگرچہ وہ سالہا سال مرتہن کے قبضہ مین رہے اور بعد ازان فک رہن کیا جائے تو اُن اغراض کی طرف عود کریگی جن اغراض سے وقف کی گئی تھی۔ اور اگر راہن قبل فک رہن مرجائے مگر اُس زمین کے فک رہن کے موافق کچھ مال چھوڑ جائے تو اُسکا فک رہن کرالیا جائیگا اور وہ وقف واجب العمل ہوگا۔ لیکن اگر اسنے اُس مقصد کے لیے کافی مال نہ چھوڑا ہو تو وہ اراضی بیچ کیجائیگی اور وہ وقف باطل ہو جائیگا"۔[1]

---

[1] سائیر صاحب کی کتاب صفحہ ۳۶۹ – ۳۰ دسمبر

درصورت پٹہ کے جب معاہدہ کنندہ فریقین میں سے کوئی فریق مرجائے تو وہ پٹہ کالعدم ہوجائیگا اور وہ زمین فوراً وقف ہوجائیگی۔

جب کوئی شخص جو مقروض ہو اپنی اولاد کے نام اس نیت سے وقف کرے کہ اسکو اپنا قرضہ ادا کرنا پڑے یعنی اپنے قرضخواہوں کو محروم رکھنے کے قصد سے وقف کرے تو فتاوائے مفتی ابوسعید کے موافق ایسا وقف جائز نہیں ہے۔

جب جائداد مرہونہ وقف کردیجائے اور قبضہ بھی کرادیا جائے اور وہ وقف نافذ ہوجائیگا اور قاضی واقف سے زرِ رہن جبراً دلوادیگا بشرطیکہ وہ مقدرت رکھتا ہو لیکن اگر وہ زرِ رہن کی ادائی کی مقدرت نہ رکھتا ہو تو وہ وقف منسوخ کیا جائیگا اور اس جائداد کو فروخت کرکے اسکا قرضہ ادا کیا جائیگا۔

لیکن اگر کوئی شخص وقف کرنے کے وقت اپنا قرضہ ادا کرنے کی مقدرت مطلق نہ رکھتا ہو اور جو جائداد اسنے وقف کی ہے وہ سب قرضہ میں دیدی جائے تب بھی قرضہ باقی رہے تو قرضدار ہونے کی وجہ سے وہ وقف سے بری سمجھا جائیگا اور وہ وقف باطل ہوگا۔

سلہ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۸۵ - جب وہ زمین زرِ رہن ادا کرنے کے لیے فروخت کیجائے تو یہ نہیں لازم آتا کہ اسکا وقف بالکل باطل ہوجائیگا۔ بلکہ زرِ رہن ادا کرنے کے بعد جو کچھ باقی بچیگا وہ وقفی قرار دیا جائیگا۔ ردالمحتار دیکھیے۔

پٹہ یا اجارہ کا اجیر یا مستاجر کے مرنے کے بعد باطل ہوجانا ایک نتیجہ ضروری ولابدی شرع حنفی کا ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک اجارہ اجیر یا مستاجر کے مرنے کے بعد نہیں قائم رہ سکتا۔ مگر اس ملک میں پٹے زمیندار یا اجیر کے ورثہ اور قائم مقاموں پر واجب العمل ہوتے ہیں اور اکثر موروثی ہوتے ہیں لہذا یہ اصول شرع حنفی کا اس ملک میں نہیں جاری ہوسکتا۔ پس جب ایک قطعہ اراضی اجارۂ موروثی پر دیدیا گیا ہو تو وقف نہیں ہوسکتا۔ اس زمین کا لگان وقف نہ ہوجائیگا مگر خود وہ زمین نہ وقف ہوگی۔ ردالمحتار دیکھیے۔ ۱۲ منہ

جو اصول ایسی صورتون سے متعلق ہے اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ اگر وقف کرنے کے وقت واقف کا
قرضہ کا بار عظیم ہو مگر اور کوئی جائداد رکھتا ہو جس سے وہ قرضہ ادا ہو سکے تو وہ وقف جائز
ہوگا۔ لیکن اگر وہ اور کوئی جائداد نہ رکھتا ہو اور مال وقفی پر اُسکا قرضہ عائد ہوتا ہو تو وہ مال
فروخت کرکے اُسکا قرضہ ادا کیا جائے اور جو کچھ محاصل بیع مین سے باقی رہیگا وہ اُس
وقف کے مصرف مین لایا جائیگا۔ مگر جو وقف قرض لینے سے پیشتر کیا گیا ہو وہ جائز ہے
اور اُسپر واقف کا قرضہ عائد نہوگا۔

کُل وقف کے جائز ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وقف کرنے کے وقت واقف
مرض الموت مین نہ مبتلا ہو۔ جو وقف اُس شخص نے کیا ہو جو مرض الموت مین مبتلا ہو
اور اُسی بیماری مین مرجائے وہ بطور وصیت کے نافذ ہوگا یعنی واقف کے ثلث مال مین
نافذ ہوگا۔ مگر جو شخص ایسی بیماری کی حالت مین وقف کرے جس سے اُسکو شفا حاصل ہو
وہ وقف کل جائداد مین نافذ ہوگا چنانچہ ردالمختار مین لکھا ہے کہ "وہ وقف اُس شخص کا
جو مرض الموت مین مبتلا ہو اُس ہبہ کا حکم رکھتا ہے جو کسی شخص نے مرض الموت کی
حالت مین کیا ہو اور قبضہ بھی کرا دیا ہو یعنی وہ وقف ثلث مال مین نافذ ہوگا۔ لیکن
اگر ورثہ راضی ہو جائین تو کل مال مین نافذ ہوگا۔ اور اگر بعض ورثہ راضی ہو جائین
تو بقدر اُنکے سہام شرعیہ کے وقف نافذ ہوگا"[1]

قاضی خان نے امام ابوالفضل کے قول کو سند گردانکر لکھا ہے کہ مال وقفی کے
اعتبار سے وقف کی تین قسمین ہین۔

(۱) جب وقف عالم صحت نفس مین کیا جائے۔

(۲) جب وقف حالت مرض مین کیا جائے۔

(۳) وہ وقف جسکا نفاذ موت پر موقوف رکھا جائے۔

---

[1] ردالمختار از نہر الفائق ۱۲ منہ

پہلی قسم کے وقف مین تبدیل قبضہ اور تصرف شرط ہے - مگر تیسرے مین شرط نہین ہے کیونکہ وہ ایک قسم کی وصیت ہے - دوسری قسم مانند پہلی قسم کے ہے گو اُسکا نفاذ واقف کے ثلث مال مین ہوتا ہے مثل اُس ہبہ کے جو مرض الموت کے عالم مین کیا گیا ہو سابق مین بیان کیا گیا کہ وقف منسوخ نہین ہوسکتا - مگر جو وقف واقف نے اِس غرض سے کیا ہو کہ اُسکے مرنے کے بعد نافذ کیا جائے جسکو وقف بالوصیت کہتے ہین اُسکا واقف اپنے مرنے کے قبل ہر وقت منسوخ کرسکتا ہے -

فصل پنجم

وقف کا تحقق -

وقف کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ شئے موقوفہ مین کچھ شک وابہام نہو - یہ شرط نہین ہے کہ جس مقصد سے وقف کیا گیا ہے اسمین کچھ شک نہو - وقف کی غرض کا مشکوک ہونا اُسکے عدم جواز کا باعث نہین ہوتا بلکہ اکثر اِسکا باعث ہوجاتا ہے کہ مال وقفی وقف کے مصرف اصلی مین جلد لایا جاتا ہے اور وہ مصرف غربا و مساکین کو دینا ہے جنکی کبھی کمی نہین ہوتی -

مگر مال موقوفہ کو مشکوک نہونا چاہئیے - پس اگر کوئی شخص اپنی کچھ زمین وقف کرے مگر اُسکی تصریح نہ کرے تو وہ وقف باطل ہے الا اینکہ قرائن سے معلوم ہوجائے کہ اُسکا ارادہ وقف کرنے کا تھا کہ اس صورت مین وقف اصول استحسان کے موافق جائز ہوجائے گا -

اور یہ بھی شرط ہے کہ وقف کا نفاذ کسی ایسے امر پر موقوف رکھا جائے جسکے وقوع

سلہ فتاوائے عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۵۰۴ رد المختار جلد ۳ صفحہ ۵۷۰ - دیکھو مقدمہ جگت منی چودھراین بنام امام حسنی بی بی (انڈین لا رپورٹ جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۵ سلسلہ کلکتہ) جسمین فیلڈ صاحب جسٹس نے وقف کے لوازم کو نہایت واضح طور سے بیان کیا ہے ۱۲ منہ

اور عدم وقوع دونوں کا احتمال ہو۔ مگر ایسی شرط سے جسکا نفاذ فوراً ہو سکے وقف باطل نہوگا۔
اکثر کتب فقہ مین ان دونو مسئلون مین فرق بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کچھ
عبارتین اس مقام پر تمثیلاً نقل کیجاتی ہین تاکہ ہمارا مطلب صاف ہو جائے۔

"اگر کوئی شخص کہے کہ اگر میرا بیٹا آجائے تو میرا مکان غربا و مساکین پر وقف ہے"
اور اُسکا بیٹا آجائے تو وہ مکان وقف نہوگا[1]۔ اور اگر کوئی شخص کہے کہ "یہ زمین میری وقف ہے
اگر فلان شخص کی مرضی ہو" اور وہ شخص اپنی رضی ظاہر کرے تو بھی وقف باطل ہوگا[2] لیکن اگر
کوئی شخص کہے کہ "اگر یہ مکان میرا مال ہے تو یہ وقف کیا گیا" تو وقف جائز ہوگا اگر وقف
کرنے کے وقت فی الواقع اُسی کا مال ہو اسواسطے کہ اس صورت مین وقف ایسی شرط[3] پر
موقوف رکھا گیا ہے جسکی تکمیل ہو گئی ہے اور وقوع یا عدم وقوع کا احتمال نہین ہے[4]۔ اگر کسی
شخص کا مال گم ہو جائے اور وہ کہے کہ "اگر مجھے وہ مال ملجائے تو خدا کی قسم مین اپنی زمین کو
خدا کی راہ مین وقف کرونگا" اور وہ مال اُسکو ملجائے تو اُسپر فرض ہے کہ اُس زمین کو اُن
لوگون پر وقف کرے جنکو وہ شرعاً زکات دے سکتا ہے اور اگر اُس زمین کو اُن لوگون پر
وقف کرے جنکو شرعاً زکات نہین دے سکتا تو وقف جائز نہوگا نہ وہ اپنی قسم سے بری الذمہ
ہوگا[5]۔ اگر وہ کہے کہ "جب فلان شخص آجائیگا یا جب مین فلان شخص سے کلام کرونگا تو یہ میری
زمین وقف ہو جائیگی" تو ایسے وقف کی پابندی فرض ہے کیونکہ یہ قسم اور عہد کی قسم سے ہے
اور اگر وہ شرط وقوع مین آجائے تو اُسپر اُس زمین کو خدا کی راہ مین دیدینا فرض ہو جائیگا
مگر یہ وقف نہین ہے[6]۔ اگر کوئی شخص کہے کہ "اگر مین اس بیماری سے مرجاؤن تو مین نے
اپنی اس زمین کو وقف کیا ہے" تو ایسا وقف جائز نہین ہے خواہ وہ شخص مرجائے
خواہ نہ مرے۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ "اگر مین اس بیماری سے مرجاؤن تو میری اس زمین کو

---

[1] فتح القدیر سے لیا گیا ہے ۱۲ منہ [2] محیط سرخسی سے لیا گیا ہے ۱۲ منہ [3] فتاوے قاضی خان
۱۲ منہ [4] سراجیہ سے لیا گیا ہے ۱۲ منہ [5] محیط سرخسی سے لیا گیا ہے ۱۲ منہ

وقف کر دینا تو ایسا وقف جائز ہے کیونکہ یہ بمنزلہ اسکے ہے کہ اُسنے ایک وکیل اپنا شرطیہ مقرر کیا اور یہ شرعًا درست ہے[۱]۔

اگرچہ از روے مذہب حنفی آدمی کو اپنے نفس پر وقف کرنا جائز ہے مگر وہ یہ اختیار اپنے واسطے نہین باقی رکھ سکتا کہ مال وقفی کو بیچکر محاصل بیع کو اپنے مصرف مین لائے[۲]۔

جس وقف مین اختیار کی قید لگا دیجائے وہ بھی ناجائز ہے۔ چنانچہ فتاوے قاضی خان مین لکھا ہے کہ " وقف مین کسی اختیار کی قید بھی نہ لگانی چاہیئے کیونکہ اگر کوئی شخص اس شرط سے وقف کرے کہ مجھکو اسمین اختیار رہیگا تو امام محمد کے نزدیک ایسا وقف جائز نہوگا خواہ اُسکا وقت معلوم ہو خواہ نہو اور گو وہ شرط منسوخ کر دیجائے تو بھی آنکے نزدیک وقف جائز نہوگا مگر امام ابو یوسف نے فرمایا ہے کہ اختیار کی شرط خود واقف کے باب مین تین روز تک جائز رہیگی اور صاحبین نے اس مسئلہ مین اتفاق کیا ہے کہ جب کوئی مسجد اس شرط سے وقف کیجائے کہ واقف کو اسمین اختیار رہیگا تو وقف صحیح ہوگا مگر وہ اختیار باطل ہوگا "[۳]

فتاوے عالمگیری مین لکھا ہے کہ " سب علماء کا اتفاق ہے کہ استمرار بھی ایک شرط وقف کی ہے اگرچہ امام ابو یوسف کے نزدیک استمرار کا لفظ کہنا شرط نہین ہے اور حق یہی ہے۔ جب کوئی شخص اپنا مکان ایک روز یا ایک مہینہ یا کسی میعاد معین تک وقف کرے اور اور کوئی لفظ نہ کہے تو وہ وقف جائز اور استمراری ہے۔ لیکن اگر وہ کہے کہ " یہ میری زمین ایک مہینہ کے لیے صدقہ ہے اور جب ایک مہینہ گذر جائیگا تو وقف باطل ہو جائیگا " تو بعض علماء کے نزدیک ایسا وقف اسی وقت باطل ہو جائیگا اسواسطے کہ جب استمرار وقف کی شرط ہے تو کسی خاص وقت کا مقرر کر دینا درست نہین ہے[۴]

اگر کوئی شخص کہے کہ " یہ میری زمین صدقہ ہے اور میرے مرنے کے بعد بیس روز تک وقف

[۱] جوہرۃ النیرہ سے لیا گیا ہے ۱۲ منہ [۲] فتاواے عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۹۵۴ مین نہر الفائق سے لیا گیا ہے ۱۲ منہ [۳] کافی سے لیا گیا ہے ۱۲ منہ [۴] فتاواے قاضی خان ۱۲ منہ

رہیگی اور اور کچھ نہ کہے تو وہ وقف غربار و مساکین کے فائدہ کے لیے استمراری ہوجائیگا کیونکہ ان الفاظ سے وصیت کے معنی پائے جاتے ہیں[1]۔ اور اگر کوئی شخص کہے کہ "یہ میری زمین صدقہ ہے اور میرے مرنے کے بعد فلان شخص پر سال بھر کے لیے وقف کی گئی"۔ اور جب سال بھر ہوجائیگا تو وقف باطل ہوجائیگا۔ تو اسکے مرنے کے بعد وہ زمین اس شخص پر جسکا نام اسنے لیا ہے برس روز تک وصیت کا حکم رکھیگی بعد اسکے غربار و مساکین پر وقف ہوجائے گی اور اسکی پیداوار انپر تقسیم کردیجائیگی۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ "یہ میری زمین میرے مرنے کے بعد فلان شخص پر برس روز تک وقف رہیگی"۔ اور اور کچھ نہ کہے تو سال بھر تک اس زمین کی پیداوار اس شخص کو ملیگی بعد اسکے اسکے ورثہ کو[2] ملیگی۔

پس استمرار ایک شرط ضروری وقف کی ہے۔ مگر اس لفظ کو وقف کرنے کے وقت کہنا کچھ ضرور نہیں[3] ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جسقدر مال وقف ہو اس سے آخر کو باقی رہجائے اسکو چاہیئے کہ ایسے مقصد کے لیے ہو جو صریحًا یا ضمنًا فوت نہو سکے۔ مالکیہ کے نزدیک وقف ایک میعاد معین و محدود تک کرنا جائز ہے مگر حنفیہ کے نزدیک نہین جائز ہے۔ بلکہ حنفیہ کا قول یہ ہے کہ اگر وقف اور اعتبارات سے درست ہو تو میعاد معین کی قید باطل ہوجائیگی اور وہ وقف استمراری ہوجائیگا۔ اگر وقف کا کوئی ایسا مقصد بیان کیا جائے جسکے فوت ہوجانے کا احتمال ہو تو اس وجہ سے وہ وقف نہ باطل ہوگا بلکہ مابقی مال وقفی غربار و مساکین کے مصرف میں آئیگا۔ عبارت ذیل ردالمختار سے نقل کیجاتی ہے تاکہ اس مسئلہ کی کیفیت خوب معلوم ہوجائے۔

"امام ابو یوسف کے نزدیک وقف کا اعلان ایسا ہے جیسے بردہ آزاد کرنے کا اعلان

---

[1] محیط سرخسی سے لیا گیا ہے ۱۲ منہ [2] فتاوائے قاضی خان۔ ان دو نو صورتوں میں یہ فرق ہے کہ ایک صورت میں صدقہ کا لفظ استعمال کیا ہے اور دوسری صورت میں یہ لفظ نہین کہا ہے ۱۲ منہ [3] ردالمختار اس مسئلہ میں علمار شیعہ کے اقوال اور ہیں لہذا وہ علیحدہ بیان کیے جائینگے ۱۲ منہ

پس انکے نزدیک منتقل کردینا یا علحدہ کردینا ضرور نہین [۱] ہے۔ بلکہ اعلان یا اظہار کافی ہے جسطرح بردہ آزاد کرنے کا اظہار اُسکے آزاد ہونے کو کافی ہے۔اِس واسطے کہ لفظ وقف مین زوال حق ملکیت کے معنی موجود ہین۔وقف مین استمرار کی نیت کرنا ضرور ہے مگر لفظ استمرار کہنا کچھ ضرور نہین [۲] ہے۔وقف استمرار پر دلالت کرتا ہے لہذا اگر واقف کہے کہ فلان جائداد کو مین نے اپنی اولاد پر وقف کیا اور اور کچھ نہ کہے تو وہ وقف جائز ہوگا اور جب اُسکی کوئی اولاد نہ باقی رہیگی تو اُس جائداد کی آمدنی غربا و مساکین کے مصرف مین لائی جائیگی جو ہمیشہ موجود رہتے ہین۔"

امام ابویوسف کے نزدیک لفظ وقف کی طرح لفظ صدقہ بھی دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے اور یہ دونو بدل سکتے ہین لہذا اُنکا قول یہ ہے کہ اگرچہ غربا کا ذکر نہ کیا ہو تاہم جب موقوف علیہم نہ باقی رہینگے تو مال وقف کا منافع غربا کو دیا جائیگا۔صدقہ کا لفظ کہدینا ایسا ہے جیسے دوام و استمرار کا لفظ کہدیا۔خلاصہ یہ ہے کہ کوئی لفظ جو دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہو وقف کے لیے کافی ہے۔مثلاً اِن الفاظ سے وقف کیا جائے کہ وہ غربا پر یا صدقہ موقوفہ خدا کی راہ مین یا موقوفہ احسان یا خیر کے لیے یا جہاد یا تجہیز و تکفین یا مقابر کے لیے وقف کیا گیا یا صرف ایک شخص خاص پر وقف کرنا بالاتفاق ناجائز ہے لیکن اگر صرف صدقہ موقوفہ کا لفظ کہا جائے تو وقف باطل نہوگا کیونکہ امام ابویوسف کے نزدیک وقف خیرات پر دلالت کرتا ہے لہذا جب کوئی اُسکا مستحق نہ رہیگا تو وہ خواہ مخواہ غربا و مساکین کو ملیگا اور یہی قول معتبر ہے۔اگر کوئی شخص اپنی اولاد پر اور اولاد کی اولاد پر تین پشت تک صدقہ موقوفہ کرے تو وہ قیامت تک وقف رہیگا۔اگر کسی خاص مسجد کے نام وقف کیا جائے تو امام ابویوسف کے نزدیک وہ وقف جائز ہے اور لفظ استمرار

---

[۱] مالکیہ اور شیعہ کے نزدیک تبدیل قبضہ ضرور ہے ۱۲ منہ [۲] اسمین شیعہ نے حنفیہ سے اتفاق کیا ہے گو شیعہ کے نزدیک عُمرہ جائز ہے ۱۲ منہ۔

کہنے کی ضرورت نہین ہے۔اسواسطے کہ مسجد ایک دائمی چیز ہے اور اسی قول کو محیط سرخسی مین
بحرالرائق سے نقل کرکے معتبر قرار دیا ہے"

قاضی خان کے نزدیک یہ بات بالتصریح کہدینا کہ وقف کیا جاتا ہے وقف کو کافی ہے۔
جب صدقہ موقوفہ ایک میعاد معین تک کیا جائے اور یہ نہ کہا جائے کہ اس میعاد کے
گذرنے کے بعد مال وقفی واقف پر عود کریگا تو وہ وقف استمراری ہو جائیگا مگر جب یہ شرط
کرلیجائے کہ وہ واقف کی طرف عود کریگا تو امام ابو یوسف کے نزدیک ایسا وقف باطل ہے[1]۔

غربا و مساکین کے لیے قبور کھودنے اور کفن مہیا کرنے کے لیے وقف کرنا جائز ہے۔

امام علی الصغدی کا قول ہے کہ صوفیون پر وقف کرنا جائز نہین ہے۔مگر اس قول کا
انکار اور علماء نے کیا ہے۔اور شمس الائمہ نے فرمایا ہے کہ وقف سب غربا و مساکین پر جائز ہے
اور جب وقف ایک گروہ عظیم پر کیا جائے تو اس سے یہی سمجھا جائیگا کہ اس گروہ مین جو
غربا و مساکین ہین انپر کیا گیا ہے اور اگر وقف عمیم المعنی الفاظ سے کیا جائے جنمین
امراء و غرباء دونو داخل ہون تو جن اشخاص یا جس فرقہ کا انتفاع اس سے مقصود ہے
اسکی تصریح کردینی چاہیئے یا یہ کہ واقف کے کلام سے یہ معلوم ہوجانا چاہیے کہ گو اسنے
عمیم المعنی الفاظ کہے ہین مگر اسکی نیت یہی تھی کہ غربا اس سے انتفاع کے مستحق سمجھے جائین
مثلاً اگر عموماً ایتام پر وقف کیا ہو تو ایسا وقف جائز ہے اور اسکا منافع غریب یتیمون کے
مصرف مین لایا جائے۔اور اسی طرح مشلول اور مصروع اور عمیان یعنی لنگڑون لولون
مرگی والون اور اندھون پر وقف کرنا جائز ہے اور حفاظ قرآن اور فقہاء و محدثین و
غیرہم پر بھی وقف کرنا جائز ہے۔اور وہ وقف انھین سے جو لوگ محتاج ہون انکے مصرف مین

---

[1] امام ابو یوسف کے قول کی پابندی کرنی چاہیئے اور فتوے بحر اور صدر الشریعہ اور ردالمختار کے
موافق ہے ۱۲ منہ [2] ہلال کا قول یہ ہے کہ ایسا وقف اس میعاد معین تک جائز ہوگا اور یہی
قول شیعون کا بھی ہے۔ ۱۲ منہ

لایا جائے کیونکہ ان الفاظ سے افلاس ہی مفہوم ہوتا ہے۔ اسواسطے کہ اندھے اور لنگڑے لولے اور جو لوگ تحصیل علم مین مشغول رہتے ہین اور اسی قسم کے اور لوگ اپنی معاش نہین پیدا کر سکتے لہذا ہمیشہ مفلس اور محتاج رہتے ہین۔ اسی وجہ سے صوفیون پر بھی وقف کرنا جائز ہے کیونکہ صوفی اکثر بہت غریب ہوتے ہین اور زہد و تقوے[لہ] سے بسر کرتے ہین۔

فصل ششم

وقف کی حقیقت قاضی خان کے قول کے موافق۔

اگر کوئی شخص صرف اتنا کہے کہ "یہ زمین میری موقوفہ ہے" اور اسکی حدود مقرر کرے اور کچھ نہ کہے تو امام یوسف کے نزدیک وہ وقف درست ہوگا اور اسکا منافع غربا کو ملیگا اور اگر وہ کہے کہ "یہ زمین میری صدقہ موقوفہ یا موقوفہ صدقہ ہے" اور اور کچھ نہ کہے تو امام ابو یوسف اور امام محمد اور ہلال کے نزدیک وہ وقف جائز ہوگا۔ اور اسکا منافع غربا کو دوامًا ملیگا کہ غربا ہمیشہ موجود رہتے ہین اور چونکہ صدقہ کے مستحق غربا ہوتے ہین لہذا لفظ غربا یا لفظ دوام یا استمرار کہنا کچھ ضرور نہین ہے۔

اگر کوئی شخص "صدقہ موقوفہ ابدی" یہ الفاظ کہے تو سب علما کے نزدیک یہ وقف جائز ہوگا۔ اگر واقف صرف اتنا کہے کہ "یہ زمین میری وقف ہے" اور اور کچھ نہ کہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس سے بھی وہی نتیجہ نکلے گا جیسا جب نکلتا کہ اگر وہ موقوفہ کا لفظ کہتا۔

اگر واقف کہے کہ "یہ زمین میری صدقہ محرمہ ہے" تو یہ بمنزلہ اسکے ہے کہ صدقہ موقوفہ کہا۔ اگر وہ صرف اتنا کہے کہ "یہ زمین میری حبس کی گئی" تو یہ بمنزلہ وقف کے نہوگا تاوقتیکہ اس عطیہ کے فحوا سے وقف نہ مفہوم ہو۔

اگر وہ کہے کہ "مین نے اس زمین کو حرام کیا اور یہ حرام ہوگئی" تو امام ابو یوسف کے

لہ ردّ المختار صفحہ ۶۶۵ - ۱۲ مسنہ

نزدیک یہ بمنزلہ اسکے ہے کہ اسنے موقوفہ کا لفظ کہا ہے۔ لیکن اگر وہ ہبہ موقوفہ یا ہبہ وقف کا لفظ کہے تو وقف نہوگا۔

اگر وہ کہے کہ "یہ زمین خدا کی راہ مین ہمیشہ کے لیے وقف کی گئی" تو یہ وقف صحیح ہوگا گو اُسنے صدقہ کا لفظ نہ کہا ہو اور یہ وقف غربا پر ہوگا اور اگر اُسنے ہمیشہ یا دوام کا لفظ نہ کہا ہو تو بھی یہ وقف جائز ہوگا اور اُس زمین کی پیداوار غربا کے مصرف مین لائی جائیگی۔ اسی طرح اگر واقف صرف یہ کہے کہ "یہ خدا کی راہ مین موقوفہ ہے" یا ثواب کی نیت سے وقف کی گئی ہے تو بھی وقف صحیح ہوگا۔

اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال کا ایک ثلث خدا کی راہ مین دوامًا وقف ہوگا تو اُسقدر مال غربا پر وقف ہو جائیگا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "یہ زمین میری فلان شخص پر صدقہ موقوفہ ہے" تو یہ وقف درست ہوگا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اُسکا منافع آخرالامر غربا کو پہونچیگا کیونکہ وہی توشرعًا مال وقف کے مستحق ہین مگر اُس زمین کی پیداوار اُس شخص کو زندگی بھر دیجائیگی۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "یہ زمین میری فلان شخص پر دوامًا صدقہ موقوفہ ہے" یا "یہ میری اولاد پر دوامًا صدقہ موقوفہ ہے" تو بھی وہی نتیجہ ہوگا اور "دوامًا" کا لفظ کہنے سے کچھ فرق نہو جائیگا۔ اسی طرح سے اگر وہ کہے کہ "یہ زمین میری موقوفہ خیر یا احسان کے لیے ہے" یا یہ دونو لفظ کہے تو یہ وقف صحیح غربا پر ہوگا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "یہ زمین میری جہاد کے مقاصد کے لیے یا مُردون کا کفن یا اُنکے دفن یا اُنکی قبور کھودنے کے لیے یا اور کسی کار خیر و احسان کے لیے ہے جو دائمی ہو" تو اُس مقصد کے لیے یہ وقف درست ہوگا۔

ابو جعفر فقیہ نے فرمایا ہے کہ جب وقف کے مقصد کی تصریح کر دیجائے اور یہ کہدیا جائے کہ یہ وقف دوامًا نافذ کیا جائے تو اتنا ہی کافی ہے اور لفظ صدقہ کہنا کچھ ضرور نہین ہے۔

اگر واقف کسی خاص جائداد کو کہے کہ یہ مسافرون پر وقف ہے تو یہ وقف صحیح ہے کیونکہ مسافر ہمیشہ آیا ہی کرتے ہین اور اسکا منافع غریب مسافرون کے مصرف مین لایا جائیگا متمول مسافرون کو نہ دیا جائیگا۔ یا اگر وہ کہے کہ یہ مال لنگڑون لولون اپاہجون کے لیے ہے تو یہ بھی صحیح ہے کیونکہ ایسے لوگون کی دنیا مین کبھی کمی نہین ہوتی اور وہ مال وقفی امین سے غربا کے مصرف مین لایا جائیگا۔

جب کوئی شخص اپنی زمین کو کسی مسجد کے لیے وقف کرنا چاہے اور ان امور کے لیے جو کسی مسجد سے متعلق ہون وقف کرنے کا ارادہ کرے تاکہ وہ وقف کبھی ناجائز نہ ہو سکے تو اولے و انسب ہے کہ ان الفاظ سے وقف کرے "مین اس زمین کو (جسکی حدود یہ ہین) مع اسکے تمام ملحقات کے وقف دائمی اپنی حیات تک اور اپنی وفات کے بعد اس شرط سے کرتا ہون کہ صرف اسکا لگان اور منافع صرف کیا جائے اور مین اعلان کرتا ہون کہ اسکے منافع سے خرچ تحصیل اور خراج معمولی اور اور مصارف جو اس وقف کو قائم رکھنے اور اس مسجد کے لیے ضرور ہون دیے جائین جیسے ملازمین کی تنخواہ وغیرہ۔ اور جو کچھ یہ مصارف دیکر باقی رہے اس سے مرمت کا خرچ اور دیگر مصارف دیے جائین اور جو شخص اسوقت متولی ہو اسکو اختیار رہے کہ ان مصارف مین جسطرح چاہے کمی وبیشی کرتا رہے۔ اور اگر کچھ باقی رہجائے تو کسی قدر اسمین سے پس انداز کرکے غربا و مساکین کے مصرف مین لایا جائے"

فصل ہفتم

کون چیزین وقف ہوسکتی ہین۔

جب زمین وقف کیجاتی ہے تو اسکے سب ملحقات جیسے مکانات سڑکین گھاٹ درخت وغیرہ وقف مین شامل ہو جاتے ہین مگر جو چیز اس سے جدا ہو سکے وہ وقف مین نہین شامل ہوتی۔ جب زمین قبرستان کے لیے وقف کیجائے در آنحالیکہ اسپر بڑے بڑے درخت اور مکانات ہون تو وہ وقف مین داخل نہ کیے جائینگے اگرچہ وقف نامہ مین یہ لکھدیا ہو کہ یہ زمین مع تمام

حقوق اور ملحقات کے وقف کی گئی۔

اگر اُس زمین پر میوہ کے درخت ہوں اور اُسکے ملحق مکانات میں حمام ہو اور وقف نامہ میں یہ الفاظ لکھے ہوں کہ مع اسکے تمام ملحقات اور حقوق کے تو وہ سب چیزیں وقف میں داخل کیجائینگی۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک جائداد منقولہ کو وقف کرنا نہیں جائز ہے۔ مگر کتاب مجتبی میں لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک وقف اُن اشیاء منقولہ کا جائز ہے جو روزمرہ کے معاملات میں اور داد وستد میں لائی جاتی ہیں۔ اور امام محمد کے نزدیک اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دونو کا وقف جائز ہے اور اکثرین کے قول کے موافق فتوے ہیں ؎"

لہ قاضی خان لکھتے ہیں کہ شمس الائمہ سرخسی کے نزدیک اشیاء منقولہ کا وقف جائز ہے۔ مگر اسمین عرف یعنی رسم و رواج کو دخل ہے کہ کون اشیاء منقولہ وقف ہوسکتی ہیں۔ کفن اور کتابیں وغیرہ وقف کرنا سب کے نزدیک جائز ہے۔ گائے کا دودھ وقف کرنے کا اگر رواج ہو تو جائز ہے۔ درہم وقف کرنا بھی جائز ہے۔ وہ کسی کاروبار میں لگا دیے جائیں اور اُس سے جو منفعت ہو وہ وقف کے کام میں لائی جائے۔ اسی طرح ایک پیمانہ گیہوں کا بھی وقف ہوسکتا ہے "۱۲ منہ رد المختار جلد ۳ صفحہ ۵۰۰

وکما صح ایضاً وقف کل منقول قصدا فیه تعامل للناس کفاس وقدوم بل دراهم ودنانیر قلت بل ورد الامر للقضاة بالحکم به کما فی معروضات المفتی ابی السعود۔
قوله ودراهم ودنانیر فی الخلاصة للانصاری کان من اصحاب زفر وعزاه فی الخانیة الی زفر حیث قال وعن زفر قال المصنف فی المنح ولما جری التعامل فی زماننا فی البلاد الرومیة وغیرها فی وقف الدراهم والدنانیر دخلت تحت قول محمد المفتی به فی وقف کل منقول فیه تعامل کما لا یخفی فلا یحتاج علی هذا الی تخصیص القول بجواز وقفها علی مذهب الامام زفر من روایة الانصاری والله تعالی اعلم۔ وقد افتی مولانا صاحب البحر بجواز وقفها ولم یحک خلافاً اهـ ما فی المنح قال الرملی لکن فی الحاقها بمنقول فیه تعامل نظر اذ هی مما لا ینتفع بها مع بقاء عینها علی ملک الواقف وافتی صاحب البحر بجواز وقفها بلا حکایة خلاف لا یدل علی انه

وہ قول مشہور یہی ہے کہ درہم و دینار یعنی نقد روپیہ وقف کرنا جائز ہے۔ امام زفر اور انکے
شاگرد الانصاری نے تفصیلاً بیان کیا ہے کہ روپیہ وقف کرنا جائز ہے۔ اور کتاب منح مین لکھا ہے
کہ ہمارے زمانہ مین درہم و دینار وقف کرنا بلاد روم مین رائج ہے پس اسکو امام محمد کے

داخل تحت قول زفر وافتی بہ وما استدل بہ فی المنح من مسئلۃ البقر
الاتیۃ ممنوع بما قلنا اذ ینتفع بلبنہا وسمنہا مع بقاء عینہا لکن بدلہا
قائم مقامہا لعدم تعینہا فکانہا باقیۃ ولا شک فی کونہا من المنقول فحیث
جری فیہا التعامل فی زمانہ دخلت فیما اجازہ محمد ولہذا لما
مثل محمد باشیاء جری فیہا التعامل فی زمانہ - قال فی الفتح ان
بعض المشائخ زادوا اشیاء من المنقول علی ما ذکرہ محمد
لما راوا جریان التعامل فیہا وذکر منہا مسئلۃ البقرۃ الاتیۃ
ومسئلۃ الدراہم والمکیل حیث قال فی الخلاصۃ وقف بقرۃ علی ان ما یخرج
من لبنہا وسمنہا یعطی لابناء السبیل قال ان کان ذلک فی موضع غلب
ذلک فی اوقافہم رجوت ان یکون جائزا وعن الانصاری وکان من
اصحاب زفر فیمن وقف الدراہم او ما یکال او ما یوزن ایجوز ذلک
قال نعم قیل وکیف قال یدفع الدراہم مضاربۃ ثم یتصدق بہا فی الوجہ
الذی وقف علیہ وما یکال او یوزن یباع ویدفع ثمنہ مضاربۃ او بضاعۃ قال
وعلی ہذا القیاس اذا وقف کرا من الحنطۃ علی شرط ان یقرض الفقراء الذین لا
بذر لہم لیزرعوہ لانفسہم ثم یوخذ منہم بعد الادراک قدر القرض ثم یقرض
لغیرہم من الفقراء ابدا علی ہذا السبیل یجب ان یکون جائزا قال ومثل ہذا کثیر
فی الری وناحیۃ دنباوند وبہذا ظہر صحۃ ما ذکرہ المصنف من الحاقہا
بالمنقول المتعارف علی قول محمد المفتی بہ وانما خصوہا بالنقل عن زفر
لانہا لم تکن متعارفۃ اذ ذاک ولانہ ہو الذی قال بہا ابتداء قال فی النہر و
مقتضی ما مر عن محمد عدم جواز ذلک وقف الحنطۃ فی الاقطار المصریۃ لعدم
تعارفہ بالکلیۃ نعم وقف الدراہم والدنانیر تعارف فی الدیار الرومیۃ

نعم

قول مین داخل سمجھنا چاہیئے جسپر فتوے ہے یعنی جس شئے منقول پر معاملہ یا داد وستد ہوتی ہو اسکو وقف کرنا جائز ہے"

"کتاب بحر کے مصنف نے یہ فتوے لکھا ہے کہ درہم اور دینار وقف کرنا جائز ہے اور اسکے خلاف کوئی قول نہین بیان کیا ہے"

"شارح فرماتے ہین کہ اگرچہ وہ خاص روپیہ اسی مصرف مین لایا جائے جسکے لیے وہ وقف کیا گیا ہے تاہم چونکہ اسکی قیمت اسپر موقوف نہین ہے کہ وہ اپنی ہیئت اصلی پر باقی رہے لہذا اس ہیئت کا جاتا رہنا مانع جواز وقف نہین ہوسکتا۔ متاخرین علماء حنفیہ کے نزدیک ہر چیز کا وقف جائز ہے جسکی تجارت ہوتی ہو۔ انصاری[1] سے سوال کیا گیا کہ آیا وقف کرنا روپیہ کا یا اس چیز کا جسکا وزن یا پیمانہ ہوسکے جائز ہے یا نہین۔ انھون نے جواب دیا کہ ہان جائز ہے۔ پھر اُنسے پوچھا گیا کہ کیون جائز ہے۔ انھون نے جواب مین فرمایا کہ بطور شرکت مضاربت کے"۔ شرکت مضاربت اُس مشارکت کا نام ہے جسمین ایک شریک روپیہ دیتا ہے اور دوسرا شریک محنت ومشقت کرتا ہے۔ یعنی محاصل اُس روپیہ کا جو کسی ملک کے کاروبار یا تجارت مین یا اور کسی معاملہ مین لگایا جائے جسکا رواج ہو مقاصد وقف کے لیے شرعًا دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح سے گیہون کا ایک پیمانہ وقف کرنا جائز ہے۔ مثلًا کوہ دماوند[2] کے قریب بعض مقامات پر جیسے رَیْ اور اُسکے مضافات مین یہ دستور ہے کہ گیہون کو اس طرح وقف کرتے ہین کہ ایک مقدار گیہون کی وقف کرکے غریب کسانون کو جو تخم یعنی بیا بسا نہین بہم پہونچا سکتے دیدیتے ہین اور جب وہ فصل کاٹ لیتے ہین تو وہ گیہون جو اس

---

[1] غالبًا ان کتابون کا حوالہ آن عالم جج کو نہین دیا گیا جنھون نے مقدمہ فاطمہ بی بی بنام عارف اسمعیل کی (لا رپورٹ کلکتہ جلد ۹ صفحہ ۶۶) فیصلہ کیا ہے۔ مین نے اس مقام پر رد المحتار کی عبارت کی حاشیہ کا صرف خلاصہ مضمون لکھدیا ہے۔ اس مسئلہ کی زیادہ تر تفصیل اس باب کے حاشیہ مین ملاحظہ کریجیے ۱۲ منہ [2] یہ ایک مشہور مقام ملک فارس مین ہے جسکو اگلے زمانہ مین رے جبیز کہتے تھے ۔ ۱۲ منہ

کر دیتے ہین اور پھر وہی گیہون اور کسانون کو وقف کے طور پر دیدیے جاتے ہین جو اسی حالت
مین گرفتار ہوتے ہین۔ پس اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ جہان کہین کسی شئے منقول کو وقف کرنے کا
رواج ہو وہان اسکو وقف کرنا جائز ہے۔ مثلاً اس زمانہ مین مصر مین گیہون وقف کرنے کا
دستور نہین ہے اور بلاد روم مین نقد روپیہ وقف کرنے کا دستور ہے[1]" پس ہر چیز جو
وزن یا پیمانہ ہو سکتی ہو بیچڈالی جائے تب وقف کیجائے اور اسکی منفعت کسی تجارت
یا کاروبار مشترک مین لگا دیجائے" ایسی چیزون کا وقف جیسے گیہون یا دودھ ہے یون
نافذ ہو سکتا ہے کہ غربا کو قرض دیا جائے۔ جہان ایسے اوقاف کا رواج ہے وہان جائز
ہین مثلاً دیگین غربا کے لیے کھانا پکانے کو وقف کرنا یا کفن یا قرآن وقف کرنا۔ رواج عام
مین قیاس کو کچھ دخل نہین[2] ہے"

---

[1] ان مسائل سے ہدایہ کی عبارت مندرجہ متن کی توضیح ہو جائیگی ۔ ۱۲ منہ [2] عبارت ذیل ہدایہ کے
ترجمہ انگریزی (صفحہ ۳۴۴) سے نقل کیجاتی ہے "ان چیزون کو وقف کرنا جو صرف مین آتی ہین جیسے سونا
اور چاندی یا کھانے پینے کی چیزین اکثر علمار کے نزدیک جائز نہین ہے مگر سونے اور چاندی سے درہم اور دینار
یا جو چیز زیور یا زینت مین نہ داخل ہو مراد سمجھنا چاہیے۔ اور اگر کوئی شخص درہم یا وہ چیزین جنکا پیمانہ
ہو سکے یا کپڑے وقف کرے تو جائز نہین ہے۔ مگر کہا گیا ہے کہ جہان ایسی چیزین وقف کرنے کا دستور ہو
وہان ایسے وقف کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے"
"اگر یہ سوال کیا جائے کہ انپر روپیہ کیونکر صرف کیا جائے تو اسکا جواب یہ ہے کہ وہ درہم غربا کو قرض
دیے جائین اور پھر انسے لیکر مضاربت مین لگائے جائین اور اسکا منافع غربا کو خیرات مین دیا جائے اور
گیہون فقرا کو قرض دیا جائے کہ وہ اسکو بوئین اور پھر انسے واپس کر لیا جائے اور پوشاک انکو مستعار دیجائے
کہ ضرورت کے وقت پہنکر واپس کرین"
"ہمارے علمار کے نزدیک ان اشیاء منقولہ کو وقف کرنا جائز نہین ہے جنکو وقف کرنے کا دستور یا رواج
نہ ہو۔ ہمارے علمار نے یہ دلیل لکھی ہے کہ وقف مین دوام و استمرار شرط ہے اور اشیاء منقولہ مین دوام
و استمرار نہین ہو سکتا کہ انکی کیفیت دائمی نہین ہے۔ لہذا قیاس اسکا مقتضی ہے کہ اشیاء منقولہ کو وقف کرنا
عموماً ناجائز ہے۔ مگر بعض اشیاء منقولہ کو وقف کرنا جائز ہے اگرچہ خلاف قیاس ہے بوجہ ان احادیث کے

لکھا ہے کہ گرم کپڑون کو غربا پر وقف کرنا جنکو وہ موسم سرما مین پہنکر واپس کردین جائز ہے ۔ اور جو طلبہ کسی مسجد مین رہتے ہون اُنپر قرآن کی جلدین وقف کرنا اسپر دلالت کرتا ہے کہ وہ قرآن اُسی مسجد مین پڑھے جاینگے ۔

جب کسی مقام خاص کے لوگون پر کتابین وقف کیجائین تو اُن کتابون کو اُس مقام سے لیجانا درست نہین ہے ۔

جب روپیہ وقف کیا جائے تو اُسکا منافع جو کسی تجارت یا کاروبار مشترک مین لگایا جائے وقف کے مقاصد مین صرف کیا جائیگا ۔

ظروف مسی اور اور ظروف وقف کرنا جائز ہے ۔

جب کوئی مکان وقف کیا جائے تو جو جو چیز اُسکی بیع مین شامل ہوگی اُسکے وقف مین بھی داخل سمجھی جائیگی خواہ یہ کہا جائے خواہ نہ کہا جائے کہ یہ مکان مع اپنے تمام حقوق اور متعلقات کے خواہ چھوٹے ہون خواہ بڑے اور خواہ اُسکے اندر ہون خواہ اُس سے متعلق ہون وقف کیا گیا ۔ اسی طرح سے دوکانون کے وقف مین بھی ہر چیز شامل ہوگی

جنکا ذکر ہوچکا ہے اور بعض دیگر اشیا اور جیسے کلہاڑیان اور آری وغیرہ کا وقف اسوجہ سے جائز ہے کہ وہ بکار آمد ہوتی ہین مگر اثاث البیت اور پوشاک وغیرہ وقف کرنا اس سبب سے ناجائز ہے کہ خلاف قیاس ہے اور اُنکے وقف کا جواز نہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے نہ بکار آمد ہونے کی وجہ سے پس وہ درہم و دینار کے مشابہ ہین ۔

یہ جو مصنف نے فرمایا ہے کہ قیاس کو رواج مین دخل نہین ہے تو اس سے اُنکی یہ مراد ہے کہ قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ جب دوام و استمرار ایک شرط ضروری وقف کی ہوئی اور جائداد منقولہ دوامًا نہین موجود رہ سکتی تو جائداد منقولہ وقف کرنا بادی النظر مین ناجائز ہے ۔ مگر جہان کہین کسی قسم کی جائداد منقولہ وقف کرنے کا رواج ہو تو وہ وقف جائز سمجھا جائیگا گو صحابہ رسول کے وقت مین وہ رواج یا دستور نہ رہا ہو ۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ مال منقول کے وقف کا جواز بالکل زمانہ کے حالات پر اور تمدنی حالات پر اور قومی رسم و رواج پر موقوف ہے ۔ لہذا اس اصول کے موافق بعض حقوق اور منافع اراضی وقف کرنا جائز معلوم ہوتا ہے ۔ از مترجم

جو اُنکی بیع مین داخل سمجھی جائے۔

اراضی کے وقف مین جو مکانات اور درخت اُسپر ہون وہ بھی داخل ہین مگر جو میوہ اُسوقت ان درختون مین لگا ہو اور جو غلہ اُس زمین پر لگا ہو وہ اُسکے وقف سے خارج رہیگا۔ گنّا وغیرہ جو سال بھر مین ایک مرتبہ کاٹا جاتا ہے وقف مین نہ داخل ہوگا مگر جو سال مین دو مرتبہ کاٹا جاتا ہے وہ اُس زمین کے وقف مین داخل ہوگا۔

"خصاف نے اپنی کتاب الوقف مین لکھا ہے کہ جب زمین چند مقاصد مخصوصہ کے لیے وقف کیجائے اِس شرط سے کہ آخر الامر یہ زمین غربا پر وقف ہوگی تو اُس زمین پر جو مکانات اور درخت خرما وغیرہ ہون وہ سب اُس وقف مین داخل ہین۔ اُنھون نے یہ بھی فرمایا ہے کہ درختون کے وقف مین وہ میوہ داخل نہین ہے جو اُنمین اُسوقت لگا ہو اور اکثر ہمارے مشائخ کا یہی قول ہے اور صحیح بھی یہی ہے۔ جب وقف اِن الفاظ سے کیا جائے کہ "مین اِس زمین کو مع اُسکے جملہ حقوق کے اور جو کچھ اُسپر ہے اور اس سے متعلق ہے وقف کرتا ہون" اور اُسوقت اُس زمین پر درخت لگے ہون تو چاہیے کہ اُنکے میوہ کو فقرا پر تقسیم کردین اگرچہ بطور وقف کے نہ دین لیکن بطور نذر کے دین اور بعد ازآن جو کچھ اُس زمین مین پیدا ہو اُسکو مقاصد مصرحۂ وقف مین صرف کرین۔ علیٰ ہٰذا القیاس جب اِن الفاظ سے وقف کیا جائے کہ "میری زمین میرے مرنے کے بعد اِس غرض سے وقف کی گئی ہے کہ جو پیداوار اِسمین خدا کے حکم سے ہو وہ بندگان خدا کا مال ہے" تو جو میوہ اُس زمین کے درختون مین لگا ہو وہ اِس وصیت مین از روے وقف نہ داخل ہوگا۔

وقف کے جواز کے لیے یہ ضرور نہین ہے کہ زمین یا مکان موقوف کے حدود کی تصریح کردیجائے۔ صرف اِسقدر ضرور ہے کہ یہ صاف معلوم ہوسکے کہ کیا چیز وقف کی ہے۔ پس جب کوئی زمین یا مکان خوب معلوم ہو تو وہ وقف ہوسکتا ہے بے اسکے کہ اُسکے حدود کی تصریح کیجائے اور اگرچہ گواہ یہ بیان کرین کہ ہمارے سامنے اِس زمین کے حدود نہین مقرر کیے گئے

اور ہم یہ نہین جانتے تاہم اِس وجہ سے وہ وقف باطل نہ ہو جائیگا۔

جب کوئی شخص اپنی زمین وقف کرے مگر پانی لینے یا راہ چلنے کے حق کا ذکر نہ کرے تو اصح یہ ہے کہ یہ دونو باتین اُس وقف مین داخل ہین۔ اِس واسطے کہ جب زمین وقف کیجاتی ہے تو اسی خیال سے وقف کیجاتی ہے کہ اسمین جو کچھ پیدا ہوگا وہ وقف ہوگا اور اسمین پانی اور راستہ دونو کے حق داخل ہین۔

چکیان جو کسی کھیت مین ہون خواہ وہ پنچکیان ہون خواہ دستی چکیان ہون اور ڈول اور چرسہ جس سے پانی کھینچا جاتا ہے اُس کھیت کے وقف مین داخل ہین۔

مال مُشاع وقف کرنا امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے جنکا قول فروع مین حجت سمجھا جاتا ہے۔ مگر مسجد یا مقبرہ کے لیے مال مُشاع وقف کرنا اس لیے جائز نہین ہے کہ اُس مال کے مُشاع ہونے کی وجہ سے وقف کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

مشتبہ ہونا اُن چیزون کا جو تقسیم نہین ہو سکتین مانع جواز وقف نہین ہے اور اِس مسئلہ مین کچھ اختلاف نہین ہے اِس واسطے کہ نصف تمام وقف کرنا جائز ہے گو وہ نصف غیر ممیز ہو (ظہیریہ سے لیا گیا ہے) مگر شئے قابل الانقسام کے جز غیر منقسم کو وقف کرنا امام محمد کے نزدیک جائز نہین ہے جنکے اقوال کو شیوخ بخارا نے اختیار کیا ہے اور انھین کے موافق سابق مین فصل خصومات کیا جاتا تھا۔ (سراجیہ سے لیا گیا ہے) مگر متاخرین امام ابو یوسف کے قول کے موافق فتوے دیتے ہین اور اُنکے نزدیک ایسا وقف جائز نہین۔ اور مستحسن یہی ہے (خزانۃ المفتیین سے لیا گیا ہے) اِن دونو صاحبون کے نزدیک بالاتفاق مال مُشاع کو مسجد یا مقبرہ کے لیے وقف کرنا جائز نہین ہے خواہ وہ مال قابل الانقسام ہو خواہ نہ ہو (فتح القدیر سے لیا گیا ہے) مگر جب قاضی مال مُشاع کے وقف کو جائز قرار دے تو اُسکا فیصلہ موثر اور نفاذ پذیر ہوگا جیسا تمام مسائل اختلافی مین قاضی کی راے ترجیح رکھتی ہے (شرح ابو المکارم سے لیا گیا ہے) اگر جائداد قابل الانقسام ہو

اور جب قاضی جواز وقف کا حکم صادر کر چکے تو احد الفریقین کہے کہ اِس جائداد کو تقسیم کر دو تو امام اعظم کے نزدیک وہ تقسیم نہین ہو سکتی مگر صاحبین کے نزدیک اُسکو تقسیم کر دینا چاہیئے (خلاصہ سے لیا گیا ہے) مگر اُن سب کا اتفاق ہے کہ اگر کسی چیز کا مجموع وقف کیا گیا ہو اور فریقین اُسکی تقسیم کی درخواست کرین تو یہ جائز نہین ہے۔

جب کوئی شخص اپنے حصہ اراضی کو جسکا مالک وہ دوسرے شخص کے ساتھ بالمشارکت ہو وقف کرے تو جس شخص کے ساتھ تقسیم کرنی چاہیئے وہ اُسکا شریک ہے اور اُسکے مرنے کے بعد اُسکا وصی ہے۔ (فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۶۶) جب کوئی شخص اپنی نصف جائداد وقف کرکے اُسکا ایک متولی مقرر کردے تو قاضی کو جائز ہے کہ جب وہ متولی یا خود واقف درخواست کرے اُس نصف کو علیحدہ کر دے۔

فصل ہشتم

شرائط متعلقہ وقف (فتاواے قاضی خان سے لیا گیا ہے)

امام ابو یوسف کے نزدیک مال مُشاع کا وقف جائز ہے۔ اور اُنکے قول کو علماء بلخ نے اختیار کیا ہے۔ مگر امام محمد کے نزدیک ایسا وقف ناجائز ہے اور اُنکا قول علماء بخارا نے اختیار کیا ہے۔ ہندوستان کے حنفیہ نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے جب مال غیر منقسم کے وقف پر تنازع ہو تو قاضی اُسکی تقسیم کا حکم دے سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص نصف حمام وقف کرے تو سب کے نزدیک جائز ہے کیونکہ یہ ایسا مُشاع ہے جو قابل الانقسام نہین ہے۔ پس اُسکا وقف بھی ہبہ کی طرح جائز ہے۔

اگر کوئی عورت مرض الموت کی حالت مین اپنا مکان اپنی تین بیٹیون پر اور اُنکے مرنے کے بعد غربا پر وقف کرے اور وہ عورت مرجائے اور سواے اُس مکان کے اور کوئی جائداد نہ چھوڑی ہو اور سواے اُن بیٹیون کے اُسکا کوئی وارث نہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک وقف ثلث مال مین نافذ ہوگا اِلّا اینکہ سب بیٹیان

راضی ہو[1]۔

جب کوئی قطعہ آراضی دو شخصون کا مال بالشارکت ہو اور انمین سے ایک شخص اپنا حصہ اپنی اولاد پر دوامًا وقف کرے جبتک کہ انمین سے کوئی باقی رہے اور جب انمین سے کوئی نہ باقی رہے تو غربا پر اور دوسرا شخص اپنے حصہ کو اپنے بھائی بندون اور اپنے اہل بیت پر وقف کرے اور جب انمین سے کوئی نہ رہے تو حاجیان بیت اللہ پر اور وہ دو نو شخص ایک ہی آدمی کو متولی مقرر کرین تو ایسا وقف جائز ہے۔ اسی طرح سے اگر شرکا مین سے ایک شخص اپنا نصف حصہ فقرا پر وقف کرے اور دوسرا شخص اپنا حصہ اور کسی مقصد کے لیے وقف کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ اسمین صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کا اتفاق ہے۔ مگر امام ابو یوسف کے نزدیک متولی کو وہ مال وقفی سپرد کر دینا شرط ضروری نہین ہے۔ اور چونکہ اُنکے نزدیک مال وقف پر قبضہ دلا دینا یا متولی کے سپرد کر دینا لازم نہین ہے لہذا اُنکے قول کے موافق اُسکی تقسیم بھی ضرور نہین ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "اس مکان مین جو میرا ایک ثلث کا حصہ ہے اُسکو مین وقف کرتا ہون" اور بعد ازآن معلوم ہو کہ اُسکا حصہ نصف یا دو ثلث ہے تو وہ سارا حصہ وقف ہو جائے گا۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص اپنے وصیت نامہ مین لکھے کہ "مین اپنی جائداد کا ایک ثلث یعنی ہزار درہم فلان شخص کے لیے چھوڑے جاتا ہون" اور بعد ازآن معلوم ہو کہ اُسکی جائداد کا ایک ثلث چار ہزار درہم ہے تو یہی رقم موصیٰ لہ کو ملیگی۔ اس باب مین وقف اور بیع مین یہ فرق ہے کہ ایسی صورت مین مشتری صرف وہی رقم پائیگا جسکی تصریح وصیت مین کر دی گئی ہے۔

---

[1] امام محمد نے اس مسئلہ مین اختلاف کیا ہے اور قاضی خان نے لکھا ہے کہ اُنھین کے قول کے موافق فتویٰ ہے۔ گر فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۵۵ ملاحظہ کیجیے۔ جب وقف کا نفاذ واقف کے مرنے پر موقوف رکھا گیا ہو وہ اُسکے ثلث مال مین نافذ ہوگا۔ فاطمن صاحب کی لا رپورٹ صفحہ ۳۴۵ - ۱۲ امینہ

جب دو شخص بہت سے مکانات کے مالک بالشارکت ہون یا جب کچھ زمین پر دو شخص قبضہ بالشارکت ہو اور اُس زمین سے ایک شخص اُن سب مکانات مین اپنے حصہ کو یا اُس خاص زمین مین اپنے حصہ کو کسی کار خیر کے لیے وقف کرے اور بعد اُسکے چاہے کہ قاضی میرے حصہ کو علیحدہ کر دے اور جب قاضی اُسکے حصہ کو علیحدہ کرے تو ایک مکان اور ایک خاص قطعہ زمین واقف کو اُسکے کل حق کے معاوضہ مین دے جو وہ اُن مکانات اور اُس کل زمین مین رکھتا تو وقف صرف اُسی مکان اور اُسی قطعہ زمین کی نسبت نافذ ہوگا۔ اس مسئلہ مین ہلال اور امام ابو یوسف اور امام محمد سب نے اتفاق کیا ہے۔

جب دو شخص ایک قطعہ اراضی کے مالک بالاشتراک ہون اور اُس زمین سے ایک شخص اپنا حصہ وقف کر دے تو امام ابو یوسف کے نزدیک ایسا وقف جائز ہے۔

جب کوئی شخص مکان وقف کرے مگر جس زمین پر وہ مکان بنا ہوا ہے اُسکو نہ وقف کرے تو اس مسئلہ مین علماء حنفیہ نے بڑا اختلاف کیا ہے۔ لیکن اگر وہ اصول جو ایسے اوقاف سے متعلق ہین اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو یہ اختلاف بآسانی رفع ہو سکتا ہے۔ عالم مشہور علامہ قاسم نے فرمایا ہے کہ ایسا وقف نہین جائز ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُنھون نے امام محمد اور ہلال ابن یحیی بصری کی تقلید اس مسئلہ مین کی ہے۔ مگر بحر الرائق مین ذخیرہ سے نقل کیا ہے کہ جہان مکان کو بے اُس زمین کے وقف کرنا جسپر وہ بنا ہوا ہو خلاف دستور ہو وہان مکان کو بے زمین کے وقف کرنا نہین جائز ہے۔ مگر جہان ایسا کرنا خلاف دستور نہ ہو وہان ایسا وقف جائز ہے۔

اس مقام پر یہ بیان کرنا مناسب ہے کہ ۸۶۳ ہجری مین سلطان ملک الظاہر کے روبرو ایک بڑی مجلس علماء مین علامہ قاسم اور اُنکے شاگرد رشید عبد اللہ ابن شحنہ مین بڑا مباحثہ اس مسئلہ مین ہوا۔ عبد اللہ ابن شحنہ نے اپنے اُستاد کے قول کے خلاف فرمایا کہ مکان کو بلا زمین کے وقف کرنا جائز ہے اور دو سو برس سے یہی مسئلہ مسلم چلا آتا ہے اور اسی کے

موافق قضات نے متواتر فیصلے کیے ہین - ابن شحنہ کے اِس قول کو علامہ محمد ابن زہیر نے رد کیا ہے - لیکن اگر یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو اِسمین کچھ دقت نہ پڑیگی مصنف در المختار نے اِس مسئلہ کو بعبارت ذیل بیان کیا ہے "وہ شے منقول کو جسکے وقف کرنے کا دستور ہو وقف کرنا جائز ہے - اِسی طرح سے جب مکان کو بے زمین کے وقف کرنے کا دستور ہو تو جائز ہے اور یہ قول اُن علماء کے اقوال کے مخالف نہین ہے جو فرماتے ہین کہ ایسا وقف نہین جائز ہے اِسواسطے جواز وقف اُس مقام خاص کے دستور پر موقوف ہے جہان وقف کیا گیا ہے اگر وہان کے لوگ عادةً ایسا وقف کیا کرتے ہون تو شرعًا بھی جائز سمجھا جائیگا"

مگر اب یہ مسئلہ جاری ہے کہ مکان بے زمین کے وقف کرنا جائز ہے اور اِسی کے موافق فتوی[۱] ہے - اِسی[۲] طرح سے جو درخت زمین پہ لگے ہون بے اُس زمین کے اُنکو وقف کرنا جائز ہے - اور اُس زمین کو وقف کرنا بھی جائز ہے جو ٹھیکہ یا اجارہ پر دی گئی ہو یا رہن ہو جس شخص نے وقفی زمین کا ٹھیکہ لیا ہو اُسکو اُسپر مسجد بنوانا جائز ہے - پس یہ سوال کیا گیا ہے کہ اُس زمین کا لگان کون دیگا جسپر وہ مسجد تعمیر ہوئی ہے - اِسکا جواب شارح نے یہ دیا ہے کہ جبتک ٹھیکہ باقی رہیگا ٹھیکہ دار اُسکا لگان دیا کریگا - اور جب اُس ٹھیکہ کی میعاد گذر جائیگی تو اُسکا لگان بیت المال سے دیا جائیگا یا جو مومنین اُس مسجد مین نماز پڑھنے آئینگے اُنسے لیکر دیا جائیگا -

جب وہ زمین وقف کیجائے جو دوسرے شخص کے ٹھیکہ مین ہو تو وہ ٹھیکہ نہین منسوخ ہوگا بلکہ وہ میعاد معین تک جائز اور نافذ رہیگا اور جب وہ میعاد گذر جائیگی تو اُس جائداد کی آمدنی وقف کے مقاصد مین صرف کیجائیگی -

سلاطین اور امراء کے اوقاف کے باب مین حکم شرع یہ ہے کہ جاگیرین دو قسم کی ہوتی ہین - ایک قسم وہ ہے جسمین پادشاہ نے زمین بیت المال سے خرید کر عطیہ دار کو عطا

---

[۱] فتاواے قاضی خان - رد المختار - ہدایہ ۱۲ - منہ [۲] ویکلی رپورٹر جلد ۱۲ صفحہ ۴۹۰ - ۱۲ منہ -

کی ہو یا اُسکی اراضی خالصہ مین وہ زمین داخل ہو۔ دوسری قسم وہ ہے جسمین صرف جاگیر کی منفعت عطا کی ہو اور خود وہ جاگیر بادشاہ کا مال ہو۔ پہلی صورت مین عطیہ دار اُس مین یا جاگیر کو وقف کرسکتا ہے مگر دوسری صورت مین نہین وقف کرسکتا ہے۔

اِس مسئلہ پر فتاواے عالمگیری مین عبارت ذیل لکھی ہے ''چونکہ وقف مین ملک شرط ہے لہذا عطیات یا جاگیرین وقف کرنا نہین جائز ہے اِلّا اینکہ اُنمین سب اراضی اُفتادہ ہو یا ایسی اراضی ہو جو خود امام کا مال ہو جو اُسنے اُس عطیہ دار کو بخشدیا ہو۔ اور جوض اراضی اُفتادہ سے وہ زمین مراد ہے جسکا مالک اُسکی کاشت کرنے اور خراج یا مالگزاری دینے کے قابل نہو اور اُسنے وہ زمین امام کو حوالہ کردی ہو کہ اُسکے منافع سالانہ سے خراج دیاجائے۔''

اگر وہ زمین بیت المال سے جائز طور سے خریدی گئی ہو تو وقف ہوسکتی ہے خواہ اُسکا خریدار سلطان ہو خواہ اور کوئی شخص ہو اور اُس وقف کا نفاذ موافق اُن شرائط کے کیا جائیگا جو واقف نے مقرر کیے ہون۔''

''اگر سلطان کسی قطعہ اراضی کو بے خریدے وقف دائمی و غیر قابل الانتقال کسی کارِ خیر کے لیے کردے تو ایسا وقف جائز ہے۔ اور علّامہ قاسم نے اِسی اصول کے موافق فتویٰ دیا تھا جب اُنسے پوچھا گیا تھا کہ سلطان فرخ نے جو ایک جزر اراضی خراجی کا مسجد کے لیے وقف کردیا ہے تو آیا ایسا وقف جائز ہے۔ اور اُنکا یہ بھی قول ہے کہ دوسرا سلطان آیندہ اُس وقف کو منسوخ کرسکتا ہے۔''

پس یہ اصول قرار پایا کہ اگر سلطان کوئی وقف کسی کارِ رفاہ عام کے لیے بیت المال سے کرے مثلاً کاروان سراے یا مدرسہ یا مسجد بنوائے تو ایسا وقف جائز ہے کیونکہ کسی قدر خراج ملک ایسے مقاصد کے لیے مخصوص کردینا شرعًا جائز ہے اور سلطان اِسکا مجاز ہے کہ اتنی زمین وقف کردے جتنی اُن مقاصد کے صرف کے لیے کافی ہو یا بعوض اِسکے کہ اُسکے مصارف سالانہ پیدا ہو اور بیت المال سے دلوادیا کرے۔ مگر سلطان اراضی خراجی

اپنی اولاد پر نہین وقف کرسکتا گو آخر کو وہ وقف غربا ہی کو دیا جائے لیکن سلطان ایسے مقصد سے وقف کرسکتا ہے جس سے عموماً مسلمین کو نفع پہونچے اسواسطے کہ بیت المال مسلمین کے عام فائدہ ہی کے لیے تو رکھا گیا ہے۔

ساتوان باب

موقوف علیہم یعنے جن لوگون پر وقف کیا جائے۔

فصل اول

وقف کرنا ہر شخص پر جائز ہے جو جائداد کا مالک ہونے کی قابلیت رکھتا ہو اور جو لوگ ہنوز پیدا نہ ہوے ہون انپر اور مستحقین پر بھی وقف کرنا جائز ہے۔

وقف اشخاص اور اشیاء ذیل پر ہوسکتا ہے۔

(۱) مسلمان یا کافر ذمی پر مگر حربی[1] پر نہین ہوسکتا جو دار الحرب کا باشندہ ہو۔

(۲) مرد اور عورت دونو پر ہوسکتا ہے۔

(۳) بالغ اور نابالغ دونو پر ہوسکتا ہے۔

(۴) وارث اور غیر وارث دونو پر ہوسکتا ہے۔

(۵) اقربا اور ہمسایون وغیرہ پر ہوسکتا ہے۔

---

[1] علماء نصاریٰ کی طرح فقہاے اسلام بھی ایسکے روادار نتھے کہ غیر مسلمین سے جو سلاطین اسلام کے تابع نہون انصاف طبیعی یعنی وہ انصاف کیا جائے جسکے مستحق سب بندگان خدا ہین۔ مگر فقہاے اسلام علماء نصاریٰ پر یہ شرف رکھتے تھے کہ فقہاے اسلام کے نزدیک سب مسلمان چاہے وہ کسی ملک اور کسی قوم کے ہون برابر تھے اور اُن حقوق کے مستحق تھے جو اسلام سے پیدا ہوتے ہین۔ عیسائیون کی طرح مسلمانون نے بھی دنیا کو دو ٹکڑون پر تقسیم کیا تھا یعنے دار الحرب اور دار الاسلام۔ مسلمان قومین دار الاسلام مین داخل سمجھی جاتی تھین اور کوئی مسلمان بادشاہ دوسرے مسلمان بادشاہ سے جنگ نہ کرسکتا تھا تاوقتیکہ پہلے اسکو ملحد اور خارج از دائرہ اسلام نہ قرار کر لیتا ہو۔ ۱۲ منہ۔

(۶) غیر دان پر ہو سکتا ہے۔

(۷) جملہ امور خیر کے لیے ہو سکتا ہے مثلاً مدارس و مساجد و مزار ائمہ و امام باڑہ و درگاہ و خانقاہ و قبور اولیا و مشائخ وغیرہ۔

(۸) مذہب حنفی مین واقف اپنے وقف سے پہلے خود منتفع ہو سکتا ہے[1]

جب وقف مین موقوف علیہم کی تعداد کی تعیین و تصریح نہ کر دیجائے مثلاً غربا پر وقف کیا جائے تو امام محمدؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اقل مراتب دس آدمیون کو کھانا کھلانا یا نفقہ دینا چاہیئے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سَو آدمیون کو۔ اور بعض علمار کا قول ہے کہ ۴۰ یا ۵۰ نفر کو۔ مگر فتوےٰ یہ ہے کہ موقوف علیہم کی تعداد مقرر کرنا حاکم شرع پر موقوف رکھا جائے کہ اُس وقف کے حالات کا لحاظ کما حقہٗ کرکے تعداد مقرر کر دے۔

وقف کی آمدنی پہلے مال وقفی کے قائم رکھنے مین صرف کرنی چاہیئے اور مرمت وغیرہ کے مصارف سے جو کچھ بچ رہے وہ اُس کام مین جو اُس سے متعلق ہو اور عہدہ دارون کی تنخواہ مین صرف کیا جائے۔ جب وقف طلبہ پر کیا جائے اور مال وقفی تھوڑا سا ہو تو صرف غریب و محتاج طالب علمون کی پرورش کیجائے۔ مگر لفظ طلبہ عموماً احتیاج پر دلالت کرتا ہے اور جب وقف عموماً طلبہ پر کیا جائے تو صرف غریب طلبہ پر منحصر رہے گا کیونکہ تقریباً سب طلبہ مفلس اور پریشان حال ہوتے ہین۔ علیٰ ہذا القیاس مسجد مین قرآن اور مدرسہ مین کتابین وقف کرنا غربا پر محدود ہوگا اِلّا اینکہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ یہ کتابین میسر نہین ہین۔ مگر خلاصہ و قنیہ مین لکھا ہے کہ کتابون کے وقف مین یا جو چیز طلبہ پر وقف کیجائے اُسمین غریب و امیر یکسان ہین۔ اور اُسی کتاب مین یہ اصول بھی لکھا ہے کہ ایسے اوقاف پر دو طرح سے نظر کرنی چاہیئے۔

اوّل یہ کہ امیر و غریب سب برابر ہون جیسے لنگر خانون اور مسافر خانون اور

---

[1] ردّ المختار صفحہ ۵۹۰ – ۱۲ سند

مقبرون اور تالابون وغیرہ مین سے جہان سب کو برابر فائدہ ہوتا ہے۔

"ان مقامات کے وقف سے جو فائدہ ہوتا ہے اُس مین امیر و غریب کا کچھ امتیاز نہین ہے اور وقفی کتابون مین بھی امیر و غریب طلبہ یکسان ہین کہ دونو کو بعض کتابین نہین ملتین اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وقف سے غرض سب کو فائدہ پہونچانا ہے یہ قول مشہور یہی معلوم ہوتا ہے۔

دُوم یہ کہ وقف فقط غربا کے لیے ہو۔

اگر کتابین کسی مقام خاص کے لیے وقف کیجائین تو اُسی مقام پر اُنکو استعمال کرنا چاہیئے اور وہان سے اُنکو اور کہین نہ لیجانے دینا چاہیئے۔ وقف کے استعمال سے جو امور متعلق ہون اُنمین واقف کے احکام کی پابندی کرنی چاہیئے بشرطیکہ وہ احکام مشروع ہون۔ علما کے نزدیک وہ شرائط جو واقف مقرر کرے بمنزلہ اُن شرائط کے ہین جنکو شارع نے مقرر کیا ہے۔ مگر یہ شرط تقیید کی پابندی جب ہو سکتی ہے جبکہ یہ تقیید ثابت کر دیا جائے کہ واقف نے یہ شرط عمدًا اور حقیقتًہ مقرر کی ہے۔

لگان اور منافع جائداد وقفی کا پہلے اُسکی مرمت مین اور اُسکے قائم رکھنے مین اور متولی کی تنخواہ مین صرف کیا جائے جیسا سابق مین بیان کیا گیا۔ اگر جائداد وقفی پر کچھ قرضہ ہو تو متولی کو چاہیئے کہ اُسکو ٹھیکہ پر دیکر یا اور کسی معقول طریقہ سے اُس قرضہ کو ادا کرے۔

"جب وقف چند اشخاص پر کیا گیا ہو تو مکان وقفی کی توسیع بے اُنکی اجازت کے نہین ہو سکتی ہے یعنی موقوف علیہم اسکے مستحق ہین کہ پہلے اُن سے استصواب کر لیا جائے تب مال وقفی مین ایسا تغیر و تبدل کیا جائے جسمین صرف کثیر کرنا پڑے۔ مگر یہ فقط اُس صورت مین ہے جبکہ وقف اُنھین پر کیا گیا ہو۔ مگر جب وقف امور مذہبی کے لیے کیا گیا ہو اور اُن امور کی تصریح نہ کر دی گئی ہو تو اُس وقف کو قائم رکھنے مین جو خرچ ہو اُسکو کسی مستحق منافع سے وضع کرنے کے بعد جو کچھ باقی رہے وہ ایسے مقامون

لگایا جائے جو اُس وقف کے مقصد اصلی کے مشابہ ہون یعنی مکان وقفی کو تعمیر کرنے اور مرمت وغیرہ کرنے سے جو کچھ بچے وہ اُن مقاصد مین صرف کیا جائے جو اُس وقف کے مقصد اصلی سے مشابہت تامہ رکھتے ہون اور جو اُسکو بطرز مناسب بجا لانے کے لیے لازم ہون[۱] مثلاً اگر مدرسہ کے لیے کچھ وقف کیا جائے اور کچھ اور نہ کہا جائے تو مکان مدرسہ کی مرمت وغیرہ مین جو کچھ خرچ ہو اُسکو جائداد وقفی کے لگان اور منافع سے وضع کرکے جو کچھ باقی رہے وہ مدرسین کی تنخواہ مین دیا جائے ۔ اسی طرح سے جب مسجد پر وقف کیا جائے تو مابقی خدام مسجد کی تنخواہ وغیرہ مین اور جو اشیا نماز کے لیے ضروری ہون اُنکو مہیا کرنے مین صرف کیا جائیگا گو واقف نے اُنکی تصریح نہ کی ہو ”وقف کا ابتدائی مقصد یہ ہے کہ جس غرض سے وقف کیا گیا ہے وہ قائم رہے ۔ مثلاً اگر وقف مسجد پر کیا گیا ہے اور جو تنخواہ پیش نماز کی قرار دی گئی ہے اُتنی تنخواہ پر پیش نماز نہ ملے تو جو حکم اِس باب مین واقف نے دیا ہے اُسکو بالاے طاق رکھکر اُس مقصد کے لیے ایک رقم کافی مقرر کر دیجا[ئیگی]“ جب مسجد ایک مرتبہ وقف کر دی گئی ہو تو چاہیے کہ وہ بیکار نہ پڑی رہنے پائے ۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ پہلے تو وقف کی آمدنی سے اُسکی مرمت وغیرہ کا خرچ

---

[۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۶۸ ”وقف کی آمدنی پہلے تو مرمت ضروری مین صرف کرنی چاہیے خواہ واقف نے یہ شرط کی ہو خواہ نہ کی ہو اور بعد اُسکے اگر اور کسی بات کی تصریح واقف نے نہ کی ہو تو اُن باتون مین صرف کیجائے جو اُس وقف کی غرض عام سے اقرب اور اُسکو الزم ہون ۔ مثلاً مسجد کے لیے ایک پیش نماز یا مدرسہ کے لیے ایک مدرس اعلیٰ رکھنا ۔ لیکن اگر اور کسی بات کی تصریح کر دی گئی ہو تو وقف کی مرمت کا خرچ نکال کر اُس بات مین صرف کیجائے“ ہدایہ مین بھی یہی لکھا ہے ”واجب ہے کہ وقف کی آمدنی پہلے اُسکی مرمت مین صرف کیجائے خواہ واقف نے یہ شرط کی ہو خواہ نہ کی ہو کیونکہ اُسکا ارادہ یہ تھا کہ اُس آمدنی کا ایک دائمی سرمایہ بنا یا جائے اور چونکہ مال وقف سے دائمی آمدنی نہین ہوسکتی تا وقتیکہ اُسکی ہمیشہ مرمت اور درستی نہ ہوتی رہے لہذا یہ اُسکی شرط ضروری ہوئی اور نیز اِس لیے کہ جو شخص نفع اُٹھاتا ہے اُسکو نقصان بھی اُسکا اُٹھانا پڑیگا ۔“ عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۱۴۴ و ۱۴۵

دیا جائے اور بعد اُسکے جو مقصد زیادہ تر اہم ہو وہ مقدم رکھا جائے لیکن اگر مصارف کی تصریح واقف نے کردی ہو تو یہ خیال رکھا جائے کہ واقف کے منشار کی تعمیل ہو مگر اُس وقف کی غرض اصلی نہ فوت ہونے پائے ۔

" وقف کی آمدنی صرف کرنے مین پہلے اُسکے برقرار رکھنے کی تدبیر کیجائے۔ اگر اُسکی کُل آمدنی مکانات یا اور کسی جائداد وقفی کی مرمت مین خرچ ہوجائے تو جبتک اُسکی مرمت نہ ہوجائے اُسوقت تک امام یا مؤذن کی تنخواہ بھی نہ دیجائے۔ اِس عبارت سے ظاہر ہے کہ وقف کو قائم و برقرار رکھنا کیسا امر اہم و ضروری ہے۔ چونکہ وقف کی غرض اصلی یہ ہے کہ کوئی جائداد امور مذہبی یا کسی کار خیر مین ابدًا و دوامًا صرف کیجائے لہذا شرع مین تاکید ہے کہ متولی کو پہلے مکان وقفی کی مرمت کرنا فرض ہے اور اگر اُس مکان کا حال ایسا سقیم ہو کہ اُسکے انہدام کا اندیشہ ہو تو اُسکی آمدنی پہلے اُسکی مرمت وغیرہ مین خرچ کرنی چاہئیے " اگر مصارف مرمت سے کچھ باقی رہے تو وہ اُن لوگون کو دیا جائے جنکا برطرف ہونا اُس وقف کو مضر ہوگا ۔ اور جب یہ بھی ہو چکے تو اور امور متعلقہ وقف کا انصرام بلحاظ اُنکے مقدار ضرورت کے کیا جائے ۔ جن لوگون کے برطرف ہونے سے اُس وقف کو کچھ ضرر نہ پہونچیگا اُنکو کچھ تنخواہ نہ دیجائے تاوقتیکہ مرمت ضروری نہ ہوجائے ۔ مگر جبکہ وہ لوگ اُس وقف کے ملازم ہین اور کام کرتے ہین تو اُنکی مزدوری دینی چاہئیے اگرچہ اُتنی اُجرت دینی ضرور نہین ہے جتنی وقف نامہ مین لکھی ہے " اِس سے یہ مراد ہے کہ جب وقف کی آمدنی اِتنی نہ ہو کہ مرمت کا خرچ بھی دیا جائے اور ملازمین وقف کا مواجب بھی ادا کیا جائے وقف کے مبہم و مشکوک ہونے سے اُسکی غرض اصلی نہین فوت ہوسکتی ۔ بلکہ ایسی صورت مین شرعًا یہ تاویل کیجائیگی کہ یہ وقف اُن مقاصد کے لیے کیا گیا ہے جو اُسکی غرض اور منشار اصلی سے قریب تر ہین اور جب وہ غرض و منشار بھی نہ بیان کیا گیا ہو تو وہ غربا و مساکین کے مصرف مین لایا جائیگا ۔ جب واقف نے صاف صاف کچھ ہدایت نہ کی ہو

توحاکم وقت خود یا متولیان و وظیفہ خواران وقف سے استصواب کرکے اُسکے انتظام کی تدبیر کرسکتا ہے۔ پس جو اصول وقف بمقدمہ[1] مورس بنام بشپ آف ڈرہم مقرر کیا گیا ہے اور جسکو بعض اوقات اوقاف شرعی مین جاری کرنا چاہا ہے وہ اوقاف مین از روے شرع محمدی نہین جاری ہو سکتا۔ اسواسطے کہ مسئلۂ ابہام واشتباہ کی بہت توسیع شرع محمدی مین کی گئی ہے یعنی اگر وقف کا مقصد اصلی مبہم و مشتبہ ہو یا فوت ہو جائے تو توکسی حالت مین نفس وقف نہ فوت ہوگا۔

ہر وقف کے مستحق آخر الامر غربا ہی شرعًا قرار پائینگے یہانتک کہ اُس وقف کے مستحق بھی آخر کو غربا ہی ہو جائینگے جو کسی شخص نے اپنی عیال و اطفال پر کیا ہو۔ پس جب وقف کی غرض اصلی فوت ہو جائے تو اُسکے فوت ہو جانے سے وقف باطل نہین ہو جاتا بلکہ اُسکا مقصود آخری او رجلد[2] بر آتا ہے۔

پھر ملاحظہ کیجیے کہ جب کسی بنا ء مذہبی یا کسی کار خیر کے لیے وقف کیا گیا ہو اور وہ بنا یا وہ کام بمرور دہور زائل یا فوت ہو جائے تو مال وقفی واقف اور اُسکے ورثہ پر نہ عود کریگا بلکہ اور کسی بناء مذہبی یا کار خیر مین صرف کیا جائے گا جو اُس سے مشابہت رکھتا ہو جو فوت ہوگیا ہے یا اور کسی کام مین صرف کیا جائیگا جس سے بندگان خدا کو فائدہ ہو۔

جب وقف نامہ مین یہ لکھا ہو کہ مصارف مرمت اور مصارف ابقار وقف سے جو کچھ فاضل رہے وہ مستحقین پر تقسیم کر دیا جائے تو بھی متولی کو لازم ہے کہ وقف کی آمدنی سے ہر سال ایک رقم مصارف مرمت کے لیے وضع کر لیا کرے گو سردست مرمت کی

---

[1] وزیری صاحب کی لارپورٹ انگلستان جلد ۱ صفحہ ۳۹۹ - ۱۲ منہ [2] جس اصول پر یہ مسئلہ مبنی ہے اسکو ویسٹ صاحب جسٹس نے بمقدمۂ فاطمہ بی بی بنام ایڈووکیٹ جنرل (انڈین لارپورٹ سلسلہ بمبئی جلد ۶ صفحہ ۴۲) مین مفصل بیان کر دیا ہے جسکا حوالہ سابق مین دیا گیا ۱۲ منہ

ضرورت نہو تا کہ اُس سے ایک سرمایہ ہو جائے کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ضرورت دفعتہً ایسی آپڑتی ہے کہ وقت پر کچھ بھی آمدنی نہین رہتی ہے وہ اگر کوئی مکان کسی شخص پر وقف کیا جائے تو وہ اُسکی آمدنی لینے کا مستحق ہے اُسمین رہنے کا مستحق نہین ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کی سکونت کے لیے کوئی مکان وقف کیا گیا ہو تو اُسمین صرف رہ سکتا ہے اُسکی آمدنی نہین لے سکتا۔ اس مسئلہ کی صحت مین کلام کیا گیا ہے بہرکیف قاضی کو اختیار ہے کہ جو فعل اُس وقف کے حق مین مفید ہو اُسکی اجازت دیدے۔ اِن مسائل سے یہ اصول مستنبط ہو سکتا ہے کہ موقوف علیہم خود اپنی راے سے کسی حال مین وقف کی نوعیت کو نہین بدل سکتے۔

اگر وقف سے کچھ بھی آمدنی نہو اور جائداد وقفی برباد ہوتی جاتی ہو تو قاضی متولی کو اجازت دے سکتا ہے کہ چند روز تک اُس مکان یا اُسکے کسی حصہ کو کرایہ پر دیکر اُسکی آمدنی سے مرمت ضروری کردے۔ جب زمین وقفی سے اتنی آمدنی نہ ہو کہ اُسکے قائم رکھنے کے لیے کافی ہو یا جب مال وقف برباد ہوتا جاتا ہو اور اُسکے فنا ہو جانے کا ظن غالب ہو اور اُسکی آمدنی مصارف مرمت کے لیے کافی نہ ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ یہ حکم صادر کرے کہ اِسکو فروخت کرکے اور کوئی جائداد خرید لیجائے اور اُس وقف مین شامل کردیجائے۔

یہ قول امام ابو یوسف کا ہے اور جبتک ممکن ہو اسپر عمل کیا جائے۔ اگر مال وقف کو فروخت کرنا یا محاصل بیع کو مستحقین اور غربار کے مصرف مین لانا غیر ممکن ہو تو اس صورت مین امام محمد کے قول پر عمل کیا جائے کہ جب وقف کا مقصد فوت ہو جائے تو مال وقف واقف کے ورثہ پر عود کریگا۔

فصل دوم

وقف مساجد پر۔

وقف جائز کا اثر یہ ہوتا ہے کہ واقف کا حق ملکیت مال موقوف مین زائل ہو جاتا ہے اور موقوف علیہم کو بھی نہین حاصل ہوتا۔ لہذا مال وقفی قابل وراثت اور لائق انتقال نہین ہے۔

جب کوئی شخص کسی مکان یا کسی مقام کو مسجد یا مُصلّے کے مقاصد کے لیے وقف کردے جب وہان پر نماز پڑھی جائیگی تو واقف کا حق ملکیت زائل ہو جائے گا۔ اِسپر سب علمار کا اتفاق ہے۔ مگر امام ابو یوسف کے نزدیک واقف کا حق ملکیت جب بھی زائل ہو جائیگا جبکہ وہ یہ کہدے کہ "یہ مکان یا یہ جگہ مسجد یا مُصلّے کے لیے وقف کی گئی"۔ کتاب ملتقی مین لکھا ہے کہ نماز پڑھنا بمنزلہ وقف کر دینے کے ہے۔ مگر ذخیرہ مین لکھا ہے کہ اِس نماز کو چاہیئے کہ نماز جماعت[1] ہو جو باتفاق علما بمنزلہ اقباض سمجھی جائیگی پس جب کوئی شخص اِس نیت سے مکان بنوائے کہ اُسکو مسجد کے لیے وقف کرے گا اور اُسمین لوگون کو نماز پڑھنے دے اور وہان نماز جماعت پڑھائی جائے تو وہ مسجد ایسی وقف ہو جائیگی کہ پھر وہ وقف منسوخ نہ ہوسکے گا۔

جب مکان کے اندر مسجد بنوائی جائے یا کوئی مقام مسجد قرار دیا جائے اور لوگون کو اجازت دیجائے کہ وہان جاکر نماز پڑھا کرین اور اُنکی آمد و رفت کے لیے ایک راستہ بھی مقرر کر دیا جائے تو اِسپر سب کا اتفاق ہے کہ وہ وقف جائز و صالح ہو گا۔ لیکن اگر کوئی راستہ نہ مقرر کر دیا گیا ہو تو اس صورت مین امام اعظم کے نزدیک وہ وقف کافی نہین ہے مگر امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک وہ وقف کافی ہے اور نماز کی اجازت دینے سے وہان جانے کا راستہ بھی سمجھ لیا جائیگا۔

پس اگر کوئی شخص اپنے مکان کے اندر مسجد بنوائے تو وہ مسجد وقف عام نہوگی اور اُسمین مسجد عام کے احکام نہ جاری ہونگے تاوقتیکہ خاص و عام کو اُسمین آکر نماز

---

[1] ردالمحتار صفحہ ۱۷۵۔ ۲ ۱۲ منہ

پڑھنے کی اجازت نہ دیدی جائے۔ ایسی اجازت کی تصریح کردینا کچھ ضرور نہیں ہے مگر تاوقتیکہ اذن صریحًا یا ضمنًا نہ دیا جائے جو مسجد کسی مکان کے اندر بنائی گئی ہو وہ ایسی وقف عام نہ ہوگی کہ لوگ اُس مسجد کو یا اُسکے کسی جزو کو اپنے استعمال مین لانے کا دعویٰ کرسکین۔ مگر ساتھ ہی اسکے یہ بھی ہے کہ خانگی مسجد کا وقف اگر دیگر اعتبارات سے بھی جائز ہو تو وہ وقف صحیح ہوگا اور ورثہ کا حق اُسمین کچھ نہ باقی رہیگا۔ جہان ایک مرتبہ بھی نماز پڑھی گئی ہو تو پھر یہ ثابت کرنا کچھ ضرور نہیں ہے کہ وہ مقام بالتصریح وقف کیا گیا تھا۔ بلکہ صرف یہ امر کہ وہان نماز پڑھی گئی وقف جائز و صالح پر دلالت کریگا۔

امام ابو یوسف کے نزدیک صرف واقف کا قول یعنی اُسکا اتنا کہدینا کہ یہ زمین وقف کی گئی کافی ہے۔ مثلًا اگر وہ یہ کہدے کہ فلان مکان مسجد قرار دی گئی تو یہ وقف صحیح ہوگا گو وہان نماز نہ پڑھی گئی ہو۔ قول مشہور یہی ہے جیسا کہ درّ المنتقی اور درّ المختار اور وقایہ اور اور کتب معتبرہ مین لکھا ہے۔

جب کوئی مسجد نماز پڑھنے کو وقف کیجائے تو بعض علما کا قول ہے کہ اُس نماز کو چاہیئے کہ اذان و اقامت کے ساتھ پڑھی جائے۔ اس شرط کی وجہ یہ لکھی ہے کہ وہ چونکہ وقف مین اقباض شرط ہے گو امام ابو یوسف کا قول اسکے خلاف ہے لہذا ہر وقف مین قبضہ کی نوعیت اُس شئے خاص کی نوعیت پر موقوف ہے۔ مثلًا قبرستان کا قبضہ یہ ہے کہ ایک مردہ اُسمین دفن کردیا جائے اور حوض یا تالاب کا قبضہ یہ ہے کہ ایک شخص اُسمین پانی پیئے اور مسافرخانہ کا قبضہ یہ ہے کہ کوئی مسافر اُسمین اُترے۔ اسی طرح سے چونکہ مسجد سے یہ غرض ہوتی ہے کہ اُسمین نماز جماعت پڑھائی جائے لہذا حکم شرع یہ ہے کہ جب وہ صراحتًہ وقف کی گئی ہو تو اُسمین نماز جماعت بہ اذان و اقامت پڑھائی گئی ہو۔ اور جب ایک ہی آدمی مؤذن اور امام دونون کا کام کرے تو اُس اکیلے کا

سلہ ردّ المختار صفحہ ۳ ۔ ۵ ۔ ۱۲ منہ

نماز پڑھنا کافی ہے۔

اگر ایک مرتبہ بھی مسجد مین نماز پڑھی گئی ہو تو اُسکے وقف صالح ہونے کو اتنا ہی کافی ہے لیکن اگر واقف اکیلا اُسمین نماز پڑھے تو یہ کافی نہو گا۔

قاضی خان کے نزدیک یہ وجب ایک شخص نے بھی اذان واقامت کے ساتھ مسجد مین نماز پڑھی ہو تو اُس مسجد کا وقف کامل ہو جائیگا۔ اور قول مشہور بھی یہی ہے کہ اگر مسجد مین ایک شخص بھی نماز پڑھ لے تو وہ مسجد وقف فی سبیل اللہ ہو جائیگی۔ کیونکہ مسجد خدا کا مال ہے اور اُسمین سب مسلمانون کا حق ہے اور ایک شخص بھی خدا کا اور اُسکے بندون کا حق وکالتًا ادا کر سکتا ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک کسی وقف کا جواز دیدینے پر نہین موقوف ہے خواہ مسجد ہو خواہ اور کوئی چیز وقف کی ہو۔ پس اگر کوئی شخص مسجد بنوا کر اُسمین لوگون کو نماز پڑھنے کی اجازت دے تو یہ وقف مطلق ہے اور اسی قول کو ہمنے اختیار کیا ہے۔

اگر کوئی مسجد متولی کو دیدیجائے مگر اُسمین نماز نہ پڑھی جائے تو بھی وہ وقف جائز ہوگا گو شمس الائمہ سرخسی کا قول اسکے خلاف ہے۔

جب کسی شخص نے کوئی حوض یا چشمہ یا قبرستان وقف کیا ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک وہ وقف منسوخ نہین ہو سکتا اور اُنھین کے قول پر ہمارا عمل ہے۔ قبرستان مین ایک مُردے کا دفن ہونا بھی اُسکے وقف کو کافی ہے۔ اسی طرح سے اگر مسافرخانہ مین ایک مسافر بھی اُترے تو اُسکا وقف پھر نہ منسوخ ہو سکیگا۔

اصول مصرحۂ بالا سے عمومًا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب وقف کا نفاذ اُس طریقہ سے کیا گیا ہو جس طریقہ سے اُسکو نافذ کرنا چاہیئے تو وہ وقف مکمل ہے اور قابل تنسیخ نہین ہے مثلاً مسجد سے خاص غرض یہ ہے کہ لوگ اُسمین نماز پڑھا کرین۔ اور قبرستان سے یہ غرض ہے کہ اُسمین مُردے دفن ہوا کرین۔ اور حوض یا تالاب سے یہ غرض ہے کہ لوگون

پانی ملے۔ پس امام ابو یوسف کے قول کے موافق جو مسلم الثبوت ہے یہ ہے کہ اگر وقف کا بالفاظ صریح ہونا شہادت سے نہ ثابت ہو تو بھی اگر یہ معلوم ہو جائے کہ واقف کے سوا ایک شخص نے بھی اس مسجد مین نماز پڑھی ہے یا ایک شخص بھی اس قبرستان مین دفن ہوا ہے یا ایک شخص نے بھی اس چشمہ سے پانی پیا ہے تو اُس وقف کو اُس مقصد خاص کے لیے مکمل تصور کر لینا چاہیئے۔ چونکہ وقف کا استعمال اسطرح کیا جائے وہ اُسکی غرض اصلی یا صریحی کے موافق ہے لہذا اُسکا ثبوت قطعی تصور کرنا چاہیئے۔

ایک شخص ایک قطعہ زمین پر لوگون کو نماز پڑھنے کی اجازت دے اور نماز کے وقت کی یا نمازیون کے تعداد کی کچھ قید نہ لگائے تو اُسکے مرنے کے بعد وہ زمین اُسکے متروکہ مین نہ داخل ہوگی۔ لیکن اگر وہ اجازت کسی خاص موقع پر یا کسی خاص میعاد تک محدود تھی تو وہ زمین بدستور قابل توریث باقی رہیگی اسواسطے کہ موقع یا وقت کی قید وقف مطلق کے قیاس کے منافی ہے۔

جس مقام پر نماز عیدین یا نماز جنازہ اکثر پڑھی جائے وہ بھی قاضی خان وغیرہ کے نزدیک مسجد کے حکم مین داخل ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "مین نے اپنا یہ کمرہ اس کام کے لیے مخصوص کر دیا ہے کہ فلان مسجد کے چراغ کا تیل اس سے پہونچایا جائے" اور اور کچھ نہ کہے تو فقیہ ابو جعفر کا قول یہ ہے کہ وہ کمرہ اُس مسجد پر وقف ہو جائیگا بشرطیکہ وہ متولی کے حوالہ کر دیا جائے اور اسی قول کے موافق فتوے ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی زمین مسجد پر وقف کر کے اُس مسجد کے متولی کے حوالہ کر دے تو یہ وقف جائز ہے اور قابل تنسیخ نہین ہے۔

اگر کوئی شخص مسجد بنانے کے لیے یا مسجد کے خرچ کے لیے روپیہ وقف کرے تو جائز ہے مگر بعد اقباض۔

اگر کوئی شخص اپنا مکان کسی مسجد پر یا مسلمانون پر صدقہ کرے تو جائز ہے اور فتوے یہی ہے۔

مساجد اور قبور کی مرمت کے لیے وقف کرنا جائز ہے کہ ایسا وقف دوام پر دال ہے۔

بادشاہ کوئی جزو اُس زمین کا جو مصالحہ یا عہد و پیمان سے حاصل ہوئی ہو اس لیے نہین دے سکتا کہ بلا اجازت مالکان زمین کے اُس زمین کی مسجد بنالیجائے مگر وہ کوئی جز اُس زمین کا دے سکتا ہے جو جہاد مین پائی ہو بشرطیکہ اس سے کسی شخص کے حقوق راہداری مین نہ خلل واقع ہو۔

اگر کوئی شخص مسجد بنوائے مگر اُسکا کوئی متولی نہ مقرر کرے تو تولیت خود اُس شخص کی باقی رہیگی۔ بعض علما کا یہی قول ہے۔

اہل محلہ کو اپنے صرف سے مسجد کی مرمت اور توسیع کرنا اور اُسکے لیے عمدہ اسباب مہیا کرنا جائز ہے۔ مگر اُس مسجد کے مال سے ایسا کرنا اُنکو نہین جائز ہے تاوقتیکہ اس امر کی اجازت قاضی سے نہ لیجائے۔ اگر اہلِ محلہ قاضی کی اجازت سے یا بغیر اُسکی اجازت کے اُس مسجد مین کوئی صلاح کرنا چاہین تو واقف کے ورثہ اعتراض نہین کرسکتے اِلّا اینکہ یہ امر واقف کی مرضی کے صریحًا خلاف ہو۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ زنانے مکانات مین کچھ کمرے نماز پڑھنے کے لیے یا محرم کی تعزیہ داری کے واسطے مخصوص کردیے جاتے ہین۔ ایسے کمرے وقف مین داخل نہین ہین اور مال وقف کے احکام اُنپر نہین جاری ہوسکتے گرچہ اُنکے مالکون نے اکثر یہ عذر کرکے اجراے ڈگری سے گریز کرنا چاہا ہے کہ یہ جائداد وقفی ہے اور مسجد یا امام باڑہ مین داخل ہے۔ لیکن اکثر صورتون مین خاص خاص مکانات رسوم مذہبی کے لیے مخصوص کردیے جاتے ہین جیسے کربلائی محمد کا امام باڑہ کلکتہ مین ہے اور اُنکا درواذہ اکثر زنانے مکان کے

دروازہ سے علیحدہ ہوتا ہے اور جملہ اعتبارات سے اُن شرائط کی تکمیل ہو جاتی ہے
جو علامۂ قہستانی نے قرار دیے ہین جنھون نے فرمایا ہے کہ جب مسجد زنانے مکان سے
یعنی اُس مکان سے جسمین واقف رہتا ہو ایسی وصل ہو کہ اُن دونون مین فصل کرنا ضروری
ہو جائے تو مکان وقفی کو صاف صاف بیان کر دینا چاہیئے۔ ایسے مکانات کا وقف
صحیح ہونے مین کچھ کلام نہین ہو سکتا۔ مگر شرع مین وقف کا اصول یہ ہے کہ زنانے مکان کے
ایک حصہ کو وقف کر دینا اور دوسرے حصہ مین واقف کا خود رہنا مکروہ ہے۔ مثلاً کسی
مکان کے اوپر کے یا نیچے کے درجہ کو بطور مسجد وقف کرنا نہین جائز ہے اِلّا اینکہ اُس مقام
خاص مین کثرت مکانات کی وجہ سے ایسی مسجدین بنانے کا دستور ہو گیا ہو۔ امام ابویوسف
اور امام محمد دونون صاحبون نے ایسے اوقاف کا بغداد اور رَے مین جائز ہونا اسوجہ سے تسلیم
کر لیا تھا کہ اُس زمانہ مین ان شہرون مین آبادی کی بڑی کثرت تھی۔ اس تقریر سے
یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ کسی شخص کا زنانے مکان کے ایک حصہ کو اپنی عیال کے نماز پڑھنے
کے لیے یا اور رسوم مذہبی کے واسطے چند روز کے لیے مسجد یا امام باڑہ وغیرہ بنا لینا شرعًا
ممنوع ہے کیونکہ حکم شرع یہ ہے کہ تا وقتیکہ بعض شرائط کی تعمیل نہو جائے ایسے مقامات مین
وقف کے احکام نہ جاری ہونگے بلکہ مالک کی ذاتی جائداد مین داخل سمجھے جائینگے۔
مگر جب کوئی سارا مکان مسجد یا امام باڑہ یا مدرسہ کے لیے وقف کر دیا گیا ہو اور اُسکا
ایک حصہ اُس وقف کے غرض خاص کے لیے استعمال بھی کیا گیا ہو اور مابقی مین اُس
مسجد یا امام باڑہ یا مدرسہ کے ملازمین و خدام رہتے ہون یا لوگون کو کرایہ پر دیکر اُسکی
آمدنی وقف مین شامل کیجاتی ہو تو ایسا وقف جائز ہے۔ جب اُس مکان کے ایک
حصہ مین خود واقف بحیثیت متولی رہتا ہو تو اِس امر کا تصفیہ اُس وقف کے حالات پر
موقوف ہو گا کہ آیا وہ وقف واقعی ہے یا صرف برائے نام کیا گیا تھا۔ اگر وہ وقف
واقعی ہے تو صرف اُس مکان کے ایک حصہ مین واقف کے بحیثیت متولی رہنے سے

وہ ناجائز نہ ہو جائیگا۔

ہدایہ مین لکھا ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک کسی مکان کے بیچ کے بڑے کمرے کو مسجد کے لیے وقف کرنا جائز ہے۔ مگر ردالمختار مین اس قول کی صحت مین کلام کیا ہے۔

جب کوئی مسجد شکست ہو گئی ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ اُسکو کسنے بنوایا تھا تو قاضی کی منظوری سے اہل محلہ اُسکے مصالح کو بیچکر اُسکی قیمت سے نئی مسجد بنوا سکتے ہین۔ مسجد مین کنوان کھد سکتا ہے بشرطیکہ اُس سے مسجد کا فائدہ مقصود ہو۔ مسجد کے کسی حصہ کو واقف اپنے اغراض ذاتی کے لیے کرایہ پر نہین دے سکتا ہے۔ جب مسجد جاتی رہے تو واقف اُسکو اور کسی مصرف مین نہین لا سکتا۔ مسجد سے کچھ منافع نہ لینا چاہیئے نہ اُسکو کرایہ پر دینا چاہیئے اور نہ اُسکو کسی شخص کی جائے سکونت بنانا چاہیئے۔

امام اعظم کے نزدیک اور امام ابو یوسف کے نزدیک بھی جو زمین ایک مرتبہ مسجد کے لیے وقف کر دی گئی ہو وہ ہمیشہ وقفی رہتی ہے گو وہ مسجد منہدم ہو جائے اور وہ زمین ویران پڑی رہے۔ اور اسی قول کے موافق فتویٰ ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ بھی ہے کہ قاضی سے اجازت لیکر اُس مسجد شکستہ یا اُس ویران جگہ کو بیچکر اُسکی قیمت سے اور کوئی مسجد اُس مسجد کہنہ کے قریب بنوا لیجائے یا جو اور کوئی مسجد اُسکے قریب بنی ہوئی ہو اُسکے مصرف مین لائی جائے۔

شرح ملتقی مین لکھا ہے کہ جب کسی وقف کا مقصد فوت ہو جائے تو جائز ہے کہ اُسکی آمدنی اُس بات مین صرف کیجائے جو اُس وقف کی جنس قریب ہو۔ مثلاً اگر وقف سے حوض بنانا مقصود تھا تو اُسکی آمدنی سے تالاب بن سکتا ہے یا نہر بن سکتی ہے اگر اُس سے مسجد بنانی مقصود تھی تو اُسکی آمدنی کسی اور مسجد مین یا صوم و صلواۃ وغیرہ مین صرف ہو سکتی ہے[1]۔

[1] امام محمد کے نزدیک یہ ہے کہ مسجد شکستہ واقف پر عود کر گئی اور قاضی خان نے لکھا ہے کہ ام

شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا ہے کہ جب کوئی حوض یا مسجد منہدم ہو جائے اور متروک ہو جائے تو قاضی حکم دیکر اُسکے مصالح کو ایک اور حوض یا مسجد مین صرف کرا سکتا ہے۔ اور مصنف ردّ المختار[1] لکھتے ہین کہ "اِس زمانہ مین امام الحلوانی کے اقوال اختیار کرنا ضرور ہے جنھون نے قاضی کو اجازت دی ہے کہ مسجد شکستہ کا مصالح اٹھوا کر دوسری مسجد مین جو متروک نہ ہو گئی ہو لگوا دے"

وقف کرنے کے وقت واقف یہ اختیار اپنے لیے رکھ سکتا ہے کہ موقوف علیہم کو یا اُنکے حق کو مال وقف مین جب چاہے بدل دے۔ مگر بعد از آن وہ ایسا نہین کر سکتا چنانچہ ردّ المختار مین لکھا ہے کہ "واقف وقف کے شرائط کو بدل دینے کا اختیار نہین رکھتا ہے اِلّا اینکہ اُسنے یہ اختیار خاصتہً اپنے لیے باقی رکھا ہو[2]۔ اگر اُسنے یہ اختیار اپنے لیے باقی رکھا ہو کہ موقوف علیہم مین کسی کو داخل کرے یا خارج کر دے یا متولی کو اُسکے عہدہ سے برخواست کرے تو اُسکو ایسا کرنا جائز ہوگا مگر وقف کی نوعیت یا حقیقت مین کچھ تغیر نہ ہو سکے گا۔ اِسی طرح سے متولی کو شرائط وقف نامہ سے تجاوز کرنا نہین جائز ہے۔ وقف نامہ مین یہ شرط درج کرنا جائز ہے کہ متولی کو ملازمین کی تنخواہ مین کمی و بیشی کرنی اور برطرفی و بحالی کا اختیار ہوگا۔ مگر ساتھ اِسکے اُس وقف کی مصلحت ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنی چاہیئے۔ قاضی خان فرماتے ہین کہ "اگر کوئی شخص بحالت صحت نفس کچھ زمین غربا پر وقف کرکے متولی کے سپرد کر دے اور اپنی وفات کے وقت

---

[1] کہ فتوی امام محمد کے قول کے موافق ہے۔ مگر بحر مین اِس اختلاف کو یون جمع کیا ہے "وہ مسجد متروک مین جو چیزین ہون وہ تو واقف کو ملینگی مگر وہ مسجد اور وہ زمین دوامًا وقف رہیگی۔ امام ابو یوسف کا یہ قول ہے کہ وہ مسجد اور زمین واقف کو یا اُسکے ورثہ کو نہین مل سکتی نہ اُنکی جائداد موروثی ہو سکتی ہے" ۱۲ منہ

[1] ردّ المختار صفحہ ۵۷۵ — ۱۲ منہ [2] مقدمہ ہدایت النسا بنام فضل حسین لاء رپورٹ سلسلہ الہ آباد جلد ۶ صفحہ ۳۴۰ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

اپنے وصی کو وصیت کرے کہ اس وقف کی آمدنی مین سے اسقدر فلان شخص کو دیا کرنا تو یہ جائز نہ ہوگا اسواسطے کہ وقف کرنے کے وقت وہ اُس آمدنی مین اپنے حق سے دست بردار ہوگیا تھا لیکن اگر اُسنے وقت کرنے کے وقت اُس آمدنی کو خرچ کرنے کی ہدایت کرنے کا اختیار اپنے لیے باقی رکھا ہو تو وہ ایسا کرسکتا ہے۔

جب واقف اپنے مال کو کسی کار خیر کے لیے وقف کرکے اپنے حق ملکیت کو متولی پر منتقل کردے تو اُسکو یہ اختیار نہین ہے کہ جب چاہے اُس حق کو متولی سے لیکر دوسرے شخص کو دیدے اِلّا اینکہ وقف کرنے کے وقت اُسنے ایسا اختیار بالفاظ صریح و واضح اپنے لیے باقی رکھا ہو۔

"جب دو وقف ایک ہی واقف نے کیے ہون اور ایک ہی مقصد سے کیے ہون مگر کسی آفت ارضی وسماوی کی وجہ سے ایک وقف کی آمدنی کم ہوجائے اور دوسرے وقف کی آمدنی مین سے مصارف ضروری دینے کے بعد کچھ بچ رہے تو قاضی یہ حکم دے سکتا ہے کہ پہلے وقف کے ملازمین کی تنخواہین دوسرے وقف کی آمدنی کی بچت سے دیدی جائین"۔ لیکن اگر اُن دونو وقفون کا مقصد مختلف ہو تو قاضی کو ایسا کرنے کا اختیار نہین ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایک مسجد پر دو وقف کرے۔ ایک وقف اُسکی عمارت کے لیے اور دوسرا امام اور مؤذن کے واسطے اور دوسرے وقف کی آمدنی کے کم ہوجانے کی وجہ سے امام اور مؤذن نوکر نہ رہ سکین تو حاکم کو جائز ہے کہ اُس محلے کے عائد سے مشورہ کرکے حکم صادر کرے کہ امام اور مؤذن کی تنخواہ پہلے وقف کی آمدنی سے دیدی جائے جو عمارت کے لیے کیا گیا تھا بشرطیکہ ایک ہی شخص نے دونو وقف کیے ہون۔ اگرچہ متولی اُن دونو وقفون کا مقرر کیا گیا ہو مگر وہ یہ اختیار نہین رکھتا ہے کہ ایک وقف کی آمدنی کی بچت مین سے دوسرے وقف کے ملازمین کی تنخواہ دیدے بلکہ اُسکو درخواست کرکے قاضی کی منظوری حاصل کرنی چاہیئے۔

جب کئی وقف ایک ہی مسجد پر کیے گئے ہون تو متولی اُن سب کی آمدنی کو اکھٹا رکھکر ایک ہی حساب سب کا رکھ سکتا ہے اور اگر اُس سے متعلق ایک دوکان مرمت طلب ہو تو اسمین کچھ قباحت نہین ہے کہ اُسی مسجد کی دوسری دوکان کی آمدنی سے اُس دوکان کی مرمت کرا دیجائے۔

اگر کوئی شخص مسجد بنانے کے لیے زمین وقف کرے تو پھر اُسکو بازیافت نہین کرسکتا نہ بیچ سکتا ہے نہ وہ زمین اُسکے ورثہ کو ورا نتاً مل سکتی ہے اِسواسطے کہ واقف کا حق اُس زمین سے بالکل جاتا رہا ہے اور وہ مال خدا ہو گیا ہے۔ اِسکی وجہ یہ ہے کہ سب چیزین درصل پروردگار عالم کی ہین۔ پس جب وہ شخص اُس زمین مین اپنے حق سے دست بردار ہو گیا تو وہ اپنے مالک حقیقی کو ملیگی اور اُسکا اختیار اُس زمین پر اُسی طرح جاتا رہیگا جس طرح آقا کا اختیار غلام کو آزاد کر دینے کے بعد اُسپر کچھ نہین باقی رہتا۔

فصل چہارم

اوقاف حوض یا نہر یا سراؤن وغیرہ کے لیے

امام ابو یوسف کے نزدیک ہر کار رفاہ عام کے لیے وقف واقف کے قول سے ہو سکتا ہے جیسا مسجد کے باب مین ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص مسلمانون کے لیے حوض یا نہر بنوائے یا مسافرون کے واسطے سرائے تعمیر کرے یا قبرستان کے لیے زمین دے یا کاروان سرائے بنوائے تو ان سب صورتون مین واقف کے قول سے وقف کامل ہو جاتا ہے اور اُسکا حق ملکیت اُس چیز مین بالکل زائل ہو جاتا ہے[۱] امام محمد کے نزدیک واقف کا حق اُسوقت جاتا رہتا ہے جبکہ لوگ اُس حوض یا نہر کو استعمال مین لائین

---

[۱] امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک واقف کا حق ملکیت جب زائل ہوتا ہے جبکہ قاضی حکم صادر کرے یا اگر وقف بطور وصیت کے ہو تو اُسوقت جبکہ واقف مرجائے ۱۲ منہ

یا اُس سرائے یا کاروان سرائے مین قیام کیا ہو یا اُس قبرستان مین مُردے دفن کیے ہون اور اگر ایک شخص نے بھی ایسا کیا ہو تو کافی ہے[1] کوئون اور تالابون کا بھی یہی حکم ہے اور اگر وہ کسی متولی کے سپرد کر دیے گئے ہون تو بھی وقف اسی طرح سے جائز ہوگا بسوط مین لکھا ہے کہ باتفاق علماء فتوے صاحبین کے قول کے موافق ہے۔ ہر شخص اُس کوئین یا اُس تالاب سے پانی پی سکتا ہے اور اپنے مواشی اور اونٹون کو پانی پلا سکتا ہے اور اور اُسکے پانی مین غسل اور وضو کر سکتا ہے۔ اِن سب رفاہ عام کی چیزون کے استعمال مین امیر و غریب کا کچھ امتیاز نہین ہے اور سب کو اُس سرائے یا کاروان سرائے مین اُترنا اور اُس حوض یا تالاب سے پانی پینا یا اُس قبرستان مین مُردے دفن کرنا جائز ہے۔ مگر آمدنی اُس مکان کی جو غازیون یعنے مجاہدین پر وقف کیا گیا ہو صرف وہ غازی یا مجاہد لے سکتے ہین جو محتاج ہون۔ جب کوئی مکان حجاج اور زائرین پر وقف کیا گیا ہو تو راہگیر اُسمین نہین رہ سکتے اور جب حج و زیارت کی فصل تمام ہو جائے تو وہ مکان کرایہ پر دیا جائے اور اُسکے کرایہ سے اُسکی مرمت کیجائے اور جو کچھ بچت رہے وہ غربا پر تقسیم کر دیجائے۔

سڑک یا راستہ اِس طرح وقف ہو سکتا ہے کہ اُسکا مالک گواہون کے سامنے کہدے کہ مین نے اِسکو وقف کیا۔ مگر جن فقہاء کے نزدیک تفویض یا سپردگی تکمیل وقف کو لازم ہے اُنکا قول یہ ہے کہ اقل مراتب ایک آدمی اُس راستہ سے گذرے تاکہ اُس گذرنے والے کی شہادت ہو جائے۔ ہلال کے نزدیک یہی حکم پل مین بھی جاری ہوگا امام ابو یوسف کے نزدیک صرف واقف کا کہدینا یا ایک شخص کا وقفی چیز کو استعمال مین لانا ایسی چیزون مین ازالۂ حق ملکیت[2] کے لیے کافی ہے۔

دو جب کوئی مُردہ زمین وقفی مین دفن کیا گیا ہو خواہ اُسکو دفن ہوئے بہت عرصہ

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۵۵-۱۲ منہ [2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۵۶-۱۲ منہ

گذرا ہو خواہ کم مدت گذری ہو تو بغیر کسی عذر کے نبش قبر نہین ہو سکتا یعنی اُسکو قبر کھود کر نہین نکال سکتے ۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ زمین غصبی ہے یا کسی شخص کو اُسمین حق شفعہ حاصل ہے تو نبش قبر جائز ہے ۔

ایک عالم سے کسی نے پوچھا کہ جب کسی مسجد مین کوئی نماز جماعت پڑھنے والا نہ باقی رہا ہو اور وہ منہدم ہوتی جاتی ہو تو آیا اُسکو قبرستان بنا دینا جائز ہے ۔ اُنھون نے فرمایا نہین ۔ اور جب اُنسے ایک قبرستان کے باب مین پوچھا گیا کہ بالکل شکست ہو گیا ہے اور اب اُسمین مُردون کی ہڈیان بھی نہین باقی رہی ہین آیا اُس زمین مین غلہ بو کر اُسکی پیداوار لینا جائز ہے ۔ اُنھون نے فرمایا نہین وجہ یہ کیونکہ شرعًا تو وہ زمین ابتک قبرستان ہی کا حکم رکھتی ہے "

"اگر کوئی شخص اپنی زمین مین قبرستان یا سراے بنوائے اور اگر وہ زمین خراجی ہو تو اُسکا خراج نہ دینا پڑیگا ۔ اصح یہی ہے "

"جب کوئی عورت اپنی زمین کے ایک جزو مین قبرستان بنوائے اور اُسمین اپنے حق سے دست بردار ہو جائے اور اُسمین اپنے بیٹے کو دفن کیا ہو مگر وہ قطعہ زمین اِسوجہ سے قبرستان کے لائق نہ رہا ہو کہ اُسمین پانی بھر گیا ہو اور وہ عورت اُس زمین کو بیچ ڈالنا چاہے ۔ پس اگر وہ زمین ابتک اِس قابل ہو کہ لوگ اُسمین مُردے دفن کرنا چاہین تو وہ عورت اُسکو نہین بیچ سکتی لیکن اگر لوگ اُسمین مُردے دفن کرنا نہ منظور کرین تو وہ عورت اُسکو بیچ سکتی ہے "

اگر کوئی شخص کسی تکیہ مین اپنے لیے قبر کھدوائے تو آیا دوسرا شخص اُسمین مُردہ دفن کر سکتا ہے ۔ اگر اُس قبرستان مین جگہ وافر ہو تو اُس شخص کو اُس قبر مین مداخلت نہ کرنی چاہیئے ۔ لیکن اگر وہان اور جگہ نہو تو وہ اپنا مُردہ اُسی قبر مین دفن کر سکتا ہے یہ صورت بعینہ ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنا مصلے مسجد مین بچھا چکا ہو یا کسی کاروان سرا مین

اتر چکا ہو کہ دوسرا شخص آجائے۔ پس اگر وہاں جگہ وافر ہو تو وہ دوسرے کو کیون تکلیف دے[۵۰]

آٹھواں باب

فصل اوّل

متوّلی کا تقرر اور اُسکے اختیارات

واقف کو اپنی تولیت رکھنا جائز ہے۔ اور جب واقف نے مال وقفی کے انتظام کے لیے کوئی متوّلی نہ مقرر کیا ہو نہ اُسکی تولیت صاف صاف اپنے اختیار مین رکھی ہو تو تولیت واقف ہی کو ملیگی[۵۱]۔ اُسکو اپنی زندگی بھر اختیار رہے کہ جب چاہے متوّلی مقرر کردے اگر وہ مرجائے اور کسی کو متوّلی نہ مقرر کرجائے تو اُسکے وصی کو متولی مقرر کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور اگر اُسکا وصی نہ ہو تو متولی مقرر کرنے کا اختیار قاضی کو ہوگا۔

متوّلی بد انتظامی یا بددیانتی کی علت مین موقوف ہوسکتا ہے بشرطیکہ یہ ثابت کردیا جائے[۵۲]۔ محض اتہام اُسکی موقوفی کے لیے کافی نہین ہے۔ اگر متولی پاس سرمایہ وقف ہو اور وہ مکان وقفی کی مرمت مین غفلت کرے اور اُسکو بے مرمت پڑا رہنے دے تو یہ بمنزلہ خیانت کے ہوگا کیونکہ اگر وہ عمدًا اور قصدًا مال وقف کو نقصان پہونچائے یا تلف ہوجانے دے یا اُس مال مین کوئی بدمعاملگی کرے، تو اُسکو موقوف کردینا واجب[۵۳] ہے۔

اگر کوئی متولی مکان وقفی مین سکونت اختیار کرے اور ایسا مضمون وقف نامہ[۵۴] نہ لکھا ہو یا بغیر قاضی کے حکم کے اُسمین بود و باش اختیار کرے تو یہ فعل اُسکا ناجائز

---

۵۱ مقدمہ ایڈووکیٹ جنرل بنام فاطمہ سلطانی بیگم۔ لا رپورٹ بمبئی جلد ۹ صفحہ ۱۹ ملاحظہ ہو ۱۲۰ اسنہ

۵۲ مقدمہ محمد صادق بنام محمد علی۔ سلکٹ رپورٹ جلد ا صفحہ ۱۷۰۔ اور مقدمہ ہدایت النساء بنام سید فضل حسین ۔ لا رپورٹ الٰہ آباد جلد ۲ صفحہ ۲۰ ۲۴ ۔ ۱۲ امیسنہ

۵۳ مقدمہ سید امداد حسین بنام محمد علی خان۔ ویکلی رپورٹر جلد ۲۳ صفحہ ۱۵۰ ۔ ۱۲ امیسنہ

اور مداخلت بیجا سمجھا جائیگا۔

اگر واقف خود ہی متولی کا عہدہ رکھتا ہو اور مداخلت بیجا یا خیانت کرے تو وہ بھی موقوف ہوسکتا ہے خواہ اس مضمون کی شرط وقف نامہ مین لکھی ہو خواہ نہ لکھی ہو۔ وقف کے فرائض کو ادا کرنے کے قابل نہ ہونا بھی عہدۂ متولی سے موقوفی کا باعث ہوسکتا ہے۔

جو شخص امین اور معتبر ہو اور عہدۂ متولی کے فرائض ادا کرنے کی لیاقت رکھتا ہے وہ متولی مقرر ہوسکتا ہے "اس اعتبار سے مرد اور عورت یکسان ہین" یعنی عورت بھی مرد کی طرح متولی مقرر ہوسکتی ہے۔ اختلاف مذہب مانع تولیت نہین ہے کسی شخص کا شیعہ مذہب ہونا اُس وقف کے متولی ہونے سے نہین مانع ہوسکتا جو کسی سُنّی نے کیا ہو۔ جبتک کوئی شخص فرائض تولیت کو خود یا بذریعہ کسی نائب یا کارندہ کے ادا کرسکے وہ عہدہ تولیت رکھنے کی لیاقت رکھتا ہے خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت۔

مگر جب متولی کو اُس وقف مین رسوم مذہبی ادا کرنے پڑین تو اس صورت مین عورت متولی نہین مقرر ہوسکتی۔ مثلاً اگر متولی امام جماعت یا داروغہ امام باڑہ ہو اور اس حیثیت سے اُسکو نماز یومیہ یا جمعہ وغیرہ پڑھانی پڑے یا رسوم عزاداری محرم وغیرہ مین اہتمام کرنا پڑے تو عورت ایسے ہنگام مین اپنی نسائیت کی وجہ سے متولی نہین ہوسکتی۔ یا متولی سجادہ نشین ہو تو بھی عورت متولی نہین ہوسکتی کہ وہ سجادہ نشین نہین ہوسکتی۔ علیٰ ہٰذا القیاس اگر وقف اس قسم کا ہو کہ کسی خاص فرقہ یا کسی خاص مذہب کے رسوم اُسمین ادا کرنے پڑین تو دوسرے فرقہ یا مذہب کا آدمی عموماً اُسکا

سلہ مقدمہ دیال چند ملک بنام سید کرامت علی۔ ویکلی رپورٹر جلد ۱۶ صفحہ ۱۱۶۔ جو شخص کسی گناہ صغیرہ یا خفیف جرم کا مرتکب ہو جیسے کسی کو بدنام کرنا یا گالی گلوچ کرنا وہ متولی ہونے کے نا قابل نہین سمجھا گیا ہے ۱۲۔ منہ ٥٢ سلکٹ رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۲۲۔ ۱۲ منہ۔

متولی نہ مقرر کیا جائے گا۔

جب متولی خیانت کی علت میں اپنے عہدہ کے قابل نہ باقی رہے تو اسکو موقوف کر دینا چاہیئے مگر محض مداخلت بیجا کی علت میں وہ اپنے عہدہ سے برخواست نہیں ہوسکتا پس جبتک وہ برطرف نہ کیا جائے اسوقت تک جو کام اسنے کیے ہوں بشرطیکہ مشروع و مباح ہوں وہ جائز سمجھے جائینگے تا وقتیکہ شرعی کارروائی سے منسوخ نہ کیے جائیں۔

متولی کو (۱) بالغ اور (۲) عاقل ہونا چاہیئے۔ پس اگر کوئی نابالغ متولی یا وصی مقرر کیا جائے تو اصول قیاس کے بموجب تو اسکا تقرر ناجائز سمجھا جائیگا مگر شرعاً اسکا تقرر اسکے بلوغ کے زمانہ تک معطل رہیگا۔ جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جائے گا تب تولیت اسکے سپرد کیجائیگی۔[۱]

دو اگر متولی[۲] یا وصی غلام ہو تو قیاساً اور شرعاً دونو طرح سے اسکا تقرر جائز ہے کیونکہ متولی یا وصی کے فرائض بجالانے کی قابلیت تو اسمیں موجود ہے۔ اسی طرح سے ذمی یا غیر مسلم جو بادشاہ اسلام کی رعیت ہو متولی مقرر ہوسکتا ہے۔ مگر قاضی ایسے متولی کو اس وجہ سے موقوف کرسکتا ہے کہ اسکی حیثیت کا مقتضی یہی ہے کہ فرائض تولیت کو بخوبی نہیں ادا کرسکتا۔

متولی نابالغ اگر اکیلا متولی ہو تو کسی کو اپنا نائب نہیں مقرر کرسکتا۔ اگر کوئی نابالغ متولی مقرر کیا گیا ہو اور اسکے ساتھ کوئی بالغ شریک تولیت نہ کیا گیا ہو تو قاضی کسی شخص کو مقرر کردے کہ وہ کام کیا کرے تا وقتیکہ وہ متولی سن بلوغ کو پہونچے۔ اگر نابالغ کے ساتھ کوئی بالغ شریک تولیت ہو تو قاضی کسی شخص کو اس نابالغ کی طرف سے مقرر کرسکتا ہے کہ دوسرے متولی کی مشارکت سے کام کرے یا اسی بالغ متولی کو حکم دے کہ اس نابالغ کی طرف سے بھی کام کیا کرے۔

اگر واقف نے یہ شرط کرلی ہو کہ متولی کو موقوف کرنے کا اختیار کسی کو نہ ہوگا تو بھی

---

[۱] ردالمحتار صفحہ ۵۰۴ - ۱۲ منہ [۲] ردالمحتار صفحہ ۵۵۵ - ۱۲ منہ

قاضی خیانت کی علت مین اُسکو موقوف کرسکتا ہے - جب کسی شخص نے وقف نامہ مین متولی مقرر کردیا ہو تو قاضی اُسکو برخاست نہین کرسکتا تاوقتیکہ بددیانتی یا خیانت کا جرم اُسپر ثابت نہ کردیا جائے[1] -

جامع الفصولین مین لکھا ہے کہ "جب متولی کو واقف نے یا حاکم شرع نے مقرر کیا ہو تو وہ بلا وجہ نہین موقوف ہوسکتا تاوقتیکہ صریحی مداخلت بیجا یا خیانت یا اور کوئی ایساہی سبب نہ ثابت کردیا جائے " ایساہی سبب مین اُسکا فرائض تولیت ادا کرنے کے قابل نہ ہونا یا فاسق وفاجر ہونا بھی داخل ہے -

اگر واقف[2] کے اقربا اور ہمسایون مین سے کوئی شخص کار تولیت بلا اجرت انجام دینے پر راضی نہ ہو اور غیر آدمی اُس کام کو بلا اجرت کرنے پر راضی ہو جائے تو اُسکو مقرر کرنا قاضی کی رائے پر موقوف ہے اور قاضی یہ سمجھے کہ کس کو متولی مقرر کرنا اولیٰ ہے

جو لوگ وقف سے وظائف پاتے ہون اُنکے وظیفہ نہ بند کیے جائین تاوقتیکہ اُنپر کوئی ایسا جرم نہ ثابت کردیا جائے جسکی سزا موقوفی وظیفہ ہے -

جو طالب علم تین مہینہ سے غیر حاضر ہو صرف غیر حاضری کی وجہ سے اُسکا حجرہ نہ چھین لیا جائے نہ اُسکا وظیفہ موقوف کیا جائے -

"کتاب اشباہ مین لکھا ہے کہ اگر خود پادشاہ ایسے شخص کو مدرس مقرر کرے جو لائق نہ ہو تو وہ موقوف ہوسکتا ہے اِس واسطے کہ سلطان کا فعل بھی نامعقول یا نامناسب نہ ہونا چاہیئے - اور بزازیہ مین لکھا ہے کہ جب پادشاہ کسی نالائق آدمی کو مقرر کرے تو وہ دو گناہون کا مرتکب ہوگا - اول تو نالائق آدمی مقرر کرنے سے وہ لائق آدمی کی حق تلفی کریگا دوسرے یہ کہ جو شخص اُس عہدہ کے لائق نہ تھا اُسکو مقرر کرکے وہ خلق اللہ سے ناانصافی کرے گا -

---

[1] ردالمختار صفحہ ۵۹۶ - ۱۲ منہ [2] ردالمختار صفحہ ۵۵۵ - ۱۲ منہ

متولی منصب تولیت کو خود نہین ترک کرسکتا بلکہ اُسکو قاضی کی منظوری سے اپنے عہدہ سے استعفا دینا چاہیئے۔ بعض علمار کا قول ہے کہ متولی استعفا دیکر دوسرے کو اپنے عہدہ پر مقرر کرسکتا ہے۔ مگر انھین علمار کا یہ بھی قول ہے کہ یہ دوسرا شخص متولی نہ ہوجائیگا تاوقتیکہ قاضی اُسکے تقرر کو نہ منظور کرے اور قاضی کو یہ واجب نہین ہے کہ اُسی کو متولی مقرر کرے کتاب بحر الرائق مین یہ قول استناداً لکھا ہے کہ متولی دوسرے شخص کو اپنے عہدہ پر نہین مقرر کرسکتا تاوقتیکہ وہ مرض الموت مین مبتلا ہوکر صاحب[1] فراش نہ ہوگیا ہو۔

جب کوئی شخص ایک مرتبہ جائز طور سے متولی مقرر ہوچکا ہو تو جبتک وہ اپنے عہدہ پر رہے دوسرا متولی نہین مقرر ہوسکتا۔

اگر کوئی متولی کسی شخص سے کچھ روپیہ بطور معاوضہ کے لیکر اپنا عہدہ اُسکو دیدے اور اُس دوسرے شخص کو قاضی نے نہ مقرر کیا ہو تو متولی اُس شخص پر اُس روپیہ کی نالش نہین کرسکتا ہے "اگرچہ وہ روپیہ دینا ناجائز تھا" چند علماء متاخرین نے ایسا روپیہ دینا جائز قرار دیا ہے مگر یہ فعل قول اصح کے خلاف اور نہایت مکروہ[2] ہے۔

فصل[3] دوم

متولی کا تقرر

معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ مین متولیان اوقاف اپنے فرائض منصبی کو اپنے عوضیون کے

---

[1] سلکٹ رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۷ ائیٔ متولی اپنی وفات کے وقت اپنا عہدہ دوسرے شخص کو اُسی طرح دے سکتا ہے جسطرح وصی مرتے وقت اپنا عہدہ دوسرے کو تفویض کرسکتا ہے۔ مگر جب واقف نے کوئی خاص جائداد متولی کو تفویض کی ہو تو وہ جائداد اُس شخص کے سپرد نہ ہوسکیگی جسکو متولی نے اپنا عہدہ دیا ہے۔ بلکہ یہ مقدمہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائیگا تاکہ وہ اُسی قسم کے عہدہ کی تنخواہ اُسکے لیے مقرر کرے الّا اینکہ جو متولی کی تنخواہ واقف نے خود مقرر کردی ہو۔ جبتک متولی زندہ اور صحیح وسالم رہے دوسرے شخص کو اپنا قائم مقام شرعاً نہین مقرر کرسکتا الّا اینکہ اُسکا تقرر اُس وقف مین عموماً داخل ہو" ملی صاحب کی شرح حنفی صفحہ ۴۰-۱۲ امنہ

[2] ردالمختار صفحہ ۵۹۸ - ۱۲ امنہ

ذریعہ سے بجا لاتے تھے۔ مشاہرہ معینہ متولی کا وہ خود وصول کرتے تھے اور اُس مین سے کچھ اپنے
عوضیون کو بھی دیدیتے تھے۔ اِس فعل کے جواز مین متقدمین علماء اسلام نے بہت کلام کیا ہے
مگر متاخرین نے عموماً اتفاق کیا ہے کہ عوضی مقرر کرنا نہین جائز ہے تاوقتیکہ اسکی کوئی وجہ خاص
نہو۔ البتہ متولیہ یعنی عورت متولی اپنی نسائیت کی وجہ سے چونکہ سب فرائض تولیت کو
نہین بجا لاسکتی ہے لہذا کسی کو اپنا نائب مقرر کرسکتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جب "عذرات
شرعیہ" کی وجہ سے یعنی بیماری یا غیر حاضری کے باعث متولی چند روز کام کرنے سے معذور
ہوجائے تو اُسکا کام وہ شخص کرسکتا ہے جسکو خود اُسنے یا قاضی نے مقرر کیا ہو۔ جب ایسا
تقرر ہوجائے تو قائم مقام متولی کل تنخواہ یا اُسکا جز پانے کا مستحق ہے بموافق اُس اقرار کے
جو اُسمین اور متولی مین ہوگیا ہو۔ ابن شبلی نے اپنے فتاوے مین لکھا ہے کہ جب متولی
ضعف و نقاہت کی وجہ سے اپنے کام کی خود نگرانی کے قابل نہ رہا ہو تو وہ کسی کو اپنا
عوضی یا مددگار مقرر کرسکتا ہے مگر ذمہ داری اُسی سے متعلق رہیگی اور عوضی صرف متولی اپنے
اپنی تنخواہ[1] لیگا۔ مگر متولی اپنا عہدہ کسی کو تفویض یا منتقل نہین کرسکتا نہ دوسرے شخص کو
اپنی زندگی مین مقرر کرسکتا ہے تاوقتیکہ خود اُسکو عام اختیارات نہ دیے گئے ہون[2]۔

[3] متولی مقرر کرنے کا اختیار اولاً تو واقف کو حاصل ہے اور جب وہ نہو تو اُسکے
وصی کو حاصل ہے " اسواسطے کہ وصی واقف کا قائم مقام ہے " جو وصی فقط جائداد
وقفی کی نسبت مقرر کیا گیا ہو وہ عموماً وصی ہوگا گو اس مسئلہ مین امام ابو یوسف نے
ظاہرا اور علما سے اختلاف کیا ہے۔ ایک عالم کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے
متولی اور بعد اُسکے وصی مقرر کرے ایک ہی وقف کی نسبت ، تو وہ دو نو متولی
ہونگے اِلّا اینکہ اُنکے فرائض منصبی کی تعیین و تصریح کردی گئی ہو۔

---

[1] مقدمہ شاہ محی الدین احمد بنام آلہی خانم۔ ویکلی رپورٹر جلد ۶ صفحہ ۲۰۲ ۔ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ [2] رد المختار
صفحہ ۴۳۷ ۔ مقدمہ واحد علی بنام اشرف حسین ۔ لا رپورٹ کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۲۲۹ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

بمقدمہ[1] ایڈووکیٹ جنرل بنام فاطمہ بیگم یہ تجویز ہوا تھا کہ از روے شرع محمدی واقف کو اختیار ہے کہ خود متولی وقف کا ہو یا کسی شخص کو متولی مقرر کر دے۔ مگر جب واقف نے تصریح کر دی کہ فلان فرقہ سے متولی منتخب کر لیا جائے تو وہ اپنے وقف نامہ کو بالاے طاق رکھکر ایسے شخص کو متولی نہین مقرر کر سکتا جو اُس تصریح کے خلاف ہو جو وقف نامہ مین لکھی ہے اور واقف کا اُس شخص کو نامزد کرنے کا حق جو اُسکے مرنے کے بعد مال وقف کا انتظام کریگا اُسی فرقہ پر محدود و منحصر رہیگا جسکی تصریح وقف نامہ مین لکھی ہے۔ اگرچہ لفظ اقربا دسے متبادر اقربار نسبی ہین لیکن جب وقف نامہ کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہو کہ اِس لفظ کا استعمال زیادہ تر وسیع معنی مین ہوا ہے تو اُسکے معنی مین ایسی توسیع کیجائیگی کہ اقربار نسبتی بھی داخل ہو جائین مگر واقف کی زوجہ اُسکے اقربا مین نہین داخل ہے۔

امام ابو یوسف کا قول ہے کہ اگر واقف اپنی حیات مین کسی کو متولی مقرر کرے اور یہ نہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد بھی یہ تقرر نافذ رہیگا تو واقف کے مرنے کے بعد متولی اپنے عہدہ سے برخواست ہو جائیگا۔ مگر قول مختار یہ نہین ہے۔ بلکہ حکم شرع یہ ہے کہ جب کوئی تقرر اِس طور سے عمل مین آیا ہو کہ اُسمین وقت کی کچھ قید نہ کی گئی ہو کہ کبتک رہیگا تو واقف کے مرنے کے بعد وہ تقرر باطل نہ ہو جائیگا۔

تاتارخانیہ مین لکھا ہے کہ اگر مسجد کے نمازی کسی کو اُسکا متولی مقرر کرین تو متقدمین کے نزدیک جائز ہے مگر قاضی کی منظوری حاصل کرنا اَولیٰ ہے۔ مگر متاخرین کا اتفاق ہے کہ وہ آج کل قاضی کو اِس واقعہ کی اطلاع دینا نہین مناسب ہے کیونکہ مشہور ہے کہ لوگ اوقاف کے بڑے طماع ہین۔ پس مستحقین وقف اگر صالح اور باخدا ہون تو عمرو کو متولی مقرر کر سکتے ہین۔

اگر واقف اپنی وفات کے وقت کوئی وصی مقرر کرے اور شرائط وقف کا کچھ ذکر

---

[1] لا رپورٹ بمبئی جلد ۹ صفحہ ۱۹ - ۱۲ منہ

نہ کرے تو وصی متولی ہو جائیگا تا وقتیکہ اُسنے کسی اور شخص کو کار تولیت انجام دینے کیلیے نہ مقرر کیا ہو۔[1]

جس متولی کو قاضی نے مقرر کیا ہو وہ وہی حیثیت رکھتا ہے جیسی وہ متولی رکھتا ہے جسکو خود واقف نے مقرر کیا ہو باستثناء بعض مقدمات[2] کے۔

وصی مجازی کا وہی مرتبہ ہے جو وصی حقیقی مقرر کردہ موصی کا مرتبہ ہے۔

اگر کوئی شخص صرف کسی وقف کے لیے وصی مقرر کیا گیا ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک اُسکی کارروائیاں اُسی وقف پر محدود و منحصر رہینگی اور اسمین ہلال نے اُنسے اتفاق کیا ہے۔ یہ قول فتاواے قاضی خان مین لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس مسئلہ مین امام اعظم نے امام ابو یوسف سے اتفاق کیا ہے۔ مگر امام محمد نے اختلاف کیا ہے اور اُنھین کا قول عموماً معمول بہ ہے۔

"اگر کوئی شخص متولی مقرر کرے بعد اُسکے وصی مقرر کرے تو وہ دونون اُس مال کے متولی ہو جائینگے الا اینکہ اُن دونون کے کام مین امتیاز رکھا گیا ہو۔ بعض کتب معتبرہ مین دونون کے کام کو معین کرنے کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ "واقف کہے کہ میری فلان زمین وقف ہے اور فلان شخص اُسکا متولی ہے اور باقی ماندہ میری جائداد کا وصی فلان شخص ہے۔ پس اس صورت مین دونون آدمیون کے کام علٰحدہ علٰحدہ ہو گئے۔"

بمقدمہ[3] شاہ غلام رحمت اللہ صاحب بنام شاہ اکبر صاحب ہائی کورٹ مندراس نے یہ تجویز کیا کہ جب کوئی جائداد امور دینی کے لیے وقف کیجائے تو دستور یہی ہے کہ واقف عہدۂ متولی کے باب مین کچھ قواعد مقرر کر دیتا ہے اور اُنھین قواعد پر تولیت کی بحث موقوف ہوتی ہے خواہ وہ قواعد تحریری ہون خواہ رواج سے قیاس کر لیے جائین۔ اگر کچھ قواعد

---

[1] بحر الرائق ۱۲ منہ [2] ظہیر الروایۃ اور تاتارخانیہ سے لیا گیا ہے ۱۲ منہ [3] لا رپورٹ ہائی کورٹ مندراس جلد ۷ صفحہ ۶۳ - ۱۲ منہ۔

نہ مقرر کیے گئے ہون تو تقرر متولی کا اختیار واقف کی حیات تک اُسی کو حاصل رہیگا اور اُسکے مرنے کے بعد اُسکے وصی کو حاصل ہوگا۔ اور اگر اُسنے کوئی وصی بھی نہ مقرر کیا ہو تو حاکم وقت یعنی عدالت کو حاصل[1] ہوگا۔

جب واقف نے یہ شرط کرلی ہو کہ اُسکی اولاد اپنے زمرہ مین سے کسی کو متولی مقرر کریگی اور اُسکی اولاد مین بعض نابالغ ہون تو قاضی اُنمین سے بالغون کو حکم کرے کہ اُن نابالغون کی طرف سے اور اپنی طرف سے بھی کسی کو متولی مقرر کردین یا اُنکے ساتھ کسی شخص کو نابالغون کی طرف سے شریک کردے۔

امام ابویوسف کے نزدیک واقف تولیت مین تغیر و تبدل کرنے کا اُس صورت مین بھی مستحق ہے جبکہ اُسنے ایسا کرنے کا اختیار اپنے لیے بالتصریح نہ باقی رکھا ہو۔

انفع الوسائل مین خصاف سے منقول ہے کہ جب کسی شخص نے دو پارہ زمین وقف کیے ہون اور دو متولی مقرر کیے ہون اور بعد ازآن اپنے مرنے کے وقت زید کو اپنا وصی مقرر کیا ہو تو زید اُنکے ساتھ متولی ہوگا اور اگر زید عمرو کو اپنا وصی مقرر کرے تو عمرو کا بھی وہی مرتبہ ہوگا جو زید کا تھا۔

اگر کوئی شخص دو متولی یکے بعد دیگرے مقرر کرے اور پہلے متولی کو موقوف نہ کرے تو وہ دونون اُسکے وصی ہو جائینگے اِس واسطے کہ علمار حنفیہ کے نزدیک وصی کا منصب خود بخود نہین ساقط ہو جاتا۔ قاضی کا دوسرے متولی کو مقرر کرنا اَور بات ہے اور واقف کا

---

[1] محمد صادق بنام محمد علی۔ سلکٹ رپورٹ جلد ا صفحہ ۱۷۔ محمد قیصر بنام محمد شاہ و قیام الدین۔ سلکٹ رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۳۳۱۔ ایڈووکیٹ جنرل بنام فاطمہ سلطانی بیگم۔ لار پورٹ بمبئی جلد ۹ صفحہ ۱۹۔ صاحب بی بی بنام دمودر برجی۔ لار پورٹ بمبئی جلد ۳ صفحہ ۸۴۔ آغا محمد یوسف بنام عبد الحسین خان صدر عدالت دیوانی صفحہ ۴۰۔ ہیت کور بنام چیتر دھاری سنگھ ویکلی رپورٹر جلد ۱۳ صفحہ ۳۹۶۔ ۱۲ منہ۔

دوسرے متولی کو مقرر کرنا اور بات ہے۔ پہلی صورت مین دونو تقرر جائز ہین اور جب دونو تقرر
قاضی نے کیے ہون تو دوسرا تقرر پہلے کو باطل کر دیتا ہے بشرطیکہ پہلے متولی کو دوسرے
متولی کا مقرر ہونا معلوم ہو جائے۔ جو شخص متولی کے عہدہ کا طالب ہو اُسکو متولی کرنا قرین
مصلحت نہین ہے گو ناجائز بھی نہین ہے۔

جب واقف مرجائے اور کوئی متولی یا وصی نہ مقرر کر جائے تو اس صورت مین
قاضی کو وقف کا متولی مقرر کرنے کا اختیار ہوگا۔ اسی طرح سے اگر خود متولی مرجائے اور
کوئی متولی یا وصی نہ مقرر کر جائے تو بھی قاضی کو متولی مقرر کرنے کا اختیار ہوگا۔ اسی
اصول کے موافق فتوی ہے اور علامہ قاسم نے بھی اسی کے بموجب فیصلہ کیا ہے۔

متولی اپنا قائم مقام صرف اُسوقت مقرر کر سکتا ہے جبکہ واقف نے اُسکی قائم مقامی کا
کوئی بندوبست نہ کر دیا ہو۔ اگر واقف نے یہ کہدیا ہو کہ عہدہ تولیت کسی خاص خاندان کے
فلان شعبہ کے ذکور کو ہمیشہ ملا کریگا تو کسی شخص کو یہ اختیار نہوگا کہ اُس شعبہ مین کچھ تغیر و تبدل
کرے۔ یا اگر واقف نے کہدیا ہو کہ زید کے بعد بکر کو عہدہ تولیت دیا جائے تو زید کو یہ اختیار
نہوگا کہ خالد کو متولی مقرر کر دے[1]۔

عموماً دیکھا جائے تو مال وقف کو بیع کرنے یا رہن رکھنے کا حکم دینے کا اختیار
قاضی القضات رکھتا ہے اور نائب قاضی اوقاف کو منسوخ کرنے کا اختیار نہین رکھتا ہے
بلکہ تنسیخ اوقاف کا اختیار شرعاً وہ قاضی رکھتا ہے جسکو سلطان نے خاص اس بات کی
اجازت دی ہو یا جسکو اشخاص متوفی کی جائداد کے انتظام کا اور نابالغون کی
جائداد کی حفاظت کا اور اوقاف کے تحفظ کا عموماً اختیار دیا گیا ہو۔ بحر الرائق مین
لکھا ہے کہ قاضی[2] کے تقرر مین متولی مقرر کرنے اور اوقاف کا انتظام کرنے کا

[1] سلکٹ رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۱۷ – جامع الفصولین ۱۲ مسئلہ [2] لا رپورٹ ہائی کورٹ بمبئی جلد ۹
صفحہ ۱۹ – رد المختار صفحہ ۶۳۶ – ۱۲ مسئلہ – قوله و مادام احد يصلح التولية من

اختیار داخل ہے۔

جبتک واقف کا کوئی عزیز موجود رہے غیر شخص کو متولی نہ مقرر کرنا چاہیئے اسواسطے کہ عزیز واقف کی زیادہ تر خیر خواہی کریگا اور عموماً واقف کا منشا یہی ہوتا ہے کہ اسکا کوئی عزیز متولی مقرر ہو بشرطیکہ وہ اس عہدہ کی لیاقت رکھتا ہو۔

کتاب کافی الحاکم مین اس اصول کو کہ واقف کے اقربا غیرون کے مقابل مین

اقارب الواقف لا یجعل المتولی من الاجانب المسئلة فی کافی الحاکم ونصها ولا یجعل القیم فیه من الاجانب ما وجد فی ولد الواقف واهل بیته من یصلح لذالک فان لم یجد فیهم من یصلح لذالک فجعله الی اجنبی ثم صار فیهم من یصلح له صرفه الیه الی اخره۔ ومفاده تقدیم اولاد الواقف وان یکن الوقف علیهم بان کان علی مسجد او غیره وفی الهندیة عن التهذیب والافضل ان ینصب من اولاد الموقوف علیه واقاربه ما دام یوجد احد منهم یصلح لذالک والظاهر ان مراده بالموقوف علیه من کان من اولاد الواقف فلا ینافی ما قبله ثم تعبیره بالافضل یفید انه لو نصب اجنبیا مع وجود من یصلح من اولاد الواقف یصح فافهم۔ ولا ینافی ذالک ما فی جامع الفصولین من انه لو شرط الواقف کون المتولی من اولاده واولادهم لیس للقاضی ان یولی غیرهم بلا خیانة ولو فعل لا یصیر متولیا لانه فیما اذا شرطه الواقف وکلامنا عند عدم الشرط ووقع قریبا من اواخر کتاب الوقف من الخیریة مما یفید انه فهم عدم الصحة مطلقا کما هو المتبادر من لفظ لا یجعل فتامل۔ وافتی ایضا بان من کان من اهل الوقف لا یشترط کونه مستحقا بالفعل بل یکفی مستحقا بعد زوال المانع وهو الظاهر ثم لا یخفی ان تقدیم من ذکر مشروط بقیام الاهلیة فیه حتی لو کان خائنا یولی اجنبی حیث لم یوجد فیهم اهل لانه اذا کان الواقف نفسه یعزل بالخیانة فغیره بالاولی (تنبیه) قدمنا عن البیری عن الحاوی الحصیری عن وقف الانصاری انه اذا لم یکن من یتولی الوقف من جیران الواقف وقرابته الا برزق ویقبل واحد من غیرهم بلا رزق فللقاضی ان ینظر الاصلح لاهل الوقف۔

متولی کا عہدہ پانے کے زیادہ تر مستحق ہین اس طرح بیان کیا ہے (۱۵) "جبتک واقف کی اولاد یا اسکے خاندان مین سے کوئی شخص متولی کے عہدہ کے لائق پایا جائے اُسوقت تک غیر آدمی کو یہ عہدہ نہ دیا جائے۔ مگر جب اُنمین لائق شخص نہ پایا جائے اور تولیت غیر کے سپرد کیجائے اور بعد ازآن واقف کے خاندان مین کوئی لائق آدمی نکل آئے تو تولیت اُسی کو دیجائیگی"۔ اِسکا مطلب یہ ہے کہ واقف کی اولاد کو عہدہ متولی مین ترجیح دیجائیگی گو وقف اُنپر نہ کیا گیا ہو یعنی مثلاً مسجد پر وقف کیا گیا ہو۔

ہندیہ مین تہذیب سے لکھا ہے کہ اولی یہی ہے کہ موقوف علیہ کی اولاد مین سے کوئی وقف کا متولی مقرر کیا جائے بشرطیکہ وہ اس عہدہ کی لیاقت رکھتا ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ موقوف علیہ سے وہ شخص مراد ہے جو واقف کی اولاد مین سے ہو۔ اور لفظ "اَولیٰ" سے ظاہر ہے کہ واقف کی اولاد کے ہوتے غیر کو متولی کرنا جائز ہے۔ یہ قول اُس قول کے منافی نہین ہے جو جامع الفصولین مین لکھا ہے اور جسکا مفاد یہ ہے کہ اگر واقف نے یہ شرط کردی ہو کہ میری اولاد اور اولاد کی اولاد اِس وقف کے متولی مقرر کیے جائین تو اِس صورت مین قاضی کسی غیر کو متولی مقرر کرنے کا اختیار نہین رکھتا تاوقتیکہ واقف کی اولاد کی خیانت نہ ثابت ہو جائے۔ اگر واقف کی اولاد کے ہوتے قاضی غیر کو بلا عذر شرعی متولی مقرر کرے تو وہ شخص متولی نہ ہو جائیگا۔ پس جو ہندیہ مین لکھا ہے وہ اُس صورت سے متعلق ہے جسمین واقف نے یہ شرط قرار دی ہو کہ اُسکی اولاد مین سے کوئی شخص متولی مقرر کیا جائے۔ مصنف خیریہ نے یہ گمان کیا ہے کہ واقف کی اولاد کے ہوتے غیر کو متولی مقرر کرنا حرام ہے۔ یہ قول غلط ہے جیسا سابق مین لکھا گیا۔ قاضی صرف اُس صورت مین غیر کو متولی نہین مقرر کرسکتا ہے جبکہ واقف نے یہ شرط کرلی ہو کہ میرے ہی خاندان مین سے کوئی شخص متولی مقرر کیا جائے۔

---

(۱۵) ردالمحتار صفحہ ۶۳۴ - ۲ ۱۲ منہ۔

لیکن اگر ایسی شرط موجود ہو تب بھی غیر متولی مقرر ہو سکتا ہے جب واقف کی اولاد یا اقربا مین کوئی اس عہدہ کی لیاقت نہ رکھتا ہو اور اگر واقف کی اولاد یا اقربا مین سے کوئی شخص متولی مقرر کیا گیا ہو مگر وہ نالائق یا خائن نکلے تو وہ موقوف کیا جائے اور جب اور کوئی شخص واقف کے خاندان کا جو اس عہدہ کی لیاقت رکھتا ہو نہ موجود ہو تو غیر آدمی متولی مقرر ہو سکتا ہے اس واسطے کہ جب خیانت مین خود واقف موقوف ہو سکتا ہے تو غیر آدمی تو اس علت مین بدرجۂ اولی موقوف ہو سکتا ہے۔ جب واقف کا کوئی لڑکا یا عزیز یا ہمسایہ بے تنخواہ متولی ہونا قبول کرے اور غیر آدمی بے تنخواہ قبول کرے تو قاضی یہ دیکھے کہ کس شخص کا تقرر وقف کے حق مین زیادہ مفید ہوگا اور کون لائق تر ہے۔

اگر متولی حین حیات اور بحالت صحت نفس کسی شخص کو اپنے مقام پر مقرر کرے تو یہ تقرر صحیح و جائز ہوگا بشرطیکہ متولی نے تولیت مین یہ شرط تمام طور سے کرتی ہو۔ اس صورت مین جب متولی دوسرے شخص کو اپنے مقام پر مقرر کردے تو وہ اسکو معزول نہین کر سکتا الا اینکہ واقف نے جب اسکو متولی مقرر کیا ہو اسوقت یہ اختیار دیدیا ہو کہ وقف کو دوسرے شخص کے سپرد کرے اور پھر اسکو معزول بھی کردے۔

جب متولی کسی کو اپنا قائم مقام مقرر کرے تو قید مذکورۂ بالا مستقل قائم مقام یا عوض کے تقرر سے بھی متعلق ہوگی جو خود متولی کی حیثیت رکھیگا اور اسکے پورے اختیارات کو عمل مین لائیگا یعنے اسکا پورا قائم مقام ہوگا۔ ایسا تقرر صرف متولی مرض الموت کے عالم مین عمل مین لا سکتا ہے۔ مگر یہ قید نائب یا کارندہ کے تقرر سے نہین متعلق ہے۔ فتح القدیر مین لکھا ہے کہ متولی کو اختیار ہے کہ جو لوگ فرائض تولیت بجالانے کی قابلیت رکھتے ہون انکو اپنا نائب مقرر کرے اور اسکو یہ بھی اختیار ہے کہ ایک نائب کو معزول کرکے دوسرا نائب مقرر کرے۔ اور اگر متولی مجنون ہو جائے تو اسکا نائب خواہ مخواہ مقرر کرنا پڑیگا اور قاضی متولی کا قائم مقام مقرر کرنے کا مستحق ہو جائیگا۔ یہ سب صورتون مین ہوگا خواہ متولی

قاضی نے خواہ واقف نے مقرر کیا ہو۔

جب متولی کا تقرر عموماً ہوا ہو تو وہ مال وقف دوسرے شخص کو تفویض کر سکتا ہے ورنہ نہیں کر سکتا۔[1]

عموماً[2] کی لفظ کے معنی میں شارح کو شک معلوم ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "غالباً اس سے یہ مراد ہے کہ اگر متولی مقرر کرنے کے وقت قاضی یا واقف نے یہ شرط کر لی ہو کہ

---

[1] رد المختار صفحہ ۶۳۷ - والنفع الوسائل ۱۲ منہ۔ [2] قولہ اراد المتولی اقامۃ غیرہ مقامہ - ای بطریق الاستقلال امّا بطریق التوکیل فلا یتقیّد بمرض الموت وفی الفتح للنّاظر ان یوکّل من یقوم بما کان الیہ من امر الوقف ویجعل لہ من جعلہ شیئاً ولہ ان یعزلہ ویستبدل ولو جنّ یعزل وکیلہ ویرجع الی الفا[صل] فی التنصیب صحتہ وشمل کلام المصنف المتولی من جہۃ القاضی او الواقف کما فی انفع الوسائل عن التتمّۃ وقال وھو اعمّ من قولہ فی القنیۃ للمتولی ان یفوّض فیما فوّض الیہ ان عمّم لقاضی التفویض الیہ والّا فلا فانّ ظاھرہ انّ ھذا الحکم فی المتولی من جہۃ القاضی فقط (قولہ والصحّۃ) عطف تفسیر اراد بہ بیان انّ المراد بالحیات ماقابل المرض وھو لا مایشملھما فافھم - وقولہ ان کان التفویض وبالشرط عامّاً صحّ۔

قولہ لا یملک عزلہ الی اخرہ - ھذا ذکرہ الطرسوسی بحثاً وقال بخلاف فانّ لہ عزل القیم وان لم یشرطہ والقیم لا یملکہ کالوکیل اذا اذن لہ فی ان یوکّل حیث لم یملک العزل وکالقاضی اذا اذن لہ السلطان فی الاستخلاف فاستخلف شخصاً لا یملک عزلہ الّا ان شرط لہ السلطان العزل واطال فی ذالک فراجعہ ان شئت (قولہ والّا) وان لم یکن التّفویض لہ عامّاً لا یصحّ وقولہ فان فوّض فی صحتہ الاولی حذفہ لان الکلام فی الحذف وحینئذٍ فقولہ وان فی مرض موتہ مقابل لقولہ فی حیاتہ وانّما صحّ اذا فوّض فی مرض موتہ وان لم یکن التفویض لہ عامّاً لما فی الخیانۃ من انّہ بمنزلۃ الوصیّ وللوصی ان یوصی الی غیرہ وسیذکر الشّارح فی کتاب الاقرار عن الاشباہ الفعل فی المرض احطّ رتبۃ من الفعل فی الصحّۃ الّا فی

متولی کو اختیار ہوگا کہ وقف نامہ یا وصیت نامہ کے ذریعہ سے وقف دوسرے شخص کو
تفویض کر دے اور اُسکو اپنا عوضی یا قائم مقام مقرر کرے تو ایسی شرط سے متولی کو یہ
اختیار ہو جائیگا کہ اپنی حیات مین دوسرے شخص کو متولی مقرر کرے۔ اور جب وہ ایک مرتبہ
اِس اختیار کو عمل مین لائیگا تو پھر اُس تقرر کو منسوخ نہ کرسکیگا۔ اگر متولی علی سبیل التعمیم (عام
الفاظ مین) نہ مقرر کیا گیا ہو یا مال وقف اُسکو علی سبیل التعمیم نہ تفویض کیا گیا ہو تو وہ اُس
وقف کو دوسرے شخص کو بحالت صحت نفس نہین تفویض کرسکتا یعنی اُسوقت تک نہین
سپرد کرسکتا جبتک وہ خود فرائض تولیت بجالانے کے قابل رہے۔ لیکن اگر وقفنامہ مین
کچھ شرائط در باب تقرر جانشین یا قائم مقام متولی نہ مندرج ہون تو متولی مرض الموت کی
حالت مین اپنا قائم مقام مقرر کرسکتا ہے۔ اِسکی وجہ قاضی خان نے یہ لکھی ہے کہ متولی کا
مرتبہ وصی کا ہے اور وصی کی طرح اُسکو بھی اختیار ہے کہ مرض الموت کے عالم مین دوسرے
شخص کو اپنا قائم مقام مقرر کرے کہ اُسکے فرائض کو بجالایا کرے۔ جیسے وصی کو یہ اختیار
نہین ہے کہ جب ایک مرتبہ وصی کا عہدہ قبول کرچکا ہو تو پھر بلا منظوری قاضی استعفا دے
ویسے ہی متولی بھی بغیر اجازت قاضی تولیت سے دست کش نہین ہوسکتا۔ جب متولی کو
عام اختیارات نہ حاصل ہون تو اگر وہ بغیر اجازت قاضی دوسرے شخص کو متولی مقرر کرے
تو یہ بمنزلہ اِسکے ہوگا کہ وہ اپنے عہدہ سے دست کش ہو اگرتا ہم وہی ذمہ دار رہیگا تاوقتیکہ
اُس تقرر یا انتقال تولیت کی تصدیق قاضی نہ کردے۔

جب وقف نامہ مین یہ شرط لکھی ہو کہ ہر متولی کے مرنے کے بعد قاضی کو اُسکا قائم مقام

مسئلة اسناد الناظر لغيره بلا اشتراط فانه في مرض الموت صحيح لا في الصحة كما في التتمة
وغيرها ووجهه ما علمته من انه بمنزلة الوصي ولما كان الوصي له عزل من اوصى اليه ونصب
غيره اتجه قوله وينبغي ان يكون له العزل والتفويض كالايصاء بخلاف الاسناد
في حال الصحة لانه في حال الصحة كالوكيل ولا يملك الوكيل العزل۔

مقرر کرنے کا اختیار ہوگا تو متولی صحت و مرض دونو حالتون مین اپنا قائم مقام نہین مقرر کرسکتا۔ بلکہ ہر متولی کے مرنے کے بعد قاضی اُسکا قائم مقام مقرر کریگا۔[1]

واقف متولی کو صرف اُس صورت مین معزول کرسکتا ہے جبکہ اُسنے ایسا اختیار اپنے لیے رکھا ہو اور اسی قول کے موافق فتوے ہے۔

اگر واقف نے کوئی متولی نہ مقرر کیا ہو اور قاضی نے مقرر کیا ہو تو جسکو قاضی نے متولی مقرر کیا ہے اُسکو واقف نہین معزول کرسکتا۔

جب وقف نامہ مین کسی شخص کا کچھ وظیفہ مقرر کیا گیا ہو اور یہ لکھا ہو کہ اُسکے مرنے کے بعد یہ وظیفہ دوسرے شخص کو دیا جائے۔ پس اگر وہ شخص جسکا وظیفہ مقرر کیا گیا ہے اپنا وظیفہ کسی تیسرے شخص کو دیدے تو اصل وظیفہ خوار کے مرنے کے بعد وہ وظیفہ اُس شخص کو ملیگا جسکو واقف نے مقرر کیا ہے اور اصل وظیفہ خوار کے منتقل الیہ کو نہ ملیگا۔

اگر کوئی شخص وقف کرکے عبد اللہ کو اُسکا متولی کرے اور کہے کہ عبد اللہ کے مرنے کے بعد اس وقف کا متولی زید ہوگا تو زید ہی متولی ہوگا اور عبد اللہ عہدہ متولی دوسرے شخص کو نہ دے سکیگا اور زید ہی متولی باقی رہیگا اگرچہ عبد اللہ نے کسی کو متولی مقرر کیا ہو اور علامہ حنوطی نے فرمایا ہے کہ جب کسی شخص نے کہا ہو کہ میرے وقف کی تولیت میری اولاد مین سے اُس شخص کو دیجائے جو سب سے زیادہ زیرک اور ہوشیار ہو اور اُسکی

---

[1] ردالمختار صفحہ ۴۳۳۔ اس مسئلہ مین امام ابویوسف اور امام محمد مین اختلاف ہے۔ امام ابویوسف کے نزدیک یہ ہے کہ جس متولی کو خود واقف نے مقرر کیا ہو اُسکو معزول کرنے کا اختیار واقف کو مطلقاً حاصل ہے خواہ اُسنے یہ اختیار اپنے لیے رکھا ہو خواہ نہ رکھا ہو۔ مگر امام محمد کا قول یہ ہے کہ جب واقف نے یہ اختیار اپنے لیے رکھا ہو تب ہی متولی کو بلا جرم موقوف کرسکتا ہے اور امام محمد کے قول کے موافق فتوے ہے۔ علامہ قاسم کی تشریح القدوری اور مقدمہ ہدایت النسا بنام افضل حسین (لا رپورٹ ہائی کورٹ الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۴۴۲) ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

اولاد مین سے کوئی شخص جو اسوقت متولی ہو مرجائے اور اپنے داماد کو متولی مقرر کرجائے
تاہم تولیت اُسی شخص کو اولاد واقف مین سے ملیگی جو وقف نامہ کی شرط کے موافق سب سے
زیادہ زیرک و ہوشیار ہو۔ کوئی تقرر جو شرائط وقف نامہ یا شرائط مقرر کردہ واقف کے
خلاف ہو نا جائز ہے۔ یہ کسی کتاب مین نہین لکھا ہے کہ متعلقین مسجد متولی کو موقوف
کرسکتے ہین اگرچہ متولی اُنکو نالائقی یا بد اعمالی یا اور کسی علت سے موقوف کرسکتا ہے۔[۱]

جس شخص نے مسجد بنوائی ہو وہ نمازیون کے بہ نسبت موذن اور امام مقرر کرنے کا
زیادہ تر مستحق ہے لیکن اگر نمازی کسی مرد صالح تر کو امام یا موذن مقرر کرین تو اُسی کو
ترجیح دیجائیگی۔

جب مسجد کا کوئی متولی نہ ہو تو امام اور موذن مقرر کرنے کا اختیار واقف کی
اولاد اور اہل بیت کو بترجیح دیگر اشخاص حاصل ہوگا۔ اشتباہ مین یہی لکھا ہے۔

مسجد کی تعمیر و ترمیم مین بانی مسجد اور اُسکی اولاد نمازیون اور غیرون پر ترجیح رکھتے ہین
انفع الوسائل مین یہی لکھا ہے۔

جب واقف نے یہ شرط کرلی ہو کہ اِس وقف کا انتظام ارشد یعنی سب سے زیادہ
عاقل آدمی سے متعلق کیا جائے تو ارشد سے یہ مراد لیجائیگی کہ جو اُسکی اولاد مین سب سے
زیادہ فہمیدہ و سنجیدہ ہو۔ اور مولانا ابو سعود کا یہ فتوی ہے کہ اگر اُسکی اولاد مین دو شخص
بدرجہ مساوی فہم و فراست رکھتے ہون تو وہ دونو بالمشارکت متولی کیے جائین۔ مگر
نہر الفائق مین لکھا ہے کہ اگر واقف نے کہا ہو کہ میری اولاد مین جو افضل ہو اُسکو
تولیت دیجائے اور اُسکی اولاد مین دو شخص بدرجہ مساوی فضل ہون تو تولیت اُسکو
ملیگی جو سن مین بڑا ہوگا اور اِسمین ذکور و اناث کا فرق نہ رکھا جائیگا۔ اور اگر اُن دونون
مین سے ایک شخص متقی و پرہیزگار ہو اور دوسرا وقف کے معاملات اور اُسکے

[۱] ردالمختار صفحہ ۶۳۹ – ۱۲ منہ

انتظام سے واقفیت تامہ رکھتا ہو تو تولیت شخص آخر الذکر کو دیجائیگی بشرطیکہ وہ متدین ہو شارح لکھتے ہین کہ نہر الفائق مین جو فتویٰ لکھا ہے وہ علامہ ابو سعود کے قول کا موئید ہے کیونکہ اسمین لکھا ہے کہ جب تقویٰ اور پرہیزگاری کے ساتھ فہم و فراست بھی شرط ہے اور دو شخص بدرجہ مساوی متقی اور فہمیدہ موجود ہون تو سن کا لحاظ کیا جائیگا۔ اور بحر الرائق مین ظہیریہ سے لکھا ہے کہ اگر واقف کی سب اولاد دیانت داری اور پرہیزگاری اور علم اور راست بازی اور عمر مین برابر ہون تو جو اُنمین سے معاملات وقف سے واقفیت تامہ رکھتا ہو اور وقف کے فرائض کو بوجہ احسن بجالانے کی قابلیت رکھتا ہو خواہ مرد ہو خواہ عورت اُسی کو ترجیح دیجائے۔ بحر الفائق مین رشد سے یہ مراد لی ہے کہ وہ شخص فرائض وقف کو ایمانداری سے ادا کرنے کی لیاقت رکھتا ہو۔ ایک کتاب مین یہ بھی لکھا ہے کہ جب واقف کی اولاد مین دو شخص بدرجہ مساوی لیاقت رکھتے ہون تو جہانتک اُنکے اوصاف عقلی یا نفسانی متعلق ہین وہان تک تولیت اُسکو ملیگی جو سن میں بڑا ہو۔ اور مرد اور عورت کے فرق کا لحاظ نہ کیا جائیگا۔ بلکہ جو شخص وقف کا کام خوب جانتا ہو اُسکو ترجیح دیجائیگی۔ اسمعیلیہ مین یہ فتویٰ لکھا ہے کہ جب دو شخص سب طرح سے مساوی لیاقت رکھتے ہون تو مرد کو عورت پر ترجیح دیجائیگی۔

جب واقف نے کہدیا ہو کہ جو شخص میری اولاد مین سب سے زیادہ لائق ہو اُسی کو تولیت دیجائے اور اُنمین کوئی شخص لائق نہ پایا جائے تو قاضی کو اختیار ہے کہ کسی غیر کو متولی مقرر کردے جبتک کہ واقف کی اولاد مین کوئی لائق آدمی مل سکے۔ اگر اُسکی اولاد مین لائق آدمی تو ہو مگر وہ غیر حاضر ہو اور اُنمین اور کوئی ایسا نہ ہو جو اُسکے واپس آنے تک اُسکا کام کر سکے تو قاضی کو اختیار ہے کہ جبتک وہ مراجعت کرے کسی غیر شخص کو اُسکے مقام پر مقرر کردے۔ اگر دو اولاد ہون اور ایک دوسرے سے

سلہ ردّ المختار صفحہ ۶۶۶ - ۱۲ منہ

زیادہ لائق ہو تو جو زیادہ لائق ہو اُسی کو تولیت دیجائے اور اُسکے بعد دوسرے کو دیجائے۔

حاشیہ کی عبارت عربی مین جو الفاظ ناظر اور قیم اور متولی لکھے ہین اِن سب کے معنی ایک ہین یعنی منتظم وقف[1]۔ مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ متولی مقرر کرنے کے وقت واقف ایک ناظر بھی مقرر کرتا ہے کہ وہ متولی کے کام کی نگرانی کرتا رہے۔ اِس صورت مین ناظر کو خرچ کرنے یا روپیہ دینے کا اختیار نہ ہوگا بلکہ اُسکا کام صرف نگرانی کرنا ہوگا اور متولی بغیر ناظر کے علم یا اجازت کے روپیہ نہ خرچ کریگا۔ یہی اصول اُس ناظر سے بھی متعلق ہے جو وصی پر مقرر کیا گیا ہو۔ بلکہ فی الواقع جو اصول اوقاف کے ناظرون اور متولیون سے متعلق ہین وہ اُن احکام سے ماخوذ ہوے ہین جو اوصیا کے فرائض سے متعلق ہین۔

اگر یہ شرط کر لی گئی ہو کہ متولی کسی حال مین موقوف نہ کیا جائیگا گو وہ کیسا ہی بدکردار ہو تو بھی اگر اُسکی بداعمالی ثابت کر دیجائے تو وہ موقوف ہو سکتا ہے۔

بانی مسجد کو امام اور موذن وغیرہ مقرر کرنے کا حق حاصل ہے اور قول راجح یہی ہے۔ اگر وہ شخص جسکو واقف نے مقرر کیا ہے نالائق ہو تو نمازیون کو اختیار ہے کہ اُس سے لائق تر آدمی کو متولی مقرر کرین۔

قاضی باین حیثیت کہ وہ سلطان کی طرف سے سب اوقاف کا نگرانی کنندہ عموماً ہے یہ اختیار رکھتا ہے کہ متولی کو اجازت دے کہ جتنی میعاد واقف نے مقرر کی ہے اُس سے زیادہ میعاد کے ٹھیکے یا پٹے دے۔ اگر واقف نے کوئی میعاد نہ معین کی ہو تو متولی کو اختیار ہے کہ جتنی میعاد کا پٹہ دینا مال وقف کو مفید ہو اُتنی میعاد کا پٹہ دے عموماً مکان کا قبالہ ایک سال سے زیادہ کا نہ ہو اور اراضی کا پٹہ تین برس سے زیادہ کا نہ ہو۔ مگر اِس اصول کا جاری ہونا متولی کی رائے اور وقف کی ضرورتون اور رسم و رواج مختص المقام پر موقوف ہوگا۔ علماء بلخ اور ابو لیث کا قول ہے کہ اگر وقف نامہ مین

---

[1] ردالمختار صفحہ ۶۶۰-۱۲-منہ

کوئی قید نہ لکھی ہو تو بھی متولی اراضی وقف کا پٹہ تین سال سے زیادہ کا بے قاضی کی اجازت کے
نہین دے سکتا - اور اسی قول کے موافق فتوےٰ ہے -

جو شخص مال وقف مین اوروں کے ساتھ بالشارکت مستحق ہونے کا دعویٰ رکھتا ہو اور
اُس مال مین خیانت ہوتی ہو تو قاضی کی اجازت سے وہ اُسکے دلا پانے کی نالش کرسکتا ہے
اسمین کچھ اختلاف نہین ہے - اگر وہ بغیر اجازت قاضی نالش کرے تو اس مسئلہ مین
دو قول ہین - مگر احوط یہی ہے کہ وہ مال وقف کے قبضہ کی نالش نہین کرسکتا اسواسطے کہ وہ
آمدنی مین صرف ایک حق رکھتا ہے - البتہ جو شخص بلا شرکت غیر مال وقف کا حقدار ہو تو
وہ بلا اجازت قاضی نالش کرسکتا ہے -

جب چند اشخاص کسی وقف کے مستحق ہون تو بعض اُنمین سے بعض پر خیانت کی
نالش کرسکتے ہین -

بعض حقدار سب حقدارون کی طرف سے بلا اجازتِ قاضی بھی نالش کرسکتے ہین
بشرطیکہ وہ وقف سب کے نزدیک مسلّم ہو -

جو شخص کسی وقفی جائداد کی صرف منفعت کا مستحق ہو وہ اُسکو ٹھیکہ یا اجارہ پر نہین
دے سکتا تاوقتیکہ وہ اُس وقف کا متولی نہو یا متولی کی عدم موجودگی مین قاضی نے
اُسکو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی ہو -

اگر وقف نامہ گم ہو جائے اور اُسکے شرائط اور جو طریقہ اُسمین خرچ کا لکھا ہو وہ کسی کو
نہ معلوم ہو تو وہ وقف ایسے امور مین صرف کیا جائیگا جو رسم و رواج موجودہ کے
موافق ہون -

جو جائداد متولی نے سرمایہ وقف سے خریدی ہو وہ وقف ہو جائیگی اسمین کچھ
تصریح کرنے کی ضرورت نہین ہے اور اصل جائداد وقفی کے شرائط اُسمین بھی جاری
ہونگے - اگر ضرورت ہو تو مال وقف کی بیع یا مبادلہ دوسری جائداد سے ہوسکتا ہے

اور وہ دوسری جائداد بھی اسی طرح وقف ہو جائیگی۔

جو تنخواہ امام یا موذن یا خطیب کی واجب الوصول ہو چکی ہو وہ اُنکے مرنے کے بعد اُنکے ورثہ کو دیدی جائے۔

جب وقف لڑکون پر کیا گیا ہو اور وہ مر جائین تو اُنکے ورثہ اُس منافع مین حصہ پانے کے مستحق ہونگے جو وصول ہو چکا ہو اور لائق تقسیم ہو یا جمع ہوتا جاتا ہو۔

اگر کوئی طالب عالم مدرسہ سے غیر حاضر رہے تو چڑھا ہوا وظیفہ اُسکا نہ جاتا رہیگا اور نہ آیندہ کا وظیفہ موقوف ہوگا بشرطیکہ وہ تحصیل علم کے لیے کہین چلا گیا ہو اور مدرسہ سے بالکل قطع تعلق نہ کر لیا ہو اور اپنے اُستاد سے اجازت لے لی ہو۔ یا صرف پندرہ روز تک بہ عذرات شرعیہ غیر حاضر رہا ہو یعنی طلب معاش کے لیے یا حج کو گیا ہو مگر تین مہینہ سے زیادہ غیر حاضر نہ رہا ہو۔

خدام وقف کو عذرات شرعیہ سے رخصت مل سکتی ہے اور زمانہ رخصت کی تنخواہ اُنکی نہ ضبط کیجائے الا اینکہ اُنکے رخصت کے زمانہ مین کام کرنے کے لیے عوضی مقرر کیے گئے ہون۔

قاضی کو وہ وظیفے مقرر کرنے کا اختیار نہین ہے جو واقف نے نہ مقرر کیے ہون مگر جو وظیفے واقف نے مقرر کیے ہون اُنکی مقدار قاضی معین کر سکتا ہے۔ اگر یہ شرط ہو کہ وظائف کی مقدار متولی مقرر کریگا تو قاضی کو کچھ اختیار اس باب مین نہین ہے۔ علامہ خیر الدین نے اپنی کتاب خیریہ[1] مین فرمایا ہے کہ قاضی کے اختیارات اُس صورت مین مقید ہین جبکہ واقف نے صاف لکھدیا ہو کہ یہ وقف فی نفسہ عام نہین ہے اور قاضی کو اسمین کچھ اختیار نہوگا۔ البتہ "یہ اُن اوقاف پر صادق آتا ہے جو خاص خاص اشخاص نے کیے ہون۔ اوقاف سلطانی ظاہرا قاضی کے اختیار مین ہین۔"

[1] خیریہ بحر الرائق کی شرح ہے ۱۲۔ منہ

متولی کی تنخواہ مقرر کرنے مین قاضی کو اُس تنخواہ کا لحاظ کرنا چاہیئے جو روا جاً اُسکو مل سکتی ہو مگر اُسکی تنخواہ آمدنی وقف کی ایک عشر یعنی دسوین حصہ سے زیادہ نہ ہونی چاہیئے۔ البتہ واقف کو اختیار ہے کہ جتنی تنخواہ چاہے مقرر کرے لیکن اگر بہت کم تنخواہ مقرر کی ہو تو متولی کی درخواست سے قاضی ایک مشاہرہ مناسب مقرر کرسکتا ہے[1]

متولی امام یا خطیب کے وظائف مین اضافہ کرنے کا اختیار نہین رکھتا ہے۔ البتہ قاضی اُنکو بڑھا دینے کا اختیار رکھتا ہے بشرطیکہ اُسکی راے مین ایسا کرنے سے مسجد کا فائدہ متصور ہو یا بشرطیکہ اُتنی کم تنخواہ پر جتنی واقف نے مقرر کی ہے لائق آدمی جو امام یا خطیب کے کام کی لیاقت رکھتا ہو نہ میسر آسکے۔ اور یہی اصول ہر ملازم وقف سے متعلق ہوگا جیسے موذن اور مدرس وغیرہ۔ اگر یہ لوگ اُس تنخواہ پر نہ مل سکین جو واقف نے مقرر کی ہے تو قاضی کو بقیہ سرمایۂ وقف سے اُنکی تنخواہ زیادہ کردینے کا اختیار ہے۔ قاضی کو اختیار ہے کہ واقف کے اہل خاندان یا موقوف علیہم سے استصواب کرکے بقیہ سرمایۂ وقف کے صرف کا انتظام کردے۔

صرف موقوف علیہم کی شکایت سے قاضی متولی کو نہین معزول کرسکتا خواہ واقف نے خواہ خود اُسنے مقرر کیا ہو۔ مگر متولی کی بداعمالی یا خیانت ثابت ہوجانے پر اُسکو موقوف کرسکتا ہے[1]

اگرچہ موقوف علیہم کی شکایت سے قاضی متولی کو معزول نہین کرسکتا تاہم اگر وہ شکایت اُسکے نزدیک معقول ہو اور نیک نیتی سے کی گئی ہو تو دوسرے شخص کو متولی کے ساتھ شریک کرکے اُسکی تنخواہ متولی کی تنخواہ مین سے یا سرمایہ وقف سے مقرر کرسکتا ہے[1]۔ اسی طرح سے کسی شخص کی شکایت بلا ثبوت پر قاضی اُس شخص کو بھی نہین معزول کرسکتا ہے جسکو متوفی نے مقرر کیا ہو۔

---

[1] جامع الفصولین ۱۲ منہ [1] صفحات اور انفع الوسائل سے لیا گیا ہے ۱۲ منہ

جو نقصان وقف کا متولی کے دیدہ و دانستہ غفلت سے ہو جائیگا وہ اُسی سے لیا جائیگا۔ البتہ اسمین شک ہے کہ جو متولی مفت بلا تنخواہ کام کرتا ہو اگر اُسکی غفلت سے وقف کا نقصان ہو جاوے تو آیا اُسکی تلافی اُسکو کرنی پڑیگی۔

متولی وقف کے لیے قرضہ نہین لے سکتا اگر واقف کے ارشاد کی وجہ سے یا اُس کے ارشاد کے موافق قرض لے سکتا ہے متولی جائداد وقفی پر کوئی بار نہین ڈال سکتا نہ کوئی قرضہ وغیرہ اُس جائداد پر عائد کر سکتا ہے اِلّا اینکہ ایسا بار ڈالنے یا ایسا قرضہ عائد کرنے کا اختیار اُسکو واقف نے صریحًا دیدیا ہو۔ یہ قید وصی کے اختیارات سے نہین متعلق ہے اسواسطے کہ وصی کو جائز ہے کہ جو نابالغ اُسکے سپرد کیے گئے ہون اُنکے حوائج ضروریہ کے لیے قرض لے اور وہ قرضہ جو نابالغ کی طرف سے وصی نے نیک نیتی سے لیا ہو اُس نابالغ پر اور اُسکی جائداد پر عائد ہوگا۔ مگر جو قرضہ متولی نے اپنی ذمہ داری پر لیا ہو اور جسکا حکم وقفنامہ مین نہ لکھا ہو وہ کسی حال مین اُس وقف پر نہ عائد ہوگا۔ بلکہ وہ قرض متولی کا ذاتی قرضہ ہوگا۔ اگر وقف کے لیے قرض لینے یا جائداد وقفی پر کوئی بار ڈالنے کی ضرورت ہو تو پہلے قاضی کی منظوری حاصل کر لیجائے تب متولی ایسا کر سکتا ہے۔ یہ اصول اُس قرضہ سے نہین متعلق ہے جو بمقتضی حوائج بشری وقف کا کام چلانے کے لیے ہر روز لینا پڑے۔ مثلاً مسجد کے چراغ کے لیے تیلی سے تیل قرض لینا یا نان بائی سے مدرسہ کے طالب علمون کے واسطے روٹی قرض لینا۔ ایسے سب قرضے صرف ایک میعاد معین کے بعد ادا ہو سکتے ہین اور ایسے ضروری قرضے جائداد وقفی پر خواہ مخواہ عائد ہونگے۔

متولی بغیر قاضی کی منظوری کے مال وقف پر کوئی بار ڈالنے کا اختیار نہین رکھتا ہے

اگر وقف کے تحفظ کے لیے متولی نے وقف کو روپیہ قرض دیا ہو تو وہ اُس روپیہ کو وقف کی آمدنی سے وصول کر سکتا ہے۔ مگر جب متولی جائداد وقفی پر اُس روپیہ کا دعویٰ رکھتا ہے

لہ ردالمختار صفحہ ۴۹۹ - ۱۲منہ ۲ہ یہ قول ابولیث کا ہے ۱۲منہ ۳ہ ردالمختار صفحہ ۶۵۰ - ۱۲منہ

جو خود اُسنے اپنے پاس سے قرض دیا ہو تو اُسکو اپنا دعویٰ دلیل شرعی سے ثابت کرنا پڑیگا ورنہ اُسکا دعویٰ نامسموع ہوگا۔ پس متولی پر فرض ہے کہ صاف صاف حساب مصارف وقف کا مع رسیدات اور دیگر قسم کے ثبوت کے رکھے۔ اِس صورت مین اگر وہ اپنے قرضہ کا دعویٰ وقف پر کریگا تو وہ دعویٰ مسموع ہوگا اور وہ قرضہ وقف کی آمدنی یا منافع ادا کیا جائیگا۔ مگر کوئی قرضہ متولی یا غیر متولی کا مال وقف پر نہین عائد ہوسکتا ہے تاوقتیکہ قاضی کی منظوری سے نہ لیا گیا ہو۔

فصل سوم

مال وقف کو اجارہ پر دینا۔

فقیہ ابوجعفر نے فرمایا ہے کہ جب واقف نے وقف نامہ مین کوئی شرط اِس بابہ مین نہ لکھی ہو کہ مال وقف اجارہ پر دیا جائے تو متولی کو جائز ہے کہ اُسکو اجارہ پر دیدے مگر شرط یہ ہے کہ مکان کو سال بھر سے زیادہ کرایہ پر نہ دے۔ اِلّا اینکہ ایسا دستور رہا ہو یا ایسا کرنا وقف کے حق مین مفید ہو) اسواسطے کہ زیادہ مدت کا قبالہ یا پٹہ شاید اتصال حقوق یا اشتباہ کا باعث ہوجائیگا۔ اور وہ وقفی زمین کا پٹہ تین برس سے زیادہ میعاد کا نہین دے سکتا اِلّا اینکہ اِس سے زیادہ میعاد مین وقف کا فائدہ متصور ہو اور قاضی کی منظوری حاصل کی گئی ہو۔ جب وقف نامہ مین لکھا ہو کہ اِس زمین کا پٹہ سال بھر کا دیا جائے اور متولی اُس سے زیادہ میعاد کا پٹہ دیدے تو قاضی اِسمین غور کرے کہ آیا اِس سے وقف کا فائدہ متصور ہے۔ اگر وقف کا فائدہ نہ متصور ہو تو قاضی اُس پٹہ کو منسوخ کرسکتا ہے۔ اِس مسئلہ مین فقیہ ابوبکر محمد ابن فضل اور امام ابوالحسن علی السغدی نے اتفاق کیا ہے۔ مگر فقیہ ابولیث نے مکانات اور اراضی مین کچھ فرق نہین کیا ہے اور فرمایا ہے کہ متولی جملہ اقسام کے وقف کا اجارہ یا پٹہ تین سال کا بلا منظوری قاضی دے سکتا ہے۔ مگر قاضی کو اختیار ہے کہ وقف کے فائدہ کا لحاظ کرکے جتنی میعاد کا

اجارہ یا پٹہ چاہے دے سکتا ہے۔

(۱) اگر کوئی وصی یا ولی اُس نابالغ کی جائداد کو جو اُسکے زیر حراست ہو بغیر لگان یا کرایہ مناسب و رواجی اجارہ یا ٹھیکہ پر دیدے یا اگر متولی ایسا فعل نسبت جائداد وقفی کرے تو ایسی سب صورتون مین علامہ ابو باقر محمد ابن فضل کے نزدیک مستاجر یا ٹھیکہ دار یا کرایہ دار غاصب سمجھا جائیگا مگر خصاف کے نزدیک وہ غاصب نہ تصور کیا جائیگا بلکہ لگان یا کرایہ مناسب رواجی اُس سے لیا جائیگا اور اِسی قول کے موافق فتوی ہے ''۔

جو اجارہ یا پٹہ متولی نے دیا ہو وہ اُس کے مرنے سے نہین منسوخ ہو سکتا۔ مال وقف کا مستاجر زمین وقفی پر درخت لگا سکتا ہے یا عمارت بنوا سکتا ہے بشرطیکہ ایسے فعل سے اُس وقف کو کسی طرح کا ضرر نہ پہونچے مگر وہ کنوان نہین کھود سکتا نہ تالاب بنوا سکتا ہے۔ اگر متولی اُسکو اجازت دیدے تو بھی صرف وہ ایسے افعال کر سکتا ہے جو مال وقف کے حق مین مفید ہون۔[۲]

مستاجر نے جو عمارت وغیرہ جائداد وقفی مین اپنے صرف سے بنوائی ہو اُسکو اٹھا لیجا سکتا ہے بشرطیکہ اُسکے اٹھا لیجانے سے اُس جائداد کو کوئی ضرر نہ پہونچے۔

درباب اُن مکانات کے جو زمین وقفی پر بنائے گئے ہون احکام ذیل جاری ہونگے۔

(۱) اگر وقف کا متولی مال وقف سے یا اُسکی آمدنی سے کوئی مکان بنوائے تو وہ مکان اُس وقف کا مال ہو جائیگا خواہ وہ مکان اُس وقف کے لیے بنوایا ہو خواہ متولی نے اپنے واسطے بنوایا ہو خواہ وہ بے کسی غرض خاص کے یوہین بنوا لیا گیا ہو۔ اگر متولی نے اپنے صرف یا اپنے مصالح سے وہ مکان بنوایا ہو مگر وقف کے لیے یا یوہین بنوایا ہو تو بھی وہ وقف کا مال ہے اِلّا اینکہ خود واقف متولی ہو اور وہ مکان بے کسی غرض خاص کے

---

[۱] مقدمہ ڈالرمپل صاحب بنام عزیز الاسلام - رپورٹ صدر دیوانی عدالت صفحہ ۵۸۶ مطبوعہ ۱۸۵۵ع

[۲] مقدمہ شجاعت علی بنام ضمیرالدین ویکلی رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۱۵۸ - ۱۲ منہ ۔ ردالمختار صفحہ ۶۵۰ - ۱۲ منہ

بنوایا گیا ہو کہ اس صورت مین وہ متولی کا مال باقی رہیگا جیسا ذخیرہ مین لکھا ہے۔ اگر متولی نے اپنے صرف خاص سے اور اپنی غرض خاص سے مکان بنوایا ہو اور اس امر کی شہادت رکھتا ہو کہ وہ مکان اسی کے سرمایہ سے اور اسی کی غرض کے لیے بنوایا گیا تھا تو وہ اسی کا مال رہیگا۔ قنیہ اور مجتبیٰ مین یہی لکھا ہے۔

جب متولی کے سوائے اور کوئی شخص جائداد وقفی پر مکان بنوائے اور اسی جائداد کے فائدہ کے لیے بنوالے (گو چند روز کے لیے اور اسکو واپس کر لینے کی غرض سے بنوایا ہو) پس اگر وہ مکان متولی کی اجازت سے بنوایا ہے تو وہ وقف ہو جائیگا۔ اور یہی اس صورت مین بھی ہوگا جبکہ وہ مکان بلا اجازت متولی بنوالیا ہو گو وقف کے فائدہ کے لیے بنوایا ہو۔ مگر جب وہ مکان بنوانے والے کے اغراض ذاتی سے بنایا گیا ہو یا جب بے کسی غرض خاص کے بنالیا گیا ہو تو بنوانے والا اسکو شرعاً منتقل کر سکتا ہے بشرطیکہ اسکے منتقل کرنے سے مال وقف کو کچھ نقصان نہ پہونچے۔ فتاوائے قاضی خان مین لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد مین درخت لگائے تو وہ درخت مسجد کا مال ہو جائیگا۔ اگر کوئی متولی زمین وقفی اپنے باپ یا بیٹے کو اجارہ پر دے تو یہ جائز نہین ہے تاوقتیکہ اسکا لگان لگان معمولی سے زائد نہ مقرر کیا جائے جیسے وصی نابالغ کے مال کو نہین فروخت کر سکتا مگر قیمت معمولی سے زائد قیمت پر۔

اگر واقف نے یہ شرط کر لی ہو کہ سال بھر سے زیادہ میعاد کا پٹہ نہ دیا جائے اور یہ معلوم ہو کہ اس سے زائد میعاد کا پٹہ جائداد وقفی کے حق مین مفید ہوگا تو متولی کو چاہیئے کہ قاضی سے درخواست کر کے زیادہ میعاد کا پٹہ دینے کی اجازت حاصل کرے اور قاضی کی ہدایت پر عمل کرے۔

فصل چہارم

احکام تولیت قاضی خان کے قول کے موافق۔

امام ابو یوسف کے نزدیک جواز وقف کے لیے متولی کے سپرد کر دینا نہین لازم ہے مگر امام محمد کے نزدیک لازم ہے۔ امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ تولیت واقف ہی کی رہیگی گو اُسنے کوئی شرط اس مضمون کی نہ کرلی ہو اِلّا اینکہ اُسنے اور کسی کو متولی مقرر کیا ہو۔

علماء بلخ نے امام ابو یوسف کی تقلید کی ہے اور علماء بخارا سنے امام محمد کا قول اختیار کیا ہے[1]۔

جب کوئی شخص وقف کرے اور اپنے مرنے کے وقت کسی شخص کو اپنا وصی مقرر کرے مگر اُس وقف کا کچھ ذکر نہ کرے تو وہی وصی اُس وقف کا متولی ہوگا۔ اگر کسی شخص نے خاص کسی وقف کا متولی مقرر کیا ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک وہ وصی خاص اُسی وقف کا ہوگا مگر امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک وہ عموماً وصی ہو جائیگا۔

اگر واقف مال وقف کو متولی کے سپرد کرنے کے وقت یا اُس سے پہلے یہ شرط کرے کہ متولی کے موقوف کرنے یا اُس جائداد کو بدل دینے کا اختیار اُسکو (واقف کو) رہیگا تو وہ ایسا کر سکتا ہے مگر امام محمد کے نزدیک ایسا نہین کرسکتا۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ ایسا کر سکتا ہے گو اُسنے ایسا اختیار اپنے لیے نہ رکھا ہو۔

اگر کوئی شخص وقف کرکے دوسرے کو اُسکا متولی مقرر کرے اور یہ شرط بھی کرے کہ اُس متولی کو بذریعہ وصیت اپنا قائم مقام مقرر کرنے کا اختیار نہوگا تو ایسی شرط جائز ہے۔

اگر کوئی شخص بحالت صحت نفس اپنی زمین غرباء پر وقف کرکے متولی کے حوالہ کردے اور بعد ازآن اپنے مرنے کے وقت اپنے وصی سے کہے کہ اِس زمین کی پیداوار سے

[1] علماء حنفیہ ہندوستان امام ابو یوسف کی تقلید کرتے ہین ۱۲ منہ [2] اس مسئلہ مین فتویٰ امام محمد کے قول کے موافق ہے ۱۲ منہ

چند حصے فلان فلان اشخاص کو دینا اور جو تمھارے نزدیک مناسب ہو وہ اِس زمین کے باب مین کرنا اور وہ وصی واقف کی اس ہدایت کی تعمیل کرے تو جائز نہین ہے اسواسطے کہ وہ وقف پہلے ہی سے کامل تھا اور واقف کو اسمین تغیر کرنے کا کچھ اختیار نہ تھا الا اسیکہ اُسنے یہ اختیار اپنے لیے باقی رکھا ہوتا۔

اگر کوئی شخص اپنی حیات مین وقف کرے اور اپنے مرنے کے وقت بھی اُسکا متولی کسی کو نہ مقرر کرے مگر وصی مقرر کر جائے تو وہ وصی اُس وقف کا متولی بھی ہوگا۔ یہ قول امام ابویوسف کا ہے اور اسی کے موافق فتوے ہے۔

لیکن اگر واقف نے اپنی زندگی مین وقف کا متولی مقرر کر دیا ہو تو اُسکا وصی وقف کا متولی نہوگا۔ علماء مین اس مسئلہ مین بڑا اختلاف ہے کہ آیا اہل مسجد اُسکے متولی کے مرنے کے بعد کوئی اور متولی بغیر حکم قاضی مقرر کرسکتے ہین۔ قول صحیح یہ ہے کہ ایسا تقرر جائز نہ ہوگا لیکن جو شخص اس طور سے مقرر کیا گیا ہو اگر اُسنے اس وقف سے کچھ فراخدلی سے خرچ کیا ہو اور صرف مباح و مشروع کیا ہو تو وہ اُسکا ذمہ دار نہ ہوگا۔[۱]

مگر جب وقف چند خاص اشخاص پر کیا گیا ہو جنکی تعداد محدود ہو اور وہ سب بالاتفاق کسی شخص کو متولی مقرر کر دین تو ایسا تقرر بلا اجازت قاضی جائز ہوگا۔ تاہم بہتر یہی ہے کہ یہ مقدمہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے کہ جسکو وہ سب سے زیادہ لائق سمجھے اُسکو متولی مقرر کردے۔ متاخرین کا قول یہ ہے کہ اس زمانہ مین قاضی سے تقرر متولی کی درخواست کرنا کچھ ضرور نہین ہے کیونکہ اس زمانہ کے قضات معتبر نہین ثابت ہوے ہین۔ تاہم اہل مسجد یا نمازیون کو یہ اختیار نہین ہے کہ بغیر قاضی کے اطلاع دہی اور بغیر اُس کی منظوری کے متولی مقرر کرین یعنی بغیر قاضی کی راے دریافت کیے ایسا نہین کرسکتے۔

---

[۱] ردالمحتار مین لکھا ہے کہ یہ قول متاخرین نے ترک کر دیا ہے اور اُنکے نزدیک ایسے تقررات جائز ہین ۱۲۔ منہ

ناظر وقف کا روپیہ نہیں صرف کرسکتا کیونکہ یہ کام متولی کے سپرد کیا گیا ہے اور ناظر کا کام وقف کا تحفظ اور نگرانی کرنا ہے۔

اگر کوئی شخص مرض الموت کے عالم مین اپنے وصی کو یہ وصیت کرے کہ میرے مکان کے کرایہ مین سے دس درہم ماہواری کا کھانا خریدکر غربا پر تقسیم کردیا کرنا تو وہ مکان وقف ہوجائیگا۔ یعنی یہ بمنزلہ اسکے ہوگا کہ اسنے یہ وصیت کی ہے کہ " اپنے مرنے کے بعد یہ مکان مین نے فقرا پر وقف کیا "

متولی کو جائز ہے کہ وقف کی آمدنی سے دوکانین اور مکانات وغیرہ بنوا دے جس سے وقف کو منافع ملے۔ جتنی جائدادین متولی نے وقف کی آمدنی سے خریدی ہون وہ سب اس وقف مین شامل ہوجائینگی اور انپر سب احکام شرعی اصل وقف کے جاری ہونگے۔ اور متولی بلامنظوری قاضی انمین کچھ تصرف نہ کرسکیگا۔

اگر واقف کی ہدایات یا قواعد انتظام وقف نہ دریافت ہوسکین تو متولی کو چاہیئے کہ اپنے پیشتر کے متولی کا دستور العمل تحقیق کرکے اسپر عمل کرے۔ متولی کوئی ایسا خرچ نہین کرسکتا جو اصل منشاء وقف کے بالکل خلاف ہو۔ مثلاً متولی مسجد کے سرمایہ سے کپڑا خریدکر فقرا پر نہین تقسیم کرسکتا اور اگر وہ ایسا کرے تو اسکو وہ روپیہ اپنی گرہ سے دینا پڑیگا۔

اگر متولی مسجد کے لیے کچھ اشیاء ضروری مہیا کرنے کے لیے روپیہ قرض لے اور اس مسجد کا کچھ روپیہ نہ باقی رہا ہو یعنی اگر اسنے وقف کے لیے اسباب اس نیت سے خریدا ہو کہ جب اسکا کرایہ وصول ہوگا تو اس اسباب کی قیمت ادا کردیگا یا اگر اسنے اس اسباب کی قیمت اپنے پاس سے دیدی ہو تو وہ اسکا مستحق ہے کہ جب کرایہ وصول ہو تو اس اسباب کی قیمت دیدے یا خود اسکی قیمت لے لے جیسی صورت ہو۔

مگر متولی کوئی بار بطور رہن وغیرہ کے جائداد وقفی پر کسی حال مین نہین ڈال سکتا۔

اور موقوف علیہم بھی جائداد وقفی کو مکفول نہین کرا سکتے - پس اگر متولی جائداد وقفی کو
رہن رکھکر مرتہن کا قبضہ کرادے تو مرتہن اُسکے معمولی کرایہ یا لگان کا ذمہ دار ہوگا -
اسی طرح اگر متولی وقفی زمین کو فروخت کرڈالے اور بعد ازآن اُس بیع کو قاضی منسوخ
کردے تو اگر مشتری نے اُسپر قبضہ کرلیا ہو تو بھی وہ اُسکے منافع کا حسب شرح معمولی
ذمہ دار رہیگا -

اگر کوئی شخص مال وقف مین سے کوئی چیز پا جائے تو متولی اُسمین سے کچھ اُس
شخص کو دے سکتا ہے بشرطیکہ وہ غریب ہو -

جب متولی مرض الموت مین مبتلا ہو تو تولیت دوسرے شخص کو تفویض کرسکتا ہے
یعنی اپنی جگہہ پر کسی کو متولی مقرر کرسکتا ہے کیونکہ متولی مانند وصی کے ہے اور وصی
اپنی جگہ پر دوسرے شخص کو اصل موصی کا وصی مقرر کرسکتا ہے -

اگر کوئی حصہ مکان وقفی کا ایسا شکست ہو کہ لوگون کی ہلاکت کا خوف ہو اور
قرب وجوار کے لوگ متولی سے اُسکی مرمت پر اصرار کرین مگر متولی پاس اُسکی مرمت
کے لیے روپیہ نہ ہو تو وہ قاضی کی اجازت سے اِس مقصد کے لیے روپیہ قرض لے سکتا ہے
متولی قرض صرف اُسوقت لے سکتا ہے جبکہ کوئی ایسا سرمایہ وقفی اُسکے پاس نہ ہو جس سے
وہ اُس وقف کے حوائج کو رفع کرسکے - متولی کو جائز ہے کہ جو روپیہ اُسنے اپنے پاس سے
مقاصد وقف مین لگایا ہو اُسکو وقف کی آمدنی مین سے مجرا لے بشرطیکہ جائز طور سے
اُس روپیہ کو صرف کیا ہو -

اگر کوئی شخص اپنی زمین غربا پر وقف کرے مگر مرمت یا کاشت کے مصارف کے لیے
کوئی رقم خاص نہ مقرر کی ہو تو پہلے اُس زمین کی آمدنی سے خراج دیا جائیگا اُسکے بعد
مصارف تحصیل و مرمت و کاشت وغیرہ دیے جائینگے اور یہ مصارف دینے کے بعد جو کچھ
باقی رہیگا وہ غربا کو دیا جائیگا - یعنی اگر زمین وقفی پر درخت خرما ہون تو متولی کو چاہیئے

کرنے درخت خراب ہونے اور پرانے درختون کی حفاظت مین اور دیواریں اور باندہ بنوانے مین روپیہ صرف کرے تاکہ وہ میوہ دار درخت مرجھا کر ضایع نہ ہو جائین - اگر کوئی حصہ زمین وقفی کا غیر قابل الزراعت ہو تو متولی کو چاہیئے کہ اُسکی آمدنی سے روپیہ لیکر اُسکو قابل کاشت کرنے مین صرف کرے - اگر غلہ رکھنے کے لیے مٹھورون کی ضرورت ہو یا وقفی زمین مین آب پاشی کے لیے حوض بنانے کی احتیاج ہو تو متولی ایک جزو آمدنی وقف کا اِن مقاصد مین صرف کر سکتا ہے - اگر وقفی زمین شہر کے متصل ہو اور اُسکو اسامیون کو دینے مین زیادہ تر فائدہ متصور رہو بہ نسبت اِسکے کہ اُسکی خود کاشت کیجائے تو متولی اُن اسامیون کے لیے کوٹھریان بنوا سکتا ہے یا بغیر کوٹھریان بنوائے اُنکو وہ زمین جوتنے کے لیے دے سکتا ہے -

امام محمد نے فرمایا ہے کہ اگر اراضی وقفی غیر قابل الزراعت ہو جائے اور اُسکی آمدنی موقوف ہو جائے اور اُسکی قیمت سے متولی اور زمین خرید سکتا ہو جس سے زیادہ منافع مل سکے تو مناسب ہے کہ وہ ایسا ہی کرے یعنی قاضی سے اجازت لیکر وہ اُس زمین کو بیچڈالے اور اُسکی قیمت سے دوسری زمین خرید لے - لیکن اگر وہ زمین شہر سے اتنے فاصلہ پر ہو کہ اگر وہان مکانات بنوائے جائین تو اُنسے کچھ منفعت نہ ملے گی تو متولی مکانات نہ بنوائے - ابو جعفر کا قول یہ ہے کہ جب واقف نے یہ نہ کہا ہو کہ کس طریقہ سے زمین وقفی استعمال کیجائے تو متولی اُسکو اُس مصرف مین لا سکتا ہے جسمین مستحقین کا نفع کثیر متصور ہو مگر بے قاضی کی منظوری کے وہ اُسکا طولانی پٹہ نہین دے سکتا -

اگر واقف نے یہ شرط کر لی ہو کہ متولی زیادہ میعاد کا پٹہ زمین وقفی کا نہ دے اور لوگ کم میعاد کا پٹہ نہ لین اور اُس زمین وقفی کا فائدہ اِسی مین ہو کہ زیادہ میعاد کا پٹہ دیا جائے تو متولی اِس مقدمہ کو قاضی کے محکمہ مین پیش کرے اور اگر قاضی مناسب سمجھے تو اِس مضمون کا حکم صادر کرے اسواسطے کہ قاضی غرباء کا محافظ ہوتا ہے -

اگر واقف نے یہ شرط کرلی ہو کہ متولی زیادہ میعاد کا پٹہ نہ دے تاوقتیکہ اسکو یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس سے مستحقین وقف کو نفع کثیر ہوگا تو بشرط ضرورت متولی اُس زمین کا زیادہ میعاد کا پٹہ بلا اجازت قاضی دے سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص کچھ جائداد وقف کرکے کہدے کہ متولی اسکی آمدنی جسکو چاہے دے یا اسکے منافع کو اپنی رائے کے موافق صرف کرے تو یہ جائز ہے اور متولی وہ آمدنی امراء و غرباء دونوں کو دے سکتا ہے[1]۔

نواں باب

فصل اوّل

واقف کے اختیارات

امام ابو یوسف کے نزدیک واقف کو جائز ہے کہ وقف کی آمدنی اور منافع اور اُسکے انتظام کو اپنے لیے مخصوص کرلے اور اسی قول کے موافق فتویٰ ہے[2]۔

واقف کو یہ شرط کرنا بھی جائز ہے کہ زمین وقفی کا مبادلہ اور کسی جائداد سے کرلیا جائے یا وہ فروخت کیجائے۔ اور محاصل بیع مقاصد وقف کے لیے اور کسی زمین یا تجارت وغیرہ میں لگایا جائے اور اسکی آمدنی اغراض وقف میں صرف کیجائے۔ واقف وقف کی آمدنی کو اپنے مصارف ذاتی کے لیے کلاً یا جزاً مخصوص کرسکتا ہے[3]۔

پس نتیجہ یہ ہوا کہ امام ابو یوسف کے نزدیک واقف اپنے نفس پر وقف کرسکتا ہے مگر امام محمد کے نزدیک ایسا وقف ناجائز ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک آدمی اپنے

---

[1] اگرچہ ایسے اوقاف میں مال وقف کا انتظام متولی کی رائے پر موقوف رکھا گیا ہے تاہم اس اختیار کے ساتھ ایک فرض بھی رکھا گیا ہے۔ پس قاضی متولی کو مجبور کرسکتا ہے کہ جائداد وقفی کی آمدنی کا خیر میں صرف کرے ۱۲ منہ [2] فاٹن صاحب کی ریورٹ صفحہ ۳۴۵ ۔ ۱۲ منہ [3] امام محمد کے نزدیک واقف کوئی جزو منافع وقف کا اپنے لیے نہیں رکھ سکتا۔ ۱۲ منہ

غلامون پر بھی وقف کرسکتا ہے۔

فتاوائے قاضی خان مین لکھا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے نفس پر اور دوسرے شخص پر وقف کرے تو اُس شخص کی نسبت تو وہ وقف جائز ہوگا مگر خود واقف کی نسبت ناجائز ہوگا۔ اور اگر وہ کہے کہ یہ وقف اُس شخص کو میرے بعد ملے گا تو سارا وقف باطل ہوجائیگا[1] یہ قول ضعیف ہے اور یہ حکم شرع نہین سمجھا گیا ہے جیسا بحرالرائق مین لکھا ہے کہ ایسے وقف کے جواز کی علمائے نے تصریح کردی ہے۔

[2] فتوائے امام ابویوسف کے قول کے موافق ہے اور اُنکے قول کو صدر الشہید اور علمائے بلخ نے اختیار کیا ہے۔ اور بحر مین حاوی سے لکھا ہے کہ یہی قول فتوے کے لیے اختیار کیا گیا ہے تاکہ لوگون کو وقف اور امور خیر کرنے کی ترغیب پیدا ہو۔

جائداد وقف کو اور جائداد سے مبادلہ کرنے کے مسئلہ کی تین صورتین ہین۔ (۱) اگر واقف نے اپنے لیے یا متولیون کے واسطے مال وقف کے مبادلہ کا اختیار باقی رکھا ہو تو اِس صورت مین بے شک مبادلہ ہوسکتا ہے۔ (۲) اگر ایسا اختیار تو باقی رکھا ہو مگر جائداد وقفی سے کچھ منفعت نہ ملتی ہو تو اُسکا مبادلہ قاضی کی اجازت سے ہوسکتا ہے (۳) اگر مبادلہ سے صرف وقف کا فائدہ متصور ہو تو اِس صورت مین مبادلہ ناجائز ہے

امام ابویوسف کے نزدیک واقف اپنے لیے اختیار مبادلہ باقی رکھہ سکتا ہے اور قاضی خان نے اِسی قول کو صحیح لکھا ہے اور دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ یہ قول بالاجماع صحیح ہے۔

صرف بیع کا اختیار رکھنا باعث عدم جواز وقف کا ہوگا تاوقتیکہ اُسکے ساتھ

[1] ردالمحتار صفحہ ۵۹۰-۱۲ منہ [2] کما قال الصدر الشہید وھو مختار اصحاب المتون رجحہ فی الفتح و اختارہ مشائخ بلخ وفی البحر عن الحاوی انہ المختار للفتوی ترغیباً للناس فی الوقف وتکثیر الخیر ۱۲ منہ

یہ اختیار بھی نہ رکھا گیا ہو کہ وقف کی آمدنی دوسری جائداد مین لگا دیجائیگی اور اصل وقف کے شرائط اُسمین بھی جاری ہونگے خواہ ایسا اختیار صریحاً خواہ ضمناً رکھا گیا ہو۔

اگر کوئی شخص کہے کہ اگر ضرورت ہو تو زمین وقفی کو بیچکر محاصل بیع سے اور کوئی جائداد خرید لیجائے تو اُس نئی جائداد مین سب احکام وقف جاری ہونگے اور اصل وقف کے شرائط اُس سے بھی متعلق ہونگے[۱]۔

واقف کو یہ اختیار اپنے لیے باقی رکھنا جائز ہے کہ جس شخص کو چاہے منافع وقف سے خارج کرے اور وظیفہ خواران وقف کی تعداد جتنی چاہے بڑھا دے اور اُنکے وظائف مین جتنی تخفیف چاہے کرے۔

اگر واقف یہ شرط کرے کہ سلطان یا قاضی اِس وقف مین دست اندازی نہ کرین تو بھی اُسکی نگرانی قاضی کریگا کیونکہ قاضی کی نگرانی افضل ہے۔ بحر الرائق سے لیا گیا ہے۔

ایک محلہ کے وقفی مکان کا مبادلہ دوسرے محلہ کے مکان وقفی کے ساتھ نہین ہوسکتا تاوقتیکہ یہ محلہ اُس محلہ سے بہتر نہو۔ علامہ سرخسی نے وقف کے مبادلہ پر ایک اور قید لگادی ہے کہ جس چیز سے مال وقف کا مبادلہ کیا جائے اُسکو چاہیئے کہ اُسی قسم کی ہو جس قسم کا وہ مال وقف ہو۔ مگر ردالمحتار مین شارح نے لکھا ہے کہ ایسی قید نہ لگانی چاہیئے اسواسطے کہ یہ دیکھنا لازم ہے کہ کس چیز کے ساتھ اُسکا مبادلہ کرنے سے زیادہ فائدہ ہوگا۔ مثلاً اگر کسی شخص نے دوکانین وقف کی ہون اور اُن دوکانون کو بیچکر محاصل بیع سے زمین خرید لینا زیادہ ترمفید سمجھا جائے کہ اُس سے مقاصد وقف کے لیے زیادہ آمدنی ہوگی۔ لہذا جب متولی یا واقف کو یہ اختیار دیدیا گیا ہو کہ جائداد وقفی کو فروخت کرکے محاصل بیع سے اور کوئی جائداد خرید کر وقف کردے تو اِس اختیار مین یہ قید نہ لگانی چاہیئے کہ نئی جائداد بھی اُسی قسم کی ہو جس قسم کی پہلی جائداد تھی۔

---

[۱] ردالمحتار صفحہ ۵۹۹ - ۱۲ منہ -

مال وقف کے منافع سے درہم و دینار لے سکتے ہین مگر یہ یاد رہے کہ جب مال وقف کا
مبادلہ نقد روپیہ سے کیا جائے تو اُس روپیہ کے ضایع ہونے کا خوف ہے لہذا منافع
وقف کو بصورت زر نقد رکھنا مستحسن نہین ہے لیکن اگر منافع وقف اس صورت سے
رکھا جائے کہ اُسمین افزونی ہوتی جائے اور اُسکے عین یا اصل مین کمی نہ ہو جیسے پرامسری
نوٹ ہین تو ایسا مبادلہ جائز ہے۔ قاضی کو اور بعض صورتون مین متولی کو بھی یہ حق حاصل
ہے کہ جب واقف نے کوئی ایسی شرط کی ہو کہ اُسکے وقف کی نوعیت کے خلاف ہو یا
جس غرض سے وقف کیا گیا ہے اُسکی منافی ہو تو اُس شرط کی پابندی نہ کرے۔ مثلاً
اگر واقف نے یہ شرط کر لی ہو کہ قاضی اُس متولی کو نہ موقوف کرے جسکو واقف یا
اُسکے ورثہ نے مقرر کیا ہو تاہم قاضی اُس متولی کو موقوف کر سکتا ہے جسکی نالائقی ثابت
ہوئی ہو یا جسنے کوئی بدفعلی یا وقف مین خیانت کی ہو۔ یا اگر وقف نامہ مین لکھا ہو کہ متولی
زمین وقفی کا پٹہ برس روز سے زیادہ کا نہ دے مگر اس میعاد کا پٹہ کوئی شخص نہ قبول کرے
تو قاضی کو اختیار ہے کہ متولی کو اجازت دے کہ سال بھر سے زیادہ میعاد کا پٹہ دیدے
یا اگر واقف نے کہدیا ہو کہ جن لوگون کو فلان مسجد سے رزق یا آذوقہ ملتا ہے
اُنکو اس وقف مین کچھ نہ دیا جائے تو بھی متولی کو جائز ہے کہ اُنھین غربا کو اس
وقف مین سے بطور خیرات کے دے۔ یا اگر اُسنے یہ شرط کر لی ہو کہ
جس شخص پر وقف کیا گیا ہے وہ ایک معین راتب ہر روز پایا کرے تو متولی
بہ رضامندی حقداران وقف اُس روزانہ راتب کو نقد روپیہ سے
بدل سکتا ہے۔

قاضی کو یہ بھی جائز ہے کہ اگر امام کی تنخواہ کم ہو تو اُسکو بڑھا دے بشرطیکہ وہ عالم
اور متقی ہو اور اضافہ تنخواہ کا مستحق ہو۔

کتاب زواہر الجواہر مین جو اشباہ النظائر کی شرح ہے لکھا ہے کہ قاضی یہ اختیار رکھتا ہے

کہ ایک متولی اُس شخص کے ساتھ شریک کرے جسکو واقف نے مقرر کیا ہو گو واقف نے اِسکے خلاف شرط کر لی ہو بشرطیکہ قاضی کے نزدیک ایسا کرنے سے وقف کا فائدہ متصور ہو[1]۔

جب متولی یا واقف وقف کے لیے ضروری یا مفید سمجھے کہ جائداد وقفی کو بیچکر محاصل بیع سے اور کوئی جائداد خرید لیجائے تو وہ صرف قاضی یا حاکم شرع کی اجازت سے ایسا کرسکتا ہے[2]۔

دسوان باب

فصل اوّل

وقف اشیاء غیر موجودہ پر۔

وقف جائز ہے گو اُس بچہ پر کیا گیا ہو جو ہنوز رحم مادر مین ہو یا اُس چیز پر کیا گیا جو موجود نہ ہو۔ مثلاً جب زید کے لڑکون پر وقف کیا جائے اور اُسوقت تک اُسکے لڑکے پیدا نہ ہوے ہون یا مسجد پر کیا جائے جو ہنوز تعمیر نہ ہوئی ہو تو ایسا وقف جائز ہے اور اُسکا منافع غربا پر تقسیم کیا جائے گا جبتک کہ زید کے یہان وہ لڑکے پیدا ہون یا وہ مسجد تعمیر کیجائے۔ عالمگیریہ مین یہی لکھا ہے۔ اور نہر الفائق مین یہی لکھا ہے کہ جب موقوف علیہ ہنوز حیز وجود مین نہ آیا ہو مگر جس غرض سے وقف کیا گیا ہے وہ غرض بر آسکتی ہو تو اُس وقف کا منافع حتی الامکان اُسی مقصد مین صرف کیا جائیگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص مدرسہ کے طلبہ پر کچھ وقف کرے اور وہ مدرسہ ہنوز تعمیر نہ ہوا ہو اور دوسرے مکان مین طلبہ کو درس دیا جاتا ہو تو وہ طلبہ اُس وقف سے وظیفہ پانے کے مستحق ہونگے۔

---

[1] ردّ المختار صفحہ ۶۰۲-۱۲منہ [2] فتاوای ابوسعود مین ۹۵۱ھ ہجری کی صدر الشریعت یعنے قاضی القضات کا یہ حکم لکھا ہے کہ مال وقف بغیر حکم سلطان بیع یا مبادلہ نہ کیا جائے۔ رہا بغیر حکم قائم مقام سلطان یعنی قاضی ۔ ردّ المختار صفحہ ۶۰۳-۱۲منہ

موقوف علیہ دو طرح سے غیر موجود ہو سکتا ہے۔ اول جسوقت وقف کیا گیا ہو اسوقت
موقوف علیہ نہ موجود ہو۔ ایسے وقف کو وقف منقطع الاول کہتے ہین۔ دوم موقوف
علیہم وقف کرنے کے بعد فوت ہو جائین۔ ایسے وقف کو وقف منقطع الوسط کہتے ہین
دونو قسم کی مثالین فتاوائے قاضی خان مین لکھی ہین۔ یعنی مثلاً کوئی شخص اوس
اولاد پر وقف کرے جو اُسکے صلب سے پیدا ہو پس اگر اُسوقت اُسکی کوئی اولاد نہ ہو
تو یہ وقف منقطع الاول ہے اور اِسکا منافع فقرا کے فائدہ کے لیے صرف کیا جائیگا۔
اگر بعد ازآن اُسکے یہان اولاد پیدا ہوگی تو منافع وقف اُس اولاد کو دیا جائیگا۔[1]

اسی طرح سے جب کوئی شخص اپنی اولاد پہ وقف کرے اور اُسوقت کوئی اولاد
اُسکی نہ موجود ہو مگر اُسکا ایک پوتا ہو تو اُس وقف کی آمدنی اُسکے پوتے کو دیجائیگی جبتک
اُسکے یہان کوئی لڑکا پیدا ہو۔

قسم دوم یعنی وقف منقطع الوسط کی مثال یہ ہے کہ دو بیٹون پہ وقف کیا گیا اور اُنکے
بعد اُنکی اولاد اور اولاد کی اولاد پہ اور بعد ازآن اُنمین سے ایک بیٹا مر جائے
اور دوسرا بیٹا باقی رہ جائے تو یہ وقف منقطع الوسط ہے۔ اِس صورت مین نصف
منافع وقف اُس بیٹے کو دیا جائیگا جو زندہ رہگیا ہے اور نصف غربا و مساکین کو
دیا جائیگا اور جب وہ بیٹا بھی مر جائیگا تو کل منافع اُسکی اولاد کو ملیگا اِسواسطے کہ واقف نے
منافع وقف اپنے پوتون کو اپنے دونو بیٹون کے مرنے کے بعد دیا ہے۔ لیکن اگر یہ معلوم
ہو جائے کہ واقف کا ارادہ یہ تھا کہ جو بیٹا زندہ رہجائے اُسی کو کل منافع وقف دیا جائے
یا یہ کہ پسر متوفی کا حق اُسکی اولاد کو ملے تو اُسکے اِس ارادہ کے موافق عمل کیا جائیگا

خیریہ مین یہ مسئلہ کسی قدر فرق سے بیان کیا ہے یعنی لکھا ہے کہ جب موقوف علیہ
موجود نہ ہو یا فوت ہو جائے تو منافع وقف اُس امر مین صرف کیا جائیگا جو اُس مقصد سے

[1] ردالمحتار صفحہ ۶۶۱ - ۱۲ منہ

قریب تر ہو جس مقصد سے واقف نے وقف کیا تھا۔ مگر یہ قول علماء حنفیہ کا نہین ہے بلکہ علماء شافعیہ کا ہے جنکا قول یہ ہے کہ جب وقف اولاد صلبی پر کیا گیا ہو اور وہ نہون تو وہ وقف واقف کے ان اقربا کو دیا جائیگا جو سب سے زیادہ قریب القرابت ہون[1]

حاوی مین تمثیلاً لکھا ہے کہ جب کوئی حوض شکست ہو جائے اور اُسکی کوئی ضرورت نہ باقی رہے تو جو وقف اُس سے متعلق ہو وہ اور حوضون کے مصرف مین لایا جائے گا[2]۔

خلاصہ مین لکھا ہے کہ جب کوئی مسجد یا حوض منہدم ہو گیا ہو اور اُسکی کچھ ضرورت نہ باقی رہی ہو تو جو اوقاف اُس مسجد یا حوض سے متعلق ہون وہ اور مساجد یا حوضون سے متعلق کیے جائینگے۔ اگر امام یا نائب امام ایک قطعہ زمین بیت المال سے علیحدہ کر کے کسی شخص کو فائدۂ عام کے لیے نہر بنانے کو دے اور بعد ازآن وہ ملک ایسا تباہ و ویران ہو جائے کہ اُس نہر کی کچھ ضرورت نہ باقی رہے تو وہ زمین موقوف علیہ یا عطیہ دار کی ملکیت ذاتی نہ ہو جائیگی بلکہ وہ اِس شرط سے اُسپر قابض رہیگا کہ مواشی اور بھیڑون کے لیے اُسمین پانی جمع کریگا۔ شافعیہ کے نزدیک وہ زمین اُسی شخص کی ملکیت مطلقاً و قطعاً ہو جائیگی[3]۔

اِس اصول کا نتیجہ نہر الفائق مین یہ لکھا ہے کہ "ہمارے (حنفیہ کے) نزدیک یہ ہے کہ جب کسی وقف کے موقوف علیہم فوت ہو جائین تو اُس وقف کی آمدنی اُسی قسم کے کسی اور وقف مین صرف کیجائیگی۔ لہذا ایک مسجد کا وقف دوسری مسجد کے

---

[1] رد المحتار صفحہ ۶۴۱ – ۱۲ منہ [2] رد المحتار صفحہ ۶۴۲ – ۱۲ منہ [3] جب سلطان یا امام کسی قطعہ اراضی کو بیت المال سے علیحدہ کر کے اُسکا خراج معاف کر دے اور کہدے کہ اِسکی آمدنی فلان مصرف مین لائی جائے تو وہ قطعہ زمین وقف ہو جائیگا۔ زمین کو صرف بیت المال سے علیحدہ کر کے اُسکا خراج معاف کر دینے سے وہ زمین وقف نہ ہو جائیگی اگرچہ وہ بمنزلہ وقف ہو گی۔ ۱۲ منہ

مصرف مین لایا جائیگا اور ایک حوض کا وقف دوسرے حوض مین صرف کیا جائیگا۔ زمین کو بیت المال سے علیحدہ کر لینا بمنزلہ اُسکے وقف کرنے کے ہے۔ پس جب زمین کو بیت المال سے لیکر کسی شخص کو فائدہ عام کے لیے نہر بنانے کو دیدین تو درصورت فوت ہو جانے اُس نہر کے وہ زمین مواشی کو پانی پلانے کے کام مین اور اور ایسے ہی کامون مین لائی جائیگی۔

جب کوئی شخص اپنا نصف مال اپنے غریب کنبہ والون پر اور نصف عموماً غربا پر وقف کرے تو سوال یہ ہے کہ اگر اُسکے اقربا نادار ہون تو آیا وہ نصف دوم مین شریک ہونے کے مستحق ہونگے؟ ہلال نے اِسکے جواب مین "نہین" فرمایا ہے اور ابراہیم ابن خالد سامانی نے اُنسے اتفاق کیا ہے۔ مگر ابراہیم ابن یوسف اور علی ابن احمد الفارسی اور ابوجعفر ہندوانی نے اُنسے اختلاف کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اگر واقف کے اقربا محتاج ہو جائین تو وہ عموماً غربا کے ساتھ اُس وقف مین شریک ہو سکتے ہین۔ اور نہر الفائق مین لکھا ہے کہ یہی قاضی القضات مولانا علی الحلبی کا ہے جنھون نے رسالہ کبریٰ قریب اُس زمانہ کے تصنیف کیا تھا جبکہ مولانا محمد شاہ بدرنا کا عہد حکومت تمام ہوا۔ فتاوائے قاضی خان مین لکھا ہے کہ قول مشہور یہی ہے کہ جب کوئی وقف کسی شخص خاص پر اور عموماً غربا پر کیا جائے پس اگر وہ شخص بھی بعد ازان محتاج ہو جائے تو وہ غربا کے وقف مین شریک کیا جائیگا[1]۔

قاضی خان کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی نصف زمین اپنی زوجہ ہندہ پر اور نصف اپنے فرزند زید پر وقف کرے اور یہ شرط کرے کہ ہندہ کے مرنے کے بعد اُسکا نصف حصہ واقف کی اولاد پر وقف ہو جائیگا تو زید اُس نصف مین بھی شریک ہوگا کہ وہ واقف کی اولاد ہے۔ پس ہندہ کا نصف حصہ زید کو ملیگا اور مابقی واقف کی اولاد کو ملیگا اور زید کا نصف حصہ اُسی کے لیے مخصوص رہیگا۔ اِس مسئلہ مین کچھ اختلاف نہین ہے "۔

[1] ردالمحتار صفحہ ۶۴۲ - ۱۲ منہ

جب مکان وقفی شکست ہوجائے تو متولی کو یہ اختیار نہین ہے کہ جو درخت اُس مین لگے ہین اُنکو بیچکر اُسکی مرمت کرائے مگر وہ اُس مکان کو بہ کرایہ دیکر کرایہ سے اُسکی مرمت کرا سکتا ہے

اگر وہ شرائط جو واقف نے مقرر کیے ہون جائز و مشروع ہون تو اُنکی تعمیل اُس طرح واجب ہے کہ گویا وہ خود شارع علیہ السلام کے احکام ہین[1]۔

شرائط وقف کی تعمیل مین واقف کی نیت کا لحاظ کما حقہ کرنا واجب ہے اور جب اُسکے کلام کے معنی مشکوک ہون تو اُسکی توضیح کے لیے شہادت لیجائے اور اُسکے کلام کے ظاہر اور باطن دونو کا لحاظ کامل کیا جائے۔

مگر جب واقف کا کلام مبہم و مشکوک ہو تو کوئی شہادت خارجی داخل کرکے اُسکا منشا نہ بدل دیا جائے۔ مثلاً اگر واقف نے کہا ہو کہ فلان جائداد مین اپنی اولاد ذکور پر وقف کرتا ہون تو کوئی ایسی شہادت نہ قبول کیجائے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ اُسکا ارادہ اولاد اُناث کو بھی وقف مین شامل کرنے کا تھا مگر جب خود واقف کے کلام سے یہ مفہوم ہو کہ اُسکا ارادہ اولاد اُناث کو بھی وقف مین شامل کرنے کا تھا تو اُناث بھی ذکور کے ساتھ شریک کیجاینگی۔ تاہم واقف کے کلام سے اُسکا اصل منشا سمجھنے مین اُس وقف خاص کے حالات مخصوصہ کا اور اُس کلام کے معنی متعارف کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیئے اگر واقف کے کلام کے دو معنی ہوسکتے ہون تو جو معنی اُسکے اصل مقصد کے موافق ہون وہی اختیار کیے جائینگے

گیارھوان باب

فصل اوّل

اصول تعبیر کلام واقف

جب کوئی شخص وقف کرکے مادام الحیات اپنے تئین اُسکا متولی مقرر کرے اور یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا بیٹا زید متولی ہوگا اور اُسکے بعد اُسکی اولاد مین جو سب سے زیادہ لائق و فائق ہو وہ متولی ہوگا تو ''اُسکے'' کی ضمیر زید کی طرف راجع ہوگی واقف

[1] ردّ المختار صفحہ ۳۲۴ - ۳ منہ

کی طرف نہ راجع ہوگی۔

اگر کوئی شخص اپنی اولاد پر اور اپنی اولاد کی اولاد ذکور پر وقف کرے تو ذکور کی صفت اسکے پوتون سے متعلق ہوگی بیٹون سے نہ متعلق ہوگی۔

مسئلہ۔ اگر کوئی شخص اپنے فرزند حسن نامے پر اور اسکی اولاد پر جو آیندہ پیدا ہوگی اور اسکے بعد اسکی اولاد ذکور پر اور اسکے بعد اسکی اولاد اناث اور اسکی اولاد پر وقف کرے اور وقف کرنے کے بعد واقف کے یہان ایک اور بیٹا پیدا ہو جسکا نام محمد ہے بعد ازآن حسن مرجائے۔ تو آیا پہلی ضمیر کا مرجع حسن ہے یا واقف ہے جس سے محمد بھی اس وقف مین داخل ہوجائے؟

جواب۔ مصر کے مفتی حنفی مولانا شیخ حسن نے اِس مسئلہ کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ "پہلے ضمیر کا مرجع واقف ہے اور خیریہ مین لکھا ہے کہ یہی تعبیر واقف کے ارادہ سے موافقت تامہ رکھتی ہے اور یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ جب کوئی لفظ مشترک المعنی ہو یعنی اسکے دو معنی ہوسکتے ہون تو وہی معنی اختیار کرنے چاہئین جو واقف کے ارادہ سے موافقت کلی رکھتے ہون اِسواسطے کہ اِس مسئلہ مین اگر ضمیر مذکور کا مرجع حسن قرار دیا جائے تو خود واقف کا بیٹا محروم ہوجائیگا"۔

"انشاء اللہ" کا لفظ استثناء تو ہے مگر الا کے معنی نہین رکھتا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک استثناء کل وقف سے متعلق ہوتا ہے نہ یہ کہ اسکے صرف ایک شرط سے متعلق ہو۔ مگر حنفیہ کے نزدیک استثناء صرف شرط آخر سے متعلق ہوتا ہے بشرطیکہ وہ شرط اور شروط سے علیحدہ ہوسکے ورنہ کل وقف سے متعلق ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ مین اپنا مکان اپنے لڑکون پر اور اپنا باغ اپنے بھائیون پر وقف کرتا ہون لیکن اگر وہ کہین چلے جائین تو یہ وقف نہ باقی رہیگا، تو یہ جملہ استثنائیہ کل وقف سے متعلق ہوگا۔

---

۱ جب واقف لفظ انشاء اللہ کسی شرط وقف کی نسبت استعمال کرے تو اس جملہ کو دعائیہ سمجھنا چاہیئے۔ ۱۲ منہ

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی صفت کا موقوف علیہم مین پایا جانا منافع وقف
پانیکی شرط ضروری قرار دے تو وہ صفت اُنھین اشخاص سے متعلق ہوگی جنکے بابت
وہ شرط لگائی گئی ہے۔ لیکن اگر کلام واقف سے اُس صفت کا سب مین پایا جانا ثابت ہوتا
تو وہ سب سے متعلق سمجھی جائیگی۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی اولاد مفلس پر اور اولاد کی اولاد
وقف کرے تو مفلس کی صفت صرف اُسکی اولاد سے متعلق ہوگی۔ لیکن اگر اُسنے یہ کہا ہوتا
کہ یہ وقف میری اولاد کی اولاد پر ہے جو مفلس ہو تو مفلس کی صفت دونو سے متعلق ہوتی
مگر شافعیہ کے نزدیک مفلس کی صفت دونو صورتون مین سب سے متعلق ہوگی۔

اگر کوئی شخص کوئی جزو اپنے مال کا عبداللہ اور زید پر صدقۂ موقوفہ کرے تو اُسکی آمدنی
اِن دونو کو بالمشارکت ملیگی اور جب اُنمین سے کوئی مرجائے تو اُسکا حصہ غربا کو دیا جائیگا
اور جب وہ دونو مرجائینگے تو کل آمدنی وقف کی محتاجون کو دیجائیگی۔ اِسی طرح سے جب
کسی قوم یا فرقہ پر وقف کیا گیا ہو تو اُسکی آمدنی اُن سب مین اُنکی تعداد کے موافق تقسیم
کردیجائیگی۔ اور جب اُنمین سے کوئی مرجائیگا تو اُسکا حصہ فقرا کو دیا جائیگا۔ جب عبداللہ کی
اولاد پر وقف کیا گیا ہو اور کچھ تعداد اُسکی اولاد کی نہ بیان کی ہو تو عبداللہ کی اولاد وقف کی
آمدنی بالمشارکت پائیگی اور جبتک اُنمین سے ایک بھی زندہ رہیگا اُسکی آمدنی مین سے کچھ بھی فقرا
کو نہ دیا جائیگا۔ جب واقف نے زید اور عمرو کا نام لیکر یہ کہا ہو کہ اِس وقف کا نصف زید
اور دو ثلث عمرو کو دیا جائے تو کل مال وقف کے سات حصے کیے جائینگے جسطرح فرائض میراث
مین عول کا مسئلہ ہے اور اُنمین سے تین حصے زید کو اور چار عمرو کو دیے جائینگے۔ جب وقف
باین الفاظ کیا جائے کہ "زید نصف اور عمرو ایک ثلث پائیگا" تو اُنمین سے ہر ایک کو
اُسکا حصہ معینہ دیا جائیگا اور مابقی اُنمین ردّاً بمقدار مساوی تقسیم کیا جائیگا۔ جب واقف
باین الفاظ وقف کرے کہ "میری زمین صدقہ موقوفہ ہے زید اور عمرو پر اور زید کو اسکا
ایک ثلث یا سو درہم دیے جائین" اور دوسرے موقوف علیہ کے باب مین کچھ نہ کہے

تو زید وہ حصہ پائیگا جسکی تصریح واقف نے کی ہے اور باقی ماندہ عمرو کو ملیگا جسکے باب مین
واقف نے کچھ نہین کہا ہے۔ اور یہی اُن سب صورتون مین کیا جائیگا جنمین واقف نے
ایک موقوف علیہ کا نام لیا ہو اور دوسرے کے باب مین سکوت کیا ہو۔ جب واقف نے
لکھا ہو کہ ہر ایک موقوف علیہ کو ایک خاص رقم دیجائے اور وقف کی آمدنی کم ہو جانے کی
وجہ سے کسی موقوف علیہ کو وہ ٹھیک رقم نہ مل سکے تو جتنی آمدنی فی الواقع ہو وہ سب
موقوف علیہم پر بقدر اُنکے وظائف کے تقسیم کردیجائے۔ اور جب اُس آمدنی کی مقدار
اُنکے وظائف سے زیادہ ہو تو رقم فاضل اُن سب پر برابر تقسیم کردیجائے۔

جب کسی فرقہ یا قوم پر وقف کیا گیا ہو اور وہ اُسکو نامنظور کرے تو اُس وقف کی
آمدنی فقراء کو دیجائے۔ لیکن اگر صرف اُنمین سے چند اشخاص اُس وقف کو نامنظور
کرین تو اُسکی کل آمدنی اُن لوگون کو دیجائے جنھون نے اُسکو نامنظور نہ کیا ہو بشرطیکہ
جس لقب سے وقف کیا گیا ہے وہ عمیم المعنی ہو اور اُن سب پر صادق آتا ہو لیکن اگر
وہ لقب اُنپر نہ صادق آتا ہو تو حصہ اُن اشخاص کا جو اُس وقف کو نامنظور کرین غرباء کو
دیدیا جائیگا۔ مثلاً اگر واقف کہے کہ یہ عبد اللہ کے لڑکون پر وقف کیا گیا۔ اور اُنمین سے
بعض لڑکے اُسکو نامنظور کرین تو کل اُن لڑکون کو ملیگا جو اُسکو منظور کرلین۔ لیکن اگر
اُسنے کہا ہو کہ یہ زید اور عمرو پر ہے اور زید نامنظور کرے تو اُسکا حصہ غرباء کو ملیگا۔

جو وقف کسی شخص نے مرض الموت کے عالم مین کیا ہو وہ صرف ثلث مال مین
نافذ ہوگا تاوقتیکہ سب ورثہ اُسکے نہ راضی ہو جائین۔ جب وہ وقف ثلث مال سے
زائد پر جاری ہو اور ورثہ راضی نہون تو بقدر مقدار زائد از ثلث باطل ہوگا۔

جب کوئی شخص اپنی زمین اللہ تعالیٰ کی راہ مین اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد پر
نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ وقف کرے اور جب اُنمین سے کوئی نہ باقی رہے تو محتاجون کو
اور وہ زمین اُسکے ثلث مال کے اندر ہو تو اُسکی آمدنی یا پیداوار اُسکی سب اولاد مین

بقدر اُنکے سہام شرعیہ کے تقسیم کیجائیگی یعنی اگر وہ ایک زوجہ اور اولاد چھوڑ گیا ہو تو ایک ثمن زوجہ کو ملیگا اور اگر والدین اور اولاد چھوڑ گیا ہو تو ایک سُدس والدین کو دیا جائیگا اور مابقی اولاد پر اِس طور سے تقسیم کیا جائیگا کہ ذکور کو دو دو حصے اور اناث کو ایک ایک حصہ دیا جائیگا۔ یہ جب کیا جائیگا جبکہ واقف اپنی اولاد صلبی چھوڑ گیا ہو اور اولاد کی اولاد نہ چھوڑی ہو۔ لیکن جب وہ اپنی اولاد اور اُنکی اولاد دونو چھوڑ گیا ہو تو وقف کی آمدنی اسکی اولاد اور اولاد کی اولاد کی تعداد کے موافق تقسیم کیجائیگی اسطرح سے کہ اولاد پر تو موافق احکام میراث کے تقسیم کیجائیگی اور اولاد کی اولاد پر اُنکے حصے علی التسویہ تقسیم کردیے جائینگے۔ اور جب واقف کی اولاد صلبی مین سے کوئی نہ باقی رہیگا تو وقف کی آمدنی اسکے پوتون اور پوتیون اور اُسکی نسل کے اور لوگون پر تقسیم کیجائیگی اور اسکی زوجہ اور والدین کو کچھ نہ ملیگا۔ اگر زمین وقفی واقف کے ثلث مال سے خارج نہ ہوجائے اور اسکے وقف سے ورثہ راضی ہو جائین تو وہ وقف اُس کل زمین وقفی کی نسبت جائز ہوگا اور اُسکی آمدنی واقف کی اولاد مین بحصص مساوی بلا امتیاز ذکور و اناث تقسیم کردیجائیگی مگر اُسکی زوجہ اور والدین کچھ نہ پائینگے۔ لیکن اگر ورثہ اُس وقف پر نہ راضی ہون تو وہ وقف صرف ثلث مال واقف مین نافذ ہوگا اور اُسکی آمدنی واقف کے ورثہ مین موافق احکام میراث تقسیم کیجائیگی اور جب اُسکی نسل مین کوئی نہ باقی رہیگا تو اُس زمین کی آمدنی یا پیداوار غربا کو دیجائیگی۔

جب کوئی شخص مرض الموت کی حالت مین وقف بھی کرے اور وصیت بھی کرے تو اُن دونو کا نفاذ اُسکے ثلث مال مین کیا جائیگا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "وہ میری زمین کی پیداوار میرے مرنے کے بعد عبد اللہ کے لڑکے اور اُنکی نسل کو دیجائے" تو یہ وصیت مین داخل ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص کہے کہ "وہ رحبستوا م یعنے رکھ چھوڑو اسکو بعد میرے مرنے کے عبد اللہ کے

لڑکے کے لیے" یا یہ کہے کہ "میرے مرنے کے بعد میری زمین فلان شخص اور اُسکی نسل کے لیے
مقرر کی گئی اور فروخت نہ کیجاوے" تو اِن سب کلمات سے اُسکی آمدنی کے باب مین وصیت
سمجھی جائیگی۔ لیکن اگر وہ کہے کہ "میری زمین میرے مرنے کے بعد غربا پر وقف کی گئی
یا اُنکے واسطے حبس کی گئی" تو یہ وقف صالح ہوگا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "یہ زمین میری میرے ولد یعنے لڑکے پر صدقہ ہے" تو اُسکی
آمدنی اُسکی اولاد صلبی کو بلا امتیاز ذکور و اناث برابر دیجائیگی اور جبتک اُسکی اولاد
صلبی مین سے ایک بھی باقی رہیگا اُسکی آمدنی اُس اکیلے کو ملیگی خواہ وہ مرد ہو خواہ
عورت۔ جب اُسکے صلب یا بطن سے کوئی نہ باقی رہے تو اُس وقف کی آمدنی فقرا
مین تقسیم کردیجائیگی اور اُسکی اولاد کی اولاد کو اُسمین سے کچھ نہ دیا جائیگا۔ لیکن اگر وقف
کرنے کے وقت واقف کی کوئی اولاد صلبی نہ موجود ہو مگر اُسکا ایک پوتا موجود ہو تو اُس
وقف کی آمدنی اُس پوتے کو ملیگی اور اسافل کو یعنی پوتے کے بعد جو لوگ واقف کی تیسری
یا چوتھی پشت مین ہون اُنکو اُسمین سے کچھ نہ ملیگا اسواسطے کہ درصورت نہ ہونے اولاد
صلبی کے پوتا بیٹے کا قائم مقام ہوتا ہے۔ ظاہر الروایہ مین لکھا ہے کہ نواسے کا کوئی
حق مال وقف مین نہین ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ اگر وقف کرنے کے بعد واقف کے
صلب سے کوئی اولاد پیدا ہو تو آیندہ جو آمدنی اُس وقف سے ہوگی وہ اُسی لڑکے پر
صرف کیجائیگی۔ اگر پہلی یا دوسری پشت مین کوئی اولاد نہو مگر تیسری یا چوتھی یا اُسکے بعد
کسی پشت مین اولاد موجود ہو تو تیسری پشت کی اولاد اور اُسکے نیچے کی پشت کی
اولاد مُحاصصہ پائیگی گو اُنکی تعداد کثیر ہو۔ جو کچھ لفظ "میری اولاد" کی نسبت بیان
کیا گیا ہے وہی بعینہ ان الفاظ پر بھی صادق آئیگا کہ "فلان شخص کی اولاد"۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "یہ میری زمین صدقہ میری اولاد پر اور اولاد کی اولاد پر ہے"
تو اُسکی اولاد صلبی اور اولاد کی اولاد جو بروز وقف موجود ہو اور جو بعد ازان پیدا ہوئی ہو

وہ سب اِس وقف مین داخل ہین اور دونو پشتون کی اولاد اُس وقف کی آمدنی مین شریک ہے۔ مگر اُنکے نیچے کی پشتون کے لوگ اُسمین نہ شریک ہونگے اور نہ بیٹی کی اولاد اُسمین سے کچھ پائیگی جیساظاہر الروایۃ مین لکھاہے اور اِسی کے موافق فتوےٰ ہے لیکن اگر واقف کہے کہ ''میری اولاد اور اولاد کی اولاد اور اُسکی اولاد پر'' یعنی تین پشتون کا نام لے تو وقف کی آمدنی اُسکی اولاد کو دوا گا دیجائیگی جبتک اُنمین سے کوئی باقی رہے اور غربا کو نہ دیجائیگی یعنی جبتک ایک شخص بھی اُسکی نسل مین باقی رہیگا اُسی کو وقف کی آمدنی ملیگی اور اِسمین قریب و بعید سب برابر سمجھے جائینگے الا اسینکہ واقف نے کہدیا ہو کہ الاقرب فالاقرب یعنی جو قریب تر ہو وہ قریب تر سمجھا جائے۔ یا یہ کہا ہو کہ ''میری اولاد اور اُسکے بعد میری اولاد کی اولاد پر بطنًا بعد بطن'' کہ اِس صورت مین ابتدا اُن لوگون سے کیجائے جس سے واقف نے ابتدا کی ہے۔

اگر واقف کہے کہ ''یہ میری زمین میری اولاد پر صدقہ ہے'' تو اولاد کا لفظ ایسا عمیم المعنی ہے کہ اِسمین اُسکی سب پشتین داخل ہین مگر کل آمدنی اُس زمین کی پہلی پشت والون کو ملیگی و قس علیٰ ہذا تیسری اور چوتھی اور پانچوین پشت والون کو برابر بلالحاظ اقربیت و ابعدیت اُس وقف کی آمدنی مین حصہ ملیگا۔ اگر واقف کہے کہ ''یہ زمین مین نے اپنی اولاد پر وقف کی'' اور اُسوقت اُسکی ایک ہی اولاد ہو تو اُسکی نصف آمدنی اُس اولاد کو اور نصف غربا کو ملیگی۔ لیکن اگر اُسنے ''ایک اولاد'' کا لفظ کہا ہو اور ایک ہی اولاد اُسکی ہو تو سارا مال وقف اُسی اولاد کو ملیگا۔ اور یہی اُس صورت مین بھی ہوگا کہ جب اُسکی کئی اولاد ہون اور سواے ایک کے اُنمین سے کوئی نہ باقی رہی ہو جب کوئی شخص اپنی جائداد باین الفاظ وقف کرے کہ ''یہ مال میرے دو لڑکون پر وقف ہے اور جب اُنمین سے کوئی نہ باقی رہے تو اُن دونو کی اولاد پر اور اُن دونو کی اولاد کی اولاد پر دوا گا جبتک اُنمین سے کوئی باقی رہے'' اور اُنمین سے ایک لڑکا مرجائے

اور ایک اولاد چھوڑ جائے تو نصف آمدنی اُس جائداد وقفی کی اُس لڑکے کو ملیگی جو زندہ رہ گیا ہے اور نصف غربا کو دیجائیگی۔ مگر جب واقف کا دوسرا بیٹا بھی مرجائے تو کل آمدنی اُن دونوں کی اولاد کو اور اولاد کی اولاد کو دیجائیگی۔ اگر واقف کہے کہ "یہ جائداد میری مفلس اولاد پر صدقہ موقوفہ ہے" اور اُنھین سے صرف ایک اولاد محتاج ہو تو نصف آمدنی اُسکو اور نصف فقرا کو دیجائے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "یہ میری زمین میرے بیٹون پر صدقہ موقوفہ ہے" اور اُسکے دو یا دو سے زیادہ بیٹے ہون تو اُسکی آمدنی اُنھین کو ملیگی۔ اگر آمدنی ملنے کے وقت صرف ایک ہی بیٹا موجود ہو تو نصف اُسکو اور نصف غربا کو ملیگا۔ اگر اُسکے بیٹے اور بیٹیان دونو ہون تو ہلال کے نزدیک وقف کی آمدنی اُنھین برابر تقسیم کیجائیگی۔ اور صحیح یہی ہے اور بمنزلہ اسکے ہے کہ واقف نے کہا ہو کہ "یہ زمین میرے بھائیون پر وقف کی گئی" اور اُسوقت اُسکے بھائی اور بہنین دونو موجود ہون تو وہ سب برابر حصہ پائینگے۔ اور اگر واقف کہے کہ "میرے بیٹون پر" اور اُسکے بیٹے نہ ہون بلکہ صرف بیٹیان ہون تو وقف کی آمدنی غربا کو دیجائیگی۔ اور اسی طرح سے اگر وہ کہے کہ "میری بیٹیون پر" اور فقط اُسکے بیٹے ہون تو بھی وقف کی آمدنی غربا کو دیجائیگی۔

اگر کوئی شخص اپنی جائداد اپنے بیٹے پر اور اُسکی اولاد اور اُنکی اولاد پر دواماً وقف کرے جبتک اُسکی نسل مین کوئی باقی رہے تو وقف کی آمدنی اُنھین اُنکی تعداد کے موافق تقسیم کیجائیگی اور ذکور و اناث برابر حصے پائینگے اور بیٹی کی اولاد بھی اُسمین شریک کیجائیگی۔

اگر کوئی شخص اپنی نسل یا ذریت پر وقف کرے تو اُسمین اُسکی بیٹی اور بیٹے دونو کی اولاد داخل ہے خواہ قریب ہو خواہ بعید۔ لیکن اگر واقف اُس شخص پر وقف کرے جو اُس سے قرابت رکھتا ہو (ممن ینسب الیہ) تو بیٹی کی اولاد اُسمین داخل نہوگی

جب کوئی شخص کہے کہ یہ میری زمین میری اولاد اور میری نسل پر صدقہ موقوفہ ہے
تو ایسا وقف جائز ہے اور اُسکی اولاد اور اولاد کی اولاد ذکور و اناث دونو اُسمین داخل
ہین خواہ قریب ہون خواہ بعید بیٹے کی اولاد ہو خواہ بیٹی کی ہو عبید ہون یا آخرار یعنے
غلام ہون یا آزاد سب کے سب اُس وقف مین داخل ہین اور سب برابر حصے پائینگے مگر
غلامون کا حصہ اُنکے مالک کو ملیگا۔ اور اگر واقف کہے کہ یہ مین نے یہ جائداد اپنے لڑکے
اور اپنی نسل پر وقف کی ہے اور اُسوقت اُسکا کوئی پوتا موجود ہو اور بعد ازآن اُسکے
صُلب سے کوئی لڑکا پیدا ہو تو وہ دونو اُس وقف مین شریک ہونگے۔ اِسی طرح
اگر وہ کہے کہ یہ میری یہ زمین میری اولاد موجودہ پر اور میری نسل پر صدقہ موقوفہ ہے
تو بعد ازآن جو لڑکا اُسکے یہان پیدا ہوگا وہ لفظ نسل مین داخل ہونے کی وجہ سے
اُس وقف مین شریک ہوجائیگا۔ اگر واقف نے یہ کہا ہو کہ یہ میری اولاد موجودہ
اور اُنکی نسل پر ہے تو اُسکی اولاد موجود اور اُنکی نسل داخل وقف ہوگی خواہ وہ نسل
موجود ہو خواہ نہ ہو مگر جو اولاد اُسکی اُسوقت موجود نہ ہو وہ اور اُسکی نسل داخل
وقف نہ ہوگی۔ اِسی طرح سے اگر اُسنے کہا ہو کہ یہ میری اولاد موجودہ پر اور اُنکی
اولاد اور اولاد کی اولاد پر ہے اور بعد ازآن اُسکے صُلب سے کوئی لڑکا پیدا ہو تو
وہ لڑکا وقف مین نہ داخل ہوگا۔ اور اگر وہ کہے کہ یہ میری اولاد موجودہ پر اور اُنکی
اولاد اور اولاد کی اولاد پر اور اُنکی نسل پر ہے تو اُسکی اولاد موجودہ اور اولاد کی
اولاد اور جبتک اُنکی نسل باقی رہیگی وہ سب اِس وقف مین داخل ہونگے۔ لیکن اگر
وہ کہے کہ یہ میری اولاد موجودہ پر اور اُنکی اولاد کی اولاد پر ہے اور کچھ اور نہ کہے تو اولاد
کی اولاد کو کچھ نہ ملیگا۔

جب کوئی شخص بحالت صحت نفس کہے کہ یہ مین نے اپنی یہ زمین اللہ تعالیٰ کی
راہ مین اپنی اولاد پر اور اُسکی اولاد اور اُسکی اولاد اور اُنکی نسل پر دوامًا جبتک

آئمین سے کوئی باقی رہے وقف کی" تو جو اولاد اُسکے وقف کرنیکے وقت موجود ہوا اور جو اولاد
اُسکو قبل وجود آمدنی وقف کے پیدا ہوئی ہو اور اُس اولاد کی اولاد دوامًا اُس وقف کی
آمدنی سے منتفع ہوگی۔ اور اگر آئمین سے کوئی قبل وجود آمدنی وقف مرجائے تو اُس شخص کا
حصہ ساقط ہوجائیگا لیکن اگر بعد وجود آمدنی وقف آئمین سے کوئی مرگیا ہو تو شخص متوفی کو
اپنے حصہ مین ایک حق حاصل ہوجائیگا جو اُسکے ورثہ کو ملیگا اور قریب اور بعید نسل کے لوگون کو
برابر ملیگا اِلّا اینکہ واقف نے کہدیا ہو کہ نسل عالی سے ابتدا کیجائے اُسکے بعد نسل سافل کو
دیا جائے۔ اِس صورت مین اگر نسل عالی کے سب لوگ سوا ایک شخص کے مرجائین
تو کل اُسی اکیلے کو ملیگا اور نسل سافل والون کو کچھ نہ ملیگا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ "میرے
لڑکے پر اور اُسکے لڑکے پر دوامًا جبتک کوئی نسل مین باقی رہے" اور بطنًا بعد بطنٍ کا لفظ
نہ کہے بلکہ اتنا اور کہے کہ "جب کوئی آئمین سے مرجائے تو اُسکا حصہ وقف کی آمدنی مین
اُسکی اولاد کو ملے" تو آئمین سے کسی کے مرنے کے قبل وقف کی آمدنی سب اولاد پر اور
اولاد کی اولاد پر اور اُنکی نسل مین برابر تقسیم ہوگی اور اگر آئمین سے کوئی مرجائے
اور ایک اولاد چھوڑ جائے تو متوفی کا حصہ اُسکی اولاد کو ملیگا۔ اور اُسکو اپنے باپ کا حصہ
علاوہ اُس حصہ کے ملیگا جو اُسکے لیے واقف نے مقرر کیا ہے۔

جب کوئی شخص اپنی اولاد پر اس نیت سے زمین وقف کرے کہ آخر کو اِس مین کی
آمدنی غربا کو دیجائے اور اُسکی اولاد مین سے کچھ لوگ مرجائین تو ہلال کے نزدیک اُنکے
حصص اُن اشخاص کو ملینگے جو زندہ رہ گئے ہین اور اگر وہ سب مرجائین تو وقف کی
آمدنی غربا کو دیجائیگی اور واقف کی اولاد کی اولاد کو نہ دیجائیگی۔ لیکن اگر واقف نے
اپنی اولاد پر نام بنام وقف کیا ہو یعنی یہ کہا ہو کہ "فلان اور فلان اور فلان پر وقف
کیا گیا اور آخر کو غربا پر" اور آئمین سے ایک شخص مرجائے تو اُسکا حصہ غربا کو دیا جائیگا۔
اگر کوئی شخص کہے کہ "یہ میری زمین میرے مرنے کے بعد میری اولاد پر اور اولاد کی

اولاد پر اور اُنکی نسل پر صدقہ موقوفہ ہے اور یہ کہکر مرجائے تو یہ وقف اُسکی اولاد صلبی پر نہ جائز ہوگا مگر اُسکی اولاد کی اولاد پر درست ہوگا۔ لیکن جبتک اُسکی اولاد صلبی مین سے کوئی زندہ رہیگا وقف کی آمدنی ہر سال موقوف علیہم کی تعداد کے موافق تقسیم کیجائیگی اور اولاد کی اولاد کے حصہ مین جو کچھ آئیگا وہ وقف ہوجائیگا اور جو کچھ اولاد صلبی کے حصہ مین آئیگا وہ متروکہ مین داخل ہوکر سب ورثہ پر تقسیم ہوگا یعنی شوہر اور زوجہ وغیرہ سب کو اُسمین حصہ ملیگا۔ اگر اسی حال مین واقف کی اولاد صلبی مین سے کوئی مرجائے تو وقف کی آمدنی اولاد کی اولاد اور اولاد صلبی مین سے جو زندہ ہون اُنکی تعداد کے موافق تقسیم کیجائیگی اور جو کچھ اولاد صلبی کے حصہ مین آئیگا وہ اُن سب ورثہ پر تقسیم ہوجائیگا جو واقف کی وفات کے وقت زندہ تھے خواہ اب زندہ ہون خواہ مرگئے ہون۔ ہلال نے اپنی کتاب الوقف مین فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بعض اولاد پر وقف کرکے کہے کہ یہ وقف میری زندگی مین اور میرے مرنے کے بعد بھی باقی رہیگا تو قول اصح یہی ہے کہ "بعد میرے مرنے کے" لفظ سے کسی وارث کو وصیت نہ سمجھی جائیگی بلکہ دوام و استمرار وقف مفہوم ہوگا۔[۱]

جب کوئی وقف زید اور اُسکی اولاد پر اور اُنکے مرنے کے بعد غرباء پر کیا جائے اور زید کہے کہ یہ وقف عمرو اور فقراء پر کیا گیا تھا تو اُسکا یہ قول اُسکی اولاد یا غرباء کے حقوق مین مخل نہ ہوگا۔ بلکہ اُس وقف کی آمدنی زید اور اُسکی اولاد موجودہ پر برابر تقسیم کیجائیگی اور زید کا نصف حصہ عمرو کو دیا جائیگا۔ اور اگر عمرو زید کے پیشتر مرجائے تو اُسکا حصہ غرباء کو ملیگا لیکن اگر زید عمرو کے پیشتر مرجائے تو اُسکا حق وقف کی آمدنی مین زائل ہوجائے گا۔

اگر وقف زید اور فقراء پر کیا گیا ہو اور زید کہے کہ یہ وقف مجھپر نہین بلکہ عمرو پر

---

[۱] یہ سب اصول فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۷۲ و ۴۷۳ سے لیے گئے ہین ۱۲ منہ۔

کیا گیا تھا تو اُس صورت مین آس وقف کی آمدنی زید اور عمرو مین برابر تقسیم کیجائیگی اور جب زید مرجائیگا تو کل آمدنی غربار کو ملیگی۔ اگر عمرو زید کی حیات مین مرجائے تو زید کا نصف حصہ فقراء کو دیا جائیگا اور جب زید نے اپنے تئین صرف آمدنی کا مستحق کیا ہو اور نصف کا مستحق عمرو کو ٹھہرایا ہو تو اس صورت مین فقط عمرو کا نصف غرباء کو ملیگا۔

اگر کوئی شخص متولی مقرر کیا گیا ہو اور وہ اپنے بدلے دوسرے کو متولی قرار دے تو یہ دوسرا شخص اُس شخص کی حیات مین صرف ایک حصہ آمدنی وقف پانے کا مستحق ہوگا اور جب وہ شخص جسنے دوسرے کی تولیت کا اقرار کیا ہے مرجائے تو اسکے اقرار کا اثر جاتا رہیگا اور تولیت مع اپنے تمام لوازم کے اُس شخص کو ملیگی جسکو واقف نے مقرر کیا ہے۔

حقدار وقف کا دوسرے کو اپنا عوضی نہین مقرر کرسکتا البتہ دوسرے کو اپنا وظیفہ لینے کے لیے مقرر کرسکتا ہے۔

جب وقف نامہ مین دو متضاد شرطین لکھی ہون تو حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ مابعد کی شرط ماقبل کی شرط کی ناسخ قرار پاکر نافذ کیجائیگی۔

عصاف[۱] مین اسکی مثالین لکھی ہین کہ جب وقف نامہ مین دو متضاد شرطین درج ہون تو شرط دوم بہ ترجیح شرط اول نافذ کیجائیگی۔ ایک مثال یہ ہے کہ اگر وقف نامہ کی ابتدا مین واقف نے لکھا ہو کہ میرے مال وقف بیع اور رہبہ نہ کیا جائیگا نہ کسی کی ملک ہوگا"

---

[۱] عصاف علامہ برہان الدین ابراہیم طرابلسی کی کتاب کا نام ہے جنکے بارے مین مولانا محمد امین صاحب ردّ المختار فرماتے ہین کہ اگر مبتغی حوائج دنیاوی کسی شخص کو احکام وقف دیکھنے کی ضرورت ہو تو اُسکو چاہئیے کہ عصاف کو ملاحظہ کرے کہ سب سے زیادہ معتبر کتاب وقف مین ہے۔ ۱۲ منہ

اور بعد اسکے لکھا ہو کہ متولی کو جائز ہو گا کہ اس جائداد کو فروخت کرکے محاصل بیع سے اور جائداد خرید کر اصل وقف کے مقام پر قائم کرے" تو اس صورت مین شرط دوم شرط اول کی ناسخ ہوگی اور مال وقف کی بیع جائز ہو جائیگی۔ یا اگر واقف نے پہلے لکھا ہو کہ متولی مال وقف کو بیچکر کوئی اور چیز خریدے اور بعد ازآن لکھا ہو کہ مال وقف بیع یا ہبہ نہ کیا جائے تو وہ مال نہ فروخت کیا جائیگا۔ مگر جب دو شرطین متضاد نہ ہون اور دونون کو نافذ کرنا ممکن ہو تو دونون کی تعمیل واجب ہوگی اسواسطے کہ واقف کے شرائط بمنزلۂ نص کے ہین۔ جب عام شرائط کے بعد جزئیات کی تفصیل وقف نامہ مین لکھی ہو تو حنفیہ کے نزدیک یہ تفصیل سب سے آخری شرط سے متعلق سمجھی جائیگی الا اینکہ وقف نامہ کی عبارت سے اسکے خلاف ثابت ہوتا ہو۔ مگر شافعیہ کے نزدیک وہ تفصیل کل شرائط وقف نامہ سے متعلق ہوگی اگر اسکا تعلق آن شرائط سے بذریعہ واو عاطفہ (آور) ہو لیکن صرف آخری شرط سے متعلق ہوگی اگر اسکا تعلق ماقبل سے بذریعہ لفظ ثمّ (تب یا بعد ازآن) ہو۔

جب واقف نے بحالت صحت نفس وقف کرکے کہا ہو کہ یہ وقف میری اولاد پر موافق فرائض اللہ کے تقسیم کیا جائے تو اسکی تقسیم سب حقداروں پر بلا امتیاز ذکور و اناث علی التسویہ کیجائیگی۔

جب وقف برادران علاتی اور برادران اخیافی پر کیا گیا ہو تو وہ سب برابر پائینگے۔

جب وقف لڑکوں پر کیا گیا ہو تو اسکی آمدنی آن سب پر برابر تقسیم کیجائیگی۔ یہ قول امام ابو یوسف کا ہے اور اسی کے موافق فتویٰ ہے۔ وقف نامہ مین ایسی شرط لکھنا مکروہ ہے جس سے ایک بیٹے کو دوسرے سے زیادہ ملے یا بیٹون کو بیٹیون سے زیادہ ملے جیسے ہبہ مین ایسا فرق رکھنا مکروہ ہے۔ سب مشاہیر علماء حنفیہ کا یہی قول ہے اور شیخ نورالدین مقدسی مفتی القاہرہ دارالخلافت مصر نے اور شیخ الاسلام

محمد الطحاوی مفتی شافعی مصر نے اسی قول کے موافق فصل خصومات کیا ہے کہ جب واقف ایک فرقہ پر وقف کرے تو اُس فرقہ کے سب اشخاص کو اُسمین برابر حصہ ملیگا خواہ وہ سب مرد یا عورتین ہون خواہ نہ ہون اور خواہ اُنکے اصول مین اختلاف ہو خواہ نہ ہو یعنی جب وقف بھائیون پر کیا گیا ہو تو برادران علاتی اور برادران اخیافی برابر حصہ پائینگے اور احکام میراث کے موافق نہ پائینگے۔ اسی طرح سے جب کوئی شخص کہے کہ اگر مین لاولد مرجاؤن تو اس وقف سے میرے وہ اقربا منتفع ہون جو قرابت مین مجھسے اقرب ہون اور اپنے مرنے کے بعد وہ صرف ایک چچازاد بھائی اور دو چچازاد بہنین چھوڑ جائے تو اُس چچازاد بھائی اور اُن چچازاد بہنون کو وقف کی آمدنی مین برابر حصے ملینگے۔ لیس فرائض اللہ کے معنی یہ نہین ہین کہ موقوف علیہم کو سہام شرعیہ موافق احکام میراث دیے جائین بلکہ اس سے اُس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس مین آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ ہبہ مین کسی کو ترجیح نہ دیجائے بلکہ سب موہوب لہم کو برابر دیا جائے۔

اس مقام پر یہ عرض کرنا مناسب ہے کہ بعض اہل اسلام نے زبان انگریزی مین وقف نامے لکھے ہین اور ایسے الفاظ لکھکر وہ باوجود ہونے کسی حکم شرع محمدی کے؛ اپنے وقف کو شرع محمدی کے اثر سے خارج کرنا چاہا ہے۔ ظاہراً یہ فقرہ میسور کے وقف نامہ سے لیا گیا ہے جسمین گورنمنٹ ہند نے بعض متولیون کو تعداد کثیر کے قطعات نوٹ دیے تھے کہ اہل خاندان شاہی میسور کے لیے بصیغۂ امانت رکھین۔ اور اُس وقف نامہ مین گورنمنٹ نے یہ لکھا تھا کہ وہ اُس شخص کے مرنے کے وقت یا مرنے کے بعد سے (جسپر وہ وقف ابتدا کیا گیا تھا) بشرطیکہ وہ مرد یا وہ عورت اولاد حلال رکھتی ہو اور یہ نوٹ اُس مرد یا اُس عورت کے پاس نام ہو تو یہ اُس بیوہ یا بیوگان کے نام اور اُنکی اولاد کے نام جو بوقت وفات شخص متوفی کے زندہ ہون باقی رہیگا اور ایک بیوہ بالانفراد یا بیوگان بالمجموع آٹھوان حصہ پائینگے اور اولاد ذکور اناث کا دوچند

حصہ پا بیٹنگے اور لڑکے اپنے والدین کے قائم مقام ہونگے اور آنکے حصص واقعی یا تیاسی پائینگے باوجود ہونے کسی حکم شرع محمدی کے"

مقدمہ مذکورۂ بالا مین گورنمنٹ بحیثیت واقف یا معطی غالبًا اسکی مستحق تھی کہ کوئی شرط درباب اُس طریقہ کے مقرر کرے جس طریقہ سے اصل موقوف علیہم یا عطیہ دار ون کے مرنے کے بعد عطیہ سرکاری تقسیم کیا جائیگا - جب کوئی مسلمان اسی قسم کا عطیہ عمل مین لاوے اسکو وقف تصور کرنا چاہئیے - مگر اس سے صرف ایک حق مادام الحیات اُس شخص کو حاصل ہوتا ہے جسکا نام پہلے لیا گیا ہے اور مابقی اُسکی اولاد کو جو اُسکے مرنے کے وقت زندہ ہون ملتا ہے (اصل موقوف علیہ یا عطیہ دار مرد ہو خواہ عورت) - شرع حنفی کے بموجب ایسی حقیت کا نفاذ یون ہوگا کہ عطیہ دار اول کو حق وراثت حاصل ہوجائیگا اور صرف اس امر سے کہ اُس عطیہ کا اختیار متولیون کو تفویض کیا گیا ہے اُسکی حقیقت مین کچھ فرق نہ پڑیگا - مذہب شیعہ کے موافق اصل معطی ایک حق مادام الحیات پائیگا اور جو اولاد اُسکی وفات کے وقت موجود ہوگی اُسکو حق وراثت حاصل ہوگا - پس سوال یہ ہے کہ آیا ان دو نو صورتون مین معطی شرع محمدی کے قانون میراث مین تغیر و تبدل کرسکتا ہے - پریوی کونسل نے جو فیصلہ بمقدمہ ٹگور بنام ٹگور صادر کیا ہے وہ اسی مسئلہ سے متعلق ہے - حکام پریوی کونسل اس فیصلہ مین فرماتے ہین کہ "جو جائداد حاصل ہوچکی ہو اُسکو جدا کرنے کا ایسا اختیار جس سے اُسی جائداد کو دوسرے شخص کو عطا کرنے کی قدرت ہوجائے صرف بذریعہ توریث یا انتقال شرعی نافذ ہوسکتا ہے - توریث کسی مالک جائداد کی مرضی پر نہین موقوف ہے مگر انتقال اُسکی مرضی پر موقوف ہے

سلہ لارپورٹ بنگال صفحہ ٣٧٦ و ٣٩٤ جلد ٩ - اور انڈین لارپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ٨ صفحہ ١ - بمقدمہ نواب امجد علی خان بنام محمدی بیگم ہبہ اُس شخص پر ہوا تھا جو زندہ تھا - اشیاء غیر موجودہ کا عطیہ صرف بطور وقف ہوسکتا ہے - ١٢ مصنف -

توریث وہ قاعدہ ہے جسکو حاکم وقت نے مقرر کردیا ہے یا در صورت رواج کے تسلیم کرلیا ہے نہ صرف اس غرض سے کہ اشخاص کو فائدہ پہونچے بلکہ مصالح عامہ کی وجہ سے (دیکھو ورمٹ صاحب کے اصول قانون صفحہ ۲۴۱۳) - پس اس سے صریحاً یہ لازم آتا ہے کہ جو شخص بذریعہ ہبہ یا وصیت یہ کوشش کرے کہ سوائے اس طریقہ کے جو قانون یا شرع الٰہی مقرر کیا گیا ہے اور کسی طریقہ سے جایداد کو قابل وراثت کردے وہ قانون بنانے کی جرأت کرتا ہے اور وہ ہبہ ضرور باطل ہوگا اور قاعدہ میراث حسب منشا قانون یا شرع ضرور جاری ہوگا - اس اصول کو ٹرنر صاحب چیف جسٹس نے بمقدمہ سواجی منی واسی بنام دینو بندھو ملک خوب بیان کیا ہے کہ "کوئی آدمی اپنی راے کے موافق یا اپنے نزدیک مصلحت سمجھکر کوئی نئی قسم کا حق نہین ایجاد کرسکتا ہے نہ اس ترتیب وراثت وجانشینی کو بدل سکتا ہے جو قانون مین قرار دی گئی ہے"[۱]

جب کوئی شخص زید کی اولاد پر وقف کرے مگر ان بیٹون کو مستثنیٰ کردے جو کسین بیرونجات مین رہتے ہون اور بعد ازان زید کے چند بیٹے اس ملک یا اس شہر سے کہین باہر چلے جائین تو انکا حق جاتا رہیگا اور انکی مراجعت کے بعد بھی نہ ملیگا - اسی طرح سے جب وقف زید کے ان بیٹون پر کیا گیا ہو جو تحصیل علم مین مشغول ہون اور انمین سے بعض پڑھنا چھوڑ دین تو انکا حق بالکل جاتا رہیگا اور اگر وہ پھر تحصیل علم شروع کرینگے تب بھی نہ ملیگا الا اینکہ ان دونون صورتون مین واقف نے کہدیا ہو کہ جب وہ اپنے وطن مین پھر آئینگے یا پھر تحصیل علم کرنے لگینگے تو اپنا حق اس وقف مین پھر پائینگے -

جو شخص اس وقف مین جو واقف نے اپنے اقربا[۲] محتاج پر کیا ہو حقیت کا مدعی اس وجہ سے ہو کہ وہ بھی ایک مفلس عزیز واقف کا ہے تو اسکو اپنا حق ثابت کرنا واجب ہے

[۱] مور ہیں انڈین اپیلس جلد ۶ صفحہ ۵۵۵، ۱۲ منہ [۲] لفظ اقربا مین زوجہ داخل نہین ہے - مقدمہ ایڈووکیٹ جنرل بنام فاطمہ بیگم - لار پورٹ بمبئی جلد ۹ صفحہ ۱۷ - ۱۲ منہ

یعنے اول تو اسکو اپنا قرابت دار ہونا اور دوسرے محتاج ہونا ثابت کرنا چاہیے۔ وہ متولی سے اپنے حق کی تصدیق نہین کرا سکتا۔

جس اصول کے بموجب وہ لوگ جو کسی مقام خاص سے چلے جائین منفعت وقف مین شرکت سے محروم ہو جاتے ہین ایسی صورت مین نہین جاری ہو سکتا جیسی وجہ ذیل ہے۔ ایک آدمی نے اپنے قرابت داران محتاج ساکنان بغداد پر وقف کیا اور انمین سے بعض کوفہ مین جا کر رہنے لگے اور چند روز کے بعد پھر بغداد مین چلے آئے تو بعد مراجعت وہ اپنا حق منفعت وقف مین پھر پائینگے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انکی حالت کا لحاظ اسوقت کرنا چاہیئے جسوقت تقسیم شروع ہو کیونکہ انکی مفلسی تو انکے حق کی بنیاد ہے اور واقف کا مقصد محتاجون کی اعانت کرنا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی اولاد پر وقف کرے اور جب متولی انہین وقف کی آمدنی تقسیم کر چکے تو ایک اور شخص اپنا حق واقف کی اولاد مین سے کسی کے حصہ مین ثابت کر دے تو وہ شخص اپنا حصہ لینے کا مستحق ہوگا بشرطیکہ متولی نے بلا منظوری قاضی تقسیم کی ہو اس صورت مین متولی کی کیفیت مثل اس وصی کے ہوگی جو موصی کے بعض قرضخواہون کا قرضہ ادا کرنے کے بعد مابقی جائداد غربا پر تقسیم کر دے اور بعد ازآن ایک اور قرضخواہ پیدا ہو کر اپنا قرضہ ثابت کر دے تو وہ وصی پر اپنے قرضہ کی نالش کر سکتا ہے۔

جب کوئی شخص اپنے بیٹون پر یا اپنی اولاد پر وقف کرے اور اسکی ایک ہی اولاد خواہ بیٹا ہو خواہ بیٹی تو وہ نصف وقف پائیگا یا پائیگی اور مابقی غربا کو ملیگا لیکن اگر اسنے کہا ہو کہ یہ وقف میرے بیٹے یا میری ایک اولاد پر ہے تو کل آمدنی اسی ایک اولاد کو ملیگی۔

اس مسئلہ مین یہ یاد رکھنا ضرور ہے کہ موقوف علیہ کا دارومدار رسم و رواج یا عرف پر ہے۔ پس اگر کوئی شخص اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد پر اس نیت سے وقف کرے کہ انمین سے جو کوئی زندہ ہے وہ کل آمدنی وقف کی پائیگا تو کل آمدنی اسکی اولاد کو ملیگی

گو ایک ہی اولاد زندہ ہو۔

جب کوئی شخص اپنے اہل بیت پر وقف کرے تو ہر شخص جو اُس سے بزرگون کے ذریعہ سے قرابت رکھتا ہے گو کیسی ہی قرابت بعیدہ رکھتا ہو بشرطیکہ وہ بزرگ مسلمان ہون اُس وقف کا مستحق ہوگا اور کچھ امتیاز مذہب یا ذکور و اُناث یا نوعیت قرابت کا نکیا جائیگا۔ اِس امر مین مسلم اور غیر مسلم مرد اور عورت مُحرم اور غیر مُحرم قریب اور بعید سب برابر ہین۔ مگر سب سے دور کا جدّ یا بزرگ اِسمین داخل نہین ہے۔ البتہ واقف کی اولاد اور والدین اِسمین داخل ہین لیکن اُسکے نواسے اور نواسیان اور بھانجے اور بھانجیان اور اِسکے سوا اور قرابت داران اُناث کی اولاد بھی اِسمین داخل نہین ہے اِلّا وہ عورتین جنکا عقد واقف کے بیٹون کے ساتھ ہوگیا ہو۔ علامہ سرخسی نے اپنی شرح سیر کبیر مین لکھا ہے کہ جب لفظ اہلبیت وقف نامہ یا وصیت نامہ مین لکھا ہو تو اِسکے معنی واقف یا موصی کے ارادہ کے موافق سمجھے جاتے ہین۔ اگر بیت سے اُسکے مراد مکان مسکون ہے تو اہلبیت سے مراد وہ لوگ ہونگے جو اُسکے گھر مین رہتے ہون اور اُس سے نفقہ پاتے ہون گو وہ اُسکے اقربا نہ ہون۔ اور اگر بیت سے اُسکی مراد نسب ہے تو اُسکے اہلبیت اُسکے باپ کی سب اولاد ہے۔ مگر امام علی السغدی کا قول یہ ہے کہ اگر وہ شخص بیت یعنی خاندان یا قبیلہ نسبی مثل عربون کے رکھتا ہو تو لفظ اہلبیت سے اُسکے بزرگون کی اولاد مراد ہے گو وہ اُسکے عیال و اطفال کے ساتھ نہ رہتے ہون۔ لیکن اگر وہ بیت یا خاندان نسبی نہ رکھتا ہو تو اُسکے اہل بیت صرف وہی لوگ ہین جو اُسکی عیال کے ساتھ رہتے ہون اور اُسکی روٹی کھاتے ہون اور لوگ نہین ہین گو وہ اُسکے قرابت دار ہون اور اصح و احوط یہی ہے۔" جب اہلبیت پر وقف کیا جائے تو جو اہلبیت زندہ ہون وہ اِسمین داخل ہین اور جو بعد ازآن پیدا ہون یعنی اُنکی اولاد اور اولاد کی اولاد وہ بھی اِسمین داخل ہین۔"

جب واقف لفظ آل یا جنس استعمال کرے تو یہ بھی اہلبیت کے معنی رکھتا ہے اور اسمین بھی غربار کی تخصیص نہین ہے تاوقتیکہ وقف بالتخصیص انھین پر نہ کیا گیا ہو۔ یہ فقرہ وہ انھین سے غربا" بمنزلہ اسکے ہے کہ "وہ جو لوگ انھین سے غریب ہو جائین" لہذا وقف کی آمدنی اُس شخص کو دیجائیگی جو اُسوقت غریب ہو گو اُس سے پیشتر وہ امیر رہا ہو اور اُن اشخاص پر منحصر ہو گی جو امیر تھے مگر اب غریب ہو گئے ہون۔ اگر کوئی عورت اپنے اہلبیت یا اپنے جنس پر وقف کرے تو اُسکی مان اور اولاد اُسمین نہ داخل ہو گی۔

اگر کوئی شخص کہے "عبداللہ کے اہل پر" تو امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک یہ وقف خاص عبداللہ کی زوجہ پر ہوگا۔ مگر ہلال نے فرمایا ہے کہ "ہمارے نزدیک احسن ہے کہ اس وقف مین سب آزاد لوگ عبداللہ کے خاندان کے جو اُسکے ساتھ اُسکے مکان مین رہتے ہون داخل سمجھے جائین" اور احوط یہی ہے۔ مگر اسمین غلام اور خود عبداللہ اور اُسکے اہل خاندان جو دوسرے مکان مین رہتے ہون نہین داخل ہین۔

عیال مین ہر شخص داخل ہے جسکو واقف نفقہ دیتا ہو خواہ اُسکے گھر مین رہتا ہو خواہ نہ رہتا ہو اور حشم عیال کا مرادف یعنی ہم معنی ہے۔ اور عقب سے مراد وہ سب اشخاص ہین جو واقف کے اقربا پدری مین سے ہون اور اسمین بیٹیون کی اولاد نہین داخل ہے سوائے اُن عورتون کے جنکے شوہر واقف کے اقربا پدری مین سے ہون پس اگر کوئی شخص زید اور اُسکے عقب پر وقف کرے اور خود زید زندہ ہو اور صاحب اولاد ہو تو اُسکی اولاد کو کچھ نہ ملیگا اسواسطے کہ آدمی کی اولاد کو اُسکا عقب نہین کہہ سکتے مگر اُسکے مرنے کے بعد۔

فتاواے عالمگیری مین احکام ذیل درباب تقسیم آمدنی وقف لکھے ہین۔

اوّل[1]۔ وقف کی آمدنی پہلے واقف کے غریب رشتہ دارون کے صرف مین لائی جائیگی

---

[1] یہ مسئلہ فتاواے عالمگیری سے لیا گیا ہے اور اسکے وجوہ آگے چلکر لکھے جائینگے۔ ۱۲ منہ

اور جو کچھ انکو دیکر باقی رہے صرف وہی غیرون کو دیا جائے۔

دوم۔ اُس روز کے افلاس کا نہ لحاظ کیا جائے جس روز وقف کی آمدنی ہوئی تھی بلکہ اُس روز کے افلاس کا لحاظ کیا جائے جس روز وہ آمدنی تقسیم کیجائے۔

سوم۔ جو لوگ واقف سے قرابت مین اقرب ہون انکو پہلے دیا جائے اور اُنکے بعد بعید القرابت اشخاص کو دیا جائے یعنے واقف کی اولاد صلبی مقدم رکھی جائے اُسکے بعد اولاد کی اولاد یعنے اُسکی تیسری پشت کے لوگ بعد اُسکے چوتھی پشت والے اور اُسکے بعد کی پشتون کے لوگ۔ اگر انمین سے کوئی نہ باقی رہا ہو یا اِن سب کو دیکر کچھ باقی رہے تو وہ بعید القرابت رشتہ دارون کو دیا جائے اور اُنمین بھی اقرب سے ابتدا کیجائے۔

چہارم۔ جس شخص کو وقف مین حصہ دیا جائے اُسکو ذوسے درہم سے کچھ کم دیا جائے یعنے جب وقف غربا پر عموماً کیا گیا ہو اور بعض ذوے الارحام واقف کے مفلس ہون تب ایسا کیا جائے۔ لیکن اگر وقف کسی شخص کے محتاج رشتہ دارون پر کیا گیا ہو تو کل آمدنی اُسکی اُنمین تقسیم کیجائے گو اُنکا حصہ ذوسے درہم سے زائد ہو۔[1]

جب واقف نے وقف کی آمدنی قرضدارون یا مسافرون کے لیے یا فی سبیل اللہ حاجیون زائرون کے لیے مقرر کی ہو اور اُسکی اولاد اور ذوے الارحام مین سے کچھ لوگ غریب و محتاج ہو جائین تو اُس وقف کا کوئی جزو انکو نہ دیا جائے تاوقتیکہ وہ اولاد یا وہ رشتہ دار قرضدار یا مسافر وغیرہ نہ ہو تب اُنھین سے ابتدا کیجائے۔

علماء[2] بلخ کے نزدیک وقف عدول کی شہادت سے ثابت ہو سکتا ہے اور اگر وقف سب مین مشہور و معروف ہو گیا ہو تو گواہون کی گواہی سے ثابت ہو سکتا ہے یا اُس شخص کی شہادت سے ثابت ہو سکتا ہے جسنے مقاصد وقف مین مال وقف صرف کیا ہو

---

[1] فتاوے عالمگیری صفحہ ۷۰۴- بیلی صاحب کی شرح حنفی صفحہ ۵۹۴ طبع دوم- ۱۲ منہ [2]

فتاوے قاضی خان ۱۲ منہ [3] جیسے عمر ابن العاص نے وقف کیا تھا ۱۲ منہ۔

وقف کا تحریری ہونا یا مال وقف کسی کو حوالہ کر دینا کچھ ضرور نہین ہے۔ وقف کے ارادہ کا گواہون کے سامنے صرف زبانی ظاہر کر دینا کافی[1] ہے۔ اگرچہ گواہان وقف کے اظہارات مبہم و مشکوک ہون تاہم اگر اُنکے مصدق و موئید واقعات موجود ہون تو اُنکی[2] شہادت شرعاً کافی ہے۔

وقف اُس جائداد کا جسکی کیفیت وقف نامہ مین غلط لکھی ہو جائز ہے بشرطیکہ جس چیز کو وقف کرنا مقصود تھا وہ بخوبی ظاہر ہو۔ لیکن اگر وقف نامہ مین مال وقف کی تفصیل ایسی مشتبہ اور مشکوک ہو کہ یہ قیاس کرنا غیر ممکن ہو کہ کیا چیز وقف کرنی منظور تھی تو وہ وقف نافذ نہوگا

اگر کوئی شخص وقف کر کے وقف نامہ لکھدے اور بعد ازآن کہے کہ مین نہین جانتا اسمین کیا لکھا ہے اور میرا ارادہ وقف قطعی کرنے کا نہ تھا یا مین چاہتا تھا کہ اسمین ایسی شرط درج کیجائے جس سے مجھے عند الضرورت اِس جائداد کو بیچڈالنے کا اختیار باقی رہے پس اِس صورت مین اگر گواہون کی شہادت سے یہ ثابت ہو جائے کہ وقف نامہ واقف کے سامنے پڑھا گیا تھا اور اُسکو خوب سمجھا دیا گیا تھا اور وہ اُسکا مطلب خوب سمجھ گیا تھا تو اُسکا انکار مفید نہ ہوگا۔ یہ اصول صرف وقف سے متعلق نہین ہے بلکہ سب معاملات مین جاری ہو سکتا[3] ہے۔

ایک شخص چاہتا ہے کہ اپنی سب اراضی جو کسی موضع خاص مین ہے وقف کرے اور اپنے مرنے کے وقت اُسکا وقف نامہ لکھنے کی ہدایت کرے۔ مگر کاتب وقف نامہ کچھ قطعات اراضی سہواً فروگذاشت کرے۔ پس جب وہ وقف نامہ واقف کو پڑھکر سنایا جائے

[1] مقدمہ جان بی بی بنام عبداللہ حجام نلٹن صاحب کی رپورٹ صفحہ ۳۴۵ - جلد ا سروئیپائن سنگھ بنام علی بخش خان - [2] سٹے صاحب کی رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۱۴۵ - ۲ اسنہ [3] مقدمہ ابوالحسن بنام حاجی محمد مسیح کربلائی - سلکٹ رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۸۷ - ۲ اسنہ [3] وسنذ الا یختص بالوقف بل البیع وسائر التصرفات تکون ذالک - فتاوی قاضی خان صفحہ ۳۲۶ - ۲ اسنہ -

اگر اسوقت واقف نے اُن قطعات آراضی پر توجہ نہ کی ہو جو سہواً فروگذاشت کیے گئے ہین مگر وہ کہدے کہ مین نے سب کچھ جو اِس موضع مین ہے وقف کیا تو فقیہ ابو نصر کے نزدیک یہ وقف اُن سب قطعات آراضی مین نافذ ہوگا۔ یہی اصول اُس وقف سے بھی متعلق ہے جو بحالت صحت نفس کیا گیا ہو۔ اِس امر کا تصفیہ کرنے مین کہ کیا چیز وقف ہے اور کیا چیز وقف نہین ہے جس بات کا لحاظ کرنا ضرور ہے وہ واقف کا ارادہ ہے۔

ایک عورت اپنے ہمسایون سے کہے کہ میرا مکان مسجد پر اِس شرط سے وقف کردو کہ جب مجھکو ضرورت ہوگی اسکو مین اپنے ذاتی مقاصد کے لیے بیچ ڈالونگی اور وقف نامہ لکھا جائے مگر اسمین یہ شرط نہ درج کیجائے تو فقیہ ابوجعفر نے فرمایا ہے کہ اگر وہ وقف نامہ اُس عورت کو پڑھکر سُنا دیا گیا تھا اور وہ اُسکا مطلب سمجھ گئی تھی اور پھر اُسنے اُس وقف کو منظور کر لیا تھا تو وہ وقف جائز ہوگا۔ لیکن اگر وقف نامہ سُنا کر اُسکا مطلب اُسکو نہین سمجھا دیا گیا تھا تو وقف ناجائز ہوگا۔[1]

فصل دوم

وقف اولاد پر

اگر کوئی شخص اپنی اولاد پر موافق اُنکی تعداد اور اُنکے سہام شرعیہ کے وقف کرے اور وقف مین یہ شرط کرے کہ اولاد اناث کو اِسمین سے کچھ نہ دیا جائے مگر یہ کہ وہ بیوہ ہون اور اولاد کے بعد یہ وقف اولاد کی اولاد اور اُسکی اولاد پر اِس شرط سے ہوگا کہ اگر اُنمین سے کوئی اپنے مرنے کے بعد اولاد چھوڑ جائے تو متوفی یا متوفیہ کا حصہ اُسکی اولاد کو ملیگا تو یہ شرط سب سے متعلق ہوگی۔[2]

اگر کوئی شخص اپنی اولاد پر وقف کرے تو اُسمین ذکور و اُناث دونون داخل ہین اگر کوئی شخص کہے کہ یہ وقف مین نے اپنے فرزندون پر کیا اور اُسوقت اُسکی بیٹیان بھی

---

[1] فتاوای قاضی خان صفحہ ۳۲۶ - ۱۲ منہ [2] ردالمختار صفحہ ۶۷۱ - ۱۲ منہ

زندہ ہون تو وہ بھی وقف مین شامل ہو جائینگی - اسواسطے کہ جب کسی شخص کے بیٹے اور بیٹیان دونون ہوتے ہین تو اُنکا ذکر بصیغہ تذکیر کیا جاتا ہے - بلکہ اگر سب اولاد بیٹیان ہی ہون تو بھی بصیغہ تذکیر بولی یا لکھی جاتی ہین -

لیکن اگر واقف نے بیٹیون پر وقف کیا ہو حالانکہ فقط اُسکے بیٹے ہون تو وہ وقف غربا پر ہو جائیگا اور بیٹیون پر نہ ہوگا مگر یہ کہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ واقف سے غلطی ہو گئی اور اگرچہ اُسنے دختران کا لفظ کہا مگر اُسکی مراد پسران تھی - (عصاف سے لیا گیا ہے) -

لفظ ذریت مین بیٹی کی اولاد بھی داخل ہے - یعنی اگر کوئی شخص اپنی ذریت پر وقف کرے تو بیٹی اور بیٹے دونون کی اولاد داخل ہوگی -

اگر کوئی شخص ذریت پر وقف کرے مگر یہ نہ کہے کہ کس ترکیب سے اُنکو وقف کی آمدنی دیجائے تو قریب و بعید سب برابر پائینگے - مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ مین نے یہ وقف زید کی اولاد احفاد پر دوامًا کیا جبتک اُسکی نسل مین کوئی باقی رہے تو زید کی اولاد اور اولاد کی اولاد اُسمین برابر حصہ پائیگی اور بیٹے کی اولاد اور بیٹی کی اولاد مین کچھ فرق نہ ہوگا بلکہ سب کو برابر ملیگا -

یہ اصول اُس صورت مین جاری ہوگا جب واقف نے پشت یا بطن کی تصریح کرکے کوئی ترتیب وراثت وجانشینی نہ بیان کر دی ہو یعنے جب بطنًا بعد بطنٍ کا لفظ نہ لکھا ہو تو وقف کی آمدنی سب اولاد ذکور و اناث پر جو تقسیم کے وقت زندہ ہون تقسیم کیجائیگی اور قریب و بعید مین امتیاز نہ کیا جائیگا - اور جب اُنمین سے کوئی شخص مر جائیگا تو اُسکا حصہ مال وقف مین شامل ہو جائیگا اور کُل منافع وقف اُن حقدارون پر تقسیم کیا جائیگا جو اُسوقت زندہ ہون - اگر بطنًا بعد بطنٍ کا لفظ لکھا ہو اور ترتیب وراثت وجانشینی بیان کر دی ہو تو اُسکے معنی یہ ہونگے کہ قریب تر پشت کے لوگون کو پہلے دیا جائے اور اُنکے بعد کی پشت والون کو بعد دیا جائے (خصاف سے لیا گیا ہے)

اگر کوئی شخص اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد پر یا ولد الولد پر وقف کرے تو بیٹی کی اولاد بھی داخل ہوگی۔

لیکن اگر کوئی شخص صرف اتنا کہے کہ یہ میرے ولد پر وقف ہے تو بیٹی کی اولاد نہ داخل ہوگی اسواسطے کہ ولد سے مراد وہ ہے جو اُسکے نطفہ سے ہو اور اگر عرفاً یہ لفظ بیٹے کی اولاد پر صادق آتا ہے تو اِسکی وجہ یہ ہے کہ بیٹے کی اولاد واقف کی نسل سے ہوتی ہے[۱]۔

علامہ شیخ علی المقدسی نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ولد اور ولد الولد پر وقف کرے تو خود اُسکی اولاد اور اُسکے بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد یہ سب اِسمین داخل ہین۔ خصاف[۲] اور قاضی خان نے اِسی قول کو اختیار کیا ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ یہ وقف میری اولاد کے بیٹون پر یا میرے اقربا پر یا میرے بھائیون پر ہے تو اُسمین اُناث داخل ہونگے۔

جب صیغہ تذکیر مجموعاً استعمال کیا جائے تو اُسمین اُناث بھی شامل ہین۔ اگر کوئی شخص اپنے ولد پر اور اُسکے بعد اُسکی اولاد پر بطناً بعد بطنٍ وقف کرے اور یہ بھی شرط کرے کہ جب اُنمین سے کوئی مرجائے تو اُس مرد یا عورت کا حصہ اُسکی اولاد کو ملیگا پس اگر وہ شخص قبل اِسکے مرجائے کہ وقف کی آمدنی مین حصہ پانے کا مستحق ہوا ہو اور

---

[۱] یہ قول راجح یہی ہے اور قاضی خان نے لکھا ہے کہ اِسکی صحت امام محمد کے قول پر مبنی ہے جو سیر کبیر مین لکھا ہے اور خصاف مین بھی یہی لکھا ہے اور اِسی کو قاضی القضات نور الدین طرابلسی نے اختیار کیا ہے اور اُنکے شاگردان رشید شبلی اور ابن شحنہ اور ابن نجیم اور حنوطی کا بھی یہی قول ہے۔ ردّ المختار صفحہ ۶۷۲ ۔ ۱۲ منہ [۲] خصاف وہ امام ہین جنکی افضلیت کی گواہی شمس الائمہ حلوائی نے دی ہے اور فرمایا ہے کہ خصاف کے اقوال ہر جگہ اختیار کیے جاتے ہین۔ ۱۲ منہ

ایک اولاد چھوڑ جاوے تو وہ اولاد اُسکی قائم مقام ہوکر اپنے باپ کا حصہ وقف کی آمدنی مین پائیگی۔ اگر واقف اپنے مرنے کے بعد کئی اولاد زید عمر و بکر خالد وغیرہ چھوڑ جاوے اور بعد ازآن زید بھی کچھ اولاد چھوڑکر مرجائے تو زید کا حصہ اُسکی اولاد کو ملیگا موافق اُس شرط کے جو واقف نے مقرر کی ہے۔ بعد اُسکے عمر و مرجائے اور کچھ اپنی اولاد اور کچھ اُس بیٹے کی اولاد چھوڑ جائے جو اُسکی زندگی مین مرگیا ہو۔ تو سوال یہ ہے کہ آیا عمرو کے پوتے اُسکے بیٹون کے ساتھ حصہ پائینگے یا نہین۔ سبکی نے لکھا ہے کہ نہ پائینگے اور اُنکا قول یہ ہے کہ عمرو کا حصہ بالکل اُسکی اولاد کو ملیگا اور اُسکے پوتون کو نہ ملیگا۔ اور اس مسئلہ مین خصاف نے اُنسے اتفاق کیا ہے۔ مگر خصاف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب خود واقف کی اولاد مین سب مرجائینگے تو یہ قاعدہ نہ جاری ہوگا یعنے اگر واقف کی صغرا اولاد عمر مرجائے اور کوئی اولاد چھوڑ جائے تو اُسکا حصہ اُسکی اولاد کو نہ ملیگا بلکہ کل آمدنی وقف کی واقف کے پوتون پر یعنے دوسری پشت کے لوگون پر تقسیم کیجائے گی اور وہی قاعدہ جاری ہوگا جو پہلی صورت مین ہوا تھا یعنے اس پشت کے ہر شخص کا حصہ اُسکے مرنے پر اُسکی اولاد کو ملیگا یہانتک کہ وہ پشت تمام ہوجائے تب تیسری پشت والون کی تعداد کے موافق تقسیم ہوگی۔ پس خصاف کے نزدیک ہر پشت کے لوگ فرداً فرداً پائینگے اور سبکی کے نزدیک تقسیم ساری پشت پر من حیث المجموع ہوگی۔ یعنی اُنکا قول یہ ہے کہ ہر پشت کے لوگ جو مرتے جائین اُنکے حصے اُنکی اولاد کو ملتے جائینگے۔ جلال الدین سیوطی نے خصاف اور سبکی دونون سے اختلاف کرکے فرمایا ہے کہ جب کسی پشت کا آدمی اپنی اولاد اور اُس اولاد کی اولاد کو جو اُسکی زندگی مین مرچکی ہو چھوڑکر مرجائے تو اولاد اور اولاد کی اولاد بھی اپنے دادا کے حصہ مین شریک ہونگے یعنی اولاد کی اولاد اپنے والدین کا حصہ من حیث المجموع پائینگے۔ اشباہ مین سبکی سے اتفاق کیا ہے اور سب متاخرین نے اسپر عمل کیا ہے۔

پس اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب پشتون کے درمیان واو عاطفہ (و) اور استعمال کیا جائے

تو ہر پشت کے فنا ہونے کے بعد تقسیم از سر نو شروع ہوگی لیکن اگر لفظ ثمّ ترتب استعمال کیا جائے تو تقسیم سب پشتون مین من حیث المجموع ہوتی جائیگی ۔ اِس قول کو ظاہراً اکثر علماے شافعیہ اور علماے حنفیہ نے بھی اختیار کیا ہے ۔ اجماع اسپر ہے کہ جب کوئی شخص اپنے باپ کی زندگی مین مرجائے اور کوئی اولاد چھوڑ جائے تو وہ اولاد اپنے باپ کا حصہ اپنے دادا کی جائداد مین پائیگی مگر اپنے چچا کے حصہ مین اُسکا کچھ حق نہ ہوگا ۔

اگر کوئی شخص اپنی اولاد یا ذریات صلبی پر وقف کرے تو بیٹی کی اولاد اُسمین نہ داخل ہوگی الا یہ کہ وہ اولاد اُن شوہرون کے نطفہ سے ہو جو واقف کی ذریات صلبی مین سے ہون ۔ اگر کوئی عورت اپنے اہل بیت یا جنس پر وقف کرے تو اُسکی اولاد نہ داخل ہوگی الا یہ کہ وہ اولاد اُسکو اُس شوہر سے ہو جو اُسکا ہم قوم یا ہم قبیلہ ہو ۔

جب کوئی شخص اپنے نفس پر اور اپنی اولاد اور نسل پر وقف کرے تو ایسے وقف سے یہ سمجھا جائیگا کہ وقف کی آمدنی کو واقف مادام الحیات اپنے مصرف مین لائیگا اور اُسکے مرنے کے بعد وہ آمدنی اُسکی اولاد کو ملیگی اُسکے بعد اولاد کی اولاد تک پہونچےگی ۔ ایسا وقف امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور فصل خصومات اُنھین کے قول کے موافق کیا جاتا ہے ۔

جب کوئی شخص اپنے ولد پر وقف کرے اور یہ نہ کہے کہ یہ وقف نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ باقی رہیگا تو وہ وقف غربا کو ملیگا ۔ اگر لفظ اولاد یا نسل یا عقب یا خلف استعمال کیا جائے تو وقف واقف کی اولاد ذکور و اناث دونون پر ابداً و دواماً ہوگا ۔ اگر واقف تین پشتون کو حقداران وقف کہے تو یہ بمنزلہ اسکے ہوگا کہ اُسنے وقف اپنی نسل پر دواماً کیا ہے اور جبتک اُنمین سے کوئی زندہ رہیگا اُس وقف سے منتفع ہوگا ۔

اگر وقف اولاد کا نام لیکر کیا جائے تو جنکا نام نہین لیا گیا ہے وہ خارج کیے جائینگے ۔ جب وقف زید پر اور اُسکے بعد اُسکی اولاد پر عموماً کیا جائے تو اولاد ذکور و اناث دونون وقف مین داخل ہونگے ۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "یہ وقف میرے ولد اور اُسکی اولاد اور اولاد کی اولاد پر ہے" تو جو اولاد اُسکی وقف کرنے کے وقت زندہ ہو یا بعد ازآن پیدا ہو اور اُسکی اولاد اُس وقف مین حصہ پائیگی مگر وہ اولاد اُسکی اولاد کی جو وقف کے پیشتر مرگئی ہو کچھ حصہ نہ پائیگی۔ لیکن اگر اُسنے کہا ہو کہ "یہ وقف میرے وُلد اور وُلد الولد پر اور اُسکی اولاد کی اولاد پر ہے" تو اولاد اُس اولاد کی جو وقف کے پیشتر مرچکی تھی حصہ پائیگی اسواسطے کہ "میری اولاد کی اولاد" سے اُسکے سب پوتے مراد ہین صرف وہی اولاد نہین مقصود ہے جو وقف مین حصہ پانے کی اُسوقت مستحق تھی جسوقت وقف کیا گیا تھا۔

جب[1] وقف بالفاظ ذیل کیا جاوے۔

"یہ وقف میری اُس اولاد پر ہے جو پیدا ہو چکی ہے اور میری نسل پر ہے" تو جو اولاد بعد ازآن پیدا ہوئی ہو وہ بھی اِس وقف مین شامل ہو گی۔ لیکن اگر واقف نے "اُسکی نسل" کہا ہوتا تو واقف کی اولاد اُسمین نہ شامل ہوتی۔

اگر واقف کہے کہ "یہ وقف میری اُس اولاد پر ہے جو پیدا ہو چکی ہے اور اُسکی نسل پر اور میری سب اولاد پر ہے جو آیندہ پیدا ہو" تو اُسکی اولاد جو آیندہ پیدا ہو وہ تو پائیگی مگر اُسکی اولاد نہ پائیگی۔ اگر وہ کہے کہ "یہ وقف میری اُس اولاد پر ہے جو پیدا ہو چکی ہے اور اُسکی نسل پر اور میری اُس اولاد پر ہے جو بعد ازآن پیدا ہو" تو جو اولاد بعد پیدا ہو اُسکی اولاد تو پائیگی مگر اُسکے والدین نہ پائینگے۔

جب وقف اولاد پر کیا ہو اور زندہ رہنے کی قید نہ لگائی ہو تو جو اولاد مرتی جائیگی اُسکا حق غربا کو ملتا جائیگا کیونکہ ہر ایک کا حق جداگانہ ہے۔ مگر جب وقف کے مفہوم سے زندہ رہنے کی شرط یا بالمشارکت پانے کی شرط مفہوم ہو تو اور صورت ہو جائیگی۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی اولاد پر اور اُسکے بعد غربا پر وقف کرے تو ظاہر ہے کہ

---

[1] ردّالمختار صفحہ ۶۷۹ و ۶۸۰ - ۱۲ منہ

واقف کا منشاء یہ تھا کہ اس وقف کی منفعت اُسکی اولاد کو ملے جبتک اُنمین سے کوئی زندہ رہے اور جب اُنمین سے کوئی نہ باقی رہے تو غرباء کو دیا جائے۔ لہذا جب کوئی لڑکا مرجائیگا تو اُسکا حق واقف کے اُن لڑکون کو ملیگا جو زندہ رہ گئے ہین یا اُس لڑکے یا لڑکی کی اولاد کو ملیگا۔

اگر کوئی شخص اپنی زوجہ اور اپنی اولاد پر وقف کرے تو جب اُسکی زوجہ مرجائیگی اسوقت اُسکا حق واقف کی صرف اُسی اولاد پر منحصر نہ رہیگا جو اُسکے بطن سے ہو بلکہ واقف کی سب اولاد کو پہونچیگا الا یہ کہ کوئی شرط اسکے خلاف مقرر کی گئی ہو جس سے زوجہ کا حق اُسکے مرنے کے بعد صرف اُسی اولاد کو مل سکے جو اُسکے بطن سے ہو۔

اگر واقف نے اپنے فرزندون یا اپنے بھائیون پر وقف کیا ہو تو اُسمین عورتین بھی شامل ہونگی۔ اگر کوئی شخص کہے کہ یہ وقف میری بیٹیون پر ہے مگر اُسکے صرف بیٹے ہون تو وقف غرباء کو دیا جائیگا جبتک اُسکے یہان کوئی بیٹی پیدا ہو یا یہ ثابت کردیا جائے کہ بیٹیون کا لفظ غلطی سے کہدیا تھا۔

اگر وقف عموماً کیا گیا ہو یعنے اُس مقدار کی تصریح نہ کی ہو جو مقدار ہر پشت کے ذکور و اُناث کو منافع وقف کی ملیگی تو تقسیم موافق سہام شرعیہ کے ہوگی یعنے مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ دیا جائیگا۔

لفظ نسل مین بیٹے اور بیٹی دونون کی اولاد داخل ہے۔

لفظ عقب اور لفظ خلف مین ذکور کی اولاد داخل ہے اور آل اور جنس اور اہل البیت مین وہ لوگ داخل ہین جو واقف کے باپ یا دادا یا اور کسی جد اعلیٰ کے ذریعہ سے اُس سے قرابت رکھتے ہون۔ اور قرابت داران وارحام و انساب واقف مین وہ لوگ داخل ہین جو متوفی کے کسی بزرگ مرد یا عورت کے واسطہ سے اُس سے قرابت رکھتے ہون۔ اور واقف کے اجداد کا سلسلہ اُس شخص پر منتہی ہوگا جسنے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ یہ وقف میری اولاد اور میری نسل پر دوامًا ہے اور اگر اُنمین سے کوئی مرد یا عورت مرجائے تو اُسکا حصّہ اُسکی نسل کو دیا جائیگا" تو اِس صورت مین وقف کی آمدنی واقف کی سب اولاد اور نسل مین تقسیم کیجائیگی اور جو لوگ اُنمین سے مرجائینگے اُنکے حصّے اُنکی اولاد کو ملینگے۔

اگر کوئی شخص اپنی اولاد پر وقف کرے مگر یہ شرط نہ کرے کہ جب اُنمین سے کوئی مرجائیگا تو اُس مرد یا عورت کا حصّہ اُسکی اولاد کو ملیگا تو وہ حصّہ وقف کی آمدنی مین شامل ہوکر اُن حقداروں مین جو اُسوقت موجود ہون تقسیم کردیا جائیگا۔ اگر واقف نے یہ شرط کرلی ہو کہ جب میری اولاد مین سے کوئی مرجائیگا تو اُس مرد یا عورت کا حصّہ اُسکی نسل کو ملیگا تو اِس صورت مین وہ حصّہ اُسکی اولاد متوفی کی سب اولاد کو پہونچیگا۔ یا اگر اُسنے کہا ہو کہ اولاد متوفی کا حصّہ طبقۂ اعلیٰ کے لوگون کو دیا جائے اور اُس درجہ کا کوئی شخص زندہ نہ ہو تو اُن دونون صورتون مین کل آمدنی وقف کی واقف کی نسل مین سے اُن لوگون کو ملیگی جو اُسوقت زندہ ہون اور جبتک اُنمین سے کوئی باقی رہیگا غربا کو نہ دیجائیگی۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "جب میری ذریت مین سے کوئی مرجائے تو اُسکا حصّہ اُسی طبقہ کے اور لوگون کو دیا جائے" تو اِس صورت مین قریب تر کو بعید تر پر ترجیح دیجائیگی اور اگر اُس طبقہ کا کوئی آدمی نہ ہوگا تو وہ حصّہ وقف مین شامل ہوجائیگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد بہن کی اولاد اور چچا کی اولاد چھوڑ گیا ہو تو چچا کی اولاد کو بہ ترجیح بہن کی اولاد کے وقف مین حصّہ دیا جائیگا کیونکہ چچا کی اولاد درجۂ قرابت مین یکسان ہے گو نسبًا ابعد ہو۔

قاضی خان کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ "میری یہ زمین میرے وُلد پر وقف ہے" تو وہ اُسی کی اولاد کو ملیگی اور ذکور و اناث برابر حصّہ پائینگے الّا یہ کہ

واقف نے وقف کو اولاد ذکور پر محدود کردیا ہو۔ اگر واقف کی اولاد نہ ہو تو وہ جائداد غربا پر وقف ہو جائیگی اور واقف کی اولاد بعید پر وقف نہ ہوگی۔ اگر وقف کرنے کے وقت واقف کی اولاد صلبی کوئی نہ ہو مگر اُسکا ایک پوتا زندہ ہو تو وہی وقف کی آمدنی پائیگا۔ جب کوئی شخص کہے کہ "یہ زمین میرے وُلدا اور وُلدالولد پر صدقہ موقوفہ ہے" تو اسمین بیٹی کی اولاد بھی شامل ہوگی۔ اسی طرح سے اگر وہ لفظ اولاد کہے تو بیٹے اور بیٹی دونوں کی اولاد شامل ہوگی۔ امام محمد کے نزدیک وُلدالولد مین بیٹی کی اولاد داخل ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی زمین اپنے ولد پر اور اُسکے بعد غربا پر وقف کرے تو اُس ولد کے مرنے کے بعد علامہ ابوالقاسم کے نزدیک وقف کی آمدنی غربا کو ملیگی۔ اگر اُسنے کہا ہو کہ "یہ زمین میرے ولد اور وُلدالولد پر اور اُنکے بعد غربا پر وقف ہے" تو علامہ ابوالقاسم کے نزدیک وقف کی آمدنی اُسکی اولاد اور اولاد کی اولاد کو دیجائیگی اور جب واقف کی اولاد کی اولاد مین کوئی نہ باقی رہیگا تو وقف کی آمدنی غربا کو ملیگی اور تیسری پشت کی اولاد کو نہ دیجائیگی۔ لیکن اگر اُسنے "وُلدا اور وُلدالولد اور وُلد ولد الولد" کہا ہو جسمین اُسکی تیسری پشت بھی صریحاً یا ضمناً شامل ہوگئی ہو تو وقف کی آمدنی اُسکی نسل پر دوامًا وقف رہیگی جبتک اُنمین سے کوئی زندہ رہیگا اور جبتک اُنمین سے کوئی بھی باقی رہیگا گو وہ کتنی ہی نیچے کی پشت کا ہو غربا کو نہ دیجائیگی۔ ابوجعفر اور ہلال کا یہ قول ہے کہ جب واقف نے تین پشتین کہی ہون تو وہ وقف اُسکی نسل کو دوامًا دیا جائیگا جبتک اُسکی نسل مین کوئی باقی رہیگا اور قریب وبعید سب برابر اُسمین حصہ پائینگے الایہ کہ واقف نے کہا ہو کہ قریب کو بعید پر ترجیح دیجائے یا بطنًا بعد بطنٍ کا لفظ یا اور کوئی ایسا ہی کلمہ کہا ہو۔ اِن سب صورتون مین تقسیم وہین سے شروع ہوگی جہان سے واقف نے کہدیا ہو۔ اگر

کوئی شخص اپنے دو بیٹون پر زمین وقف کرکے کہے کہ یہ انپر صدقہ موقوفہ ہے تو اُسکی آمدنی انکے مرنے کے بعد اُنکی اولاد اور ذریات کو دواماً ملیگی۔

شیخ امام ابو بکر محمد ابن فضل نے فرمایا ہے کہ جب وقف دو فرزندون پر کیا گیا ہو تو انمین سے ایک کے مرنے کے بعد اُسکا حصہ غرباء کو ملیگا اُسکی اولاد کو نہ ملیگا تا وقتیکہ واقف کا دوسرا بیٹا بھی نہ مرجائے تب کُل آمدنی وقف کی واقف کے پوتے اور پوتیون کو ملیگی الا یہ کہ واقف نے یہ شرط کر لی ہو کہ جب اصل موقوف علیہم مین سے کوئی مرجائے تو وقف کی آمدنی اُسکو دیجائے جو زندہ رہگیا ہو یا متوفی کی اولاد کو دیجائے

جب کوئی شخص اپنی اولاد پر زمین وقف کرے مگر آخر کو اُسکا مستحق فقراء کو قرار دے تو ہر موقوف علیہ کے مرنے کے بعد کل آمدنی اُس زمین کی اُنکو ملیگی جو زندہ ہون اور جب انمین کوئی نہ باقی رہیگا تب ہی اُسکی آمدنی غرباء کو دیجائیگی۔

جب کوئی مریض جو مرض الموت مین مبتلا ہو اپنی زمین اپنے وَلَد اور وَلَدْ الوَلَد پر دواماً جبتک اُسکی نسل باقی رہے وقف کرے تو سب علماء کا اتفاق ہے کہ موصی کے مرنے کے بعد یہ وقف اُسکے ورثہ پر نہین جائز ہوگا مگر امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام زفر اور حسن کے نزدیک غیر ورثہ پر جائز ہوگا یعنے اُسکی اولاد کی اولاد پر ثلث مال مین یہ وقف نافذ ہوگا۔ اسواسطے کہ مریض کا وقف بمنزلہ وصیت کے ہے اور ثلث مال مین نافذ ہوگا بشرطیکہ غیر ورثہ پر کیا گیا ہو"

"جب کوئی شخص بیماری کے عالم مین اپنی زمین اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد پر وقف کرے اور اُسکے سوائے اور کوئی جائداد نہ چھوڑے تو ایک ثلث اُس زمین کا اُسکی اولاد کی اولاد پر وقف ہو جائیگا اور باقی دو ثلث ورثہ کا مال ہوگا اگر وہ اُس وقف کو نامنظور کرین لیکن اگر وہ اُسکو منظور کرلین تو وہ دو ثلث واقف کی اولاد اور اولاد کی اولاد پر برابر تقسیم کردیا جائیگا"

جب کوئی شخص اپنے فرزند اور اُسکی اولاد اور اولاد کی اولاد پر دواماً وقف کرے

جبتک اُسکی نسل مین کوئی زندہ رہے تو علامہ ابو القاسم کے نزدیک وقف کی آمدنی واقف کے بیٹے کی اولاد پر فرداً فرداً تقسیم کیجائیگی اور ذکور وانات کو برابر حصہ ملیگا اور جب اُنسے بیٹی کی اولاد کی نسبت پوچھا گیا تو اُنھون نے فرمایا کہ وہ بھی مستحق ہے اسواسطے کہ وہ اولاد کی اولاد ہے۔

اگر کوئی شخص غربا پر وقف کرے اور اُسکے مرنے کے بعد اُسکی اولاد محتاج ہوجائے تو متولی کو چاہیئے کہ واقف کی اولاد کا تکفّل مناسب وقف کی آمدنی سے کرے۔

جب دو یا زیادہ اشخاص پر وقف کیا گیا ہو تو وہ اِسکے مستحق نہین ہین کہ مال وقف کو اپنے اپنے حصہ منافع وقف کی مقدار کے موافق آپسمین تقسیم کرلین۔ مگر متولی کو اختیار ہے کہ جیسا انتظام مناسب سمجھے اراضی وقف کی کاشت یا مکانات وقفی کی سکونت کے باب مین حسب شرائط وقف نامہ کرے۔

ایک عورت نے مرض الموت کے عالم مین اپنے دو بیٹون پر اور اُنکے بعد اُنکے بیٹون اور بیٹیون کے بیٹون پر وقف کیا اور جب اُنکی نسل مین کوئی نہ باقی رہے تو مسجد پر۔ وہ عورت مرجائے اور وہی دو بیٹیان زندہ چھوڑ جائے اور ایک بہن بھی[1] چھوڑ جائے جو اُس وقف سے راضی نہ ہو۔ تو اِس صورت مین وقف متوفیہ کے ثلث مال مین نافذ ہوگا اور باقی دو ثلث ورثہ پر اُنکے سہام شرعیہ کے موافق تقسیم کیے جائینگے اور ثلث مال جو وقفی قرار دیا گیا ہے اُسکی آمدنی بھی ورثہ پر بمقدار اُنکے سہام شرعیہ کے تقسیم کیجائیگی جبتک کہ وہ دونو بیٹیان مرجائین اُسوقت وقف کی آمدنی اُنھین کی اولاد کو بالتخصیص ملیگی۔ علیٰ ہذا القیاس اگر واقف کہے کہ مین وصیت کرتا ہون کہ اِس زمین کی آمدنی پچاس برس کے بعد میری اولاد کی اولاد کو بطور وقف دیجائے تو ایسا وقف جائز ہے۔ اِسکی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ وقف وصیتی وارث پر کرنا نہین جائز ہے

[1] سُنیون کے مذہب مین بہن کو بیٹون کے ساتھ حصہ ملتا ہے مگر شیعون کے مذہب مین نہین ملتا۔ ۱۲ منہ

اگر وارث کی اولاد پر جائز ہے۔ پس جب اور ورثہ نہ راضی ہون تو وہ ایک ثلث جسکا وقف جائز ہوتا اگر وارث پر وقف نہ کیا جاتا علحدہ رکھا جائیگا اور اُسکی آمدنی سب ورثہ پر تقسیم کیجائیگی جنمین خود موقوف علیہ بھی داخل ہے اور اُسکے مرنے کے بعد اُس ایک ثلث کی آمدنی اُسکی اولاد پر تقسیم کیجائیگی خواہ وہ موقوف علیہ مرد ہو خواہ عورت۔

اگر واقف پہلے اپنی اولاد پر اور اُنکے فنا ہو جانے کے بعد غربا پر وقف کرے تو شرعًا جائز ہے۔ علما رمین اختلاف ہے کہ ایسے وقف کی منفعت مین حصہ پانے کے کون لوگ مستحق ہونگے۔ ہلال[1] کا قول یہ ہے کہ اگر اولاد کی اولاد اُسوقت موجود ہو جسوقت وقف کی آمدنی یا پیداوار تقسیم کیجائے گو وقف ہونیکے وقت وہ موجود تھی یا نہ تھی تو وہ وقف کی آمدنی مین حصہ پائیگی۔ علمار بلخ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ یوسف ابن خالد سامانی کا قول یہ ہے کہ اُس وقف کی آمدنی صرف اُس اولاد کو دیجائے جو وقف کرنے کے وقت موجود تھی۔ اور اُنکے نزدیک یہ بھی ہے کہ اولاد کی اولاد اُسوقت تک حصہ نہ پائیگی جبتک کہ واقف کی اولاد جو آمدنی وقف تقسیم ہونے کے قبل پیدا ہوئی تھی باقی رہی۔ اگر آمدنی کی تقسیم کے وقت واقف کی کوئی اولاد نہ ہو تو اولاد کی اولاد کو ملے گی۔

جب کوئی شخص اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد پر وقف کرے تو اُنمین سے جتنے لوگ آمدنی یا پیداوار پیدا ہونے کے وقت یا اُسکے تقسیم ہونے کے وقت موجود ہون وہ سب اُسمین حصہ پائینگے۔

[1] ہلال ابن یحییٰ ابن مسلم بصری نے ۲۴۵ھ ہجری مین وفات کی۔ وہ یوسف ابن خالد بصری کے شاگرد تھے اور وہ حضرت امام اعظم کے شاگرد تھے۔ بعضون نے لکھا ہے کہ اُنھون نے علم فقہ امام ابو یوسف اور زفر سے حاصل کیا تھا۔ اُنکو کوفی اسوجہ سے کہتے تھے کہ وہ اہل کوفہ کے رسوم کی بہت تقلید کرتے تھے۔ ردالمحتار صفحہ ۶۷۶ و ۶۸۰۔ ۱۲ منہ۔

جب وُلد اور نسل پر وقف کیا جائے اور اُسوقت واقف کا صرف ایک پوتا ہو مگر بعد ازآن اُسکے یہان ایک لڑکا پیدا ہو تو دونون کو وقف مین حصہ ملیگا۔ علیٰ ہذ القیاس اگر کوئی شخص اپنی اُس اولاد پر وقف کرے جو موجود ہو اور اُسکی نسل پر تو جو اولاد وقف کے بعد پیدا ہو وہ اُس وقف مین داخل ہوگی۔

جب کوئی شخص اپنے اطفال صغیر پر وقف کرے تو اِس صورت مین جو اولاد اُسکی وقف کرنیکے وقت صغیر ہو صرف وہی وقف مین شریک ہوگی اِسواسطے کہ اگرچہ صغیر ایسی صفت ہے جو زائل ہو جاتی ہے تاہم ایسی صفت ہے جو کبھی عود نہین کرتی پس وہ بمنزلہ اِسکے ہے کہ واقف نے اپنی اولاد کا نام لیکر وقف کیا۔

اگر وقف ایک اولاد پر کیا گیا ہو اور جس تاریخ وقف کی آمدنی پیدا ہوئی ہو اُس تاریخ سے چھ مہینے کے اندر واقف کے یہان دوسری اولاد پیدا ہو تو یہ اولاد پہلی اولاد کے ساتھ وقف مین حصہ پائیگی۔ اگر دوسری اولاد چھ مہینے کے بعد پیدا ہوئی ہو تو وہ پہلی اولاد کے ساتھ وقف مین حصہ نہ پائیگی کیونکہ یہ قیاس کیا جائیگا کہ دوسری اولاد اِسوقت موجود نہ تھی جب وقف کی آمدنی پیدا ہوئی تھی۔ اگر کوئی شخص اپنی اولاد پر وقف کرے اور اُسوقت اُسکی کوئی اولاد نہ ہو اور جب وقف کی آمدنی پیدا ہوئی تھی اُسکی چھ مہینے کے اندر اُسکے یہان کوئی اولاد نہ پیدا ہو تو وہ آمدنی غربا کو ملیگی مگر بعد ازآن جو افزونی اُس آمدنی مین ہوگی وہ اُس اولاد کو ملیگی[1]۔

فصل سوم

وقف اقربا پر

لفظ آل اور جنس اور اہل بیت مین وہ اقربا واقف کے داخل ہین جو اُسکے باپ یا دادا یا اور کسی بزرگ کے واسطے سے اُس سے قرابت رکھتے ہون۔ اور لفظ

---

[1] جسوقت غلہ مین دانہ پڑتا ہے وہی وقت آمدنی یا پیدا وار کے پیدا ہونے کا وقت سمجھا جائیگا۔ ۱۲۔ مسند

قرابت وار اور ذو قرابت اور ارحام و انساب مین وہ لوگ داخل ہین جو متوفی کے بزرگون مین سے کسی مرد یا عورت کے ذریعہ سے اُس سے قرابت رکھتے ہون ۔ اور اُسکے اجداد مین اُسکا جدّ اعلےٰ وہ شخص ہوگا جسنے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔

امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا ہے کہ ذو قرابت سے وہ شخص سمجھنا چاہئیے جو باپ یا مان کی طرف کے کسی بزرگ مشترک کے ذریعہ سے کسی شخص سے قرابت رکھتا ہو خواہ وہ شخص محارم یا محرمات شرعیہ مین داخل ہو خواہ نہ ہو اور خواہ قریب القرابت ہو خواہ بعید القرابت اور خواہ واقف نے صیغہ واحد استعمال کیا ہو خواہ صیغہ جمع ۔ مگر امام اعظم کے نزدیک یہ ہے کہ جب وقف بصیغہ واحد کیا گیا ہو یعنے مثلاً واقف نے کہا ہو کہ "میرے ذو قرابت پر وقف ہے" تو اُس وقف مین واقف کا سب سے قریب رشتہ دار جو اُسکے محارم یا محرمات شرعیہ مین سے ہو داخل ہوگا لیکن اگر وقف بصیغہ جمع کیا گیا ہے یعنی مثلاً واقف نے کہا ہو کہ "میرے ذوے القرابت یا اقربا پر" تو سب اقربا مذکورۂ بالا داخل ہین ۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے اِس قول مین کہ "وہ سب سے بعید جدّ اعلیٰ اسلام مین" بعض علما نے یہ تاویل کی ہے کہ وہ جدّ اعلیٰ جو سابق الاسلام ہو یعنی جسنے پہلے اسلام قبول کیا ہو اور بعض نے اِسکے معنی یہ کہے ہین کہ وہ جدّ اعلیٰ جو شیوع اِسلام کے زمانہ کے لحاظ سے اقدم ہو خواہ اُسنے اسلام قبول کیا ہو خواہ نہ کیا ۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "وقف میرے اقارب اور اہلبیت وغیرہ پر ہے" تو صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ اگر اُس زمرہ سے ایک شخص بھی موجود ہو تو وقف نافذ ہو جائیگا ۔

جب کوئی شخص اپنے غریب رشتہ دارون پر وقف کرے تو اُنکی غربت یا افلاس اُس وقت معتبر ہوگا جب وقف کی آمدنی تقسیم کرنے کے قابل ہو جائے مگر جس شخص کو مال وقف سے دیا جائے وہ ایسا شخص ہونا چاہیے جبکا کوئی ایسا عزیز نہ موجود ہو جسپر اُسکو نفقہ دینا شرعاً واجب ہو مثلاً شوہر یا والد وغیرہ ۔

جب کوئی شخص اپنی اولاد اور اقارب پر وقف کرے تو سب لوگ جو اسوقت موجود ہون جب وقف کی آمدنی پیدا اور موجود ہوئی ہو گو وقف ہونے کے بعد پیدا ہوے ہون اسمین حصہ پانے کے مستحق ہین۔

جو کچھ اقربا اور ذوے القرابت کے باب مین بیان کیا گیا ہے وہی بعینہ ارحام اور ذوے الارحام اور انساب اور ذوے الانساب پر بھی صادق آتا ہے۔ ان سب الفاظ کے ایک ہی معنی ہین۔

اگر کوئی شخص کہے کہ میرے یہ صدقہ موقوفہ میرے محتاج اقارب یا مفلس اولاد پر ہے اور انکے بعد غربا پر ہے[1] تو یہ وقف درست ہے اور مستحقین وقف موقوف علیہم مین سے وہ لوگ ہین جو اسوقت محتاج ہون جب وقف کی پیدا اور موجود ہوئی ہو۔ ہلال کا یہی قول ہے اور یہی قول معتبر ہے اور اسی کے موافق فتوی ہے۔ اسی طرح سے اگر لفظ غربا کے بدلے واقف نے فقرا اور مساکین کا لفظ کہا ہو تو بھی یہی ہوگا۔ اگر واقف اپنے غریب رشتہ دارون پر اور انکے بعد غربا پر وقف کرنے کے بعد مرجائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک واقف کا بیٹا اقربا یا رشتہ دارون کی لفظ مین نہ داخل ہوگا اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اگر واقف کے غریب رشتہ دار اور کسی شہر مین ہون اس شہر مین نہ ہون جہان واقف رہتا ہے تو وقف کی آمدنی انکو نہین بھیجی جائیگی بلکہ کل آمدنی واقف کے شہر مین جو اسکے اقربا محتاج رہتے ہون انکو دیجائیگی لیکن اگر متولی کچھ آمدنی انکو دوسرے شہر مین بھیجدے تو وہ خائن نہ سمجھا جائیگا۔

جو وقف فقرا پر کیا گیا ہو اسمین وہ بچہ نہین داخل ہے جو ہنوز رحم مادر مین ہو۔

جو وقف صالحین یعنی باخدا لوگون پر کیا گیا ہو اسمین وہ لوگ داخل ہین جو عفیف اور عادل ہون اور کسی کے نزدیک مشکوک و متہم نہ ہون اور راہ راست پر ہون اور بری باتین نہ بکتے ہون اور شارب الخمر نہ ہون اور زنان صالحہ کو بے حرمت نہ کرتے ہون

---

[1] بیلی صاحب کی شرع حنفی صفحہ ۵۰۰-۱۲ امینہ۔

اور صادق القول اور امین وستدین ہون یہ صالحین ایسے لوگ ہین "

اگر کوئی شخص "اُن لوگون پر وقف کرے جو سب بنی آدم مین اُس سے قریب ہون"
اور اُنکے بعد غربا پر اور اُسکی ایک اولاد ہو اور والدین بھی ہون یا صرف باپ یا فقط
مان ہو تو وقف کی آمدنی اُسکی اولاد کو ملیگی گو وہ دختر ہو کیونکہ اُس سے قریب تر
واقف کا کوئی نہین ہے اور اولاد کے بعد غربا کو ملیگی والدین کو نہ دیجائیگی اسواسطے
کہ واقف نے یہ نہین کہا ہے کہ "قریب[1] تر کو اور پھر قریب تر کو" اگر واقف کی اولاد نہو
بلکہ صرف والدین ہون تو وقف کی آمدنی اُنمین برابر تقسیم کیجائیگی۔ اگر واقف نے مان
اور بھائی چھوڑے ہون تو وقف کی آمدنی فقط مان کو ملیگی۔ اگر اُستے دادا اور نانا اور
بھائی چھوڑے ہون تو ساری آمدنی بھائیون کو ملیگی[2]۔

اگر واقف کی ایک نواسی اور ایک پوتا ہو تو نواسی چونکہ قریب تر ہے لہذا اُسکی
وقف کی وہی مستحق ہوگی۔

لیکن اگر کوئی شخص اپنے اقرب القرابت پر وقف کرے تو اس صورت مین
اُسکے والدین اور اولاد وقف مین حصہ نہ پائینگے کیونکہ وہ لفظ قرابت مین نہین داخل ہین۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "مین اپنے اقربا پر اس شرط سے وقف کرتا ہون کہ اسکی
تقسیم مین ابتدا اُس شخص سے کیجائے جو نسبًا یا قرابتًا مجھسے اقرب ہو اور اُسکے بعد
اُس شخص پر جو اب اقرب ہو" اور واقف کے دو بھائی اور دو بہنین ہون تو تقسیم اول
برادر یا خواہر عینی سے شروع ہوگی اُسکے بعد برادر یا خواہر اخیافی سے۔ اور اگر اُنمین سے
ایک علاتی اور ایک اخیافی ہو تو اخیافی مقدم رکھا جائیگا۔ یہ قول امام اعظم کا ہے۔
صاحبین کے نزدیک سب برابر پائینگے۔ ماموں یا خالہ علاتی یا اخیافی چچا پر ترجیح رکھتی ہے۔

---

[1] الاقرب ثم الاقرب ۱۲ منہ [2] بعض علماء کے نزدیک ساری آمدنی وقف کی دادا کو ملیگی کیونکہ وہ باپ کا قائم مقام ہے ۱۲ منہ

اسی طرح سے عینی چچا علاتی یا اخیافی ماموں[1] خالہ پر ترجیح رکھتا ہے اور عینی چچا اور پھوپھی عینی ماموں اور خالہ پر ترجیح رکھتی ہے۔ امام اعظم کا قول یہی ہے مگر صاحبین کے نزدیک وہ سب برابر پائینگے۔ اِن دونوں صورتوں مین صاحبین کا قول مفتی بہ ہے۔

اولاد اور اجداد دونوں کا ایک حکم ہے مگر یہ یاد رہے کہ صاحبین کے نزدیک یہ کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ ذکور یا اناث کے ذریعہ سے قرابت رکھتے ہین اور باپ کی طرف سے یا ان کی طرف سے قرابت رکھتے ہین[2]۔

لفظ قریب قرابت پر نہین منحصر ہے پس اگر کوئی شخص یہ نہ کہو کہ "یہ وقف میرے اقرب القرابت پر ہے" بلکہ یہ کہے کہ "یہ وقف اُس شخص پر ہے جو سب لوگون مین مجھسے قریب تر ہے" تو اسمین قرابت اور غیر قرابت دونون داخل ہین لہذا والدین اور اولاد اس وقف مین داخل ہونگے گو وہ سلسلۂ قرابت مین نہین داخل ہین۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "یہ وقف میری اولاد پر ہے اور جب اُنمین سے کوئی مرجائیگا تو اُسکا حصہ اُسی درجہ قرابت کے دوسرے شخص کو ملیگا اور قریب کو بعید پر ترجیح دیجائیگی" اور واقف کی بہن کی اولاد اور چچا کی اولاد موجود ہو تو متوفی کا حصہ واقف کے چچا کی اولاد کو ملیگا اُسکی بہن کی اولاد کو نہ ملیگا۔ یہ اُس فتوے کے خلاف ہے جو خیر[3] مین لکھا ہے کہ واقف کی بہن کی اولاد کو ترجیح دیجائیگی۔

آدمی اپنے قرابت دار یا قرابت یا ذو قرابت پر وقف کرسکتا ہے اور اسمین ذکور کو اناث پر کچھ ترجیح نہ دیجائیگی۔ اور زیادت مین لکھا ہے کہ واقف کا دادا اور پوتا اس وقف مین حصہ[4] پائیگا۔ مگر لفظ قرابت یا اقربا مین زوجہ نہین داخل[5] ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے قریب ترین اقربا پر وقف کرے اور اُسکی ایک علاتی بہن اور

[1] فتاوے قاضی خان ۱۰ صفحہ [illegible] فتاوے قاضی خان مسند احمد صفحہ ۱۰-۶-۱۲

[2] رپورٹ ہائیکورٹ بمبئی جلد ۶ صفحہ ۱۱-۱۲

ایک کنواسی موجود ہو تو وقف کنواسی کو ملیگا کیونکہ وہ واقف سے نسبا اقرب ہے اور اسکی اولاد مین داخل ہے گو دور کی اولاد سہی۔

جب وقف غریب اقربا پر کیا گیا ہو تو جو اقربا مفلس ہون صرف وہی اُسکے مستحق ہونگے۔ اِس باب مین کہ امیر کون ہے اور غریب کون ہے فتاوائے عالمگیری مین اصول ذیل بیان کیا گیا ہے۔

وہ سب لوگ جو شرعاً مستحق زکات پانے کے ہون غربا سمجھے جائینگے۔ جو شخص صرف ایک مکان اور ایک خدمتگار رکھتا ہو وہ غریب سمجھا گیا ہے اور اُسکو زکات بھی مل سکتی ہے اور اُس وقف مین بھی حصہ پا سکتا ہے جو غربا پر کیا گیا ہو۔ اسی طرح ہے اگر اُسکے ساتھ وہ پوشاک کافی رکھتا ہو مگر کوئی چیز زائد یا اثاث البیت نہ رکھتا ہو تب بھی وہ غریب سمجھا جائیگا لیکن اگر اُسکے پاس دو سو درہم علاوہ پوشاک اور اثاث البیت کے ہون تو امیر تصور کیا جائیگا اور زکات یا وقف پانے کا مستحق نہ ہوگا۔ اِسی طرح ہے اگر وہ دو مکان یا دو خدمتگار اور ایک مکان زائد یا ایک خدمتگار زائد رکھتا ہو اور دو سو درہم بھی رکھتا ہو تو وہ ایسا امیر سمجھا جائیگا جسکو زکات یا وقف دینا حرام ہو جائیگا مگر واجب الزکات نہ ہوگا۔ اور اگرچہ اُسکا مکان زائد یا پوشاک زائد یا اثاث البیت فی نفسہ دو سو درہم سے زیادہ قیمت کا نہ ہو تاہم وہ امیر ہے اور زکات یا وقف نہین لے سکتا اور اگر اُسکے پاس دو سو درہم کی زمین بھی ہو گو اُسکی آمدنی اُسکے گذارہ کو کافی نہ ہو تو بھی قول صحیح کے موافق وہ امیر سمجھا جائیگا۔ اگرچہ وہ بہت سی جائداد رکھتا ہو مگر وہ جائداد اُسکے پاس موجود نہ ہو بلکہ وہ مقروض ہو تو وہ زکات اور وقف لے سکتا ہے کیونکہ وہ مسافر کی حالت رکھتا ہے۔ لیکن اگر اُسکو قرض مل سکے تو قرض ہی لینا بہتر ہے بہ نسبت زکات یا وقف لینے کے"

وہ ہر شخص جو دوسرے کا واجب النفقہ ہو یا جو بغیر اُسکی اجازت یا قاضی کے

حکم کے نفقہ لے سکتا ہو یا جسکو قاضی کسی غیر حاضر آدمی کی جائداد سے نفقہ دلادے اور ہر شخص جسکی جائداد کی آمدنی دوسرے کی آمدنی کے ساتھ ایسی مخلوط ہو کہ ایک دوسرے کا گواہ نہ ہوسکے ایسا شخص امیر ہے اور وقف پانے کا مستحق نہیں ہے کیونکہ اُسکا پرورش کنندہ یا وہ شخص جس سے وہ ایسا تعلق رکھتا ہے متمول ہے۔ والدین اور اولاد اور اجداد اسکی مثالین ہین۔ مگر وہ اشخاص جو کسی کے واجب النفقہ تو ہون مگر بے اُسکی اجازت یا قاضی کے حکم کے اُس سے نفقہ نہ لے سکین اور جنکو قاضی دوسرے شخص سے اُسکی غیر حاضری کے زمانہ مین نفقہ نہین دلواسکتا اور وہ لوگ جنکی جائداد کا منافع دوسرے شخص کی جائداد کے منافع سے ایسا ممیز ہوسکے کہ وہ دونون ایک دوسرے کے گواہ ہوسکین ایسے لوگ اپنے پرورش کنندون کے متمول ہونے سے امیر نہ سمجھے جائینگے۔ بھائی اور بہنین اور اور محارم و محرمات شرعیہ اسکی مثالین ہین۔ جب کسی غریب عورت کا شوہر امیر ہو تو اُسکو وقف سے کچھ نہ لینا چاہئیے مگر جب غریب مرد امیر زوجہ رکھتا ہو تو وہ وقف سے لے[1] سکتا ہے"۔

قاضی خان نے اِس باب مین قاعدہ ذیل مقرر کیا ہے مگر یہ بھی لکھدیا ہے کہ باختلاف حالات زمانہ اِسمین اختلاف ہو گا "فقیر وہ آدمی کہلاتا ہے جو صرف ایک جائے سکونت رکھتا ہو اور کچھ نہ رکھتا ہو اور وہ زکات اور وقف دونون کا مستحق ہوگا۔ اِسی طرح وہ شخص جو جائے سکونت صرف رکھتا ہو مگر کوئی ذریعۂ معاش نہ رکھتا ہو گو ایک خدمتگار بھی رکھتا ہو فقیر سمجھا جائیگا۔ جو شخص صرف چند جوڑے کپڑے کے سوا کچھ نہ رکھتا ہو وہ فقیر ہے۔ جو شخص دو سو درہم کا اثاث البیت رکھتا ہو وہ غنی سمجھا جائیگا۔ اور یوسف ابن خالد سامانی کے نزدیک جسکے پاس پچاس درہم ہون وہ بھی غنی ہے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک جس شخص پاس دو سو درہم کی زمین ہو گو اُسکی مدنی

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۸۴ بیلی صاحب کی شرع حنفی صفحہ ۵۸۹ - ۱۲ مسمر-

اسکی بسر کے لیے کافی نہ ہو وہ فقیر نہین ہے۔ مگر محمد ابن شحنہ اور محمد ابن مقاتل کے
نزدیک وہ فقیر ہے وہ امام ابو یوسف کا کلام عاقلانہ ہے اور ابن شحنہ کے قول مین بہت
تاویل کی گنجایش ہے" اسکے بعد قاضی خان فرماتے ہین کہ جو شخص ظاہرا مالدار ہو مگر
کسی بلا مین مبتلا ہو گیا ہو اور اپنے مال کو اپنے مصرف مین نہ لا سکتا ہو وہ فقیر تصور ہو سکتا ہے
اور یہ بھی انھون نے لکھا ہے کہ جس شخص کا مال دوسرے آدمی پر قرض ہو اور وہ دوائن
یعنی اپنا قرضہ نہ ادا کر سکتا ہو اور اس شخص کے پاس اور کوئی جائداد نہ ہو تو وہ بھی فقیر
سمجھا جائیگا" پس اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص کا تمول یا افلاس حالات مخصوص پر
موقوف ہے اور اس سوال کا جواب نہین ہو سکتا تاوقتیکہ اس قوم کے حوائج ضروریہ کا
نہ لحاظ کیا جائے جس قوم سے وہ شخص ہے جسکا تمول یا افلاس معرض بحث مین ہو۔

جب واقف نے اپنے غریب رشتہ دارون پر وقف کیا ہو اور جس تاریخ وقف کی
منفعت پیدا ہوئی تھی اس تاریخ سے چھ مہینہ کے اندر واقف کی کسی رشتہ دار
عورت کے یہان لڑکا پیدا ہو تو وہ لڑکا اس وقف مین حصہ پانے کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ
جو بچہ ہنوز رحم مادر مین ہو وہ اقربا محتاج مین نہین داخل ہو سکتا۔ ایسا لڑکا مثل
اس قرابت دار کے سمجھا جائیگا جو وقف کی منفعت پیدا ہونے کے وقت غنی تھا مگر بعد ازان
فقیر ہو گیا۔ ایسا لڑکا اگرچہ اس منفعت خاص مین حصہ پانے کا مستحق نہ ہوگا مگر آیندہ
ہر ایک آمدنی مین حصہ پائیگا۔

جب واقف کا منشا یہ ہو کہ فلان فرقہ کے متعدد اشخاص کو اس وقف مین سے
دیا جائے اور اس فرقہ مین فقط ایک شخص موجود ہو تو وہ نصف وقف پائیگا اور باقی
فقرا کو دیا جائیگا۔ لیکن اگر بادی النظر مین یہ معلوم ہو کہ کل وقف اسی فرقہ کے لوگون
کے لیے مقصود ہے چاہے انکی تعداد جو کچھ ہو تو اسی ایک شخص کو کل منفعت وقف کی
ملیگی۔ مثلاً اگر زید کی نسل کے فقرا پر وقف کیا گیا ہو اور اسکی نسل سے صرف ایک فقیر

موجود ہو تو ساری آمدنی وقف کی اُسی کو ملیگی۔ لیکن اگر وقف اُن لوگون پر کیا گیا ہو جو زید کی نسل مین محتاج ہون اور اُسکی نسل سے صرف ایک شخص موجود ہو تو وہ نصف منفعت پائیگا اور مابقی عمومًا فقرا رکو دیا جائیگا۔

جو وقف کسی نے اپنے کنبہ کے یتیمون پر کیا ہو اُسمین بھی یہی اصول جاری ہونگے۔ یتیم سے وہ بچہ مراد ہے جسکا باپ نہ زندہ ہو اگرچہ اُسکی مان اور دادا زندہ ہون۔ یتیمی کی صفت بعد بلوغ زائل ہو جاتی ہے۔ جب کوئی علامت بلوغ کی نہ پائی جائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک پندرھوین سال کے تمام ہونے پر لڑکا بالغ سمجھا جائیگا۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک مرد کے لیے پورے انیس [19] برس اور عورت کے لیے پورے سترہ [17] برس سنّ بلوغ ہے اور امام زفر کے نزدیک مرد اور عورت دونون کا سنّ بلوغ ایک ہے یعنے پورے اٹھارہ سال۔

مسئلہ۔ اگر کسی شخص نے اپنے غریب رشتہ دارون پر وقف کیا ہو تو آیا متولی وقف کی آمدنی مین سے واقف کے محتاج پوتے کو دے سکتا ہے۔

جواب۔ اکثر علماء نے اس مسئلہ کے جواب مین نعم (ہان) لکھا ہے اور فقیہ ابو لیث نے فرمایا ہے کہ کتاب زیادت مین امام محمد کا یہی قول لکھا ہے گو ظاہرا امام اعظم اور امام ابو یوسف کا قول اِسکے خلاف ہے[1]

---

[1] فتاوائے عالمگیری مین امام اعظم اور امام ابو یوسف کے قول کو ظاہرا ترجیح دی گئی ہے اور لکھا ہے کہ جب وقف قریب پر کیا جائے تو اُسکی آمدنی صغیر و کبیر ذکور و اناث غنی و فقیر سب مین برابر تقسیم کیجائیگی اِسواسطے کہ لفظ قریب سب پر برابر صادق آتا ہے۔ مگر اس لفظ مین واقف کا باپ اور اولاد صلبی اور دادا نہین داخل ہین جیسا ظاہر الروایت مین لکھا ہے۔ کوئی شخص اپنے محتاج قرابت دارون پر وقف کرکے مرجائے تو سوال یہ ہے کہ آیا اُس وقف کی آمدنی مین سے واقف کے محتاج پوتے کو بھی کچھ مل سکتا ہے۔ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک نہین مل سکتا اِسواسطے کہ پوتا لفظ قرابت یا قرابت داری مین نہین داخل ہے۔“ اسمین شک نہین ہے کہ ابو لیث کا قول فرقہ حنفیہ نے اختیار کیا ہے ۱۲ منہ۔

جب واقف نے اپنے اُن عزیزون پر وقف کیا ہو جو کسی مقام خاص مین رہتے ہون
اور اُنکے بعد غربا پر تو سوال یہ ہے کہ اگر اُسکے اعزا اُس مقام سے چلے جائین تو کیا وہ اُس
وقف کی منفعت سے محروم ہو جائینگے۔ فقیہ ابو بکر بلخی نے فرمایا ہے کہ اگر واقف کے اقربا
جو موقوف علیہم ہین اُنکی تعداد محدود ہے اور اُنکی تعیین ہوسکتی ہے تو اس صورت مین اُنکا
حق نقل و حرکت کے قابل ہے یعنے جہان وہ جائینگے اُنکے ساتھ جائیگا۔ لیکن اگر اُنکی تعداد
محدود نہ ہو اور اُنکی تعیین نہ ہوسکے تو اس صورت مین جو شخص اُنمین سے اُس مقام خاص سے
چلا جائیگا اُسکا حق جاتا رہیگا اور کُل آمدنی وقف کی اُن لوگون مین تقسیم ہوگی جو اُس
مقام خاص مین سکونت پذیر ہون اور جب اُنمین سے کوئی نہ موجود ہو تو غربا کو ملیگی
اور فقیہ ابو اللیث کا یہ قول ہے کہ اگر اُنمین سے کوئی شخص اُس مقام خاص مین مراجعت
کرے تو اُسکا حق عود کریگا۔

اگر وقف اقربا پر کیا گیا ہو اور اُنکی اولاد یا نسل کا لفظ نہ کہا گیا ہو تو بھی اُنکی اولاد اقربا
مین داخل ہے کیونکہ اقربا کی اولاد بھی اقربا ہین۔

اگر کوئی شخص پہلے اقربا پر اور اُنکے بعد اُنکی اولاد پر وقف کرے تو اُنکی اولاد
وقف کے منفعت مین کچھ نہ پائیگی تا وقتیکہ خود اقربا مین سے کوئی باقی رہیگا۔

ایک شخص نے چند امور کی وصیت کی اور اپنی زمین غربا پر وقف کر کے وصی کو اجازت
دی کہ وہ جسکو چاہے جتنا اس وقف مین سے دے۔ تو اس صورت مین وصی کو جائز ہے
کہ اُس وقف مین سے اپنے والدین اور زوجہ اور اقربا کو دے بشرطیکہ وہ محتاج ہون
کہ اُنکو دینا فقرا کو دینا سمجھا جائے گا۔

جب کسی شخص نے اپنے ہمسایون پر وقف کیا ہو تو قیاس تو اسی کا مقتضی ہے کہ
اُسکی آمدنی سب لوگون کو دیجائے جو اُسکے ہمسایہ مین رہتے ہون مگر اولی یہی ہے کہ
وہ وقف اُن لوگون پر ہے جو واقف کے ساتھ اُس محلہ کی مسجد مین نماز پڑھتے

جاتے ہون - امام اعظم کے نزدیک سکونت شرط ہے خواہ ساکن مالک مکان ہو خواہ نہ ہو اور یہی صحیح ہے - جب ساکن مالک نہ ہو تو وقف کی منفعت ساکن کو دیجائیگی مالک کو نہ ملیگی - ہمسائے مسلم ہون خواہ کافر مرد ہون یا عورتین آزاد ہون یا مکاتب صغیر ہون یا کبیر سب مستحق ہین اور وقف کی آمدنی اُنھین اُنکی تعداد کا لحاظ کرکے تقسیم کیجائے اور متولی اِسکا ذمہ دار ہے کہ ایک کو دوسرے سے زیادہ نہ دیا جائے - اُم الولد[1] اور مُدَبَّر یعنے غلام مطلق اور زوجہ قرضدار جو اُس محلہ کے قیدخانہ مین بعلت قرضہ قید ہو وقف مین نہین شریک ہوسکتے اور احوط یہ ہے کہ واقف کا بیٹا اور باپ اور دادا اور زوجہ اور اولاد کی اولاد گو وہ ہمسایہ ہو وقف مین حصہ پانے کی نہین مستحق ہے مگر واقف کے بھائی اور چچا اور ماموں اُسمین سے پاسکتے ہین -

اگر واقف کے ہمسایون مین سے بعض اشخاص اپنے مکانات اور لوگون کے ہاتھ بیچکر دوسرے محلہ مین اُٹھ گئے ہون اور وہ لوگ اُس محلہ مین غلہ پکنے کے بعد مگر غلہ کٹنے کے قبل آکر رہتے ہون تو وہی واقف کے ہمسائے سمجھے جائینگے جو آمدنی تقسیم ہونے کے وقت اُسکے ہمسائے ہون - اور اگر کوئی شخص اپنے ہمسایون پر اُسوقت وقف کرے جب وہ ایک مکان مین رہتا ہو مگر بعد ازآن اور مکان مین اُٹھ جائے گو وہ کرایہ کا مکان ہو اور اپنی وفات تک اُسی مکان مین سکونت رکھے تو وقف کی آمدنی اُسی مکان کے ہمسایون کو ملیگی - اگر کوئی شخص اپنے ہمسایون پر وقف کرکے مکۂ معظمہ چلا جائے اور وہین مرجائے تو وقف کی منفعت اُسکے اُن ہمسایون کو ملیگی جو مکۂ شریف مین ہون بشرطیکہ اُسنے وہان مکان لے لیا ہو - لیکن اگر وہ صرف حج کرنے کی نیت سے گیا ہو تو وقف کی آمدنی اُسکے اُن ہمسایون کو ملیگی جو اُسکے وطن یا شہر مین ہون - اگر کسی شخص کے دو مکان ہون ایک مکان مین خود رہتا ہو دوسرے مین اپنا مال تجارت رکھتا ہو تو وقف کی آمدنی

[1] وہ لونڈی جو صاحب اولاد ہو - ۱۲ منہ -

اُس مکان کے ہمسایون کو ملیگی جسمین وہ خود رہتا ہو۔ اور اگر ایک مکان اُسکا بصرہ مین ہو اور ایک کوفہ مین ہو اور ہر مکان مین اُسکی ایک زوجہ رہتی ہو تو بھی یہی ہوگا۔ اگر کسی شخص نے ہمسایون پر وقف کیا ہو مگر میرے ہمسایون کا لفظ نہ کہا ہو تو یہ بمنزلہ اسکے ہوگا کہ اُسنے میرے ہمسایون کا لفظ کہا ہے۔ اگر کوئی شخص بیمار پڑے اور اُسکا بیٹا اُسکو دوسرے محلہ مین اُٹھا لیجائے اور وہان وہ مرجائے تو اُسکے پہلے ہمسائے وقف کے مستحق ہونگے اور نقل وحرکت اُسکی پایۂ اعتبار مین نہ ہوگی۔ لیکن اگر کوئی عورت کسی مکان مین رہتی ہو اور اپنے ہمسایون پر وقف کرے اور بعد اُسکے نکاح کرکے اپنے شوہر کے گھر چلی جائے اور وہان مرجائے تو اُسکے ہمسائے وہ ہین جو اُسکے شوہر کے ہمسائے ہین۔ علیٰ ہذا القیاس جب کوئی مرد کسی عورت سے عقد کرکے اُسکے مکان مین اُٹھ جائے تو اُسکے ہمسائے بدل کر اُسکی زوجہ کے ہمسائے ہوجائینگے۔ الا یہ کہ اُسنے اپنا اسباب اپنے مکان قدیم مین چھوڑا ہو کہ اس صورت مین اُسکے ہمسائے وہی رہینگے جو اُسکے اُٹھ جانے کے قبل تھے۔

جب یہ نہ معلوم ہو کہ واقف کے ہمسائے کون لوگ ہین تو منفعت وقف نہ تقسیم کیجائے تاوقتیکہ گواہون کی شہادت سے یہ نہ ثابت ہوجائے کہ واقف اِسی مکان مین مرا تھا تب اُس مکان کے ہمسایون مین تقسیم کیجائے۔ اور اگر کوئی ہمسایہ کہے کہ مین محتاج ہون مگر وہ محتاج مشہور نہ ہو تو اُسکو یہ تکلیف دیجائے کہ اپنے افلاس کو گواہون کی شہادت سے ثابت کرے۔

اگر کوئی شخص بحالت صحت نفس غربا پر وقف کرے تو اُسکی آمدنی کسکو دیجائے ناطقی کا قول یہ ہے کہ اُسکی منفعت واقف کی غریب اولاد کو دیجائے بعد اُسکے اُسکے اقربا کو اُسکے بعد اُسکے غلامون کو بعد ازان اُسکے ہمسایون کو تب اُسکے اہل شہر کو باعتبار اُسکے قرب کے۔ اور ہمسایون مین لڑکے اور عورتین بھی شامل کیجائین[۱]۔

---

[۱] یہ سب اصول فتاواے عالمگیری اور ردالمحتار سے لیے گئے ہین۔ ۱۲ منہ۔

فصل چہارم

شرائط وقف (از فتاوائے قاضی خان)

جب وقف اس شرط سے کیا جائے کہ واقف کو اسکے منسوخ کرنے کا اختیار ہوگا تو امام ابو یوسف کے نزدیک وقف اور شرط دونوں جائز ہین بشرطیکہ ایک میعاد معیّن کر لیجائے کہ اسکے اندر اختیار تنسیخ عمل مین لایا جائیگا مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ "مین یہ مکان وقف کرتا ہون مگر تین روز کے اندر اس وقف کو منسوخ کرنے کا اختیار ہوگا" اگر میعاد معیّن کے اندر وہ اختیار نہ عمل مین لایا جائے تو تین روز کے بعد وہ وقف قطعی ہو جائیگا۔ لیکن اگر میعاد مشتبہ اور غیر معیّن ہو تو وقف باطل ہے۔

فقیہ ابو جعفر کے نزدیک ایسا وقف تو درست ہے مگر وہ شرط باطل ہے۔ ہلال اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ اختیار تنسیخ باقی رکھنے سے خود وقف باطل ہو جاتا ہے اور یوسف ابن خالد نے فرمایا ہے کہ ان سب صورتون مین وقف جائز ہے صرف شرط باطل ہے۔ یہی قول اجماعی معلوم ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص ایک میعاد معیّن مثلاً ایک دن یا مہینہ بھر کے لیے وقف کرے اور کچھ نہ کہے تو وہ وقف دائمی ہو جائیگا۔ لیکن اگر وہ کہے کہ "یہ وقف فلان مہینہ تک کیا گیا اور اس مہینہ کے گذرنے پر باطل ہو جائیگا" تو اس صورت مین ابتدا ہی سے وہ وقف باطل ہو جائیگا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "جب کل کا دن ہوگا تو میری زمین صدقہ موقوفہ ہو جائیگی یا جب مین اس زمین کا مالک ہونگا تب یہ زمین وقف ہو جائیگی" تو ایسا وقف ناجائز ہے اسواسطے کہ وقف کسی واقعہ اتفاقی پر معلّق نہین ہو سکتا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "میری زمین میرے مرنے کے بعد چند سال تک وقف ہیگی" تو واقف کے مرنے کے بعد وہ وقف دائمی ہو جائیگا۔ مگر یہ قاعدہ صرف اس صورت مین

جاری ہوگا جس صورت مین بطور وصیت وقف چند سال کے لیے کیا گیا ہو۔ اسواسطے کہ اگر واقف اپنی حین حیات ایک میعاد محدود و معین تک وقف کرے تو وہ باطل ہوگا۔ لہذا ہلال کے نزدیک اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وقف ایسی شرطات سے مشروط کیا جائے جو شرط دوام سے خلاف ہو تو وہ وقف باطل ہوگا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ ؎ میری زمین صدقہ موقوفہ اس شرط سے ہے کہ مجھے اختیار ہوگا کہ جب چاہون اس وقف کو منسوخ کردون تو ہلال کے نزدیک ایسا وقف ناجائز ہے۔ مگر یوسف ابن خالد کے نزدیک یہ وقف جائز ہے مگر وہ شرط باطل ہے۔ اور امام ابو یوسف کا یہ قول ہے کہ جب اختیار تنسیخ وقف کی میعاد غیر معین ہو تو خود وقف باطل ہے۔ اور یہی حنفیہ مین مفتیٰ بہ ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی شخص کہے کہ ؎ مین اس زمین کو اس شرط سے وقف کرتا ہون کہ یہ میرا مال باقی رہیگا اور مجھکو اختیار ہوگا کہ جب چاہون اسکو فروخت کرکے محاصل بیع کو وقف کردون تو ایسا وقف ناجائز ہے۔

جب وقف شرطیہ کیا جائے تو جائز ہے یعنی جب کوئی شخص کہے کہ ؎ یہ زمین وقف ہے اگر یہ میری ہے ؎ اس صورت مین اگر وقف کرنے کے وقت وہ زمین اسکی تھی تو وقف جائز ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص دوسرے کی جائداد کو وقف کرے اور اس جائداد کا مالک اس وقف کی تصدیق کردے تو وہ جائز ہو جائیگا مگر شافعیہ کے نزدیک نہین جائز ہوگا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ ؎ یہ میری زمین خدا کی راہ مین وقف دائمی اس شرط سے ہے کہ مجھے یہ اختیار ہوگا کہ اسکو بیچکر اسکی قیمت سے اور زمین خریدون اور اسکو بھی اسی شرط سے وقف کرون تو یہ وقف اور اسکی شرط دونون ہلال اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہین اور یہی صحیح ہے۔

اگر واقف کہے کہ مین یہ زمین وقف کرتا ہون اور اسکو بیع کرنے کا اختیار اپنے لیے
باقی رکھتا ہون تو اکثر فقہاء کے نزدیک ایسا وقف ناجائز ہے مگر قول اصح یہ ہے کہ ایسا
وقف جائز ہے اور اگر واقف اختیار بیع کو عمل مین لائے تو اُس زمین کے بدلے اُسکا
محاصل بیع وقف ہو جائیگا۔

واقف یا متولی مال وقف کو صرف اسوقت فروخت کرسکتا ہے جبکہ اختیار بیع صریحًا
باقی رکھا گیا ہو۔ مگر جب ایسا اختیار نہ ہو تو اگر قاضی مناسب سمجھے جائداد وقفی کو بیچکر اُسکی
قیمت سے دوسری جائداد خریدے یا کسی ایسے کام مین لگائے جو اُس وقف کے بقا کا
باعث ہو۔

جب مسجد پر وقف کیا گیا ہو اور اسلام پر کوئی ایسی آفت آنے والی ہو جسکو دفع
کرنے کے لیے اُس وقف کی آمدنی قرض لینے کی ضرورت ہو تو اس صورت مین سلطان
اُسکی آمدنی سے قرض لے سکتا ہے۔

اگر جائداد وقفی کے متعلق مواشی کام کرنے کے قابل نہ رہین تو متولی اُنکو
بیچ سکتا ہے۔

جو چیزین مسجد سے متعلق ہون مگر ضروری نہ ہون اُنکو متولی قاضی کی اجازت سے
بیچ سکتا ہے اور اگر قاضی نہ ہو تو اپنی رائے سے بیچ سکتا ہے۔

جب کوئی گاؤن جسمین کوئی چاہ یا حوض پختہ بنا ہو بالکل ویران ہو جائے تو واقف کی
منظوری سے اور اگر وہ نہ ہو تو قاضی کی اجازت سے اُس چاہ یا حوض کے مصالح سے
اُس گاؤن کے متصل دوسرا کوان یا حوض بنوا سکتے ہین۔

جب کوئی چیز جو مسجد پر وقف کی گئی ہو ویران و برباد ہو جائے تو وہ چیز واقف
اور اُسکے ورثہ کو نہ واپس ملیگی بلکہ سب سے قریب مسجد مین استعمال کیجائیگی۔

جب شے موقوف اُس کام کے قابل نہ ہو جس کام کے لیے وہ وقف کی گئی ہے

تو وہ وقف باطل ہے ۔ مثلاً اگر کچھ زمین قبرستان کے لیے وقف کی ہو بلکہ اُسمین ایک مردہ بھی دفن کیا گیا ہو مگر بعد ازآن معلوم ہو کہ یہ مقام قبرستان کے لیے مناسب نہین ہے اور لوگ اُسمین مردے نہین دفن کرتے تو واقف اُسکو بیچ سکتا ہے کیونکہ وہ مقام اُس مقصد کے مناسب نہین ہے جس مقصد سے وہ وقف کیا گیا تھا پس ایسی امر سے وقف باطل ہو جائیگا

اگر کوئی زمین جو کسی مذہبی کام کے لیے وقف کی گئی ہو بے کاشت ہو جائے اور شہر سے اسقدر دور ہو کہ کوئی اسکا پٹہ لینا نہ منظور کرے اور کچھ منفعت اُس سے نہ مل سکے نہ اُسپر مکانات تعمیر ہو سکین تو قاضی خان کے نزدیک ایسی زمین فروخت ہو سکتی ہے ۔

اِسی طرح اگر کوئی لنگرخانہ جل گیا ہو تو اُسکا وقف باطل ہو جائیگا یا اگر دوکانین بازار کے لیے وقف کی گئی ہون اور وہ دوکانین اور وہ بازار دونون جلجائین تو وقف جاتا رہیگا اور وہ زمین واقف کے ورثہ پر عود کریگی ۔

اگر کوئی راستہ مسجد کا شکست ہو گیا ہو تو اُسکی مرمت اُس مسجد کے سرمایہ سے کرانا جائز ہے بشرطیکہ صرف ایسی ہی تدبیر کرنے سے اہل مسجد یعنے نمازی مسجد تک پہونچ سکین ۔ اِسی طرح سے اگر کوئی لنگرگاہ دریا کے کنارہ پر بنائی گئی ہو اور صرف ایک پل کی راہ سے لوگ اُسمین پہونچ سکتے ہون اور وہ پل شکست ہو گیا ہو تو اُسکی مرمت اُس لنگرگاہ کے سرمایہ سے ہو سکتی ہے ۔

اگر کوئی لنگرگاہ یا مسجد شکست ہو جائے اور جہان پر وہ واقع ہو وہ مقام بالکل ویران ہو گیا ہو تو قاضی کے حکم سے اُسکے مصالح کو بیچکر لنگرگاہ یا مسجد کے مقاصد مین صرف کرسکتے ہین گو بعض علماء کا قول ہے کہ وہ واقف کے ورثہ پر عود کریگا ۔

فصل پنجم

وقف المریض یعنے بیمار آدمی کا وقف ۔

شیخ امام ابو بکر محمد ابن فضل نے فرمایا ہے کہ اوقاف کی تین قسمین ہین ۔

(۱) وہ وقف جو صحت کی حالت مین کیا گیا ہو یعنی جسکا نفاذ عالم صحت مین ہوا ہو۔

(۲) وہ وقف جو مرض الموت کے عالم مین کیا گیا ہو۔

(۳) وہ وقف جسکا نفاذ واقف کے مرنے کے بعد مقصود ہو۔

پہلی قسم کے وقف مین اقباض اُسطرح شرط ہے جسطرح ہبہ مین ہے۔ تیسری قسم کا وقف چونکہ واقف کی وفات کے بعد نافذ ہوگا لہذا اُسمین اقباض ضرور نہین ہے مگر وہ واقف کے صرف ثلث مال مین نافذ ہوگا بطور اُس وصیت کے جو غیر وارث کو کی گئی ہو۔

دوسری قسم کا وقف بھی ثلث مال مین جائز ہے مگر اقباض اور تصرف (صریحی یا ضمنی) ضرور ہے جیسا اُس ہبہ مین ضرور ہے جو بحالت مرض الموت کیا گیا ہو۔ اور طحاوی مین لکھا ہے کہ لوازم شرعی اُس وقف کے جسکا نفاذ مرض الموت کے عالم مین ہو بعینہ ویسے ہین جیسے اُس وقف کے جسکا نفاذ بعد موت مقصود ہو۔ یعنے ایسا وقف واقف کے ثلث مال مین نافذ ہوگا۔

اگر کوئی شخص مرض الموت کی حالت مین اپنا مکان وقف کرے تو درست اور جائز ہے بشرطیکہ وہ اُسکے ثلث مال سے زائد نہ ہو مگر جب وہ ثلث مال سے زیادہ ہو اور ورثہ راضی ہوجائین تو کل وقف صحیح ہوجائیگا۔ لیکن اگر ورثہ نا راضی ہون تو ثلث مال سے زیادہ جو وقف ہوگا وہ اُن ورثہ کے حصص مین جائز ہوگا جو راضی ہین

اگر کوئی وارث جو وقف سے ناراض ہو اپنا حصہ اُس جائداد مین جسکا وقف ناجائز ہے فروخت کرڈالے اور بعد ازآن معلوم ہوکر واقف نے اِس جائداد کے سوائے اور جائدادین بھی چھوڑی ہین اور چونکہ وہ جائداد واقف کے ثلث مال سے کم ہے لہذا اُس کل جائداد کا وقف جائز ہے تو اس وارث نے جو اپنا حصہ بیچڈالا ہے اُسکی بیع منسوخ نہ کیجائیگی مگر اُسکو اُسکی قیمت دیدینی پڑیگی تاکہ اُس سے اور جائداد

خرید کر شامل کر دیجائے۔

اگر کوئی شخص مرض الموت کی حالت مین اپنا مکان وقف کرے اور سب جائداد اسکی مقروض ہو تو وہ وقف منسوخ کیا جائیگا اور وہ مکان بیچڈالا جائیگا۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص مکان خرید کر وقف کرے اور بعد ازآن اسکی نسبت کوئی حق شفعہ کا دعوے کرے اور وہ دعوے ثابت ہو جائے تو اس صورت مین بھی وقف منسوخ کیا جائیگا۔

اگر کسی شخص نے کوئی جائداد بذریعہ بیع ناجائز خرید کر وقف کر دی ہو تو وہ وقف جائز ہوگا مگر وہ شخص اس جائداد کی قیمت کا دیندار بایع کو رہیگا۔ اور اگر وہ اس مکان کی جو ناجائز طور سے خرید اگیا ہو مسجد بنالے تو ہلال کے نزدیک بلکہ سب علماء حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔

اگر کوئی شخص یہ اقرار کرے کہ میری جائداد مقبوضہ مین سے کچھ جائداد صدقۂ موقوفہ ہے تو اسکا قول معتبر سمجھا جائیگا اور وہ جائداد غرباء کے مصرف مین لائی جائیگی۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "یہ زمین میرے باپ کی صدقۂ موقوفہ ہے" اور اسکا باپ مر چکا ہو تو اسکا یہ اقرار جائز ہوگا۔ لیکن اگر اسکا باپ قرضدار مرا ہو اور اسکی اور کوئی جائداد نہ ہو جس سے وہ قرضہ ادا کیا جائے تو اسقدر زمین جسقدر قرضہ ادا کرنیکے لیے ضرور ہو بیچکر متوفی کا قرضہ ادا کیا جائیگا اور مابقی وقف ہو جائیگا۔ اگر واقف کا کوئی اور وارث ہو جو اس وقف کا اقرار نہ کرے تو اسکا حصہ وقف سے نکالڈالا جائیگا کہ اس حصہ کو اسکا جو جی چاہے کرے[1]۔

اگر کوئی شخص کہے کہ فلان زمین میرے نفس پر وقف تھی تاکہ اسکے منافع مین سے

[1] یہ اسوقت ہوگا جبکہ اس شخص کے اقرار کے سوا اس وقف کا کوئی ثبوت نہ ہو ۱۲ منہ۔

مین خود کھاؤن اور لوگون کو کھلاؤن تو ایسا وقف امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ اور علمای بلخ نے اُنکے اس قول کو اختیار کرکے یہ فتوی دیا ہے کہ یہ وقف اور اُسکی شرط دونون جائز ہین اور صدر الشہید نے فرمایا ہے کہ فتوی امام ابو یوسف کے قول کے موافق ہے۔

جب کوئی شخص غربا پر اس شرط سے وقف کرے کہ اپنی حین حیات اپنی بسر اوقات وہ اُسی وقف سے کریگا تو ابوبکر اسقاف کے نزدیک ایسا وقف جائز ہے اگر کوئی شخص کہے کہ "یہ جائداد مین نے اپنے نفس پر وقف کی" تو امام ابو یوسف کے نزدیک ایسا وقف جائز ہے اور واقف کے مرنے کے بعد وہ جائداد فقراء کو دیجائیگی۔ انصاری نے اپنی کتاب الوقف مین لکھا ہے کہ جب کوئی شخص بایں الفاظ وقف کرے کہ "یہ زمین میری خدا کی راہ مین وقف دائمی ہے اور اسکی آمدنی جبتک مین زندہ ہون میرے مصرف مین آئیگی" اور کچھ اور نہ کہے تو ایسا وقف جائز ہے اور جب وہ مرجائیگا تو اُسکی منفعت غرباء کو ملیگی۔ خصاف نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص کہے کہ "یہ زمین میری وقف یا صدقہ موقوفہ اس طور سے ہے کہ جبتک مین زندہ ہون اسکی پیداوار میرے استعمال مین آئیگی اور میرے بعد میری اولاد کے مصرف مین آئیگی اور اُنکے بعد اُنکی اولاد کے مصرف مین دوامًا آئیگی جبتک میری نسل مین کوئی باقی رہے اور جب اُنمین سے کوئی نہ باقی رہے تو غرباء کو ملیگی" تو امام ابو یوسف کے قول کے موافق ایسا وقف جائز ہے۔ اور بعض روایات مین وارد ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ شرط کرے کہ اپنا قرضہ اور اپنے مصارف مال وقف سے دیگا تو یہ شرط جائز ہے۔

جب کسی شخص نے زمین یا اور کوئی چیز اس شرط سے وقف کی ہو کہ جبتک وہ زندہ رہے وہ زمین یا وہ چیز کلًّا یا جزًا خود اُسکے واسطے رہیگی اور اُسکے بعد غرباء کو دیجائیگی تو ایسا وقف امام ابو یوسف اور اُنکے مقلدین علماء بلخ کے نزدیک جائز ہے اور

اسی کے موافق فتویٰ ہے کیونکہ اِس سے وقف کرنے کی ترغیب[1] ہوتی ہے - یہ کئی طرح سے ہوسکتا ہے - مثلاً کوئی شخص کہے کہ اس شرط سے کہ "وہ میرا قرضہ اسکی آمدنی سے ادا کردے" یا یہ کہے کہ "جب میں قرضدار مرجاؤں تو وہ (متولی) پہلے میرا قرضہ ادا کرے" یا یہ کہے کہ "جب فلان شخص مرجائے تو اس وقف کی آمدنی سے ہر سال دسوان حصہ لیکر اُسکی طرف سے حج بیت اللہ کرانا یا اُسکی طرف سے کفارہ وغیرہ دینا" اِن سب صورتون مین وقف جائز ہوگا - اور اگر واقف کہے کہ "یہ صدقہ موقوفہ فی سبیل اللہ ہے اور جبتک مین زندہ رہون متولی اسکی آمدنی مجھکو دیا کرے" اور کچھ اور نہ کہے تو ایسا وقف جائز ہوگا اور اُسکے مرنے کے بعد اُسکی منفعت غربا کو دیجائیگی - اِسی طرح سے اگر وہ کہے کہ "یہ زمین میری صدقہ موقوفہ ہے جبتک مین زندہ رہون اسکی آمدنی متولی مجھکو دیا کرے اور میرے بعد میری اولاد اور اولاد کی اولاد کو اور اُنکی نسل کو دوامًا جبتک اُنمین سے کوئی باقی رہے اور جب اُنمین سے کوئی نہ باقی رہے تو غربا کو" یہ بھی جائز ہے - اسی طرح سے اگر واقف یہ شرط کرے کہ وقف کی آمدنی سے اپنی بسر اوقات کریگا اور اپنی اولاد کو نفقہ دیگا اور اپنا قرضہ ادا کریگا اور جب وہ مرجائے تو اُسکی آمدنی فلان شخص کو دیجائے جو فلان شخص کا بیٹا ہے اور اُسکی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اسکی نسل کو" یا وہ کہے کہ "وہ فلان شخص کو اور اُسکے بعد خود مجھکو" تو یہ بطور وقف مشروط جائز ہوگا اور واقف کے تقدم و تأخر سے کچھ فرق نہ ہوگا - یا کوئی شخص غربا پر اس شرط وقف کرے کہ "وہ اِسکی آمدنی سے مین خود کھاؤنگا اور اورون کو کھلاؤنگا جبتک مین زندہ رہون اور میرے مرنے کے بعد یہ میری اولاد اور اُسکی اولاد کو ملیگا دوامًا جبتک میری نسل مین کوئی باقی رہے" تو ایسی شرط سے بھی وقف جائز ہے -

---

[1] ردالمحتار صفحہ ۲۷ - فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۹۵ - بیلی صاحب کی شرح حنفی صفحہ - فتاوائے قاضی خان صفحہ ۳۰۳ - ۱۲ - منہ

جب واقف یہ شرط کرے کہ "مین اس زمین کا مبادلہ جس زمین سے چاہونگا کرونگا اور اسکے مبادلہ مین جو زمین ملیگی اُسکو وقف کرونگا"، تو یہ وقف اور یہ شرط دونون امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہین اور اگر واقف یہ شرط کرے کہ اُس زمین کو بیچکر اُسکی قیمت کو وقف کریگا تو بھی جائز ہے۔ ہلال کا بھی یہی قول ہے اور اسی کے موافق فتویٰ ہے۔ مگر جب ایک مرتبہ اُس زمین کا مبادلہ ہو چکا ہو تو پھر دوبارہ اُسکا مبادلہ ہو سکیگا مگر یہ کہ واقف کے کلام سے ثابت ہوتا ہو کہ اُسکا یہ منشاء تھا کہ اِسکا مبادلہ ہمیشہ ہوتا رہے۔ جب واقف نے کہا ہو کہ "مین اِس زمین کا مبادلہ دوسری زمین سے کرونگا" تو اُسکا مبادلہ مکان سے نہین کرسکتا نہ اسکے بالعکس کرسکتا ہے۔ مگر اُسکی قیمت سے خراجی زمین مول لے سکتا ہے۔ جب مبادلہ کا اختیار اُسنے اپنے لیے باقی رکھا ہو تو اس مقصد کے لیے وہ مختار مقرر کرسکتا ہے لیکن اگر وہ یہ اختیار اپنے وصی کو دیجائے تو اُس وصی کا وصی اُسکو نہین عمل مین لاسکتا۔ اور اگر یہ اختیار اُسنے اپنے لیے اور دوسرے شخص کے واسطے رکھا ہو تو وہ دوسرا شخص اُسکو اکیلا نہین عمل مین لاسکتا مگر خود واقف اُسکو اکیلا عمل مین لاسکتا ہے۔ جب مبادلہ کا اختیار ہر شخص کو دیا گیا ہو جو اِس وقف کی نگرانی کرے" تو جائز ہے اور ہر ایک نگرانی کنندہ اُسکو عمل مین لاسکتا ہے۔ مگر جب واقف نے کہا ہو کہ "اِس شرط سے کہ فلان شخص کو اِسکے مبادلہ کا اختیار ہوگا"، تو وہ شخص مجاز اس اختیار کو واقف کی وفات تک نہین عمل مین لاسکتا بغیر اِسکے کہ اِس مضمون کی شرط واقف نے بالتخصیص کرلی ہو۔ قیّم یعنے منتظم وقف کو اُسکے مبادلہ کا اختیار نہین ہے تاوقتیکہ اُسکو مبادلہ کی اجازت صاف نہ دیدی گئی ہو۔ اور جب یہ شرط کرلیجائے کہ منتظم وقف مال وقف کا مبادلہ کرسکتا ہے تو واقف بھی ایسے اختیار کو عمل مین لاسکتا ہے گو ایسی شرط اُسنے اپنے لیے نہ کی ہو۔

وقف زمین

زمین وقفی اگرچہ شور اور بیکار محض ہو مگر فروخت یا مبادلہ نہین ہوسکتی تاوقتیکہ

وقف مین ایسی شرط صاف صاف نہ کرلی گئی ہو۔ ایک مقام پر قاضی خان نے لکھا ہے کہ قاضی اُسکی بیع کا حکم کرسکتا ہے گو ایسی شرط وقف مین نہ کی گئی ہو مگر دوسرے مقام پر اُنھون نے انکار کیا ہے کہ قاضی ایسا اختیار نہین رکھتا۔ لیکن قول اصح یہی ہے کہ اگر زمین وقفی بیکار محض ہو اور اُسکی کچھ آمدنی نہ ہو تو قاضی اُسکی بیع کا حکم دے سکتا ہے بشرطیکہ قیمت کافی پر بیع کیجائے[1]۔

جب کوئی شخص کہے کہ "میری زمین اللہ تعالے کی راہ مین دوامًا صدقۂ موقوفہ اس شرط سے ہے کہ اسکی پیداوار یا آمدنی کو میں جسطرح جی چاہے صرف کرونگا"، تو اُسکو ایسا کرنا جائز ہے۔ لیکن اگر وقف کی آمدنی غرباء کو دے یا نیک کامون مین صرف کرے یا کسی خاص شخص کو بخشدے تو پھر اُسکا دعوی نہین کرسکتا۔ اور اسی طرح اگر وہ کہے کہ "مین نے اسکی آمدنی فلان شخص کو دی"، تو پھر اُسکو پھیر نہین سکتا البتہ ایک کے بعد دوسرے کو دے سکتا ہے مگر جب اپنے ذاتی صرف مین لائیگا تو وقف باطل ہوجائیگا۔ لیکن اگر وہ کہے کہ "اس شرط سے کہ جسکو میرا جی چاہیگا اسکی آمدنی دونگا"، تو اور صورت ہوجائیگی۔

جب کوئی وقف اس شرط سے کیا جائے کہ واقف کو اختیار ہوگا کہ اُسکا منافع جسے چاہے دے تو ایسا وقف جائز ہے اور اُسکو اختیار ہوگا کہ اپنی حین حیات اُسکی آمدنی کو جو چاہے کرے مگر ایسی کوئی کارروائی یا انتظام اُسکی نسبت نہین کرسکتا جسکی پابندی اُسکے مرنے کے بعد فرض ہو نہ اُسکی آمدنی کو اپنے ذاتی مصارف مین لاسکتا ہے۔ اگر وہ ایسا کرے تو وقف باطل نہ ہوجائیگا۔ مگر وہ جسکو چاہے زید اُسکی آمدنی دے سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس شرط سے وقف کرے کہ منتظم وقف کو اختیار ہوگا کہ جسکو چاہے اسکی آمدنی مین سے دے تو ایسا وقف جائز ہے اور

---

[1] بیلی صاحب کی شرع حنفی صفحہ ۵۹۵ – فتاوائے عالمگیری ۴۹۴ – ۱۲ مصنف –

یہ اختیار واقف کی حین حیات اور اُسکی وفات کے بعد بھی عمل مین آسکتا ہے۔ اور جس شخص کو
یہ اختیار دیا گیا ہے وہ اُسکی آمدنی اپنی اولاد اور نسل کو دے سکتا ہے اور واقف کی
اولاد اور نسل کو بھی دے سکتا ہے مگر اپنے مصارف ذاتی مین نہین لا سکتا۔ یہ نہین
معلوم ہوتا کہ اگر شخص مجاز وقف کا منافع خود لے لے تو کیا ہوگا۔ فتاواے عالمگیری
مین لکھا ہے کہ۔ "وہ یہ اختیار اُسوقت اُس سے سلب نہین ہوجاتا جب وہ یہ کہے کہ مین نے
اُسکی آمدنی اپنے تئین دی۔ صرف اتنا کہدینے سے شاید یہ اختیار نہ زائل ہوجاے
مگر سوال یہ ہے کہ اگر وہ اُسکی آمدنی کو ناجائز طور سے اپنے مصارف ذاتی مین لاے
تو آیا بمنزلہ خیانت نہ ہوگا ج۔ اِسکے بعد جو عبارت فتاواے عالمگیری مین لکھی ہے اُسکو
علماء بلخ نے نہین تسلیم کیا ہے۔ وہ عبارت یہ ہے۔ "وہ مین نے اپنے نفس پر وقف کیا"
ایسا وقف اُن علماء کے نزدیک ناجائز ہوگا جنکا یہ قول ہے کہ آدمی اپنے نفس پر
نہین وقف کر سکتا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ۔ "وہ میری زمین فلان شخص کی اولاد پر اس شرط سے
صدقہ موقوفہ ہے کہ اُنہین سے مین جسکو چاہون منتخب کر سکتا ہون،، تو جو اُسنے کہا ہے
وہی ہوگا اور جسکو اُسکا جی چاہے منتخب کرے یا ایک ہی کو سب دیدے۔ اور اگر وہ
کہے کہ۔ "مین اِس سال کسی کو نہین منتخب کرتا،، تو یہ بھی جائز ہے اور وقف کی آمدنی
اُن سب مین برابر تقسیم کیجائیگی۔ اور اگر وہ کہے کہ۔ "وہ اِس شرط سے کہ اُنہین سے جسکو
چاہون اِس وقف سے محروم رکھون،، اور وہ اُن سب کو اُسکی آمدنی سے
محروم رکھے سواے ایک شخص کے تو یہ بھی جائز ہے اور اگرچہ قیاس اِسی کا مقتضی ہے
کہ وہ اُن سب کو اُس سے نہ محروم کر سکے تاہم یہ اختیار بھی وہ رکھتا ہے۔ مگر جنکو اُسنے
محروم کر دیا ہے اُنکو پھر نہین دے سکتا بلکہ وہ وقف غرباء کا ہوجائیگا۔ اگر اُسنے کہا ہے
کہ۔ "وہ مین نے اُنکو اِس سال کی آمدنی سے محروم کیا،، تو اُس سال کی آمدنی مین اُنکا

کوئی حق نہ ہوگا بلکہ وہ غربا کو ملیگی۔

اگر کوئی شخص اپنی اُم الولد یعنے اپنی اولاد کی ماں پر اس شرط سے وقف کرے کہ اگر وہ میرے مرنے کے بعد دوسرا عقد کریگی تو کچھ نہ پائیگی اور وہ عقد کرلے بعد اُسکے طلاق لے تو اس صورت مین اُسکو کچھ نہ ملیگا مگر یہ کہ یہ شرط کرلی گئی ہو کہ جب وہ طلاق لے لیگی تو اُسکو وقف کی آمدنی پھر دیجائیگی۔ علیٰ ہذا القیاس جب کسی شخص کی اولاد پر وقف کیا جائے سوائے اُس اولاد کے جو شہر سے چلی جائے اور اُنمین سے چند اشخاص شہر سے چلے جائین مگر پھر مراجعت کرین۔ یا جب وقف کسی شخص کی اُس اولاد پر کیا جائے جو تحصیل علم مین مشغول ہو اور اُنمین سے بعض لڑکے تحصیل علم کو ترک کرین مگر بعد اُسکے پھر تحصیل علم کرنے لگین تو وہ سب وقف کی منفعت سے محروم رہینگے الا یہ کہ کوئی شرط اسکے خلاف کرلی گئی ہو۔ اور اگر کوئی شخص اپنی زمین اپنی اولاد اور اُسکی نسل پر صدقہ موقوفہ دوامًا کرے اور اُنکے بعد غربا پر اس شرط سے کہ اُنمین سے جو شخص حضرت امام اعظم ابو حنیفہ یا امام شافعی کی تقلید نہ کریگا اُس وقف کی منفعت سے محروم رہیگا تو جو لوگ امام اعظم یا امام شافعی کی تقلید ترک کردینگے اُنکو اُسکی منفعت نہ دیجائیگی۔ اسی طرح سے اگر واقف نے کہا ہو کہ جب اُنمین سے کوئی شخص مذہب اہل سنت وجماعت کو ترک کرکے رافضی ہوجائے تو وہ خارج کیا جائیگا۔ اسمین مرد اور عورت برابر ہین۔ اور جب یہ شرط کرلیجائے کہ جو شخص فرق حقہ سے یا اعتقادات حقہ سے انحراف کرے وہ خارج کیا جائے اور کوئی شخص دین حق کو ترک کرکے توبہ کرے اور پھر وہی دین اختیار کرے تو وہ وقف کی منفعت مین سے کچھ نہ پائیگا تاوقتیکہ کوئی شرط اس مضمون کی وقف مین نہ کرلی گئی ہو۔ علیٰ ہذا القیاس جب واقف نے کسی خاص مذہب کی تصریح کرکے کہدیا ہو کہ جو شخص اس مذہب سے منحرف ہوجائے اُسکو اس وقف مین سے

سلہ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۹۵ سے ۴۰۰ تک۔ چلپی صاحب کی شرح خلقی صفحہ ۵۹۵-۶۰۲ و مابعد۔

کچھ نہ دیا جائے تو اس شرط کا ضرور لحاظ رکھا جائے گا۔ اسی طرح سے جب واقف نے یہ
شرط کی ہو کہ "اگر میرے اقربا مین سے کوئی شہر بغداد سے چلا جائے تو اسکو کچھ
نہ دیا جائے"، تو اس شرط کا بھی ضرور لحاظ رکھا جائے مگر یہ کہ اگر وہ شخص بغداد مین پھر آئے
تو پھر وقف کی منفعت مین سے اسکو دیا جائیگا۔

جن شرائط کا لحاظ رکھنا واجب ہے انمین سے خصاف نے اس شرط کو
قرار دیا ہے کہ ناظر زمین وقف کا پٹہ نہ دیگا۔ پس اگر وہ اسکا پٹہ دیدے تو وہ پٹہ باطل ہوگا
اگر واقف یہ شرط کرے کہ متولی اس زمین پر باغ لگا کر یا کاشت کرکے اسکی پیداوار کو
نہین بانٹ سکتا یا یہ شرط کرے کہ جب ناظر یا متولی اس زمین کا پٹہ لکھدے تو اپنے عہدہ سے
معزول کیا جائے۔ پس ایسی صورتون مین اگر وہ ان شرائط کی خلاف ورزی کرے
تو اپنے عہدہ سے معزول کیا جائے اور قاضی ایسے شخص کو مقرر کرے جسکو وہ جانتا ہو
کہ ان شرائط کی تعمیل کریگا۔

فصل ششم[۱]

مال وقف کا انتقال

زمین وقفی کو بذریعہ رہن یا دوسرے طور سے دوامًا یا چند روز کے لیے
منتقل کرنا گو وہ انتقال مال وقف کی مرمت یا کسی اور فائدہ کے لیے کیا جائے
شرع محمدی مین قطعًا ناجائز ہے۔ لہذا جب کوئی جائداد ایک مرتبہ وقف کردی گئی ہو
تو اسمین کوئی حق ملکیت نہین باقی رہتا اور وہ بذریعہ بیع یا رہن یا ہبہ نہین منتقل ہو سکتی
نہ حقوق وراثت اسمین جاری ہو سکتے ہین[۲]۔

---

[۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۵۰۱۔ بیلی صاحب کی شرح حنفی صفحہ ۶۰۰ ۔ ۱۲[۲] مقدمہ مولوی
عبد اللہ بنام راج سری داسی ۔ سلکٹ رپورٹ صدر عدالت دیوانی جلد ۶ صفحہ ۲۶۸ مطبوعہ
۱۸۴۳ع۔ و مقدمہ مسماۃ قادرہ بنام شاہ کبیر الدین احمد ۔ سلکٹ رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۱۴۰۔ و ابو الحسن

جو وقف مباح واقف نے اپنی حین حیات کیا ہو یعنے جسکا نفاذ اُسکی وفات پر نہ موقوف رکھا گیا ہو وہ منسوخ نہین ہو سکتا نہ اُسپر اِس بات کا اثر ہو سکتا ہے کہ وقف کے وقوع کے بعد خود واقف یا وہ لوگ جو اُسکے احکام کی تعمیل کے لیے مقرر ہوے ہون کوئی ایسی بداعمالی یا بدمعاملگی کرین جس سے وہ وقف لائق انتقال ہو جائے یا عدم قابلیت انتقال جو وقف کی لازم ماہیت ہے[1] جاتی رہے۔

مگر یہ ثابت کر دینا چاہیئے کہ یہ زمین فی الواقع وقفی ہے۔ اگر صرف براے نام وقف کی گئی ہو تو وہ وقف مانع انتقال نہ ہوگا[2]۔

جو عطیہ کسی شخص کی ذات خاص کو اُسکی معاش یا گذارہ کے لیے دیا گیا ہو وہ وقف نہین تصور کیا گیا ہے[3]۔ مگر یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اُس عطیہ کی نوعیت مین اُسکے واقعات مخصوصہ سے تغیر ہو جائیگا۔ جب عطیہ عطیہ دار کو قطعی طور سے نہ دیا گیا ہو بلکہ اِس غرض سے دیا گیا ہو کہ اُسکی اولاد کے لیے ایک ذریعۂ معاش مہیا ہو جائے تو شرع شریف کے رو سے وہ وقف جائز سمجھا جائیگا۔ پھر ملاحظہ کیجیے کہ جب عطیہ مثلاً زید کو وقف کے نام سے دیا گیا[4] اور کسی اور وقف زائد کا ذکر نہ کیا گیا ہو تو بھی زید کے مرنے کے بعد اُس سے غربا پر وقف پیدا ہو جائیگا اور زید کو اُس چیز مین جو اُسکو عطا کی گئی ہے حق ملکیت نہ باقی رہیگا۔

بنام حاجی محمد مسیح کربلائی۔ سلکٹ رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۸۷۔ وکلب حسین بنام سیف علی سلکٹ رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۔ ومولوی عبداللہ بنام رمضو وامی۔ صدر دیوانی عدالت صفحہ ۱۹۲ مطبوعہ ۱۸۴۲ء وجیون داس ساہو بنام شاہ کبیر الدین۔ مورس انڈین اپیلس جلد ۲ صفحہ ۳۹۰ ویکلی رپورٹر جلد ۶ صفحہ ۳۔ وسید عشیر الدین عرف کلا میان بنام سری متی درہونائی۔ ویکلی رپورٹر جلد ۲۵ صفحہ ۵۵۷۔ ۱۲ منہ [2] دیال چند ملک بنام سید کرامت علی۔ ویکلی رپورٹر جلد ۱۶ صفحہ ۱۶۔ ۱۲ منہ [3] جادو نندن برال بنام کالی کمار گھوس صدر دیوانی عدالت صفحہ ۱۳۳ مطبوعہ ۱۸۵۱ء۔ وگنگا نراین سرکار بنام بندرابن چندر چودھری۔ ویکلی رپورٹر جلد ۳ صفحہ ۱۴۲۔ ۱۲ منہ [4] بی بی کنیز فاطمہ بنام بی بی صاحب جان۔ ویکلی رپورٹر جلد ۸ صفحہ ۳۱۳۔ ۱۲ منہ۔

مگر جب کسی قابل وراثت جائداد پر وقف کا بار ڈالا جائے مثلاً کسی ولی یا پیر کی قبر پر وقف کیجائے تو وہ اسطرح سے منتقل ہو سکتی ہے کہ وہ وقف اسمین باقی رہے - ایسے مقدمات مین پہلا امر تنقیح طلب یہ ہے کہ آیا وہ جائداد فی الواقع قابل وراثت ہے - اگر وہ جائداد فی الواقع وقف کی گئی ہے تو قابل وراثت نہ ہوگی - اگر وہ صاف طور سے وقف نہین کی گئی ہے بلکہ صرف کسی ولی یا پیر کی قبر کے مصارف کے لیے دیدی گئی ہے تو بھی اسکا اثر شرعاً وہی ہوگا - لیکن اگر وہ جائداد ہمیشہ قابل وراثت تصور کی گئی ہے تو صرف اس صورت مین وہ اصول جسکا ذکر مقدمہ مذکورۂ حاشیہ مین کیا ہے جاری ہوگا اور وہ جائداد اس طور سے منتقل ہو سکیگی کہ وہ وقف اسمین باقی رہے -

مگر بظاہر یہ ہے کہ ایسے مقدمات مین عدالتون نے شرع محمدی سے تجاوز کر کے یہ تجویز کیا ہے کہ کل منافع اس وقف کا امور مذہبی مین صرف کیا جائے تب یہ وقف صحیح ہوگا - چنانچہ مقدمہ فتو بی بی بنام بھرت لال بھگت کا فیصلہ بالکل شرع محمدی کے خلاف معلوم ہوتا ہے - شرع محمدی مین وقف دائمی ناجائز نہین ہے جیسے قانون انگلستان کے رو سے ناجائز ہے - لہذا جب کسی جائداد پر وقف کا بار ڈالا جائے اور وہ وقف بظاہر دائمی ہو تو وہ جائداد اسی مقصد کے لیے محبوس سمجھی جائیگی اور قابل انتقال نہ ہوگی - پس جن فیصلون مین ایسے اوقاف قابل وراثت تجویز کیے گئے ہین وہ اصول شرع محمدی کے موافق نہین ہین -

بمقدمہ ڈال ریبل صاحب بنام کلکٹر کار عزیز الاسلام یہ تجویز ہوا تھا کہ اگر کوئی خانہ یہ وقف مطلق ہو تو متولی اسکا پٹہ اپنی مدت العمر سے زیادہ میعاد کا نہین دے سکتا

لہ مقدمہ فتو بی بی بنام بھرت لال بھگت ویکلی رپورٹر جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۹ - سنہ ۵۲ رپورٹ صدر دیوانی عدالت مطبوعہ ۱۸۵۶ء صفحہ ۵۸۶ - و نیز مقدمہ شجاعت علی بنام ضمیر الدین - ویکلی رپورٹر جلد ۵ صفحہ ۱۵۸ - ۱۲ منہ -

لیکن اگر متولی کا عہدہ موروثی ہے اور وہ ایک حق رعایتی اُس وقف مین رکھتا ہے تو وہ جائداد قابل وراثت سمجھی جائیگی جسپر ایسے وقف کا بار ڈالا گیا ہے جسکا حق ملکیت متولی اور اسکے ورثہ کو دیا گیا ہے اور متولی اور اُسکے ورثہ اُس حق کو جو دیگر مالکان جائداد کو حاصل ہے بے تکلف عمل مین لا سکتے ہین یعنے اُس جائداد کا پٹہ استمراری بھی دے سکتے ہین۔ مگر یہ سمجھنا مشکل ہے کہ مقدمہ مذکورۂ بالا کے فیصلہ مین "وقف مطلق" سے کیا مراد ہے۔ اگر یہ مراد ہے کہ وہ وقف بالکل امور مذہبی کے لیے سمجھا جائے تو یہ رائے یقیناً غلط ہے اسواسطے کہ یہ بخوبی ثابت ہو چکا ہے کہ اوقاف اطفال وغیرہ پر کرنا بلکہ واقف کا خود اپنے نفس پر وقف کرنا جائز ہے۔ ایسی صورتون مین بھی متولی موقوف علیہم کی طرف سے امین ہوتا ہے۔ پس کیا وہ برضامندی یا بلا رضامندی موقوف علیہم (یا دیگر حقداران وقف اگر وہ خود بھی ایک حقدار ہو) موروثی پٹہ دے سکتا ہے؟ نہین۔ وہ نہین دے سکتا۔ اسواسطے کہ اگر وہ موروثی پٹہ دے سکے تو اس سے اُن حقدارون کے حقوق کو ضرر پہونچیگا جو حقداران موجودین کے جانشین یا قائم مقام ہونگے۔

اِس بحث مین یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر مصارف چندروزہ جائداد وقفی سے دیدیے جائین تو اس سے وہ وقف باطل نہو جائیگا[1]۔ اور نہ مذہبی کامون کے صرف موقوف ہو جانے سے وقف باطل ہو سکتا ہے۔

جو زمین مسلمان کا مال ہو اور جسمین قبرین بنی ہون وہ بعلت اجراے ڈگری فروخت نہین ہو سکتی[2]۔ اور نہ مقبرہ منتقل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ وقف بالطبع ہے[3]۔ جب زمین عموماً قبرستان کے لیے وقف کیجائے تو وہ وقف صحیح ہوگا اور واقف کے

---

[1] مظہر الحق بنام بہراج دہتاری مہاپتر۔ ویکلی رپورٹر جلد ۱۳ صفحہ ۲۳۵-۱۲۰ منہ [2] مقدمہ دیال چند ملک بنام سید کرامت علی۔ ویکلی رپورٹر جلد ۱۶ صفحہ ۱۱۶۔ رپورٹ صدر دیوانی عدالت بنگالہ صفحہ ۳۰ مطبوعہ ۱۸۲۳ء-۱۲منہ

[3] رپورٹ صدر دیوانی عدالت ممالک مغربی وشمالی صفحہ ۲۲۵ مطبوعہ ۵ دسمبر ۱۸۶۳ء-۱۲منہ۔

ورثہ کو وراثتاً[1] نہ ملیگا - مگر تا وقتیکہ زمین وقفی پر کوئی مقبرہ نہ بنا ہو صرف اُسپر چند قبور کا ہونا مانع اُسکی تقسیم کا نہین ہے بجز اُس مقام خاص کے جہان قبرین بنی ہون[2]۔

ایک مقدمہ مین کچھ اراضی انعامی جو مسجد کے لیے وقف کی گئی تھی بعلت اجراے ڈگری قرق کی گئی اور وہ ڈگری اُس جائداد کے مرتہن نے اصل عطیہ دار کے ورثہ پر جنھنے اُسکو رہن رکھا تھا حاصل کی تھی۔ اس مقدمہ مین عدالت نے یہ تجویز کیا کہ یہ رہن ازروے شرع محمدی ناجائز تھا کیونکہ جو اراضی امور مذہبی کے لیے وقف کی گئی ہو اُسکو کوئی وارث اصل مالک اراضی کا بیع یا رہن نہین کرسکتا لہذا عدالت نے اسمین اتفاق کیا کہ یہ قرقی اُٹھا لینی چاہیئے۔

مگر بعض حالات مخصوصہ مین متولی قاضی کی منظوری سے مال وقف کو کلاً یا جزواً رہن رکھ سکتا ہے جیسا سابق مین بیان کیا گیا بلکہ اُسکے ایک جزو کو منتقل بھی کرسکتا ہے - مگر جب ایسا فعل بلا اجازت قاضی کیا جائے تو وہ قطعاً باطل اور غیر موثر ہے۔

بمقدمہ[3] مولوی عبد اللہ بنام راج سری داسیا و یک کس دیگر مدعی نے (جو صدر کورٹ مین اپیلانٹ تھا) ایک مسجد کے متولی پہ اُس اراضی کے لگان کی نالش کی جو اُس مسجد سے متعلق تھی - اور مدعا علیہا نے یہ بیان کیا کہ اس مسجد کے متولی سابق محمد افضل نے میرے شوہر سے پچاس روپیہ اسکی مرمت کے لیے قرض لیے تھے اور اُسکے پاس ۸ کوٹہ زمین اور تالاب تین سال کے لیے رہن کیا تھا

---

[1] رپورٹ صدر دیوانی عدالت بنگالہ جلد ۵ صفحہ ۱۳۶ مطبوعہ ۳۰ جولائی ۱۸۳۲ع ۱۲۶ منہ

[2] سلکٹ رپورٹ صدر عدالت بمبئی صفحہ ۲۰۴ - مطبوعہ ۱۸۳۹ع ۱۲۶ منہ

[3] سلکٹ رپورٹ جلد ۷ صفحہ ۲۶۶ - ۱۲ منہ۔

اور رہن نامہ مورخہ ۹ جیٹھ سنہ ۱۲۱۹ فصلی مین یہ شرط لکھی تھی کہ اس قرضہ کا سُود ایک روپیہ ماہواری تین برس تک دیا جائیگا اور بعد انقضاء مدت سہ سال کے اگر قرضہ نہ ادا کیا جائیگا تو مہ کوٹہ زمین کا لگان پانچ روپیہ سالانہ کے حساب سے اس قرضہ کے معاوضہ مین اسکے ہاتھ بیع کیا جائیگا اور اُس تالاب کا لگان ایک روپیہ ماہواری متولی کو مصارف مسجد کے لیے دیا جائیگا - مدعا علیہا نے یہ بحث کی کہ چونکہ یہ قرضہ محمد افضل نے مسجد کی مرمت کے واسطے لیا تھا اور زر رہن ادا نہ کیا تھا لہذا اُسکا جانشین یعنے مدعی اُس معاہدہ کا پابند ہے - عدالت ابتدائی نے مدعی کے دعوے کی ڈگری کی مگر عدالت اپیل ماتحت نے اُسکے فیصلہ کو اس وجہ سے منسوخ کیا کہ چونکہ متولی سابق نے یہ رہن مسجد کے فائدہ کے لیے رکھا تھا لہذا یہ رہن جائز ہے - جب مدعی نے اپیل ثانی کیا تو صدر کوٹ نے مفتیان شرع کے فتوے کے موافق یہ تجویز فرمایا کہ جو زمین امور مذہبی کے لیے وقف کی گئی ہو اُسکو اور اُسکی آمدنی یا پیداوار کو بذریعہ رہن منتقل کرنا نہین جائز ہے اور ایسے انتقال کے عدم جواز مین اس امر کو کچھ دخل نہین ہے کہ وہ زمین مسجد کی مرمت یا اور کسی فائدہ کے لیے رہن رکھی گئی تھی -

جب جائداد وقفی کی بیع اس وجہ سے منسوخ کیجائے کہ یہ جائداد قابل انتقال نہین ہے اور اس عرصہ مین مشتری نے اتفاقاً اُسپر کچھ چیزین بنوالی ہون تو وہ اسکا مستحق ہے کہ اُنکو وہان سے اُٹھا لیجائے بشرطیکہ اُنکے اُٹھا لیجانے سے مال وقف کو کچھ ضرر نہ پہونچے - اگر اُنکو اُٹھا لیجانا بلا ضرر رسانی مال وقف غیر ممکن ہو جیسے مثلاً مشتری نے اُس زمین پر درخت لگائے ہون تو قاضی کو اختیار ہے کہ اگر مناسب سمجھے تو کچھ معاوضہ اُسکو دلوا دے بشرطیکہ اُن اشیا سے جو اُس زمین وقفی پر بنائی گئی ہون اُسکی قیمت مین افزونی ہوئی ہو - اگر اہل مکان وقفی کو گرد اگرد کوئی مکان وغیرہ بنوایا گیا

یا درخت اُن قلمون کے لگائے ہون جو مال وقف سے لیے گئے ہون تو مشتری اُنکا معاوضہ
پانے کا مستحق نہ ہوگا۔ بلکہ بایع سے نقط وہ قیمت پھیر لینے کا مستحق ہوگا جو اُسنے دی ہے
کسی تغیر سے جو مشتری یا اور کسی شخص نے مکان وقفی مین کیا ہو اُس وقف کی
حقیقت نہ بدل جائیگی۔ مشتری اُس نقصان کا ذمہ دار ہوگا جو اِس وجہ سے کہ اُسنے
مکان وقفی مین کچھ تغیر کیا ہے یا اُسمین کچھ اضافہ کیا ہے اُسمین واقع ہوا ہو اور اُسکو
اُسکی حالت اصلی پر بحال کر دینے کا ذمہ دار ہوگا اور کسی اصلاح کا معاوضہ پانے کا مستحق
نہ ہوگا تا وقتیکہ وہ اصلاح مکان وقفی سے علیحدہ ہونے کے قابل نہ ہو۔
اگر مشتری نے کوئی ایسی چیز بنوائی ہو جس سے مال وقف کو فائدہ ہوا ہو تو اُسکو
وہ اُٹھا لیجانے کا مستحق نہین ہے۔ مثلاً کوئی شخص پرانے تنور سے بہتر تنور روٹیان
پکانے کے لیے بنوائے تو وہ اُسکو نہین اُٹھوا لیجا سکتا نہ اُسکا کچھ معاوضہ پانے کا مستحق ہے
لیکن اگر اُسنے لالٹینین لگوائی ہون تو اُنکو اُٹھا لیجا سکتا ہے یا اگر اُنکو وہان رہنے دے
تو معاوضہ پانے کا مستحق ہوگا۔
مشتری مکان وقفی کی وہ قیمت پانے کا مستحق ہے جو اُسکی بیع کی منسوخی کے
وقت ہو وہ قیمت پانے کا مستحق نہین ہے جو اُسنے دی ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص دس ہزار
درہم کا مکان خرید کر اُسمین رہے اور وہ مکان شکست ہو جائے تو جب اُسکی بیع منسوخ
کیجائے تو وہ قیمت پانے کا نہ مستحق ہوگا جو اُسنے اُس مکان کی دی تھی۔ اگر اُسکی قیمت
زیادہ ہو گئی ہو تو مشتری اُس اضافہ کے پانے کا مستحق ہوگا۔
اگر اسکا کوئی ثبوت نہ ہو کہ اِس وقف کی منفعت کے کون لوگ مستحق ہین یا متولیان
سابق نے اسکی آمدنی کو کس طور سے صرف کیا تھا تو وہ وقف غربا کے مصرف مین
لایا جائیگا۔
جب کوئی وقف عذرات شرعی سے منسوخ کیا جائے یعنی اِسوجہ سے منسوخ

کیا جائے کہ یہ وقف شرعًا ناجائز ہے تو مال وقف واقف یا اسکے ورثہ پر عود کریگا اور جب وہ نہ ہون تو بیت المال مین داخل ہوگا۔ جبتک وہ وقف قائم رہیگا مال وقف بیت المال مین نہ جائیگا بلکہ غربا و مساکین کی پرورش مین صرف کیا جائیگا یا اور کسی کار خیر مین صرف کیا جائیگا جس سے رفاہ عام مقصود ہو۔

جو وقف عام سلطان یا حاکم وقت نے کیا ہو وہ بوجہ عدم جواز یا اور کسی وجہ سے ہرگز نہین منسوخ ہوسکتا۔ مثلاً اگر سلطان یا امرا مسجد یا قبرستان یا تالاب یا نہر یا اور ایسے ہی مقاصد کے لیے وقف کرین یا علماء و فضلا یا طلبہ علوم کے لیے وقف کرین تو وہ نہین منسوخ ہوسکتا اگرچہ اُس وقف کے انتظام مین قاضی بمقتضے مصالح وقت وقتًا فوقتًا تغیر و تبدل کرسکتا ہے۔

کوئی شخص ایک مکان اپنی زوجہ کے رہنے کے لیے وقف کرے اور پھر مرجائے اور اُسکی زن بیوہ عقد ثانی کرے تو اُسکا حق سکونت اُس مکان مین جاتا رہیگا اور اگر اُسکا دوسرا شوہر اُسکو طلاق بھی دیدے تو بھی وہ حق اُسکو نہ ملیگا۔

جب کوئی مکان چند اشخاص کی سکونت کے لیے وقف کیا گیا ہو تو وہ اُسکو آپس مین نہین تقسیم کرسکتے ہین۔ مگر جب کسی خاندان کے لوگون کی سکونت کے لیے وقف کیا گیا ہو تو اُسمین صرف وہ اشخاص رہ سکتے ہین جو ایک دوسرے کے محرم شرعی ہون اِلّا یہ کہ وہ مکان ایسے کمرون یا حجرون مین منقسم ہو جنمین کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکے بے اِسکے کہ کوئی نامحرم جو اُسی مکان مین رہتا ہو اُن دونون کی معاشرت باہمی مین مخل ہو۔ مثلاً اگر کوئی مکان اُس خاندان کی سکونت کے لیے وقف کیا جائے جسمین دو بیاہے ہوے بیٹے اور دو بیاہی ہوئی بیٹیان ہون اور بیاہی ہوئی بیٹیون کے شوہر اُسی مکان مین رہین تو بیٹون اور بیٹیون کے رہنے کے علحدہ علحدہ حجرے ہونے چاہئین۔

بارھوان باب

فصل اول

احکام وقف موافق مذہب شیعہ

مذہب شیعہ مین وقف وہ فعل ہی جسکا اثر یہ ہوتا ہی کہ کسی چیز کا عین محبوس ہوجاتا ہی اور اوسکی منفعت بے قید رہتی ہی - جواہر الکلام مین وقف کا مقصد یہ لکھا ہی کہ کسی کار خیر کا خدا کی راہ مین دواماً جاری رکھنا - جس لفظ سے وقف ہو سکتا ہی وہ وَقَفْتُ ہی یعنے وقف کیا مینے - مگر اور کسی لفظ سے بھی ہو سکتا ہی جس سے واقف کا منشا ظاہر ہو جاے جیسا شرع حنفی کی بحث مین بیان کیا گیا - جواہر الکلام مین لکھا ہی کہ شرع مین کوئی ایسا حکم نہین ہی جسکی رو سے وقف سوائے لفظ وقفت اور کسی لفظ سے نہ ہو سکے - مثلاً وقف لفظ حبست اور تصدقت سے بھی ہو سکتا ہی - مگر چونکہ ان الفاظ سے دوام و استمرار نہین ثابت ہوتا لہذا واقف کی نیت کو ظاہر کرنا ضرور ہی - اسکے معنی یہ ہین کہ جب واقف کا قصد وقف کرنیکا صاف ظاہر ہو تو چاہی جو لفظ اوسنے استعمال کیا ہو وہ وقف لاکلام نافذ ہوگا - اگر کوئی شخص ایسا لفظ استعمال کرے جس سے وقف کے معنی نہ پیدا ہون اور بعد ازان اقرار کرے کہ اوسکا مقصود اوس سے وقف کرنا تھا تو وہ وقف نافذ ہوگا - اگر کوئی شخص کہے کہ "مینے یہ مکان غربا پر دواماً وقف کیا" تو یہ وقف ہوگا - اگر وہ کہے کہ "مینے یہ مال حبس کرکے راہ خدا مین دیا" یا یہ کہے کہ "مینے یہ مال حبس کرکے اسکا منافع خدا کی راہ مین دیا" تو یہ بھی وقف ہوگا -

جب وقف صریحاً کیا گیا ہو تو ہبہ کے الفاظ کہنے سے اوسکی حقیقت نہین
بدل جاے گی - یہ بحث بمقدمہ قدیہ بی بی وغیرہ بنام حاجی محمد کاظم اصفہانی وغیرہ
پیش ہوی تھی جسکا فیصلہ پگٹ صاحب جسٹس ہبہ نے ۳۱ مارچ ۱۸۸۴ء کو نواب سیدی
نظیر علی خان کے وصیت نامہ کے معنے پر غور کامل فرما کر کیا تھا - نواب موصوف نے
اپنے وصیت نامہ مین اپنی ساری جائداد اپنے وصی کے نام لکھدی تھی جسکے وارث
ہونیکے مدعی مدعیان تھے مگر بطور وقف کے لکھی تھی جو بالکل موقوف علیہ کی راے
پر موقوف تھا - مدعیون نے یہ بحث کی کہ موصی نے یہ جائداد اپنے وصی میر محمد کاظم کو
مطلقاً و قطعاً ہبہ کی تھی - مدعا علیہم نے یہ حجت کی کہ اگرچہ لفظ وقف وصیت نامہ
مین نہین لکھا ہی جو انگریزی زبان مین اور انگریزی طریقہ سے تحریر ہوا ہے تاہم یہ
وقف جائز ہے -

حاکم جج نے اصل امر مبحوث عنہ کی نسبت بعبارت ذیل تجویز لکھی -
یہ یہ بحث کی گئی ہی کہ اس وصیت نامہ کے ذریعہ سے میر محمد کاظم نے
اپنی جائداد صرف براے نام وقف کی ہی اور اوسکی نیت یہ نہ تھی کہ اسکی تعمیل کی جاے
- فریق ثانی کے کونسلی فلپس صاحب نے جس مقدمہ پر بہت بھروسا کیا وہ مقدمہ
مارس بنام بشپ آف ڈرھیم تھا - مگر میرے نزدیک اس مقدمہ مین اصل امر تنقیح
طلب یہ نہین ہی کہ آیا وقف صحیح و صالح ہوا ہی یا نہین بلکہ یہ ہی کہ آیا مدعیہ کے دعوی مین
کامیابی ہوگی تاوقتیکہ وہ یہ نہ ثابت کردے کہ موصی کا منشاء یہ نہ تھا کہ میر محمد کاظم بطور
متولی کے اس جائداد کو لے - اگر موصی کا ارادہ یہ تھا کہ محمد کاظم بطور متولی کے لے
تو وہ کوئی حق رہائشی نہین پاسکتا یا اس جائداد سے منتفع نہین ہوسکتا - وصیت نامہ
مین لکھا ہی کہ میر محمد کاظم بطور متولی کے لے - پس اسکا بار ثبوت مدعیہ پر ہی کہ موصی کا
منشاء یہ تھا کہ محمد کاظم اس جائداد کو بالکل بطور مالک کے لے لے - اسمین بیشک نہین ...

کہ کچھ حصہ اس جائداد کا مثل مسجد وغیرہ کے وقفی ہی - پس یہانتک تو میر محمد کاظم متولی رہا -
مگر مستقل آمدنی کی نسبت یہ بحث کی گئی کہ میر محمد کاظم اسکا مالک مطلق ہی - وصیت نامہ مین تو
یہی لکھا ہی کہ وہ صرف بطور متولی اس جائداد کو لے گا - اگر یہ لکھا جاتا کہ متولی کا عہدہ موروثی
ہی تو مدعیہ کی بحث کو کچھ قوت ہو جاتی - مگر ایسا نہین ہوا ہی - یعنے یہ نہین کہہ سکتے کہ میر محمد کاظم
کے ورثہ کو اس جائداد مین حق انتفاع دیا گیا ہی جبکہ ہر متولی کو اختیار ہے کہ اپنی جگہہ پر دوسرے
شخص کو متولی مقرر کرے - پس اب مجھکو وصیت نامہ کے مختلف فقرات پر جو متولیون کے
تقرر اور ذمہ داریون سے متعلق ہین غور کرنا چاہیئے - اگر مین اس مقدمہ کا فیصلہ بحیثیت ایک
جج کے نہ کرتا تو شاید مین یہ کہہ سکتا تھا کہ نظیر علی خان کا منشا یہ تھا کہ یہ جائداد میرے دوست
کی اولاد کو وراثتاً ملے اور اون مین سے ہر شخص اپنے اختیار تقرر متولی کو اپنے وارث کے
حق مین عمل مین لاوے یعنے اپنے بعض ورثہ کو متولی مقرر کرے - مگر وصیت نامہ کی عبارت
ایسی صریح و واضح ہی کہ شاید اوسکے معنی مین مین اپنے قیاس کو کچھ دخل نہین دے سکتا - پھر
بھی بحث کی گئی ہی کہ صرف یہ امر کہ وصی اوس آمدنی سے جو صرف نہین ہوئی ہی خود منتفع ہو
اس بات پر دلالت کرتا ہی کہ موصی کی نیت ضمناً یہ تھی کہ ایک حق انتفاع پیدا ہو اور فی الواقع
اوسنے ایسا حق پیدا کیا - جو مقدمات بطور نظائر پیش کیے گئے ہین اونکو مین نظر تفصیلی
سے نہین دیکھونگا بلکہ صرف اسپر اکتفا کرتا ہون کہ جن مقدمات کا حوالہ مسٹر کینیڈی اور
مسٹر امیر علی نے دیا ہی علے الخصوص مقدمہ جان بی بی بنام عبد اللہ بجام اور مقدمہ
ایڈووکیٹ جنرل بنام فاطمہ بی بی اونسے یہی ثابت ہوتا ہی کہ کچھ قیاس اس امر سے نہین
ہوسکتا کہ موصی نے لکھا ہی کہ بقیہ آمدنی سے متولی خود منتفع ہو - جب یہ ہوا تو میرے نزدیک
مدعیہ کی بحث نہین چل سکتی اور یہ جو تنقیح قرار دی گئی ہی کہ آیا نظیر علی خان کی جائداد اب تک جو
میر محمد کاظم کی جائداد کا حصہ ہے یا نہین ہی اسکا تصفیہ بصیغہ نفی کرنا چاہیئے - یعنے یہ
کہنا چاہیئے کہ نہین ہے "

شرایع الاسلام مین وقف کی تعریف یہ لکھی ہو کہ:- وقف ایک معاملہ یا
معاہدہ ہی جسکا اثر یا نتیجہ یہ ہو کہ عین المال محبوس ہوجاتا ہی اور اوسکی منفعت بے قید ہتی ہی
-صرف ایک لفظ خاص سے وقف ہو سکتا ہی یعنے لفظ وقفت یعنے مینے وقف کیا-
اب رہا لفظ حرمت یا صدقت یعنے مینے حرام کیا یا صدقہ دیا سو یہ الفاظ وقف کے لیے
کافی نہین ہین تا وقتیکہ انکے ساتھ کچھ قرائن موجود ہون کیونکہ فی نفسہ ان الفاظ مین وقف
کے سوا اور تاویل بھی ہو سکتی ہی- لکن اگر وہ وقف کی نیت سے استعمال کیے گیے ہون
تو اونکی پابندی اوس شخص پر جسنے اونکو استعمال کیا ہی ایمانًا فرض ہی گو قرائن سے انکے
معنے کی تعیین نہ ہو سکے- اور اگر واقف اقرار کرے کہ مینے یہ کلمات وقف کی نیت سے
کہے تھے تو اوسی کے قول کو دلیل گردانکر فیصلہ اوسکے خلاف کیا جاے- بلکہ بعض علما
کا یہ قول ہی کہ اگر کوی شخص کہے حبست یا سبلت تو بھی وقف ہوجاے گا گو قرائن سے
یہ معنی نہ نکل سکین اسواسطے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا ہی کہ حبسوا الاصل و
سبلوا الثمرۃ یعنے اصل کو روک رکھو اور پھل کو دیڈالو- مگر بعض علما نے فرمایا ہی کہ
ایسی صورت مین وقف نہ ہوگا تا وقتیکہ قرائن دال نہ ہون اسواسطے کہ ان الفاظ سے
عمومًا وقف کے معنے نہ سمجھے جائینگے اور اقباض جواز وقف کی شرط ضروری ہی اور
قول راجح یہی ہی مگر اس اصول کو بھی اون شرائط سے مشروط سمجھنا چاہیئے جنکا ذکر شرع
حنفی کے ضمن مین کیا گیا یعنے اقباض واقعی یا تبدل قبضہ صریحًا شرط نہین ہی بلکہ انتقال
ضمنی یا مجازی کافی ہے- مثلاً واقف کو خود اپنے تئین متولی مقرر کرنا جائز ہی- اس صورت
مین تبدیل قبضہ نہین ہو سکتا ہی- پس اس اصول کا منشا متولی کا اقباض واقعی یا حقیقی
نہین ہی بلکہ اوسکے قبضہ کی نوعیت کا بدلجانا ہی- اس صورت مین مفاتیح مین لکھا ہی کہ اگر
واقف اپنا حق طلا دقف پر عمل مین لاتا رہے اور اپنے قبضہ کی نوعیت مین کچھ تغیر نہ کرے
تو وہ وقف نافذ نہو گا- جب وقف کسی رفاہ عام کے لیے کیا جاے تو اقباض حقیقی ضرو

نہین ہی بلکہ کسی شخص کا اوسکو استعمال مین لانا جواز وقف کو کافی ہی۔

جواہر الکلام مین لکھا ہی کہ جب وقف بطور صدقہ کیا جاے تب بھی اقباض شرط نہین ہی۔ یہی حال مسجد یا اور کسی مصلحت عامہ کا بھی ہی۔ ان صورتون مین صرف عدم اقباض سے وقف نہ باطل ہوگا۔ مگر جب موقوف علیہم مال وقف پر قبضہ کرنیکے قابل ہون یا اونکی طرف سے دوسرا شخص قبضہ کر سکتا ہو مگر ایسا نہ کیا جاے تب وقف غیر موثر ہی۔

جب اون سب شرائط کی تعمیل ہوجاے جنپر تکمیل وقف موقوف ہی تو وقف ناطق ہوجاے گا (بشرطیکہ بحالت صحت نفس کیا گیا ہو) اور علماے شیعہ کے نزدیک قابل تنسیخ نہ رہے گا۔ جواہر الکلام مین لکھا ہی کہ "اس مسئلہ مین ابو حنیفہ نے ہمسے اختلاف کیا ہی اگرچہ خود اونکے شاگرد ابو یوسف نے بغداد مین آکر اونسے اختلاف کیا۔ اگر مال وقف کا قبضہ ایک مرتبہ تبدیل ہوجاے یا واقف کے تحت تصرف نہ رہے یا موقوف علیہم کے قبضہ مین یا اونکی طرف سے متولیون کے اختیار مین آجاے تو واقف اوس وقف کو نہین منسوخ کر سکتا نہ اوسکے شرائط کو بدل سکتا ہی نہ اوسکو راہ خدا سے یا اون مقاصد سے جن مقاصد سے وقف کیا گیا ہو پھیر سکتا ہی۔

یہ سب اوس وقف سے متعلق ہی جو عالم صحت مین کیا گیا ہو۔ لیکن اگر وقف اوس حالت مین کیا گیا ہو جبکہ واقف مرض الموت کی حالت مین ہو تو وہ کل جائداد مین بشرط رضامندی ورثہ نافذ ہوگا ورنہ صرف ثلث مال واقف مین نافذ ہوگا۔ اسواسطے کہ وقف مثل اور افعال کے ہی جو فوراً نافذ ہوتے ہین جیسے ہبہ یا بیع یا دیگر تصرفات شرعیہ۔ اگر مال وقف ثلث مال پر حاوی ہی تو کل وقف جائز ہے۔ اگر ثلث پر نہین حاوی ہی تو ہر شرط وقف باعتبار اپنے تقدم کے نافذ کیجاے گی یہانتک کہ ثلث مال تمام ہوجاے۔

شرایع الاسلام (صفحہ ۲۳۴) مین لکھا ہی کہ اگر کوئی شخص مرض الموت
کی حالت مین وقف کرے اور ہبہ اور بیع کرے اور غلام آزاد کرے اور ان افعال سے
اوسکے ورثہ نہ راضی ہون تو وہ اوسوقت جائز ہونگے جبکہ اونکا نفاذ ثلث مال مین ہوسکے
ورنہ اونکو بلحاظ تقدم زمانی ترجیح دیجاے گی اور ہر فعل کا نفاذ علی الترتیب کیا جائیگا
یہانتک کہ ثلث مال تمام ہوجاے بعد اوسکے جو فعل باقی رہجاے گا وہ باطل ہی۔
وہ معاملات شرعی جو صاحب معاملہ کے حین حیات جاری ہون اور جو اوسکے
بعد ممات نافذ ہون ان دونون مین یہ فرق ہی کہ پہلی قسم کے معاملات مین ثلث جائداد موجودہ
کا لیا جاے گا اور دوسری قسم کے معاملات مین یعنے وصایا مین جائداد کی حالت بعد وفات
موصی دیکھی جاے گی۔ اگر وقف مین متعدد وصیتین داخل ہون اور یہ تجویز کرنا مشکل ہو کہ کونسی
وصیت مقدم رکھی جاے یعنے جب سب وصیتین بدرجۂ مساوی اہم وضروری ہون۔ تو
اس صورت مین شیخ مرتضی علم الہدے کے نزدیک سب وصیتین نافذ کیجائین اور وہ ثلث جسمین
وقف نافذ ہوسکتا ہی سب مقاصد کے اجرا مین صرف[1] کیا جاے۔ شرایع[2] الاسلام مین
لکھا ہی کہ "جب کسی شخص نے کچھ جائداد مین وصیت واسطے اداکرنے چند فرائض کے کی ہو
جنمین سے بعض موصی پر فرض ہون اور بعض مین اوسکو اختیار ہو تو اون سب کو بجا لانا چاہیے
بشرطیکہ ثلث مال موصی اس مقدمہ کے لیے کافی ہوجاے۔ اگر ثلث کافی نہ ہو اور ورثہ
راضی نہ ہون تو موصی کے مجموع مال سے پہلے وہ فرائض ادا کیے جائین جو موصی پر تھے
اور جو کچھ باقی رہجاے اوسکے ثلث سے دیگر فرائض کی تعمیل کیجاے اور ابتدا اوس
فرض سے کیجاے جسکو موصی نے پہلے کہا ہو اور اسی طرح علی الترتیب تعمیل کیجاے
۔ لکن اگر اون مین سے کوئی واجب عینی نہ ہو بلکہ سب واجبات کفائی یا تخییری ہون تو
صرف ثلث مال مین نافذ ہونگی اور ابتدا اوس کام سے کیجاے گی جسکو موصی نے پہلے کہا ہو

[1] مفاتیح از مبسوط ۱۲ منہ [2] شرایع الاسلام صفحہ ۲۴۴ ۱۲ منہ

اور یہی علی الترتیب کیا جاوے یہانتک کہ ثلث تمام ہوجاوے

فصل دوم

شرائط متعلقہ مال وقف

یہ شرطین چار ہین۔ (۱) شے موقوف کو چاہیئے کہ شے مادّی ہو۔ (۲) اوسکو چاہیئے کہ واقف کا مالک ہو۔ (۳) اوسکو چاہیئے کہ جبتک باقی رہے قابل انتفاع ہو یعنے اوس سے کچھ منفعت مل سکے۔ (۴) اوسکو چاہیئے کہ قابل اقباض ہو یعنے اوسپر قبضہ ہوسکے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہی کہ جب کوئی چیز خارج مین نہ موجود ہو تو اوسکا وقف نہین جائز ہی مثلاً قرضہ جو کسی کا واجب الادا ہو اوسکو وقف کرنا نہین جائز ہی۔ اسی طرح سے شئے خارجی کا وقف نہین جائز ہی اگر اوسکی تصریح وتعیین خاص طور سے نہ کردی جاوے مثلاً کوئی شخص کہے کہ مینے ایک مکان وقف کیا تو ایسا وقف ناجائز ہی تاوقتیکہ وہ یہ تصریح نہ کردے کہ کون مکان اوسنے مراد لیا ہی۔ شرایع الاسلام مین لکھا ہی کہ۔ عقار اور اراضی اور مکان اور لباس اور اسباب اور آلات مشروع کو وقف کرنا جائز ہی خلاصہ یہ ہی کہ ہر چیز کا وقف جائز ہی جسکے استعمال یا تصرف سے انتفاع جائز ہوسکے بشرطیکہ اوسکا عین باقی رہے مثلاً پالو کتے یا بلی کا وقف جائز ہی کیونکہ اوس سے فائدہ ہونا ممکن ہی[1]۔ اور مفاتیح مین لکھا ہی کہ۔ دَین یا کسی شئے غیر معین کو وقف کرنا اس وجہ سے ناجائز ہی کہ وہ غیر مشخص اور غیر محدود ہی۔ آخر الذکر مسئلہ مین اور اس مسئلہ مین بھی کہ آیا درہم و دینار یعنے روپیہ وقف کرنا جائز ہی بڑی بڑی دقتین ہین۔ جواہر الکلام[2] مین اس بحث کو طول دیا ہی جسکا خلاصہ یہ معلوم ہوتا ہی کہ بعض کتب

---

[1] کھانا وغیرہ وقف کرنا اسوجہ سے نہین جائز ہی کہ وہ استعمال مین تمام ہوجاتا ہے۔ مگر پھول عموماً اور قندیلین اور چٹائیان وقف کرنا اس شرط سے جائز ہی کہ انکو وقف کرنیکا رواج ہو۔ اس سے ظاہر ہی کہ یہ حکم شرع کیسا وسیع ہی اور آدمی کو شرع کے باطن یا منشا ر پر نظر کرنا چاہیئے اوسکا ظاہر نہ دیکھنا چاہیئے ۱۲۔ سہ

[2] اس مقدمہ مین کہ آیا درہم و دینار وقف کرنا جائز ہی یا نہین بعض علمار کا قول یہ ہی کہ نا جائز ہے

فقہ مین علمارشیعہ مثل صاحب شرایع الاسلام و جامع ایسے وقف کے عدم جواز پر مائل ہین مگر شیخ مرتضی علم الہدیٰ
اور اون علمار نے جنکے اقوال اس زمانہ کی ترقی کے موافق ہین فرمایا ہی کہ منفعت اور روپیہ وقف کرنا اوس
حالت مین جائز ہی جبکہ وہ ہمیشہ تجارت مین صرف کیا جاوے اور اوس سے منفعت دائمی ہو جیسا اوس تقریر میں
بیان ہو چکا ہی جو شرع حنفی کے باب مین سابق مین لکھی گئی - یہی قول تغیر شدہ حالت تمدن کے موافق ہی - جس
اصول کے موجب متقدمین علمار شیعہ نے یہ فرمایا ہی کہ روپیہ اور منافع وقف کرنا نہین جائز ہی وہ اصول یہ ہی کہ ایسی
چیزون کو کچھ ثبات و قیام نہین ہوتا یعنے جن مقاصد سے وہ وقف کی گئی ہین اون مقاصد مین صرف
ہو جاتی ہین - مگر جب روپیہ کسی تجارت مین لگایا جاوے جس سے منفعت حاصل ہو تو یہ عذر جو متقدمین
کے نزدیک ایک عذر قوی تھا بالکل ضعیف ہو جاتا ہی اسی وجہ سے متاخرین علمارے شیعہ نے ایسے
اوقاف کو جائز[1] رکھا ہی - اگر شئے موقوف کی تصریح نہ کردی گئی ہو مگر تحقیق سے دریافت ہو سکتی ہو تو
اوسکا وقف جائز ہوگا - مثلاً اگر کوی شخص دو مکان رکھتا ہو اور کہے کہ مینے انمین سے ایک مکان وقف
کیا ہی یعنے یا یہ مکان یا وہ مکان تو ایسا وقف جائز ہوگا -

جواز وقف کی ایک شرط یہ بھی ہی کہ مال وقفی واقف کا مال ہو ورنہ وقف ناجائز ہی لیکن
اگر دوسرے شخص کے مال کو وقف کیا ہو اور وہ شخص اوسکی تصدیق کردے تو وہ وقف جائز ہو جاے گا
مال مشاع یعنے کسی چیز کے جزو غیر منقسم کا وقف جائز ہی اور اوسپر اوسی طرح
قبضہ کیا جاوے گا جسطرح بیع[2] مین کیا جاتا ہی -

ایک شرط وقف کی یہ بھی ہی کہ واقف بالغ ہو اور رشید بھی ہو یعنے عقل کامل رکھتا ہو
اور اپنے مال مین تصرف کی قابلیت رکھتا ہو یعنے عدم قابلیت تصرف کی وجہ سے

---

[1] اور میرے نزدیک اچھا یہی ہی کیونکہ یہ قول متقدمین کا ہی اور مبسوط مین لکھا ہی کہ بجز چند علمار کے اور سبکا اجماع اس مسئلہ پر ہی اسکی وجہ یہ ہے کہ درہم و دینار صرف ہو جاتے ہین اور اوس سے کچھ منفعت نہین مل سکتی اور اصول کے خلاف ہی کہ مال وقت کیا جاے کہ ہمیشہ موجود ہے اور اوسکی منفعت عرصا کو پہلے اور اوسپر خیر مین صرف کیجاے - مگر جب کسی چیز کی منفعت ہمیشہ موجود رہے جیسے شئے کی بقا تو اوسکا وقف جائز ہی" جواہر الکلام ۱۲ - منہ [2] جامع الشتات ۱۲ - منہ

شرعاً ممنوع التصرف نہ ہوگیا ہو۔ صاحب جواہر الکلام نے بجا فرمایا ہی کہ قابلیت تصرف عقل کامل پر موقوف ہی اور شرح لمعہ مین صرف سلیم العقل ہونیکو شرط قرار دیا ہی۔

وقف عبادات مین داخل ہی یعنے کار ثواب ہی اور چونکہ مجنون اور صغیر سے کوی تکلیف شرعی نہین متعلق ہی یعنے جو شخص دیوانہ یا جو لڑکا نابالغ ہو اوسپر کوی عبادت فرض نہین ہی لہذا اونکا وقف بھی ناجائز ہی کیونکہ وقف کی حقیقت اور اوسکا اثر سمجھنے کے لیے عقل درکار ہے اور مجنون اور نابالغ اوتنی عقل نہین رکھتے۔ لکن اس مسئلہ مین اختلاف ہی کہ جب کوی لڑکا مثلاً دس برس کے سن مین بالغ ہوگیا ہو تو اوسکا وقف کیا اثر پیدا کرے گا۔ غالباً اسکا فعل ناجائز ہوگا کیونکہ شرع مین پندرھوان سال تمام ہونے تک رشد کا قیاس نہین کیا جاتا۔

واقف کو جائز ہی کہ مال وقف کی نگرانی کا اختیار اپنے واسطے باقی رکھے یا کسی شخص کے سپرد کردے۔ مگر کوی ایسی شرط نہین جائز ہی جس سے واقف کو وقف منسوخ کرنا جائز ہوجاے۔ اور جب واقف کسی کو متولی مقرر کرچکا ہو تو پھر یہ اختیار اپنے لیے نہین باقی رکھ سکتا کہ جب چاہیگا تولیت خود لے لیگا[1]۔ چونکہ یہ ضروری ہی کہ ناظر یا متولی متدین ہو اور اپنا کام کرنیکے قابل ہو لہذا اگر وہ نالائق یا بے ایمان ہو یعنے وقف کے انتظام مین غفلت یا خیانت کرے تو وہ معزول ہوسکتا ہی یا اور کوی شخص اوسکے ساتھ شریک کیا جاسکتا ہی۔ جب واقف نے کوی متولی وقف کے انتظام کے لئے نہ مقرر کیا ہو تو تقرر متولی موقوف علیہم سے متعلق ہوگا۔ جب وقف چند خاص اشخاص پر کیا گیا ہو جو اپنی طرف سے متولی مقرر کرسکتے ہون تو وہی متولی مقرر کرسکتے ہین اور حاکم شرع سے تقرر متولی اوسوقت متعلق ہوگا جبکہ وقف کسی کار رفاہ عام کے لیے

---

[1] یہی قول بمقدمہ ہدایت النسا اختیار کیا گیا ہی۔ رپورٹ ممالک مغربی وشمالی جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ – منہ

[2] اسکی تفصیل شرع حنفی کی بحث مین بیان کی گئی اور اس مسئلہ مین حنفیہ اور شیعہ مین کچھ اختلاف نہین ہی ۱۲ منہ

یا فی سبیل اللہ یا کسی قوم پر کیا گیا ہو۔

موقوف علیہ کے باب مین چار شرطین ہین۔ (۱) وہ موجود ہو (۲) مالک جائداد ہونیکی قابلیت رکھتا ہو۔ (۳) معین ہو۔ (۴) ایسا شخص نہ ہو جسپر وقف کرنا نہین جائز ہی۔

ان اصول کا نتیجہ شرایع الاسلام مین یہ لکھا ہی کہ "لہذا اگر ایسے شخص پر وقف کیا جاے جو موجود نہ ہو مثلاً جنین پر جو رحم مادر سے جدا نہ ہوا ہو تو ایسا وقف صحیح نہ ہوگا۔ لکن شخص غیر موجود بہ حیثیت قائم مقام شخص موجود وقف کرنا صحیح ہی۔"

جواہر الکلام مین اس مسئلہ کی توضیح دلچسپ طور سے کی ہی جس سے شیخ کا[1] قول اس مسئلہ مین بخوبی معلوم ہوتا ہی۔ اگر کوئی شخص کسی شخص غیر موجود پر ابتداءً وقف کرے تو وہ وقف صحیح نہ ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص اوس لڑکے پر وقف کرے جو ہنوز پیدا نہ ہوا ہو یا جنین ہو یعنے رحم مادر مین ہو گو ایک اعتبار سے وہ موجود ہی اور اوسکے نام وصیت ہو سکتی ہی اور تقسیم ترکہ کے وقت وہ حصہ پانیکا مستحق ہی تاہم اوسپر وقف کرنا نہین جائز ہی۔ غالباً اسکی وجہ یہ ہی کہ وہ مال وقف پر قبضہ کرنیکے قابل نہین ہی مگر جب وقف شئے غیر موجود بہ حیثیت قائم مقام شئے موجود کے جو اوسکی نفعت لی سکتی ہو کیا جاے تو ایسا وقف صحیح ہی۔

جب کوئی شخص پہلے شئے غیر موجود پر پھر شئے موجود پر وقف کرے تو ایسا وقف نہین صحیح ہی مگر یہ امر کہ آیا اس سے کل عقد وقف باطل ہو جائیگا اسکے دو جواب ہو سکتے ہین۔ بعض علمار کا قول جنہین صاحب شرایع الاسلام بھی ہین یہ ہی کہ ایسا وقف باطل ہی مگر بعض علمار کا یہ قول ہی (جنہین شیخ بھی داخل ہین) کہ ایسا وقف اشیاء

[1] نہین معلوم یہان شیخ سے مراد شیخ محمد حسن نجفی صاحب جواہر الکلام ہین یا شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی یا علم الہدے سید مرتضیٰ مقصود ہین ۱۲ - مترجم۔

غیر موجودہ پر باطل اور اشیار موجودہ پر صحیح ہوگا - مثلاً وقف اوس لڑکے پر جو ہنوز پیدا
نہ ہوا ہو اور اوسکے بعد اون لڑکون پر جو پیدا ہو چکے ہون اوغین لڑکون پر صحیح ہوگا
جو پیدا ہو چکے ہین اور ایسے وقف کا عدم جواز طفل غیر موجود پر اسکا باعث ہوتا ہے کہ اوسکا
نفاذ اطفال موجودہ پر بہت جلد کیا جاسے - جواہر الکلام مین لکھا ہے کہ فقیہ جلیل یحیی ابن سعید
کا بھی یہی قول ہے اور اکثر علمار کے اقوال کے موافق ہے -

مصالح عامہ یعنے امور رفاہ عام کے لیے یا امور مذہبی یا امور خیر کیواسطے
جنکی منفعت مین سب بندگان خدا شریک ہو سکین وقف کرنا جائز ہے - مثلاً پل اور مساجد
اور اموات کے کفن کے لیے وقف کرنا جائز ہے گو ایک وقت مین اوس سے چند ہی
اشخاص منتفع ہو سکین اور اگرچہ خاص اشخاص کا نام نہ لیا ہو جنکے فائدہ کے لیے وقف
کیا گیا ہے تاہم وہ جائز ہوگا اسواسطے کہ اوس سے بندگان خدا منتفع ہو سکتے ہین
- اور ایسا وقف جائز ہے جس سے مقصود عامہ خلائق کی نفع رسانی ہو مثلاً مدرسہ پر وقف
کرنا یا کتب خانہ پر کتابین وقف کرنا -

مسلم کافر حربی پر نہین وقف کرسکتا گو وہ اوسکا قرابتدار ہی کیون نہو
مگر ذمی پر جو اوسی بادشاہ کی رعیت ہو وقف کرسکتا ہے گو وہ واقف سے کچھ قرابت نہ رکھتا
ہو اور بالکل غیر آدمی ہو کیونکہ وقف کرنا ایک بندہ خدا پر خیر و احسان کرنا ہے جو شاید
اوسکی راہ راست اختیار کرنیکا باعث ہو جاے - ذمی پر جواز وقف کی یہ دلیل ہے
کہ صدقہ دینا اوسکو جائز ہے - مگر اس سے یہ نہین لازم آتا کہ مسلم معابد یہود و نصاری
پر یا کفار کے عبادتخانون پر وقف کرسکتا ہے کیونکہ یہ مستلزم اشاعت کفر کا ہے اور
کفر کی تائید کرنا مسلمانون کو حرام ہے - مگر ذمی غیر مسلم کی عبادتگاہ پر وقف کرسکتا ہے
اور مسلم و ذمی دونون پر اون مقاصد کے لیے بھی وقف کرسکتا ہے جو شرعاً مباح ہون -

---

سلہ شرایع الاسلام صفحہ ۲۳۵ - مفاتیح - جواہر الکلام ۱۲ - منہ

ــ جیسے اونکے مکانات کی مرمت کرانا یا شفاخانے یا مسافرخانے وغیرہ بنوانا۔

نہ زناکارون اور قزاقون اور شاربان خمر پر وقف کرنا نہین جائز ہے اور نہ اون کتابون کی نقل لینے کے لیے وقف کرنا جائز ہی جنکو اب توریت و انجیل کہتے ہین کیونکہ اونمین تغلب و تصرف اور تحریف ہوی ہی۔ لکن اگر ایسے اوقاف کفار کرین تو جائز ہی۔ کوی وقف جو باعث ارتکاب معصیت ہو جائز نہین ہی۔

اگر کوی مسلمان غربا پر وقف کرے تو ابتداءً اوسکی منفعت فقرا مسلمین کو دیجاے گی اور جب فقرا مسلمین نہ ہون تو اور مساکین کو دیجاے گی۔ مگر جب غیر مسلم عموماً غربا پر وقف کرے تو وہ اوسکے غریب ہمسایون کو بلا امتیاز مذہب و ملت دیا جاے گا۔

جب وقف عموماً مسلمانون پر کیا گیا ہو تو اوسمین سب لوگ جو شرع شریف کے پابند ہون اور اونکے عیال و اطفال داخل ہونگے۔ لفظ مسلم سے وہ سب لوگ خارج ہین جو مطیع الاسلام نہین ہین۔ اور جب وقف مومنین[1] پر کیا گیا ہو یعنے اون لوگون پر جو طریق حق پر ہون تو وہ صرف معتقدین ائمہ اثنا عشر کے مصرف مین لایا جاے گا۔

جو وقف عموماً مومنین پر کیا گیا ہو وہ ایسے مقاصد مین صرف کیا جاے گا جنسے سب مومنین کو نفع پہونچے۔

اگر وقف شیعون پر کیا گیا ہو تو علماء شیعہ کا شعار یہی ہی کہ وہ امامیہ[2] کے لوگون کے مصرف مین لایا جاے گا۔ جرودیہ شیعہ مین داخل ہین اور اسمعیلیہ

---

[1] شرایع الاسلام صفحہ ۲۳۵ و ۲۲۶ و مفاتیح ۱۲ منہ۔ [2] شیعون مین ایمان کے دو معنی ہین ایک معنی عام اور ایک معنی خاص۔ ایمان کے معنی عام دل سے اقرار کرنا اون احکام کا ہی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ و صحبہ وسلم پر منجانب اللہ نازل ہوے تھے۔ اور ایمان کے معنے خاص وہ ہین۔ ایک افعال نیک کرنا

مین داخل ہین —

جب موقوف علیہ کسی خاص نسبت سے بیان کیا جائے تو جتنے اشخاص اوس نسبت مین داخل ہون وہ سب اوس وقف کی منفعت مین شریک کئے جائینگے — مثلاً اگر وقف امامیہ پر کیا گیا ہو تو سب پیروان ائمہ اطہار اوسمین داخل ہین۔ اگر وقف زیدیہ پر کیا گیا ہو تو وہ سب لوگ جو زید ابن علیؑ کی امامت کے قائل ہین اوسمین داخل ہونگے — اسی طرح سے جب موقوف علیہ کسی خاص بزرگ کی نسل مین سے ہو تو سب لوگ جو باپ کیجانب سے اوسکی اولاد مین ہون اوسمین داخل ہونگے — مثلاً بنی ہاشم مین وہ سب لوگ داخل ہین جو ابوطالب اور حارث اور عباس اور ابولہب کے واسطہ سے ہاشم ابن عبد مناف کی اولاد ہین اور بنی طالب مین وہ سب لوگ داخل ہین جو ابوطالب ابن عبد المطلب کی اولاد مین ہین خواہ ذکور ہون خواہ اناث بشرطیکہ باپ کی طرف سے ابوطالب کی اولاد مین عرفاً کہلاتے ہون گو اوس مسئلہ مین اختلاف ہے —

اگر کوئی شخص بنی تمیم پر وقف کرے تو جائز ہو اور اوسکی منفعت بنی تمیم مین سے جو لوگ ملین اونھین کو دیجاے —

اگر کوئی شخص اپنے جیران یعنے ہمسایون پر وقف کرے تو یہ دیکھا جاے گا کہ عرفاً اوسکے ہمسایہ کون لوگ ہین — مگر بعض علما نے فرمایا ہی کہ ہر شخص جسکا مکان واقف کے مکان سے چالیس ذرع کے فاصلہ پر ہو اوسکا ہمسایہ سمجھا جاے گا اور یہی قول صحیح اور معتبر ہی — اور بعض علما کا یہ قول ہے کہ لفظ ہمسایہ مین وہ سب اشخاص داخل ہین جو واقف کے مکان کے ادہر اودہر چالیس مکانون مین رہتے ہون مگر اب یہ قول متروک ہے —

اگر کوئی شخص کسی کار رفاہ عام کے لیے وقف کرے مگر وہ کام موقوف

ہو جاوے تو وہ وقف اور کسی کار خیر مین یا امر مذہبی مین لگایا جاوے گا مگر اولیٰ یہی ہے کہ واقف کی نیت کا لحاظ کامل کرکے وہ وقف استعمال مین لایا جاوے۔ مثلاً جب وقف کسی مسجد پر کیا گیا ہو اور وہ مسجد نہ موجود ہو تو وہ دوسری مسجد کو دیا جاوے اور مدرسہ کا وقف ویسے ہی اور مدرسہ کو دیا جاوے وعلیٰ ہذا اوس امر کا لحاظ کیا جاوے جو واقف کو مد نظر تھا۔

جب وقف عموماً کسی کار خیر کے لیے کیا گیا ہو تو ہر کام مین صرف کیا جاوے گا جو باعث تقرب الٰہی ہو۔[۱]

شرح لمعہ مین لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص راہ خدا مین وقف کرے تو وہ ہر کام مین لایا جاوے گا جو موجب تقرب خدا ہو اسواسطے کہ راہ خدا سے مراد ثواب آخرت اور خوشنودی خدا ہے۔ پس غربا و مساکین کی اعانت اور مساجد کی تعمیر اور سڑکون کی مرمت اور اموات کو کفن دینا جسمین ثواب اور خوشنودی خدا متصور ہے سب اوسمین داخل ہوگا۔ بعض علمار کے نزدیک اوسمین جہاد اور بعض کے نزدیک حج اور عمرہ بھی داخل ہے۔ مگر پہلا قول صحیح ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص بطریق احسان یا بہ نیت ثواب وقف کرے تو اسکے بھی وہی معنی ہین۔ بعض علمانے فرمایا ہے کہ نیت ثواب سے مراد غربا و مساکین کو دینا ہے جسمین ابتدا ذوی الارحام سے کرنی چاہیے۔ اور کار خیر سے فقرا و مساکین اور مسافرین اور مقروضین جو نیک کامون مین مقروض ہو گئے ہون اور عتق رقبات یعنے بردہ آزاد کرنا مراد ہے۔ مگر واقف کی نیت کا لحاظ بہر حال رکھنا چاہیئے۔

اگر کوئی شخص عموماً کار خیر کے لیے وقف کرے اور اوسکے مقاصد کی تعیین و تصریح نہ کرے تو وہ فقرا کے مصرف مین اور اون تمام مصارف مین لایا جاوے گا

---

[۱] مفاتیح ۱۲ ۔ منہ ۔

جو باعث تقرب و خوشنودی خدا ہون جیسے طلبہ کو وظائف دینا اور مساجد اور پل اور مدارس اور مشاہد بنوانا اور حجاج کی اعانت کرنا اور مردون کے لیے کفن مہیا کرنا اور اوسکو عموماً مسلمانون کے فائدہ کے لیے صرف کرنا جائز ہے[1]

جواہر الکلام مین یہ اصول اسطرح بیان کیا ہو کہ وہ اگر کوی شخص کسی مصلحت عامہ کے لیے وقف کرے یعنے مثلاً مسجد یا پل یا اور اسی قسم کی کوی چیز بنوائے اور اوسکے آثار و علامات بالکل محو ہوجائین تو اس صورت مین مال وقف کی آمدنی کار ہای خیر مین عموماً صرف کیجائے گی۔ مگر ترجیح اوسی وقف کو دیجائے گی جو اوس وقف کے مقصود اصلی سے اقرب اور اشبہ ہو" اس سے ظاہر ہو کہ شیعہ مین تعمیم وقف کا مسلہ حنفیہ سے بھی زیادہ وسیع ہو جیسا اس مسلہ سے ثابت ہوتا ہو کہ وہ اگر کوی شخص عموماً کار ہائے خیر کے لیے وقف کرے (مسالک البر والاحسان) تو اسمین کچھ اختلاف نہین ہو کہ مال وقف فقرا و مساکین کے مصرف مین لایا جائے گا اور تمام امور خیر اور مقاصد نیک مین صرف کیا جائے گا جو باعث تقرب خدا تعالے ہون لفظ بر مین سب امور نیک داخل ہین جیسے غربا کی اعانت کرنا اور ضعفا کی دستگیری کرنا اور مسلمانون کی حالت کو ترقی دینا اور حج اور جہاد وغیرہ کرنا۔

ابن جنید کے سوا اکثر علماء شیعہ نے اتفاق کیا ہو کہ جب وقف کا مقصد صریحاً یا ضمناً نہ بیان کیا گیا ہو تو وہ باطل ہو۔ مگر ابن جنید کا قول یہ ہو کہ جب کوی شخص کسی مال کو کہے کہ راہ خدا مین صدقہ ہے یعنے وقف ہو گو وہ اون لوگون کی تصریح نہ کرے جنپر وقف کیا گیا ہو تاہم وہ اون لوگون کے مصرف مین لایا جائے گا جنکو خدا نے صدقہ اور زکات کا مستحق فرمایا ہو یعنے فقرا و مساکین اور معذورین۔ یہ قول ابن جنید کا اور علماء کے اقوال کے خلاف نہین ہے کیونکہ اور سب علماء نے

---

[1] ریاض الاحکام ۱۲ منہ۔

بھی تو یہی فرمایا ہی کہ جب کوئی خاص موقوف علیہ یا کوئی خاص مقصد وقف کا نہ بیان کیا گیا ہوا ور وقف امور مذہبی اور مقاصد خیر کے لیے صاف صاف کیا گیا ہو تو وہ ایسے مقاصد مین صرف کیا جائیگا جنسے عموماً مسلمانون کو نفع ہو[1]۔

اگر کوئی شخص اپنی اولاد یا اپنی بھائیون یا عزیزون پر عموماً وقف کرے تو ذکور و اناث اور قریب و بعید سب اوسمین برابر حصہ پائین گے الّا یہ کہ واقف نے تصریح کردی ہو کہ اونکو کس ترتیب سے دیا جاوے یا صاف یہ کہدیا ہو کہ یہ ذکور کیو اسطے ہی کہ اس صورت مین تقسیم حصص موافق قاعدہ معینہ ہوگی۔ جب وقف چچا اور ماموں پر سا گیا گیا ہو تو اونکو برابر حصہ ملے گا۔ جب وقف اون لوگون کے لیے ہو جو واقف کے قرابت مین اقرب ہون تو پہلے وہ اوسکے والدین اور اولاد کو دیا جاوے گا بعد اوسکے بھائیون اور بہنون اور اونکی اولاد کو دیا جاوے گا اور اونکے ساتھ اوسکے اجداد کو بھی دیا جاوے گا اور جب وہ نہ ہون تو چچا اور ماموں اور اونکی اولاد کو دیا جاوے گا۔

فصل سوم

وہ شرائط جنپر وقف کا جواز موقوف ہے

وقف کا جواز چار شرائط ضروریہ پر موقوف ہے۔

(۱) وقف کو دائمی ہونا چاہیئے۔

(۲) اوسکا نفاذ فوراً کیا جاوے یعنے جو وقت اوسکے نفاذ کا مقرر کیا گیا ہو اوسکو چاہیئے یقینی و قطعی ہو[2]۔

(۳) شئے موقوف پر قبضہ دیدیا جاوے یا یہ کہیئے کہ مال وقف واقف کا مال نہ باقی رہے[3]۔

[1] جواہر الکلام ۱۲ — [2] جامع الشتات ۱۲ — [3] اسپر اجماع ہی کہ وقف کو فوری ہونا چاہیئے اور کسی واقعہ کے وقوع پر نہ موقوف ہونا چاہیئے الّا یہ کہ اوسکا وقوع قطعی و یقینی ہو۔ شرایع الاسلام ۱۲ —

(۴) واقف کا حق مال وقف مین بالکل زائل ہوجاے۔

پہلی شرط کے باب مین قول مختار عموماً یہ ہے کہ وقف کا دائمی ہونا اسپر موقوف ہی کہ ایک شے یا چند اشیار پر کیا گیا ہو جنکی نسبت یہ گمان ہوسکے کہ فرداً یا بالمجموع ہمیشہ باقی رہین گے۔ جو وقف مصالح عامہ یعنے امور رفاہ عام کے لیے یا امور نیک اور کار ہاے خیر کے لیے عموماً کیا گیا ہو یا خاص کسی کام کے واسطے کیا گیا ہو جس سے سب بندگان خدا کو فائدہ ہو وہ وقف دائمی ہی کیونکہ وہ سب خلق اللہ کے فائدہ کے لیے ہے۔ اور کار خیر بھی فی نفسہ دائمی ہوتا ہی کیونکہ ہر زمانہ مین غربا ضرور ہوتے ہین۔ فی الواقع کوئی دائمی کام بڑا احسان کا وقف دائمی کے لئے کافی ہی مثلاً اسلیے وقف کرنا کہ اہل مسجد یا امام باڑہ کے لوگون کو پانی یا شربت پلایا جاے یا کسی عبادت گاہ مین روشنی کیجاے یا مردون کو کفن دیا جاے یا کسی مدرسہ کا کتب خانہ قائم رکھا جاۓ یا کفار سے جہاد کیا جاے یا غریب سادات کربلاے معلے کا تکفل کیا جاے یا وہان کی نہر یا اور کسی مکان مقدس کی مرمت کیجاے۔ مگر جب مثلاً زید پر وقف کیا گیا ہو اور یہ نہ گمان کیا گیا ہو کہ زید کے مرنیکے بعد وقف کیونکر صرف کیا جاے اور کسی بات سے واقف کی نیت نہ معلوم ہو کہ آئندہ اس وقف کی آمدنی کیونکر صرف کیجاے تو اس صورت مین وہ وقف صرف واقف کی حین حیات جاری رہے گا اور اوسکے مرنیکے بعد قول مشہور یہی ہی کہ واقف یا اوسکے ورثہ پر عود کرے گا۔ مگر بعض علمار کا قول یہ ہی کہ مابقی امور خیر مین عموماً صرف کیا جائیگا۔ یہی اوس صورت مین بھی ہوگا جبکہ وقف زید اور اوسکی اولاد پر کیا گیا ہو۔

اگر کوئی جائداد دو شخصون پر وقف یا حبس کیجاے اور اونمین سے ایک مرجاے تو جو زندہ رہے گا وہ اوسکی نصف مادام الحیات پاوے گا۔ ایک قول یہ بھی ہی کہ وہ نصف جو متوفی کا حصہ ہی واقف پر عود کریگا۔ مگر پہلا قول اوسط معلوم ہوتا ہے۔"

جب کوئی شخص اپنے فرزند پر ایک سال کے لیے یا اوسکی مادام الحیات

وقف کرے اور باقی عمر بار پر تو ایسا وقف بطور وقف دائمی جائز ہے اجماعاً یعنے باتفاق علماء۔

اگر کوئی شخص اپنے بیٹون پر اسطرح سے وقف کرے کہ ایک سال کے لیے عمرو پر اور دوسرے سال کے لیے زید پر وقس علے ہذا اور انکے بعد غربا پر اس طور سے کہ غریب اہل علم پر سال بہر اور پاجدائیہ پرہیزگار لوگون پر جو محتاج ہون دوسرے سال اور غریب مشائخ پر تیسرے سال تو ایسا وقف جائز ہے اور نافذ کیا جاے۔

وقف معلق ناجائز ہے۔ شلاً کوئی شخص کہے کہ یہ وقف اوسوقت ہوگا جب زید آئیگا یا جب کل کا دن آئیگا تو ایسا وقف باطل ہے۔[۱]

فصل چہارم

واقف کے حق کا زائل ہوجانا۔

شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ "اقباض جواز وقف کی ایک شرط ہے۔ پس اگر قبل تکمیل وقف واقف مرجاے یا دیوانہ ہوجاے تو وقف باطل ہوجاے گا" قبضہ کی نوعیت مال وقف اور مقاصد وقف کی نوعیت پر موقوف ہے۔ اگر ایسے چند اشخاص پر وقف کیا گیا ہو جو مال وقف پر قبضہ کرنے کی قابلیت رکھتے ہون تو اقباض واجب ہے۔ مگر جب وقف امور خیر یا عموماً بندگان خدا کے فائدہ کے لیے کیا گیا ہو تو اقباض کی ضرورت نہین ہے۔

شرایع الاسلام مین اس اصول کو اس طرح بیان کیا ہے کہ "جب وقف فقرا اور علماء دین پر کیا جاے تو ایک ناظر جائداد وقفی پر قبضہ کرنیکے لیے مقرر کرنا ضرور ہے۔ لیکن جب وقف کسی کار رفاہ عام کے لیے کیا جاے مثلاً صرف وقف کرنا ہی

---

[۱] جواہر الکلام ۱۲ منہ

اوس تبدیل قبضہ پر دلالت کرتا ہے جو شرعاً مقصود ہے اور قبول کی شرط مطلق ضرور نہین ہے اور صرف ناظر یا متولی کا قبضہ کافی ہے - اگر کوئی شخص مسجد یا عبادتخانہ وقف کرے تو یہ وقف جائز ہے گو اوس مین ایک ہی شخص نماز پڑھے - اسی طرح سے اگر کوئی شخص قبرستان وقف کرے تو اوس مین ایک مردہ دفن ہونے سے بھی وہ وقف جائز ہو جاوے گا - لکن اگر لوگ کسی مسجد مین نماز پڑھین یا قبرستان مین مردے دفن کرین درحالیکہ وقف کے خاص الفاظ نہ کہے گئے ہون یا اوسکا صیغہ نہ پڑھا گیا ہو تو وہ مسجد یا قبرستان مالک کے ملک سے نہ نکل جاوے گا -

" اور یہی نتیجہ اوس وقت بھی ہوگا جبکہ صیغہ وقف تو پڑھا گیا ہو مگر مال وقف پر قبضہ نہ دیا گیا ہو - خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ کی نوعیت کا بدلجانا بھی ضرور ہے -

قبضہ اوس متولی کا جو مال وقف کی نگرانی کے لیے مقرر کیا گیا ہو کافی ہے اور خود واقف متولی ہو سکتا ہے[۱] - اسی طرح سے اگر وقف واقف کی نابالغ اولاد پر ہو اور مال وقف واقف ہی کے قبضہ مین رہے تو بھی وہ وقف جائز ہے - واقف کا قبضہ اوسکی نابالغ اولاد کی طرف سے کافی ہوگا[۲] - اسی طرح سے اگر دادا یا باپ یا دادا کا وصی نابالغون کی طرف سے مال وقف پر قبضہ کرلے تو کافی ہے -

جواز وقف کی شرط چہارم کے باب مین سنی اور شیعہ مین بڑا اختلاف ہے - امام ابو یوسف کے نزدیک واقف مال وقف مین سے کھا سکتا ہے یعنے اوسمین اپنا حق باقی رکھ سکتا ہے - مگر مذہب شیعہ مین جواز وقف کے لیے یہ ضرور ہے کہ واقف کا کوئی حق مال وقف مین باقی رہے - چنانچہ جواہر الکلام مین لکھا ہے کہ " اگر کوئی شخص

---

[۱] جامع الشتات ۱۲ منہ [۲] محمد ابن مسلم کے قول کے موافق ۱۲ - منہ

اپنے نفس پر وقف کرے تو ایسا وقف اجماعاً باطل ہی۔ اسی طرح سے جو وقف واقف پہلے اپنے نفس پر کرے بعد اوسکے غیر پر وہ بھی باطل ہی گو بعض علمانے مثل شیخ کے فرمایا ہی کہ وہ وقف واقف کے نفس پر باطل ہوگا۔ قول اول احوط معلوم ہوتا ہی۔ علیٰ ہٰذا القیاس اگر وقف دوسرے شخص پر اس شرط سے کیا جاے کہ واقف کا قرضہ اور مصارف معمولی ادا کرے گا تو بھی وقف ناجائز ہوگا۔ اس قول کا موید وہ جواب ہی جو ابو الحسن علی ابن موسی الرضا علیہ السلام نے علی ابن سلیمان کے نامہ کا لکھا تھا۔ اوسنے امام علیہ السلام کو خط مین یہ لکھا تھا کہ۔

جُعِلْتُ فِدَاكَ يَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ یعنے مین آپ پر نثار ہون ای فرزند رسول میری کوی اولاد نہین ہی اور مینے کچھ زمین اپنے باپ سے پائی ہی اور مین اوسکو اپنے غریب اور ضعیف برادران ایمانی پر وقف کرنا چاہتا ہون۔ پس اگر مین اپنی زندگی مین اوسکو وقف کرون تو کیا مادام الحیات اوسمین سے کھا سکتا ہون۔ امام علیہ السلام نے اسکے جواب مین تحریر فرمایا کہ۔

قَدْ وَصَلَ إِلَيَّ كِتَابُكَ یعنے تیرا خط مجھکو پہونچا اور مضمون معلوم ہوا۔ اگر تو اپنی زمین اس شرط سے وقف کرے کہ اوسمین سے خود کھایا کرے گا تو ایسا وقف جائز نہ ہوگا۔ اگر تو وارث رکھتا ہی تو اوس زمین کو بیچکر ایک جزو اوسکی قیمت کا فقرا کو دیدے یا اوسقدر اوسمین سے اپنے لیے باقی رکھ جو تیری زندگی بھر تیری بسر اوقات کو کافی ہو۔ اور مابقی فقرا کو دیدے۔

مذکورہ ذیل استفتا جس سے اس مسئلہ کی مفصل کیفیت معلوم ہوجایگی جامع الشتات سے لیا گیا ہے۔

استفتا۔ اگر کوی شخص کچھ جائداد اسطرح وقف کرے کہ مینے یہ وقف دوامی کیا اور اسکی تولیت مینے اپنی زندگی بھر اپنے لیے رکھی اور اپنے مرنے کے بعد

اپنی اوس اولاد کے لیے جو اکبر او رالیق ہو بطناً بعد بطنٍ اور مینے یہ قرار دیا ہی کہ مال وقف کا منافع خراج اور مصارف تحصیل ادا کرنیکے بعد مین اپنے ذاتی امور مین صرف کرونگا اور میرے مرنیکے بعد دسوان حصہ اوس منافع کا بعد وضع کرنے محصولون اور مصارف دیگر کے متولی کو بطور حق الخدمت کے دیا جاوے اور مابقی میری اولاد مین برابر تقسیم کردیا جاوے مگر میرے بیٹون کا حصہ اونکی اولاد کو نہ ملے - اور تھوڑے عرصہ کے بعد واقف مرجاوے اور تین بیٹے اور اون بیٹون کی اولاد چھوڑ جاوے جو اوسکی زندگی مین مرچکے ہون تو آیا اوسکے پوتے مال وقف مین سے کچھہ پائینگے -

-جواب - یہ وقف ابتدا ہی سے باطل ہی کیونکہ واقف نے مال وقف کا منافع اپنی مادام الحیات اپنے لیے باقی رکھا ہی - اور جواز وقف کی ایک شرط یہ بھی ہی کہ واقف مال وقف سے بالکل دست بردار ہوجاوے - پس جب اوسنے اپنے نفس پر وقف کیا تو باطل ہوا گو اپنے بعد اوسنے اورون کو مستحقین قرار دیا ہے - اوسکے نفس پر وقف کا باطل ہونا اجماعی یعنے متفق علیہ ہی اور اور لوگون پر بھی یہ وقف اکثر علمار کے نزدیک باطل ہی کیونکہ اورون پر اس وقف کے جواز کے جو دلائل ہین وہ ضعیف ہین - اسیطرح سے اگر وہ وقف اس شرط سے کرے کہ اپنا قرضہ اور اپنے مصارف روزمرہ اوسمین سے ادا کریگا تو یہ بھی ناجائز ہی - لکن اگر وہ یہ شرط کرے کہ اوسکی اولاد اور عیال مال وقف مین سے کھاوینگے تو جائز ہی جیسا خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اونکی دختر نیک اختر صلوات اللہ علیہا کے فعل سے ظاہر ہی اور اس اعتبار سے واجب النفقہ اور غیر واجب النفقہ مین کچھہ فرق نہین ہی - اسی طرح سے متولی یا ناظر کو مال وقف سے تنخواہ دینا یا اوسمین سے کھانے کی اجازت دینا یا اورون کو اوسمین سے کھلانا جائز ہی - مسالک مین صاف لکھا ہی کہ جب واقف خود متولی ہو تو اوسکو بحیثیت متولی مال وقف مین سے کھانا جائز ہی اور یہ کھانا واقف کی منفعت ذاتی مین نہین داخل ہی -

اگرچہ صاحب کفایہ نے اس مین شک ظاہر کیا ہی کہ آیا واقف اس حیثیت سے مال وقف مین سے
کھا سکتا ہی ۔ فی الواقع اس مسئلہ مین بڑی بڑی دقتین ہین اسی وجہ سے اکثر لوگون نے
اسمین کلام کیا ہی کہ آیا واقف کو بحیثیت متولی مال وقف مین سے کھانا جائز ہی ۔ مثلاً آدمی اپنا
مال اپنی اولاد پر اس شرط سے وقف کر سکتا ہی کہ تولیت اوسکی زندگی بھر اوسکے پاس
رہے اور اوسکے مرنیکے بعد اوس اولاد کو ملے جو سب سے زیادہ لائق ہو اور واقف
یہ بھی شرط کرے کہ نو حصے مال وقف کے اوسکو بحیثیت متولی ملین اور ایک حصہ اوسکی اولاد
کو دیا جاوے اور اوسکے مرنے کے بعد بیسوان حصہ اوس مال کا اوسکے لائق ترین اولاد
کو بحق تولیت ملے اور باقی سب اولاد پر برابر تقسیم کر دیا جاوے ۔ ایسی صورت مین میرے
نزدیک وقف نہین جائز ہوگا ۔ البتہ واقف کو جائز ہی کہ اپنی مادام الحیات تولیت
اپنی اختیار مین رکھے اور یہ شرط کرنا بھی جائز ہی کہ خود متولی مال وقف مین سے کھاوے
اور اورون کو کھلائے ۔ ان دو مقدمات سے ہمارے علما نے یہ نتیجہ نکالا ہی کہ جب
واقف نے یہ شرط کرلی ہو کہ متولی خود مال وقف مین سے کھائے اور اورون کو بھی کھلائے
اور خود واقف متولی ہو تو اوسکو اوس مال مین سے کھانا جائز ہی گو چند علما نے اسکے
جواز مین کلام کیا ہی ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ متولی کے مال وقف مین سے کھانیکا جواز اوسکے
حیثیت متولی پر موقوف ہی اور واقف کے متولی ہونے پر نہین موقوف ہی ۔ اور اسپر علما
کا اتفاق ہی کہ جب متولیون کے لیے عموماً کچھ مال وقف مین سے مقرر کیا گیا ہو تو اگر خود
واقف متولی ہو تو اوسکو اوسقدر لینا جائز ہی جسقدر اور متولیون کے لیے مقرر کیا گیا
۔ مگر مینے یہ قول کسی عالم کا نہین دیکھا ہی کہ جب خود واقف متولی ہو تو اوسکو جائز ہے
کہ جسقدر چاہے مال وقف مین سے لے سکتا ہی صرف اسوجہ سے کہ وہ خود متولی ہی اسکے
یہ معنی ہین کہ واقف کا ایسا عام اختیار اپنے لیے باقی رکھنا جس سے وہ سب سے بڑا حصہ
مال وقف کا لینے کا مجاز ہو جاوے اور موقوف علیہم کے لیے بہت کم باقی رہجاوے اور

شرط کے منافی ہو جسکا مقتضی یہ ہے کہ واقف مال وقف مین اپنے حق ملکیت سے بالکل دستبردار
ہوجاے ۔ البتہ یہ قاعدہ اوس صورت مین نہ جاری ہوگا جسمین کسی شخص نے غربا پر وقف کیا ہو
اور وہ خود غریب ہوجاے یا اوسنے علما پر وقف کیا ہو اور وہ خود عالم ہو جاے ۔
ایسی صورتون مین واقف وقف کی منفعت مین شرکت کا مستحق ہوگا خواہ وقف کرنیکے وقت
وہ غنی ہو خواہ فقیر ہو اور خواہ بعد از آن غنی ہوجاے خواہ فقیر ہوجاے ۔ لکن اگر اوسنے
یہ شرط کرلی ہو کہ اگر مین فقیر ہوجاؤنگا تو اسکی منفعت مین شریک ہونگا تو یہ جائز نہ ہوگا ۔
اسکا نتیجہ یہ ہے کہ جب وقف من جہت العام یعنے عام مقصد کے لیے کیا گیا ہو تو واقف
کو اوسمین شریک ہونا جائز ہی ۔ اس عبارت سے ظاہر ہی کہ جب خود واقف متولی ہو تو
اوسکو مال وقف مین سے اوسقدر لینا جائز ہی جسقدر متولیون کی تنخواہ مقرر کی گئی ہو

جامع الشتات مین ایک اور استفتا درج کیا ہی جسپر توجہ کرنا لازم
ہی کیونکہ اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقف کہانتک اپنا حق مال وقف مین باقی رکھ
سکتا ہی ۔ استفتا ۔ زید نے ایک جائداد مین چھ دام اور ایک چکی مین سے چھ دام
وقف کرکے وقف نامہ لکھدیا اور اوسپر ایک مجتہد کی گواہی لکھوادی جواب مرگئے ہین
۔ اوس وقف نامہ کا مضمون یہ ہے کہ مال وقف مین سے چار دام واقف کی اولاد
ذکور کو بطناً بعد بطن ملین اور اگر اولاد ذکور نہ ہون تو اولاد اناث کو دوا ملین ۔ اور
دو دام شہور مقدسہ رجب و شعبان و رمضان کے مصارف مین لاے جائین تاکہ
اوسکا ثواب واقف کی روح کو پہونچے اور ماہ رجب و شعبان مین پندرہ قرآن ختم
رکھے جائین اور ہر قرآن خوان چار چار سیپارہ قرآن مجید کے پڑھے اور واقف
کے مرنے کے بعد نمازین پڑھین اور روزے رکھین اور اوسکا ثواب اوسکی روح
کو بخشین اور اپنی زندگی بھر واقف اوس وقف کا متولی رہے اور اوسکے مرنیکے بعد
اوسکا بڑا بیٹا متولی ہو و فستس حلے ہذا اور اپنی حین حیات واقف منفعت وقف کا

۱۹/۲۰ بحق تولیت خود لیا کرے اور ۱/۲۰ اوسکی اولاد کو دیا جاوے اور اوسکے مرنیکے بعد ۱/۲۰ متولی کو دیا جاوے اور باقی اوسکی اولاد مین تقسیم کیا جاوے آیا ایسا وقف جائز ہے

جواب - اس استفتار کا جواب نہین ہوسکتا ہے اسلیے کہ اسمین تین اعتبارات سے بحث کیجاوے - اگر وہ صرف وہ وقف نامہ جسکا مضمون اس استفتار مین لکھا ہے اس وقف کے شرائط پر شاہد ہے تو اس وقف کے جواز مین بوجوہ چند کلام ہوسکتا ہے (۱) دوام کے وقف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقف واقف کی وفات تک نہین نافذ ہوگا اسواسطے کہ واقف نے جو ہدایت اوسکی منفعت کے صرف کے باب مین لکھی ہے اوسکا نفاذ تو اوسکے وفات کے بعد صرف بطور وصیت ہوسکتا ہے کیونکہ واقف نے لکھا ہے کہ اوسکی آمدنی سے قرآن خوان رکھے جائین اور فقرار کو کھانا کھلایا جاوے اور نمازین وغیرہ پڑھوائی جائین تاکہ اسکا ثواب اوسکی روح کو پہونچے - مگر وقف کے جواز کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اوسکا نفاذ فوراً کیا جاوے - اس مسئلہ مین دوام کا وقف واقف کی وفات پر موقوف رکھا گیا ہے اور اس جزو وقف کی منفعت کا کوئی مستحق نہین ہے مگر یہ قیاس کیا جاوے کہ خود واقف اسکا مستحق ہے اور یہ ناجائز ہے - اور اگر یہ کہا جاوے کہ اس دوام کی منفعت واقف کی وفات کے وقت تک کسی کار خیر مین عموماً صرف کیجاوے اور اوسکے مرنیکے بعد قرآن خوان وغیرہ کو دیجاوے جیسا اوسنے لکھا ہے تو یہ خود وقف نامہ کے مضمون کے خلاف ہے - پس پر ظاہر ہے کہ یہ وقف باطل ہے کیونکہ یہ معنا یہ وقف واقف کے نفس پر ہے -

اسی طرح سے اگر کوئی شخص اس شرط سے وقف کرے کہ وقف کی آمدنی سے اوسکا قرضہ ادا کیا جاوے تو ایسا وقف ناجائز ہوگا - لکن اگر کوئی شخص اپنی جائداد اس غرض سے وقف کرے کہ فروخت کیجاوے اور محاصل بیع سے اوسکا قرضہ ادا کیا جاوے اور باقی کسی کار تجارت وغیرہ مین لگا کر اوسکی منفعت اسونڈ ہی

یا کار ہاے خیر مین صرف کیجاے یا کسی مسجد یا امام باڑہ وغیرہ کے مصرف مین لای جاے ـ یا اور رسوم مذہبی یا عبادت مین صرف کیجاے تو ایسا وقف جائز ہوگا

اگر کوی شخص اپنے نفس پر اور فقرا پر وقف کرے تو نصف

وقف جو فقرا پر ہی جائز ہوگا اور نصف وقف جو واقف کے نفس پر ہی باطل ہوگا ـ ہای کورٹ الہ اباد نے یہی اصول بمقدمہ حاجی کلب حسین بنام مہرن بی بی جاری کیا ـ اس مقدمہ کا فیصلہ ایسا اہم و ضروری ہی کہ اوسکو بالاستیعاب نقل کرنا فائدہ سے خالی نہین ہے[۱] ـ

۱۸۵۹ع مین ایک عورت صاحبزادی بیگم نے ایک وقف نامہ تحریر کرکے کچھ روپیہ اور کچھ مال مقبوضہ اپنا بعض امور مذہبی اور دیگر امور کے لیے حسب تفصیل ذیل وقف کیا ـ یعنے دو ثلث مال وقف اپنی زندگی بھر اپنے مصارف ضروری کے لیے وقف کیا اور مابقی ایک ثلث وقف کی آمدنی کا واقفہ نے پانچ حصون پر تقسیم کرکے لکھا کہ انمین سے کچھ حصے تو بعض اشخاص مندرجہ وقف نامہ کو دیے جائین جنکے سپرد امور مذہبی کا انصرام کیا گیا ہی اور مابقی رسوم مذہبی مصرحہ وقف نامہ مین صرف کیے جائین واقفہ نے اپنے تئین متولیہ مقرر کیا اور یہ لکھا کہ پچپن حصص مصرحہ وقف نامہ اوسکے زمانہ تولیت مین وقف رہین گے اور اس مال وقف کو منتقل کرنیکا اختیار نہ خود اوسکو ہوگا نہ اوسکے تفویض داریا قائم مقام کو ہوگا اور یہ بھی لکھا ہے کہ واقفہ کی تولیت کے بعد جو متولی مقرر ہو اوسکو چاہیئے کہ مالگذاری سرکاری اور مصارف انتظام وغیرہ سے جو کچھ بچے اوسکے ۱۶۵ حصے کرکے ۵۵ حصے اپنی متولی گری کے واسطے رکھے اور باقیماندہ حصص حسب ہدایت مندرجہ وقف نامہ چند اشخاص کو جنکی تصریح اوسمین موجود ہے بطور پنشن کے دے کہ چند رسوم مذہبی ادا کرین اور اور چند مقاصد

---

[۱] رپورٹ ہای کورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۴ صفحہ ۱۵۵ ۱۸۷۲ع سنہ ـ

مذہبی مین صرف کرین اس وقف نامہ کی روسے ۵ حصص آمدنی وقف مین سے واقفہ کی حیات مین ایک حصہ مدعی کو ملنا چاہیئے تھا جو ہای کورٹ مین رسپانڈنٹ کی حیثیت رکھتا تھا اور منجملہ ۱۶۵ حصون کے جن مین وقف کی آمدنی تقسیم کی گئی تھی ۱۰ حصے واقفہ کی تولیت ختم ہونے کے بعد خود اوسکو اور اوسکے مرنیکے بعد اوسکے ورثہ کو بطناً بعد بطن اس شرط سے ملنے چاہیئے تھے کہ وہ اون رسوم مذہبی کو ادا کیا کرین جنکی تصریح وقفنامہ مین لکھی ہے ۔

واقفہ سنہ ۱۸۷۲ع مین مر گئی اور جب رسپانڈنٹ نے وہ حصص نہ پائے جو اوسکو دستاویز سنہ ۱۸۵۱ع مین بطور وقف دے گئے تھے تو اونکی دلا پانے کی نالش کی عدالتہاے ماتحت نے مدعیہ کے دعوے کی ڈگری دی - اپیل خاص مین یہ بحث کی گئی کہ رسپانڈنٹ کو چاہیئے تھا کہ نالش دائر کرنے سے پیشتر عدالت کی منظوری حسب دفعہ ۱۸ ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ع حاصل کرتی - اس عذر کی نسبت ہای کورٹ نے یہ تجویز فرمایا کہ دفعہ مین عدالت کی منظوری حاصل کرنی صرف اوس صورت مین ضروری لکھی ہے جبکہ نالش اس ایکٹ کے بموجب دائر کیجائے - مگر یہ نالش اوس ایکٹ کی روسے نہین دائر ہوی ہے بلکہ رسپانڈنٹ نے یہ نالش واسطے دلا پانے ایک مالی حق کے جو بموجب دستاویز مکتوبہ سنہ ۱۸۵۱ع اوسکو دیا گیا ہے دائر کی ہے - اس ایکٹ مین اون اشخاص کو نالش کرنیکا اختیار دیا گیا ہے جنکا نالش کرنیکا حق بلا لحاظ اس ایکٹ کے مشکوک ہو سکتا ہے مگر اسمین اون لوگون سے جو رسپانڈنٹ کی حیثیت رکھتے ہون نالش کرنیکا وہ حق نہین لے لیا گیا ہے جو وہ قطع نظر اس ایکٹ کے رکھتے ہون اور نہ اسمین اونپر لازم کر دیا گیا ہے کہ نالش دائر کرنیکے لیے عدالت کی منظوری حاصل کرین - علاوہ برآین یہ ایکٹ اون اوقاف سے متعلق ہے جنسے قانون ۱۹ سنہ ۱۸۱۰ع اوسوقت متعلق نہ تھا جسوقت یہ ایکٹ پاس ہوا تھا - اور ہمارے نزدیک اوس قانون کے احکام اوس وقف سے نہین متعلق ہین

جو بذریعہ دستاویز سنہ ۱۸۵۰ء کیا گیا ہی۔ اس جائداد وقفی کا انتظام عہدہ داران گورنمنٹ نے کبھی نہین اختیار کیا تھا۔ جسوقت ایکٹ مذکور پاس ہوا تھا اوسوقت متولی کو نامزد کرنا گورنمنٹ سے یا کسی عہدہ دار گورنمنٹ سے متعلق تھا۔ شاید بعض حالات مین متولی کو نامزد کرنا آیندہ کسی عہدہ دار سرکاری سے متعلق ہو جاے مگر ہنوز یہ امور وقوع مین نہین آے ہین۔ لہذا ہم اس عذر کو نامنظور کرتے ہین،،۔

اسکے بعد ججان ہای کورٹ نے سب سے بڑے عذر کا تصفیہ بعبارت ذیل فرمایا ہے ،، یہ بحث کی گئی ہی کہ سنہ ۱۸۵۰ء کی دستاویز وقف نامہ جائز ازروے مذہب امامیہ نہین ہی۔ اولاً اسواسطے کہ صاحبزادی بیگم جائداد وقفی پر تاریخ وقوع ہبہ (؟) سنہ ۱۸ء مین مورث قابض رہی۔ ثانیاً اسواسطے کہ اوسنے دو ثلث آمدنی جائداد وقفی کے اپنی حیات تک اپنے مصارف ضروری کے لیے باقی رکھی۔ مذہب شیعہ مین جواز وقف اسپر موقوف ہی کہ وقف مطلق اور غیر مشروط ہو اور شے موقوف پر قبضہ کرا دیا جاے اور واقف کے قبضہ سے بالکل نکال لیجاے۔ پس ہمکو پہلے اسمین غور کرنا چاہیے کہ آیا مال وقف پر قبضہ کرا دیا گیا تھا۔ ازروے شرع محمدی واقف کو اپنے تئین خود متولی مقرر کرنا جائز ہی پس جب واقفہ نے خود اپنے تئین متولیہ مقرر کیا اور اپنے کردار سے بعد تحریر کرنے وقف نامہ سنہ ۱۸۵۰ء کے یہ ظاہر کر دیا کہ وہ جائداد وقفی پر حسب شرائط وقف نامہ بطور متولیہ قابض ہی تو ہمارے نزدیک قبضہ کا ثبوت کافی اوسقدر موجود ہی جسقدر شرعاً ضرور ہی۔ مگر ہماری راے یہ بھی ہی کہ دو ثلث جائداد وقفی کا وقف بموجب وقف نامہ سنہ ۱۸۵۰ء وقف جائز نہین ہوا۔ واقفہ نے دو ثلث منفعت مال وقف مین سے اپنی حیات تک اپنے مصارف کے لیے باقی رکھا لہذا اس صورت مین اور اون صورتون مین جو شرایع الاسلام مین لکھے ہین کچھ فرق نہین ہی۔ اب اس امر کا تصفیہ کرنا باقی رہا کہ آیا دو ثلث مال وقف کی نسبت وقف نامہ سنہ ۱۸۵۰ء کے ناجائز ہو جانے کیوجہ سے کل وقف باطل ہو گیا یا صرف اوس دو ثلث کی نسبت باطل ہوا

شمس ایمبع الاسلام مین لکھا ہی کہ جب وقف کسی شخص پر اس شرط سے کیا جاوے کہ وہ واقف
کا قرضہ یا مصارف ضروری مال وقف سے ادا کرے تو ایسا وقف باطل ہی۔ مگر یہ شرط
نا محدود منفعت کی نسبت ہے اور اس مقدمہ مین آمدنی کا ایک ثلث جزو محدود ہی اور واقف
دنیاوی فائدہ کے سوا اور مقاصد کے لیے مطلقاً اور دواماً وقف کیا گیا ہی اور واقف
کے قبضہ سے بالکل نکل گیا ہی اور جب مشاع یعنے کسی چیز کے جز و غیر منقسم کا وقف جائز ہے
تو ہمکو یہ تجویز کرنا بھی جائز ہی کہ وقف نامہ ۱۸۵۵ء ایک ثلث آمدنی وقف کی نسبت جائز ہی اور بقیہ
مال وقف کا اوس وقف کے لئے کافی ہے جسکو واقف نے لکھا ہے کہ اوسکی تولیت کے بعد
نافذ کیا جاوے - لہذا رسپانڈنٹ کے دعوے مین دو ثلث کی کمی کرنی چاہیئے -

اگرچہ واقف کو اپنے نفس پر وقف کرنا نہین جائز ہی تاہم اگر وقف
راہ خدا مین یا کسی امر مذہبی یا کار خیر کے لیے کیا ہی یعنے مثلاً مسجد کے واسطے کیا ہی تو واقف
کو اوس سے منتفع ہونا جائز ہی یعنے اوس مسجد مین نماز جماعت مین شریک ہونا اور خود اوسمین
نماز پڑھنا جائز ہی - اسی طرح سے وقف عام مین جائز ہی جیسے پل یا مسافر خانہ - جو وقف عام
نہ ہو اور جسکی منفعت مین واقف ایک حد تک خود ضمناً شریک ہو سکتا ہی اوسکے باب مین
جو امر ضروری تصفیہ طلب ہی وہ یہ ہی کہ آیا واقف نے وہ حق اپنے لیے عمداً باقی رکھا ہی
- اگر واقف منفعت وقف مین ایسی خفیف شرکت کرے کہ یہ نہ معلوم ہو کہ اس وقف
واقف نے جس جائداد کی تدبیر صرف اپنے ذاتی فائدہ کے لیے کی ہی تو ظاہرا ایسی شرکت
اوسکی ناجائز نہ ہو گی - یہ نتیجہ اون دقیق دلائل سے نکالا گیا ہے جو جو اہر الکلام مین
لکھی ہین

اگر کوئی شخص اس شرط سے وقف کرے کہ عند الضرورت جائداد وقفی
کو واپس کر لیگا تو یہ شرط جائز ہو گی مگر وقف باطل ہو گا اور صرف بطور حبس کے نافذ
ہو گا اور جب کوئی ضرورت لاحق ہو گی تو وہ جائداد واقف پر عود کریگی - مگر وہ ضرورت

ایسی ہو جو عرفاً ورواجاً جائز سمجھی جاوے نہ یہ کہ کوی فرضی یا قیاسی ضرورت ہو جب جائداد وقفی واقف پر عود کریگی تو اختیار انتقال اوس سے متعلق ہوجاے گا۔

یہ شرط کرنا نہین جائز ہے کہ واقف جسکو چاہے گا منفعت وقف سے خارج کردے گا مگر یہ شرط کرنا جائز ہی کہ نئے لوگ اوس منفعت مین شریک کیے جائین گے الا ان وقف جو اولاد پر کیا گیا ہو۔

جب وقف کسی کی اولاد پر عموماً کیا گیا ہو تو اوسمین وہ اولاد بھی داخل ہی جو وقف کے بعد پیدا ہوی ہو گو اس مضمون کی خاص شرط نہ کرلی گئی ہو۔ مگر جب اولاد پر وہ جائداد وقف کیجاے جو اونکے حوالہ کردی گئی ہی تو اوسمین وہ اولاد نہ داخل ہوگی جو وقف کے بعد پیدا ہوی ہو مگر یہ کہ ایسی خاص شرط کرلی گئی ہو۔

جب کسیکے اطفال صغیر پر وقف کیا جاوے تو واقف شرائط وقف کو اس طرح سے نہ بدل سکے گا کہ اوسکی منفعت مین غیر لوگ بھی شامل ہوجائین الا یہ کہ اوسنے اس مضمون کا اختیار اپنے لیے باقی رکھا ہو۔[1]

اقباض موقوف علیہ اول کا شرط ہی اور بعد کی کارروای مین قبضہ کا لحاظ مطلق نہین رہتا۔ انتقال مین قبضہ واقعی ضرور نہین ہے بلکہ صرف نوعیت قبضہ مین کچھ تغیر کردینا لازم ہی کیونکہ واقف وقف کرکے موقوف علیہم کی طرف سے بطور متولی قابض رہ سکتا ہی۔ اوسکے اسطرح قابض رہنے کا کچھ اثر اوس وقف کی حقیقت شرعیہ پر نہ ہوگا۔

چونکہ موقوف علیہ اول کے اقباض سے صرف یہ مراد ہے کہ قبضہ کی نوعیت مین کچھ تغیر کردیا جاوے لہذا تفویض یا اقباض فحوای یا ضمنی کافی ہی۔ شرع حنفی کی بحث مین بیان ہوچکا ہی کہ جب موقوف علیہ یا متولی کا قبضہ پیشتر ہی سے موجود ہو تو باضابطہ طور سے اوسکا قبضہ کرانا کچھ ضرور نہین ہی مثلاً جب زید نے ایک جائداد جو اوسکے قبضہ مین تھی

---

[1] شرائع الاسلام ۱۲ منہ۔

اپنے کارخیر کے ذریعہ سے وقف کی ہو اور بکر کو اوسکا متولی مقرر کیا ہو تو پھر اوسکا قبضہ کرانیکی کچھ ضرورت نہین ہی کیونکہ بکر کا تعلق بحیثیت کارندگری وقف کے ساتھ جاتا رہے گا اور وہ جائداد اوسکے قبضہ مین بحیثیت متولی بدستور باقی رہے گی۔

لہذا یہ عبارت جو شرائع الاسلام مین لکھی ہی کہ "اقباض موقوف علیہ اول کا ضروری ہی"۔ آمین اور قرائن اور حالات کا بھی لحاظ کامل کرنا ضرور ہے اور خود موقوف علیہ یا موقوف علیہم کا اقباض بھی ضرور نہین ہی۔ بلکہ جو شخص اونکا کارندہ یا مختار صریحاً یا ضمناً ہو وہ قبضہ کرسکتا ہے۔ جب وقف کسی عام امر مذہبی یا کار خیر کے لیے کیا گیا ہو مثلاً فقرا یا علما یا طلبہ وغیرہ پر وقف کیا گیا ہو تو موقوف علیہم من حیث المجموع تو اوسی طرح نہین قبضہ کرسکتے۔ لہذا حاکم کا قبضہ یا اوس شخص کا قبضہ کافی ہی جسکو واقف یا حاکم منتظم مال وقف مقرر کردے۔

واقف کو اپنے تئین یا اور شخص کو وقف کا متولی مقرر کرنا جائز ہے

جب وقف کسی مصلحت عامہ یا کار رفاہ عام کے لیے کیا جاوے مثلاً مسجد یا پل یا سرا وغیرہ تو ایسے وقف مین قبول شرط نہین ہی نہ کسی شخص خاص کا اقباض شرط ہی جو اوس مصلحت یا کار رفاہ عام سے منتفع ہو صرف ناظر یا متولی یا منتظم وقف کا قبضہ کرادینا کافی ہی جب واقف نے کوئی متولی یا منتظم مقرر کردیا ہو تو حاکم شرع سے پوچھنے کی کچھ ضرورت نہین ہی۔ جب اوسکے تقرر کی بابت کچھ تنازع واقع ہو تو حاکم شرع ایک ناظر مقرر کردیگا کیونکہ وہ سب مسلمانون کے حقوق کا حافظ ہوتا ہے

جب وقف مسجد کے لیے کیا جاوے یعنے جب کوئی جگہ یا کوئی مکان مسجد کے لیے وقف کیا جاوے تو اگر وہان ایک آدمی نے بھی نماز پڑھی ہو تو بھی وہ وقف جائز ہوگا۔ اسی طرح سے قبرستان مین ایک مردہ کے دفن ہونے سے بھی وقف ہوجاویگا۔ مگر یہ ذہن نشین رہے کہ مالک کی نیت کا ظاہر ہونا واجب ہی۔ مثلاً اگر مالک مکان کسی شخص کو

اپنے مکان مین نماز پڑھنے کی اجازت دے یا اگر اپنے مکان مسکون مین کسی کو ہمیشہ نماز پڑھنے
کی اجازت دے تو ایسی اجازت سے وہ مکان مسجد یا عبادت خانہ نہ ہو جائیگا۔ لکن اگر کوئی
شخص کہے کہ مینے اپنا مکان بطور مسجد کے وقف کیا اور بعد اوسکے کسی اور شخص کو وہان نماز
پڑھنے دے تو اتنا کرنے سے وہ وقف ہو جاے گا ۔۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص مسجد
کے قطع کا مکان بنوالے اور کسی کو اوس مین نماز پڑھنے کی اجازت دے تو اتنا کافی ہی
گو اوسنے بالتصریح وقف نہ کیا ہو۔

اگر کوئی مردہ کسی زمین مین دفن کیا جاے یا کسی مکان مین نماز پڑھی جاے
مگر واقف نے اوسکے وقف کی نیت صریحاً یا ضمناً نہ بیان کی ہو تو یہ اوس زمین یا اوس مکان کے
وقف کے لیے کافی ہے۔

اگر باپ یا دادا اپنی کوی جائداد اپنے بیٹے یا پوتے پر وقف کرے
اور اوسکی طرف سے اوس جائداد پر قابض رہے گو اوسکا متولی مقرر ہو چکا ہو تو ایسا قبضہ
جائز ہی اور شرعاً موقوف علیہ کا قبضہ سمجھا جاے گا

جو مال امور مذہبی یا کار ہاے خیر کے لیے وقف کیا گیا ہو اوسمین حق اللہ تعالےٰ
کا ہے اسواسطے کہ کوئی مال ایسا نہین ہی جسکا کوی مالک ہو اور چونکہ ایسے وقف عام کا کوی مالک خاص
نہین ہوتا لہذا وہ مال ضمناً مال خدا سمجھا جاے گا۔

جب کسی شخص کی اولاد کی اولاد پر وقف کیا گیا ہو تو بیٹے کی اولاد بیٹی کی
اولاد کے ساتھ اوسکی منفعت مین شریک ہوگی۔

جب وقف کسیکی اولاد اور اوسکی اولاد پر کیا گیا ہو تو اوسمین تیسری پشت
کی اولاد نہ شامل ہوگی الا یہ کہ واقف کے کلام سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اوسکی نیت یہ تھی کہ
سب اولاد جو اوسکی نسل سے ہو اس وقف کی منفعت مین شریک کیجاے۔

جب کسی کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اوسکی اولاد پر وقف کیا جاے

تو اوسکی نسل مین جو لوگ زندہ رہگئے ہون وہ سب اوس وقف کی منفعت مین برابر حصہ پاینگے الا یہ کہ یہ کہدیا گیا ہو کہ اونکو بطناً بعد بطن دیا جاے کہ اس صورت مین ایک بطن کے بعد دوسرے بطن کو ملے گا۔

جب وقف عموماً اولاد پر کیا جاے تو اوسکی منفعت واقف کی سب اولاد پاے گی اور جب اونمین سے کوئی زندہ نرہے گا تب ہی فقرا کو دیجاے گی۔

جب وقف کسی مسجد پر کیا گیا ہو اور وہ مسجد خراب و برباد ہوگئی ہو یا جس محلہ یا گاؤن مین وہ مسجد ہے وہ ویران ہوگیا ہو تو بھی وہ وقف باقی رہے گا اور ملک وقف واقف پر عود کریگا باوجودیکہ اوس مسجد کے آثار و علامات کے سوائے اور کچھ بھی باقی رہا ہو اس مسئلہ پر علمائے شیعہ کا اجماع ہے۔

جب کوئی مکان وقفی ایسا برباد ہوجاے کہ کچھ آثار و علامات اوسکے نہ باقی رہین تو جس زمین پر وہ مکان بنا تھا وہ وقف سے خارج نہ ہوجاے گی اور فروخت نہ ہوسکے گی یعنے اوس مکان کے خراب ہوجانے سے اوسکا وقف نہین باطل ہوجاے گا کیونکہ وقف کی خاصیت دوام و استمرار ہے۔

جب یہ معلوم ہوجاے کہ اگر مال وقف کو بیچکر محاصل بیع یعنے اوسکی قیمت کسی تجارت مین لگائی جائے یا اور کوئی جائداد کثیر المنفعت خریدلیجاے تو مستحقین وقف یا موقوف علیہم کو زیادہ فائدہ ہوگا تو متولی اوس جائداد کو فروخت کرسکتا ہے جب موقوف علیہم یا مستحقین وقف مین تنازعات پیدا ہون اور یہ معلوم ہو کہ وقفی جائداد کا اسکی ہیئت اصلی پر رکھنے سے نقصان عظیم ہوگا تو اوسکو فروخت کرنا جائز ہے۔ واقف کو اس مضمون کی شرط کرنا جائز ہے کہ متولی کو اختیار ہوگا کہ اس جائداد کو بیچکر اسکی قیمت کسی ایسے کام مین لگاے جس سے زیادہ تر فائدہ ہو۔

جب وقف غربا پر کیا گیا ہو تو غربا شہر کو اور جو لوگ اوس

منفعت ہونا چاہین اونکو دیا جاے گا - متولی کو یہ ضرور نہین ہی کہ لوگون کو تلاش کرکے منفعت وقف اونہین تقسیم کرے - امام ابوجعفر ثانی یعنے امام محمد تقی علیہ السلام نے ابو علی ابن سلیمان کے نامہ کے جواب مین ارشاد فرمایا کہ جب کسی شخص کی اولاد محتاج پر کچھ زمین وقف کی گئی ہو تو اوسکی منفعت اون مین سے اون لوگون کو دیجاے گی جو اوس شہر مین رہتے ہون جہان وہ زمین وقفی ہو - یا جو لوگ اوسکو لینے آئین اونکو دیجاے متولی کو اونکی تلاش کرنا واجب نہین ہے -

صدقہ بعد اقباض نہین منسوخ ہو سکتا کیونکہ وہ بمنزلہ ہبہ بالعوض کے ہی صدقہ سے مقصود تقرب اور خوشنودی خدا حاصل کرنا ہے اور جب صدقہ کر دیا گیا تو خوشنودی خدا حاصل ہو گئی پھر منسوخ نہین ہو سکتا ہے -

تیرہوان ۱۳ باب

فصل اول

احکام وقف موافق مذہب مالکی -

سانٹیر اصاحب عالم فرانسیسی نے اپنی کتاب کے باب الاوقاف کے مقدمہ مین شرع مالکی کے باب مین تقریر ذیل لکھی ہے -

وقف کا مسئلہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے جاری ہے - صحیح بخاری مین یہ حدیث لکھی ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب رض کو کچھ جائداد خیبر مین مل گئی پس ایک روز اونھون نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہو کر عرض کیا کہ مین اس جائداد کو بہت عزیز رکھتا ہون یا رسول اللہ مین اس جائداد کو کیا کرون کہ خداوند عالم مجھسے راضی اور خوشنود ہو - آنحضرت صلعم نے فرمایا اوسکو وقف کرکے اوسکی آمدنی فقرا پر تقسیم کرو حضرت عمر نے آنحضرت کی تعمیل ارشاد کی اور اوس جائداد کو وقف کیا تھا فروخت نہین ہو سکتا نہ ہبہ ہو سکتا ہی نہ وراثتاً مل سکتا ہے -

دراصل وقف ایک قسم کا عطیہ کسی امر دینی یا کار خیر کے لیے تھا جس سے واقف کو مال وقف سے فوراً دست بردار ہو کر دس کار خیر کے لیے دیدینا پڑتا تھا جس کام کے لیے وہ وقف کیا گیا تھا۔ مگر خلفار راشدینؓ اور علمار دین کو یہ منظور ہوا کہ اوقاف بہ کثرت وقوع مین آئین اسلیے اوبھون سنے واقفین کو اجازت دی کہ درمیانی حق دار یا موقوف علیہم جتنی چاہین مقرر کرین تو پھر یہ سمجھنا کیا مشکل ہی کہ وقف کا اصول در آنحالیکہ اپنی ہئیت اصلی پر باقی ہی مسلمانون کی جائدادوین مانع توریث ہوا ہے اور زوجہ اور مادر اور دختر وغیرہم سب کے حقوق مین خارج ہوا ہے اور مسلمان کی ساری جائداد کو اوسکی اولاد ذکور مین باقی رکھا ہے[۱]۔ مگر سب اوقاف دختران و ازواج واقفین کو محجوب الارث نہین کر دیتے۔ بلکہ بعض اوقاف ایسی ہین جنمین مال وقف سب اولاد پر بلا امتیاز ذکور و اناث برابر تقسیم کیا جاتا ہی اور اکثر اوقاف ایسے بھی ہین جنمین تقسیم موافق نص قرآنی کے ہوتی ہے آخر الذکر اوقاف سے صرف ایک ہی غرض معلوم ہوتی ہی کہ مال وقف مین ایک ایسی ثبات پیدا ہوجاے تاکہ اوسکو سلطان غصب یا ضبط نہ کر سکے۔ اوقاف کے باب مین صوبۂ الجیریا کے حنفیہ اور مالکیہ دونون فرقون کے احکام متحد بھی ہین اور مختلف بھی ہین۔ مسلمانون کا ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے مسائل کو اختیار کر سکتا ہے۔ مگر دونون فرقون کا مذہب نہین اختیار کر سکتا[۲]۔

جو لوگ ہبہ کر سکتے ہین وہ سب شرعاً وقف بھی کر سکتے مین۔ پس واقف کو چاہیے کہ (۱) آزاد ہو غلام نہ ہو (۲) صحیح العقل ہو مجنون نہ ہو (۳) صحیح و سالم ہو یعنے مرض الموت مین نہ مبتلا ہو۔ بیمار آدمی کا وقف مثل وصیت کے ہی۔ اگر وارث پر کیا گیا ہو تو باطل ہی اگر غیر وارث پر کیا گیا ہو تو فقط ثلث مال مین نافذ ہو سکتا ہی چنانچہ خلیل ابن اسحق نے

[۱] یہ قول امام اعظم ابو حنیفہ کا ہی۔ امام مالک کے نزدیک واقف وقف سے اپنی بیٹیون کو نہین خارج کر سکتا ۱۲ منہ

[۲] ساٹیر صاحب کی شرح مالکی صفحہ ۳۴۷۔ اس باب کے احکام وقف اکثر اسی کتاب سے لیے گئے ہین ۱۲ منہ

فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص مرض الموت کی حالت مین ورثہ پر وقف کرے اور اوسی مرض مین مرجاے تو وہ وقف باطل ہے مگر جب ورثہ کے سواے اپنی نسل کے اور لوگون پر وقف کرے تو جایز ہی بشرطیکہ وقف مین ثلث متروکہ سے زیادہ شامل ہو۔

(۴) جس مال کو وقف کیا ہی اوسپر قابض ہو یعنے اوسپر اختیار رکھتا ہو۔

لہذا عدالتون نے وقف کو باطل کر دیا ہی (الف) جب واقف بہت مقروض مرگیا ہی اور مال وقف کو بیچکر اوسکا قرضہ ادا کرنا پڑا ہے۔ (ب) جب واقف کا قرضہ اوسکی جایداد سے زیادہ ہوگیا ہی۔ (ج) جب واقف قبضہ مالکانہ جایداد وقفی پر اوس وقت نہ رکھتا تھا جب اوسنے اوسکو وقف کیا تھا۔

۵۔ بالغ وعاقل ورشید ہو اور بیکار خود مختار ہو۔ لہذا عورت بلا رضامندی اپنے شوہر کے اپنے مال کے ایک ثلث سے زائد کو نہین وقف کرسکتی۔

غیر مسلم جسمین سب شرائط جمع ہون اپنی جایداد کلاً یا جزاً وقف کرسکتا ہے جو لوگ دین اسلام کے پیرو نہین ہین اونکو صرف ایک وقف کرنا شرعاً نہین جائز ہی یعنے وہ مسجد پر کوئی چیز نہین وقف کرسکتے۔ جیسا ایک کتاب مین لکھا ہے کہ کافر مسجد پر کچھ نہین وقف کرسکتا۔ وقف ہر شخص پر ہوسکتا ہی جو جایداد پر قبضہ کرسکتا ہے۔ اور جو لڑکے ہنوز نہ پیدا ہوے ہون اون پر اور اشیار غیر موجودہ پر بھی ہوسکتا ہے۔ لہذا واقف اشخاص ذیل کو موقوف علیہم قرار دے سکتا ہے۔

(الف) مسلم یا غیر مسلم کو بشرطیکہ وہ دارالاسلام کا باشندہ ہو۔ لفظ مطیع الاسلام جو فقہا رنے لکھا ہی اوس سے یہی مراد ہی اور مسئلہ ذیل کا بھی یہی مفاد ہی "وقف غیر مسلم پر جو دارالحرب کا باشندہ ہو ناجائز ہی"

(ب) مردون اور عورتون کو۔

(ج) بالغون اور نابالغون کو۔

(د) ورثہ اور غیر ورثہ کو۔

(ھ) غیروں کو۔

(و) کارہائے خیر کے لیے مثلاً قبرستان یا کاروان سرائے یا کسی ولی کا مقبرہ یا حرمین شریفین یعنے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ۔

(ز) محتاجوں اور بیماروں اور لنگڑوں لولوں کو۔

واقف کو اختیار ہے کہ موقوف علیہم اپنے خاندان یا غیر خاندان سے مقرر کرے مگر کلام اسمین ہی کہ آیا یہ اختیار اوسکا مطلق ہے۔ اور آیا اوسکو اتنا اختیار ہی کہ اپنی بیٹیون کو وقف سے خارج کرے۔ خلیل ابن اسحق کا کلام اس باب مین قطعی ہی۔ وہ فرماتے ہین کہ "بیٹیون کو خارج کرکے بیٹون پر وقف کرنا شرعاً نہین جائز ہی۔ اور یہی قاعدہ صوبہ الجیرس کی عدالتون نے ہمیشہ جاری کیا ہی۔ چنانچہ ایک ڈگری مین جو ۲ دسمبر ۱۸۶۲ء کو صادر ہوی تھی یہ عبارت لکھی ہی کہ "چونکہ مسلمانون کے عقائد مذہبی اور قوانین دنیوی کا دارومدار قرآن مجید پر ہی اور ترتیب وطریقہ میراث نصوص قرانی سے اخذ کیا گیا ہی اور چونکہ تقسیم ترکہ مین اولاد اناث کو ایک حصہ دیا گیا ہی اور اولاد ذکور کی خاطر سے اناث اپنے حق سے محروم نہین رکھی گئی ہین مگر یہ کہ شارع علیہ السلام کے حکم مین کوی غلط فہمی کرے لہذا جو وقف اناث کو محروم کرکے کیا گیا ہو وہ بالکل خلاف شرع اور مخالف احکام شارع ہی پس ایسے وقف کو باطل کردینا جائز ہی۔

پھر دوسری ڈگری مصدورہ ۳۰ نومبر ۱۸۶۲ء مین لکھا ہے کہ "یہ وقف موافق مذہب مالکی ہوا تھا اور اس مذہب مین اولاد اناث وقف کی منفعت سے خارج نہین ہوسکتی لہذا وقف نامہ باطل ہی۔ سیدی خلیل کے نزدیک واقف اپنے بیٹیون کو

---

[1] شرح جنفی کے احکام وقف اور اگلیو صاحب کا قانون اوقاف صفحہ ۳۴۹ — ۳۵۱ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

[2] مذہب حنفی مین ایسا وقف مکروہ ہے باطل نہین ہے ۱۲ ۔ منہ ۔

وقف سے شرعاً خارج کر سکتا ہے اور پرن صاحب لکھتے ہین کہ "بیٹیون کے بالعکس بیٹے وقف سے خارج ہوسکتے ہین مگر عدالتین اون علمار مالکی کے قول پر عمل کرنا نہین چاہتین جسکا یہ مقولہ ہے اور عدالتون نے اوس اصول کو جیسے سیدی خلیل نے مقرر کیا ہے ایسا وسیع کر دیا ہے کہ بیٹے اور بیٹی دونون پر حاوی ہوگیا ہے اور یہ اعلان کر دیا ہے نہ کوی بیٹا اور بیٹی منفعت وقف سے نہ خارج کیجاسے عدالت الجیرس کی ایک ڈگری مصدورہ ۲۰ مارچ ۱۸۶۵ء مین لکھا ہے کہ "نص قرانی کے بموجب بیٹا متروکہ پدری مین ایک سہم معین پانیکا مستحق ہے اور اوس سے صریحاً و ضمناً محروم نہین ہوسکتا - پس جو وقف باپ نے اپنے بیٹے پر کیا ہو اور بیٹی کو اوس سے خارج رکھا ہو اوسکو یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ سفی الواقع ایک وقف تلبیسی ہے اور بالکل خلاف شرع ہے اور اس وجہ سے اوس وقف کو منسوخ کرنا واجب ہے

بہر کیف صرف پہلے طبقہ کی اولاد کا اخراج وقف سے ممنوع ہے

- اور سیدی خلیل نے فقط اون اوقاف کو ناجائز فرمایا ہے جو بیٹیون کو خارج کر کے بیٹون پر کیئے گیئے ہون - لہذا عدالتون نے اشخاص ذیل کا اخراج وقف سے منظور فرمایا ہے -

(الف) پوتا -

(ب) نواسی -

(ج) بیٹی کی سب اولاد نواسا ہو خواہ نواسی -

(د) پوتیان -

واقف نہ صرف موقوف علیہم اول کو مقرر کر سکتا ہے بلکہ سب حقداران وقف کو یکے بعد دیگرے جس ترتیب سے چاہے نامزد کر سکتا ہے - اور اوسکو اختیار ہے کہ جو حق جانشینی شرع مین دیا گیا ہے اوسکے علاوہ کوی خاص حق جانشینی عطا کرے

واقف کہہ سکتا ہے کہ (۱) حق قائم مقامی تسلیم کر لیا جاسے (۲) منفعت

وقف موقوف علیہم پر فرداً فرداً تقسیم کیجاے - (۳) تقسیم موقوف علیہم پر لحاظ اونکی تذکیر
وتانیث کے کیجاے - اگر وقف نامہ مین یہ امور نہ لکھے ہون تو قواعد ذیل کی پابندی
کیجاے گی ،، -

قائم مقامی کے باب مین کچھ دقت نہین ہی - قائم مقامی کا اصول شرع
محمدی مین نہین ہی - پس جسطرح امور وراثت مین اس اصول کو جاری کرنیکی کوی وجہ نہین ہی
اوسی طرح اوقاف مین بھی نہین ہی -

اب رہی دوسری بات یعنے موقوف علیہم پر فرداً فرداً تقسیم کرنا - اسکی تفصیل
یہ ہی کہ پہلی پشت مین یعنے واقف کی اولاد صلبی مین تو تقسیم فرداً فرداً ضرور ہوگی - لکن دوسری
پشت اور تیسری پشت وغیرہ مین تقسیم بالمجموع ہوگی موافق اوس قاعدہ کے جو فقیہ ابن رشد
نے مقرر کیا ہے اور جسکو اکثر علمار مالکی نے جاری کیا ہے - بیٹا باپ کا حصہ پائیگا
اور اوسکے چچا اوسکے حاجب نہ ہونگے - اسواسطے کہ ہر اولاد کی وجہ سے اوسکے
باپ کی نسل باقی رہتی ہے -

اس مسئلہ کو الجیرس کی عدالتون نے متواتر جاری کیا ہی - چنانچہ ایک
ڈگری مصدرہ ۲۸ اپریل ۱۸۶۹ء حالات ذیل مین صادر ہوی تھی -

،، ایک وقف چند پشتون مین دورہ کرتا ہوا دو بھائیون تک پہونچا
جنکا نام محمد اور حاج علی تھا - محمد ۱۸۶۹ء مین مرگیا اور سات اولاد چھوڑ گیا - الجیرس کے
قاضی نے مال وقف کے قبضہ کے دعوے کا فیصلہ بتاریخ ۲۰ اکتوبر ۱۸۶۳ء (جو اپیل
مین بتاریخ ۲۰ اپریل ۱۸۶۷ء بحال رہا) یہ کیا کہ محمد کی اولاد چونکہ ایک شعبۂ خاندان کی
قائم مقام ہی لہذا اپنے باپ کا نصف حصہ لیکر باہم تقسیم کرلے اور حاج علی چونکہ دوسرے
شعبہ کا رئیس ہی لہذا باقی نصف وقف اوسکو دیا جاے -

تقسیم وقف سے متعلق تیسرے امر کی توضیح خلیل ابن اسحق نے

یہ فرمایا ہے کہ "اگر واقف نے حصوں کی مقدار نہیں مقرر کردی ہے تو ذکور اناث برابر حصہ پائیں گے"۔

واقف یہ بھی شرط کرسکتا ہے کہ برادران عینی اور برادران علاتی دونوں کو وقف سے حصہ دیا جائے مگر جب کوئی ایسا خاص فقرہ وقف نامہ میں لکھا ہو تو برادران عینی اور برادران علاتی دونوں کو برابر حصہ ملیگا چنانچہ شیخ الحطاب نے فرمایا ہے کہ "برادران عینی اور برادر علاتی کے حقوق اسوجہ سے مساوی ہیں کہ انکی قرابت باپ سے ایک درجہ کی ہے اور ایک حکم شرعی رکھتی ہے"۔ اور سیدی خلیل نے فرمایا ہے کہ۔ اگر واقف یہ شرط کرے کہ فلاں شخص کا حصہ اوسکے سب سے قریب کے رشتہ دار کو دیا جائے اور اگر اوس شخص کے برادران عینی اور برادران علاتی اور برادران اخیافی سب موجود ہوں تو کیا برادران عینی کو برادران علاتی پر ترجیح دیجائے گی؟ نہیں نہیں ترجیح دیجائے گی اسواسطے کہ وہ سب درجہ قرابت میں برابر ہیں۔ سیدی خلیل کی کتاب کے شارح عبدالباقی نے بھی یہی لکھا ہے کہ سب سے قریب رشتہ دار سے مراد مصنف کی یہ ہے کہ برادر عینی اور برادر علاتی کے حقوق مساوی ہیں کیونکہ باپ سے وہ درجہ قرابت میں برابر ہیں۔

قریب القرابت اور بعید القرابت دونوں وقف میں برابر پائینگے بشرطیکہ وقف نامہ میں یہ شرط لکھی ہو ورنہ قریب القرابت بعید القرابت کو محجوب کردیگا۔

اس قاعدہ کو سمجھنے کے لیے شجرۂ ذیل لکھا گیا ہے۔

ابوالقاسم
العربی
المہدی
عبدالقادر
سلمان
محمد
بن علی
احمد
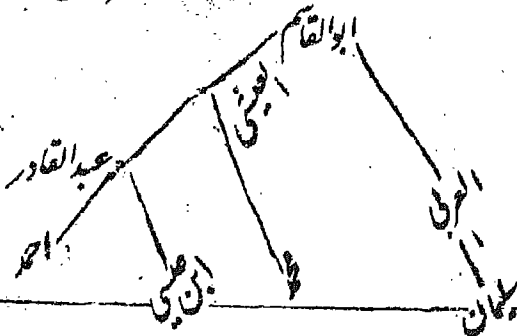
ابوالقاسم واقف کی دو اولاد یعنی العربی اور العیشی تھے وہ دونون
مال وقف مین نصف نصف حصہ پانیکے مستحق ہوے۔ العربی کے مرنیکے بعد منافع وقف دو حصون
پر تقسیم کیا گیا یعنے العیشی اپنے نصف حصہ پر قابض رہا اور سلیمان نے اپنے پدر متوفی العربی
کا نصف حصہ پایا۔ العیشی کے دو بیٹے تھے عبدالقادر اور محمد۔ عبدالقادر اپنی باپ کی
حیات مین مرگیا اور دو بیٹے احمد اور عیسی چھوڑ گیا۔
سوال۔ جو نصف حصہ العیشی کو ملا تھا وہ اب کسکو ملیگا۔
جواب۔ اگر وقف نامہ مین کوی خاص شرط نہین لکھی ہے تو محمد کو ملیگا اور کسی کو نہ ملیگا۔
اسواسطے کہ اوسکے بھتیجے احمد اور عیسے واقف سے قرابت مین ایکدرجہ اوس سے بعید تر ہین
اور اپنے باپ کے قائم مقام نہین ہین کہ وہ پہلے ہی مرچکا تھا۔ اگر واقف نے یہ شرط
کی ہوتی کہ سب درجہ کی اولاد برابر پاے گی یعنے قریب القرابت اور بعید القرابت
برابر پائین گے تو احمد اور عیسے اور محمد العیشی کا حصہ پانیکے بالشارکت مستحق ہوتے
اور ہر ایک اونمین سے ایک سدس منفعت وقف سے پاتا۔ یہ موافق اوس فیصلہ عدالت
الجیریں کے ہے جو ۲۵ مئی سنہ ۱۸۶۷ء کو صادر ہوا تھا۔
ایک اور مثال لیجیے۔
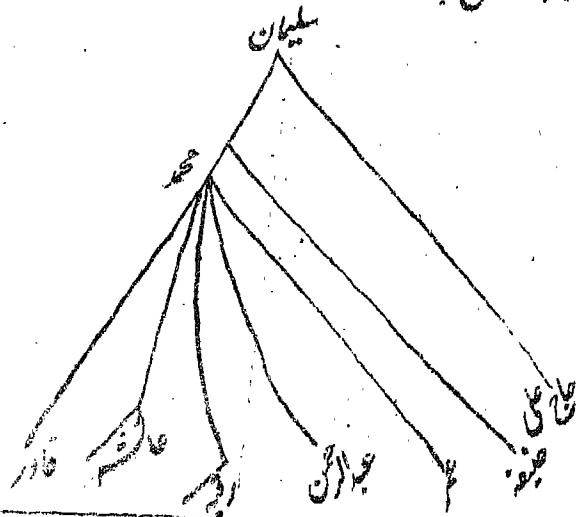
سلیمان نے اپنی سب اولاد پر بلا امتیاز ذکور و اناث وقف کیا اور جب اوسکی نسل مین کوئی نہ ہو تو اپنے دو بھائیون حاج علی اور محمد پر اور اونکی اولاد پر بلا امتیاز ذکور و اناث سلیمان لاولد مر گیا لہذا وہ وقف اوسکے دو بھائیون کو پہونچا - محمد مر گیا اور پانچ اولاد چھوڑ گیا اور اونھون نے وہ نصف جو اونکے باپ کا تھا باہم تقسیم کر لیا - بعد ازآن عبد الرحمن مر گیا اور صرف ایک بیٹی رقیہ چھوڑ گیا جسنے برخلاف عام قاعدہ میراث کے اپنے باپ کا پورا حصہ پایا - اوسکے بعد حاج علی لاولد مر گیا -

سوال - حاج علی کا نصف حصہ کسکو ملیگا -

جواب - قادر اور عائشہ اور عمر اور حنیفہ ایک ایک ربع پائین گے - اب رہی رقیہ وہ حاج علی کے حصہ مین سے کچھ نہ پاوے گی کیونکہ وہ اوس سے قرابت مین ایک درجہ بہ نسبت اپنے چچاؤن اور پھپھیون کے بعید تر ہے اور چونکہ قائم مقامی کی شرط نہین ہوئی لہذا وہ اپنے باپ کے حق کا دعوے نہین کر سکتی جو پہلے ہی مر چکا تھا - یہ فیصلہ عدالت الجیرس نے ۲ اپریل ۱۸۶۳ع کو کیا تھا -

جب موقوف علیہم مین سے کوئی شخص لاولد مر جاوے تو اوسکا حصہ سب سے قریب کے رشتہ دار کو ملیگا جیسا اس مثال سے ظاہر ہے - بعض اوقات واقف یہ تصریح کر دیتا ہی کہ "ان دونون مین سے جو پہلے مر جاوے گا اوسکا حصہ دوسرے کو ملیگا" مگر اکثر وقف نامون مین کچھ نہین لکھا ہوتا اور اس سکوت کے معنی عدالتین یہ سمجھتی ہین کہ گویا فقرہ مذکورہ بالا وقف نامہ مین لکھا ہے - مثلاً ایک شخص احمد ابن عبد القادر نے اپنی اولاد پر وقف کیا اور جب اون مین سے ایک لاولد مر گیا تو اوسکا حصہ اوسکے چار بھائیون اور بہنون کو اسطرح ملا کہ ایک ایک ربع سب نے پایا اور یہ موافق فیصلہ مجلس سید مصدرہ ۳ ستمبر ۱۸۵۸ع کے ہوا - اسی طرح سے ایک وقف چند موقوف علیہم کو ملا اور جب اونمین سے ایک مر گیا تو جو زندہ رہے تھے اونمین جھگڑا ہوا جسکا فیصلہ عدالت الجیرس نے بذریعہ ڈگری مصدرہ ۲ دسمبر ۱۸۶۱ع یہ کیا کہ اوسکا حصہ اون لوگون پر برابر تقسیم کر دیا جاوے جو اوس سے درجہ

قرابت مین برابر ہون - اس فیصلہ کو قاضی حلقہ ۵ اے نے بتاریخ ۱۰ ستمبر اور ڈگری عدالت مصدرہ ۲۵ جولای ۱۸۷۸ء نے بحال رکھا ہے - اس مسئلہ کو حل کرنا اوسوقت کچھ مشکل نہین ہے جبکہ سب موقوف علیہم واقف کی نسل کے ایک شعبہ سے ہون اسواسطے کہ اون سب مین رشتہ قرابت موجود ہے اور وہ سب ایک دوسرے کے وارث ہین - مگر جن صورتون مین وہ موقوف علیہم جنکو واقف نے مقرر کیا ہو ایک ہی خاندان سے نہون اور اونمین سے کوئی لاولد مرجاے تو اون صورتون مین کیا ہوگا کیا اوسکا حصہ اوسکے ساتھ کے موقوف علیہم کو ملیگا - اگر وقفنامہ مین کوئی ایسا فقرہ لکھا ہو جیسا ۱۸۶۸ء کے وقف نامہ مین لکھا تھا یا اور کوئی ایسی شرط لکھی ہو جس سے یہ قیاس ہو سکے کہ واقف کی مرضی یہ تھی کہ وقف اوس شخص کو ملے جو زندہ رہگیا ہے تو اس سوال کا جواب بصیغہ اثبات دیا جاے گا یعنے ”ہان ملیگا“ کہا جاے گا - یہ اوس اصول سے مستنبط ہو سکتا ہے جو خلیل ابن اسحق نے مقرر فرمایا ہے کہ ”جو وقف دس آدمیون پر اس شرط سے کیا گیا ہو کہ اپنی مادام الحیات اوس سے منتفع ہون تو وہ اون سب کے مرنیکے بعد واقف پر عود کریگا اور اگر واقف نہو تو اوسکے ورثہ کو ملیگا“

مگر جب ایسی کوئی شرط وقف نامہ مین نہ لکھی ہو تو موقوف علیہ مشترک کا دعوے نہ چلیگا اور متوفی کا حصہ اوسکے وارث کو ملیگا یا واقف پر عود کریگا اگر وراثت و جانشینی کی تصریح واقف نے نہ کی ہو جیسا اس عبارت سے ظاہر ہے کہ ”جب وقف دو خاص آدمیون پر کیا گیا ہو اور اوسکے بعد فقراء پر تو جب اون دونون مین سے کوئی جاتا رہیگا اوسکا حصہ فقرا کو دیا جاے گا“

فصل دوم

کون چیزین وقف ہو سکتی ہین -

خلیل ابن اسحق نے فرمایا ہے کہ سب قسم کا مال جسپر واقف اپنے تصرف باختیار کو عمل مین لا سکتا ہے شرعاً وقف ہو سکتا ہے - بلکہ بعض علما نے اس سے بھی ترقی کرکے فرمایا ہے کہ جو

منفعت بار برداری کے جانورون یا گھوڑون سے یا اون غلامون کی خدمات سے جو بیمارون کی تیمارداری کرین حاصل ہو وہ بھی وقف ہو سکتی ہے - آیا طعام خالص وقف ہو سکتا ہے یا نہین - اسکا جواب اس مسلہ پر موقوف ہے کہ آیا جائداد منقولہ کو وقف کرنا جائز ہی یا نہین - اس مسلہ مین بڑا اختلاف کیا ہے - مگر عموماً اسمین اتفاق معلوم ہوتا ہی کہ جائداد منقولہ و غیر منقولہ دونون وقف ہو سکتی ہین - اور بیلی صاحب نے لکھا ہے کہ مذہب مالکی مین یہی ہی - اور یہی اصول عدالت الجیرس کی ایک ڈگری مین قائم رکھا گیا ہے - خلیل ابن اسحق نے فرمایا ہے کہ کتاب کتب خانہ کے لیے اور گھوڑا جہاد کے لیے اور زرہ وقف کرنا جائز ہے - مگر وقف کے مقصود اصلی کے خیال سے اور اس خیال سے بھی کہ جب وقف کیا جاتا ہی تو واقف کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اصل جائداد امور مذہبی کے لیے قائم رکھی جاے اور صرف اوسکی منفعت موقوف علیہم کو دیجاے علمانے ارشاد فرمایا ہے کہ جو چیزین استعمال سے فنا ہو جائین یا چند مدت مین معدوم ہو جائین اونکو وقف کرنا نہین جائز ہے -

مگر ہر قسم کی جائداد منقولہ اوسوقت وقف ہو سکتی ہی جبکہ اوسکو بیچکر اوسکی قیمت سے کوئی جائداد غیر منقولہ خرید لیجاے - آلات زراعت اور ہل جوتنے کے بیل اور جانور جو مقاصد زراعت کے لیے رکھے جائین وقف ہو سکتے ہین - اسمین کچھ اختلاف نہین ہے -

کسی خاص جائداد کا ایک جز بھی وقف کرنا جائز ہے - اور جب کوئی مکان وقف کیا گیا ہو اور اوسکا ایک حصہ واقف کا قرضہ ادا کرنیکے لیے فروخت کیا گیا ہو تو ما بقی وقف باقی رہے گا - وقف کرنیکے وقت واقف کا مال وقف پر فے الواقع قابض ہونا بھی کچھ ضرور نہین ہے - بلکہ آئندہ کے مال کو وقف کرنا بھی شرعاً جائز ہے - یہ اصول الجیرس کے قاضی کے دو فیصلون مین جو سنہ ۱۸۶۳ء اور سنہ ۱۸۶۴ء مین صادر ہوے تھے قائم رکھا گیا ہے - سنہ ۱۸۶۳ء کے فیصلے مین یہ عبارت لکھی ہے

"آدمی کو جائز ہے کہ اپنا کل مال جو اوسکے پاس ہو یا جو اوسکو آئندہ ملنے والا ہو خدا کی راہ مین وقف کردے مگر وہ وقف صرف اوس جائداد مین نافذ ہوگا جسپر موقوف علیہ کا قبضہ قبل وفات واقف ہوگیا ہو"

سیدی خلیل فرماتے ہین کہ "وقف ان الفاظ سے ہوسکتا ہے۔ وقفتُ یا صدّقتُ ۔ یعنے مین وقف کرتا ہون یا صدقہ کرتا ہون ۔ مگر ان صیغون مین شے موقوف کو بھی بیان کردینا لازم ہی ۔

باوجودیکہ وقف ایک امر اہم ہے مگر وقف مین کوی رسم شرعی ادا کرنا یا اوسکو مشہور کرنا کچھ ضرور نہین ہے ۔ بلکہ گواہون کے سامنے وقف کرنا کافی ہے ۔ مگر جواز وقف دو شرطون پر موقوف ہی ۔ ایک یہ کہ وقف حیثیت کسی امر مذہبی یا کار خیر کی رکھتا ہو ۔ دوسرے یہ کہ شئے موقوف منتقل کردی جاے اور واقف کے حقوق ملکیت اوس سے سلب ہوجائین ۔ پہلی شرط تو عموماً حقیقت وقف کا نتیجہ ہے ۔ لہذا جب وقف خاص اشخاص پر کیا جاے تو اوسکا مقصود آخری ہمیشہ یہی ہوتا ہی کہ حرمین شریفین یا مسجد یا کاروان سرائے یا قبرستان یا کسی مشہد یا فقرا وغیرہ کے مصرف مین لایا جاے ۔

وقف نامہ مین عموماً یہ فقرہ لکھدیا جاتا ہے "جب وہ اشخاص جو موقوف علیہم مقرر کیے گئے ہین بالکل فنا ہوجائین تو یہ وقف فلان فلان شخص کو دیا جاے" واضح ہو کہ بعض امر مذہبی ایسا بھی ہوتا ہے جسمین خیرات کا خیال نہین شامل ہوتا سیدی خلیل نے خاص یہ بات بیان کی ہی اور سیرن صاحب نے اسکی تشریح یہ کی ہی کہ اگر موقوف علیہم نہایت آسودہ حال ہون تو بھی وقف جائز اور موجب ثواب ہوگا ۔

دوسری شرط کی بہت تاکید لکھی ہے ۔ یعنے لکھا ہی کہ "اگر موقوف علیہ کا قبضہ نہ کرادیا جاے تو اگرچہ وہ بالغ ہوچکا ہو تو بھی وہ وقف باطل ہے" محمد عاصم فرماتے ہین کہ "قبضہ کرادینا وقف کی شرط ضروری ہے اور اگر واقف اسمین غفلت یا چشم پوشی

کرے اور مال وقف کا انتظام اور اوسمین تصرف خود کرتا رہے تو اسی بات سے وقف باطل ہو جائیگا اور شرعاً ناجائز سمجھا جاوے گا۔

ہبہ نامہ کی طرح وقف نامہ مین بھی ایک فقرہ اس مضمون کا لکھدیا جاتا ہی کہ موقوف علیہ نے قبضہ کر لیا۔ مگر یہ لکھدینا ثبوت قطعی قبضہ کا ہمیشہ نہین ہوتا بلکہ اوسکی تائید مین شہادت بھی ہونی چاہیئے۔ موقوف علیہ اگر بالغ ہو تو خود قبضہ کرے اگر نابالغ ہو تو اوسکا باپ یا ولی قبضہ کرے۔ جب وقف کسی امر مذہبی یا کار خیر کے لیے کیا جاوے تو اوسکے منتظم یا ناظر کا قبضہ کرانا چاہیئے۔ اقباض صرف اوس صورت مین ضرور نہین ہی جبکہ باپ نے اپنے نابالغ بیٹے پر وقف کیا ہو بشرطیکہ دو امور سے ثابت ہو جاوے کہ وقف کرنے کا ارادہ تھا۔ یعنے (الف) یہ امر کہ وقف کی آمدنی موقوف علیہ کے فائدہ کے لیے صرف کی گئی ہو۔ (ب) یہ بات کہ باپ خود اوس سے نہین منتفع ہوتا رہا۔

الغرض قبضہ کر لینا ضرور ہی مگر کس زمانہ مین قبضہ کرنا چاہیئے حکم شرع یہ نہین ہے کہ وقف نامہ لکھنے کے ساتھی قبضہ کرا دیا جاوے۔ بلکہ صرف اتنا حکم ہے کہ قبضہ اوس ہنگام مین کرا دیا جاوے جبکہ واقف مین وہ شرائط موجود ہون جنپر جواز وقف موقوف ہے یعنے جبکہ وہ مال وقف کو دینے کی قابلیت رکھتا ہو اور اوسپر اپنے حق ملکیت کو عمل مین لا سکتا ہو۔ خلیل ابن اسحق فرماتے ہین کہ "وقف اوس صورت مین باطل ہے جس صورت مین قبضہ قبل وفات واقف یا قبل لاحق ہونے اوس مرض کے جو باعث اوسکی موت کا ہوا ہو نہ کر لیا گیا ہو۔ واقف کو وقف مین شرائط کرنے کا اختیار ہے اور اون شرائط کی تعمیل واجب ہے۔ وہ اوس طریقہ کو مقرر کر سکتا ہی جس طریقہ سے وقف کا انتظام کرنا چاہیئے اور ایک شخص یا چند اشخاص کو اوسکے انتظام کے لیے مقرر کر سکتا ہی اور یہ قرار دے سکتا ہے کہ کس ترتیب سے یہ وقف کس کس کو ملے یا کس کس کام مین لایا جاوے اور یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر موقوف علیہ مفلس ہو جاوے تو مال وقف کو منتقل کر سکتا ہے اور یہ شرط کر سکتا ہی کہ وہ بعض

صورتون مین وقف اوسکے ورثہ پر عود کریگا - پس یہانتک تو اوسکو اختیار ہے آگے نہین ہے یعنے اگر وہ ایسی کوی شرط کرے جو وقف کے خلاف ہو اور جس سے اوسکو یہ اختیار باقی رہے کہ وقف کے شرائط کو بدل دے یا اوسکو منسوخ کردے یا جائداد غیر منقولہ کو بیچڈالے - الغرض اگر وہ کوئی ایسی شرط کرے جس سے وقف زائل ہوجاے تو وہ شرط باطل و کالعدم ہے -

خلیل ابن اسحق کے نزدیک دوام وقف کی شرط ضروری نہین ہے - اور اونکی کتاب کے دو شارح یعنے الکرخی اور عبد الباقی نے یہ بھی لکہا ہے کہ چندروزہ اوقاف بلکہ وہ اوقاف بھی جو سال بھر کے لیے یا کسی شخص کی حیات تک کیے گئے ہون شرعاً درست اور جائز ہین - اور جب کوی موقوف علیہ مقرر کیا گیا ہو تو ایسے اوقاف کی آمدنی بعد انقضاے میعاد فقرا کو دیجاے گی -

سوال - کیا وقف کو واقف صرف اپنی راے سے منسوخ کرسکتا ہی اور کیا وہ وقف نامہ کے فقرات مین موقوف علیہ کا قبضہ کرانے سے پیشتر کچھ تغیر و تبدل کرسکتا ہی -

اس سوال کا جواب فقہاے مالکی نے جن مین ابن الحاجب اور عبد السلام داخل ہین بصیغہ نفی دیا ہے - وقف چاہیے جس طور سے کیا گیا ہو اوسکو اپنی ہیئت اصلی پر باقی رہنا چاہیے اور اوسی ہیئت سے بلا ترمیم نافذ ہونا چاہیے - اور اگر وقف نامہ کی عبارت مشکوک و مبہم یا ناقص ہو یا اوسکے بہت سے معانی ہوسکتے ہون تو اوسکو قاضی پاس لیجانا چاہیے اور وہ رسم و رواج یا عرف کے موافق یا جس طریقہ سے اوسکا عملدرآمد اوسوقت تک رہا ہو اوسکے موافق حکم دے گا -

فصل سوم

وقف کا اثر یا نتیجہ شرعی

جائداد کو وقف کرنے سے تین اثر پیدا ہوتے ہین - یعنے غیر قابل الانتقال اور نا قابل توریث ہوجاتی ہے اور اوسپر کوی دعوے نہین کرسکتا - ال وقف غیر قابل الانتقال اسوجہ سے ہی

کر وہ ضمناً خدا کا مال ہوجاتا ہے کو ظاہرا اوس سے بندگان خدا کی نفع رسانی مقصود ہوتی ہی اور موقوف علیہم صرف اوسکی نفعت کے مستحق ہوتے ہین اور اوسکو منتقل نہین کرسکتے۔

مگر اس اصول سے چند امور مستثنیٰ ہین اگر مال وقف زمین یا کوئی جائداد منقولہ ہو جو بیکار ہوگئی ہو تو اوسکو بیچکر اوسکی قیمت سے اور کوئی جائداد خرید لیجاسے۔ اگر کسی مسجد کو بڑھانا منظور ہو اور اوسکو بڑھانے کی تدبیر صرف یہ ممکن ہو کہ اوس سے ملحق زمین کو فروخت کرکے اوسکی توسیع کے لیے سرمایہ بہم پہونچایا جاسے تو اوسکو بیع کرنا جائز ہوجاسے گا۔ اگر موقوف علیہ مفلس ہو اور وقف کی آمدنی سے اوسکی بسر اوقات نہ ہوسکے تو اس صورت مین اوسکا انتقال قاضی کی اجازت سے ہوسکتا ہی بشرطیکہ واقف نے وقف نامہ مین اس مضمون کا کوئی فقرہ لکھدیا ہو بلکہ اگر ایسا فقرہ نہ لکھا ہو تو بھی وہ جائداد باجازت قاضی منتقل ہوسکتی ہے۔

اگر واقف مقروض مرا ہو تو اوسکے قرضخواہ مال وقف سے قرضہ لیسکتے ہین اور جب اونکا قرضہ ادا ہوجاسے تو باقی مستحقین وقف کے فائدہ کے لیے کسی کام مین لگادیا جاسے۔ مال وقف کا مبادلہ ہوسکتا ہے مگر اسکا مبادلہ صرف اوسوقت جائز ہوگا جبکہ قاضی دونون جائداد اون کی قیمت کو برابر سمجھکر اوسکو منظور کرلے۔ تب وہ جائداد جو مال وقف کے مبادلہ مین ملی ہی وقف ہوجاسے گی اور اوسمین بھی وہی قاعدہ جاری ہوگا جو اصل وقف مین جاری تھا اور اگر وہ وقف کسی خاص مقصد کے لیے کیا گیا ہو اور وہ مقصد فوت ہوجاسے تو وہ اور کسی امر مذہبی یا کار خیر مین صرف کیا جاسے گا جسکو حتے الامکان اوس وقف کے مقصد اصلی کے مشابہ ہونا چاہیئے۔ جب واقف ایک جائداد وقف کرکے اوسکی آمدنی سے پل یا مدرسہ بنوانیکا حکم دے اور وہ پل یا مدرسہ سرکار بنوا چکی ہو تو اوس وقف کی آمدنی سے اوسی قسم کی کوئی چیز بنوائی جاسے گی اور اگر یہ بھی نہ ممکن ہو تو اوس سے واقف کے مفلس اقربا کی پرورش کیجاسے گی اور عصبات کو ترجیح دیجاسے گی۔

مال وقف غیر قابل الانتقال اوسوقت نہین باقی رہتا جبکہ وہ مقصد حسن

مقصد سے وقف کیا ہے فوت ہو گیا ہو۔

اگرچہ موقوف علیہم مال وقف کو منتقل نہین کر سکتے مگر اوس سے منتفع ہو سکتے ہین اور اوسکی کل منفعت لے سکتے ہین۔ اور اوسپر اصالتاً یا وکالتاً یعنے بذریعہ منتظم قابض ہو سکتے ہین نہ موقوف علیہم اور نہ منتظم وقف مال وقف کا پٹہ یا ٹھیکہ طولانی میعاد کا دے سکتے ہین زیادہ سے زیادہ میعاد کا پٹہ یا ٹھیکہ سیدی خلیل کے نزدیک دو سال کا اور علما کے نزدیک تین سال کا دیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ کہ اوس شخص کو دیا جاے جو موقوف علیہ حال کے بعد موقوف علیہ ہوگا کہ اوسکو دس سال تک کا ٹھیکہ یا پٹہ دینا جائز ہے۔ لیکن اگر وقف کی مرمت کی ضرورت ہو تو اوسکے ٹھیکہ کی میعاد زیادہ ہو سکتی ہے۔ اسواسطے کہ اصل یہ ہے کہ جایداد وقفی کی مرمت ہمیشہ اچھی طرح کرنا چاہیئے اور موقوف علیہم اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے ناظر یا متولی کو مجبور کر کے اوس مکان کو جو گرا جاتا ہو کرایہ پر دلوا سکتے ہین اور اوسکے کرایہ کو بالکل اوسکی تعمیر جدید یا مرمت مین صرف کرا سکتے ہین۔

(ب) دوسرا اثر وقف کا یہ ہے کہ مال وقف مین بادشاہ یا اور کسی شخص کا کوی حق نہین باقی رہتا۔

(ج) تیسرا اثر وقف کا یہ ہے کہ مال وقف ناقابل توریث ہو جاتا ہے اور اوسکے مستحق وہی لوگ ہو جاتے ہین جنکو واقف نے لکھا ہے۔ اس مسئلہ مین سب کا اتفاق ہے کہ "جو قاعدہ مال وقف کی وراثت کا واقف نے مقرر کر دیا ہو اوسکی پابندی کرنی واجب ہے"۔ یہ قول سیدی خلیل کا ہے اور ابراہیم حلبی نے یہ فرمایا ہے کہ "واقف اختیار کلی رکھتا ہے کہ منفعت وقف جسکو چاہے دے"۔

باب چہاردہم

احکام وقف موافق مذہب شافعی[1]

---

[1] یہ احکام کتاب منہاج الطالبین سے لیے گئے ہین ۱۲ منہ

یہ ضرور ہے کہ واقف اپنی مرضی ظاہر کرنیکے قابل ہو اور اپنی جائداد میں تصرف کی قدرت رکھتا ہو اور ایسی چیز وقف کرے جسکا استعمال یا فائدہ دائمی ہو۔ لہذا اغذیہ یا عطریات وقف نہین ہو سکتے۔ باستثنار ان چیزون کے جائداد منقولہ اور غیر منقولہ دونون کا وقف جائز ہے۔ مشاع یعنے مال مشترک کا وقف جائز ہے۔ مگر یا لوگتا وقف کرنا نہین جائز ہے۔

جو مکانات یا درخت دوسرے شخص کی زمین پر ہون اور اوس زمین پر اون مکانات یا درختون کے مالک کا قبضہ پٹہ یا ٹھیکہ کی بنا ر پر ہو اونکو وقف کرنا جائز ہے۔

کسی شخص یا کسی قوم پر وقف کرنا اوسوقت ناجائز ہے جبکہ وہ شخص یا وہ قوم مال وقف پر قبضہ حقیقی یا مجازی نہ کر سکے۔ لہذا طفل نازائیدہ یا غلام پر وقف کرنا نہین جائز ہے۔

اس اصول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ذمی پر وقف کرنا جائز ہے مگر مرتد اور کافر حربی پر اور اپنے نفس پر وقف کرنا نہین جائز ہے۔ کسی امر غیر مباح کے لیے بھی وقف کرنا نہین جائز ہے مثلاً یہود و نصاریٰ کے معابد بنانیکے لیے وقف کرنا جائز نہین ہے مگر یہود و نصاریٰ کے شفاخانہ پر ایک کار خیر سمجھکر وقف کرنا جائز ہے۔ انبیاء اور فقرا اور علما اور مساجد اور مدارس ان سب پر وقف کرنا جائز ہے۔

وقف کا ارادہ ایسے صاف الفاظ سے ظاہر کرنا چاہیئے جیسے "مین نے اس چیز کو وقف کیا" یا "میرا کھیت فلان شخص پر وقف ہے" لفظ وقف کے علاوہ حرمت اور تصدق بھی صاف وقف پر دلالت کرتے ہین اتنا کہنا بھی کافی ہے کہ "یہ چیز فروخت یا ہبہ نہ کیجاسے۔" کہنے "اسکو راہ خدا مین بخشدیا یا وقف کیا" مگر فقط دینے کا لفظ وقف پر صاف دلالت نہین کرتا ہے گو واقف کی نیت وقف کرنیکی ہو دینے کا

لفظ صرف اوس وقف مین کافی ہوگا جو کسی شخص یا چند اشخاص پر نہ کیا جاے بلکہ کسی قوم
پر یا سب بندگان خدا پر علے العموم کیا جاے مگر اوسکے ساتھ وقف کا ارادہ بھی شرط ہی
"مینے اس شے کو محرم کیا" یا "مین چاہتا ہون کہ یہ ابدآلاباد تک اسی حالت مین رہے"
یہ الفاظ صاف وقف پر نہین دلالت کرتے ہین - مگر "مین اس جائداد کو مسجد کے لیے رکہتا ہون"
ان الفاظ سے البتہ وہ جگہ مسجد کے لیے وقف ہوجائیگی -

جو وقف کسی شخص خاص کو کیا جاے وہ کامل نہین ہوتا تا وقتیکہ قبول نہ ہوجاے
اور اس قبول کو چاہیے کہ انکار سابق کے بعد نہ وقوع مین آئے "مین اپنی اس زمین کو
سال بہر تک وقف کرتا ہون" ان الفاظ سے وقف کرنا باطل ہے - لکن اگر ان الفاظ سے
وقف کیا جاے کہ "مین اپنی اولاد پر وقف کرتا ہون یا فلان شخص پر اور اوسکے بعد
اوسکی اولاد پر وقف کرتا ہون" اور کچہہ نہ کہا جاے تو ایسا وقف اوس خاندان کے فنا ہوجانیکے
بعد بھی بعینہ باقی رہیگا - جب اوس وقف کا مقصد فوت ہوجاے اور موقوف علیہم
مین سے کوئی نہ باقی رہے تو اوسکی منفعت واقف یا اوسکے سب سے قریب رشتہ دار پر عود کریگی
علاوہ برین مذہب شافعی مین وہ اوقاف باطل ہین جنکی منفعت کا کوئی ایسا قابض نہ مقرر
کیا گیا ہو جو فورًا اوس پر قبضہ کرسکے - مثلًا اگر وقف ان الفاظ سے کیا جاے کہ "مین
اوس اولاد پر وقف کرتا ہون جو میرے یہان پیدا ہوگی" تو ایسا وقف ناجائز ہے
کیونکہ اس وقف پر کوئی قبضہ کرنیوالا نہین ہے - لکن اگر درمیانی موقوف علیہم مین سے کوئی فوت
ہوجاے تو وقف باطل نہ ہوجاے گا -

جس وقف کا کوئی مقصد نہ ہو وہ معتبر نہین ہے اور وقف ایسے
امر اتفاقی پر موقوف ہوسکتا ہے جو شاید کبھی وقوع مین نہ آئے - مثلًا "مین اس شرط
سے وقف کرتا ہون کہ زید آجاے" اور وقف مین اختیار مشروط بھی باطل ہے - اور
جو شرائط مقرر کیے جائین اونکی تعمیل ایمانداری سے کرنی چاہیے جیسے مثلًا واقف نے یہ شرط

کر لی ہو کہ یہ زمین وقفی کرایہ یا پٹہ پر نہ دیجاے یا جو مسجد اوسنے بنوائی ہے وہ کسی مذہب خاص
مثلاً مذہب شافعی کے عبادات کے لیے مخصوص رہے - آخر الذکر صورت مین صرف وہ لوگ
جو مذہب شافعی رکھتے ہین اوس مسجد کی منفعت مین شریک ہو سکتے ہین - یہی قاعدہ مدرسہ
یا سرائے کے باب مین بھی جاری ہوگا - جب دو شخصون پر وقف کیا جاے اور اونکے بعد
غربا پر تو جب اون دونون سے کوئی مرجاے اوسکا حصہ منفعت وقف مین دوسرے
شخص کو ملیگا جو زندہ رہگیا ہے غربا کو نہ ملیگا بلکہ غربا اوس سے اوسوقت منتفع ہونگے جبکہ وہ دونون
آدمی مرجائین - اس مسئلہ کی تائید خود امام شافعی نے فرمائی ہے -

جب وقف ان الفاظ سے کیا جاے کہ "یہ وقف میری اولاد اور
اولاد کی اولاد پر ہے" تو اوسکی منفعت واقف کی اوس اولاد اور اولاد کی اولاد مین جو
وقف کرنے کے وقت موجود ہو برابر تقسیم کر دی جاے اور جب یہ الفاظ "جو اونکی
نسل سے ہوں" یا "بطناً بعد بطن" بڑھا دیے جائین تب بھی یہی ہوگا - لکن برخلاف اسکے
جب واقف نے یہ الفاظ کہے ہون کہ "میری اولاد پر اسکے بعد اوسکی اولاد پر اوسکے بعد
اوسکی اولاد پر یکے بعد دیگرے" یا "پہلی اولاد پر پہلے" تو پشتین ایک دوسرے کے بعد
وقف کی منفعت پائین گے اور پہلی پشت کے لوگ سب سے پیشتر پائین گے - جب وقف صرف
اولاد پر کیا گیا ہو تو اولاد کی اولاد کا اوس مین کچھ حق نہین ہے - اور الفاظ نسل در پشت
"بطن بعد بطن" اولاد احفاد مین وہ اولاد بھی داخل سمجھی جاے گی جو واقف کی بیٹی کی نسل
سے ہو مگر یہ کہ واقف نے کہدیا ہو کہ "وہ اولاد کی اولاد جو میرے نام سے پکاری جاے"
جب واقف نے چند الفاظ کہے پیشتر کوئی ایسا لفظ کہا ہو جو سب سے مناسبت رکھتا ہو
تو وہ سب سے متعلق سمجھا جاے گا - مثلاً واقف نے کہا ہو کہ "مین اونپر وقف کرتا ہون
جو میرے پیارے ہین میرے لڑکے اور پوتے اور بھائی" - تو واقف نے اپنی اولاد
اور اوسکی اولاد اور اپنے بھائیون کو اپنے پیارے کہا ہے - یہی جب بھی ہوگا جبکہ

چند الفاظ کے بعد اور کوئی ایسا فقرہ واقف نے کہا ہو جو سب سے مناسبت رکھتا ہو بشرطیکہ ان الفاظ مین اتصال واو عاطفہ (اور) کے ذریعہ سے ہوا ہو - مثلاً واقف کہے کہ وہ مین اپنے اولاد پر اور اپنے بھائیون پر جو میرے پیارے ہین وقف کرتا ہون ،، یا یہ کہے کہ "بشرطیکہ اونمین کوئی شخص فاسق و فاجر یا بد معاش نہ ہو"

مال وقف کا ملک اللہ تعالی پر منتقل ہوجاتا ہے یعنے اوس مال مین اوسوقت سے کسی آدمی کا کوئی حق نہین باقی رہتا - اور اوسوقت سے وہ نہ وہ واقف کا مال رہتا ہی نہ موقوف علیہ کا صرف وقف کی منفعت موقوف علیہ کا مال ہوتا ہی اور اوسکو اختیار ہے کہ خواہ اوس سے خود منتفع ہو خواہ کسی اور شخص کے ذریعہ سے اوسکا فائدہ حاصل کرے یعنے اوس مال کو عاریتاً یا استاجرانہ دے "

جو شخص وقف کی منفعت پر قابض ہو وہ جائداد وقفی کا لگان یا کرایہ یا جو کچھ اوسمین پیدا ہو جیسے میوہ یا اون یا دودھ یا جانورون کے بچے ان سب چیزون کا مستحق کامل ہے اگرچہ ایک قول یہ بھی ہے کہ وقفی جانورون کے بچے بھی وقف ہوجاتے ہین - جب کوئی وقفی جانور مرجاے تو اوسکی کھال قابض منفعت وقف کا مال ہے - مگر شافعیہ کے نزدیک غلام وقفی کے قاتل سے جو دیت یا خون بہا ملنا چاہیئے وہ قابض منفعت وقف کا مال نہین ہے بلکہ اوسکو چاہیئے کہ اوس روپیہ سے ایک اور غلام خریدے جو بعوض غلام مقتول کے وقف ہوجاے گا اور اگر یہ غیر ممکن ہو تو اوسکو چاہیئے کہ غلام مقتول کے عوض مین اوسکے خون بہا کے روپیہ سے کوئی جزو غیر منقسم کسی غلام کا خریدے

شافعیہ کے نزدیک درخت کا وقف اوسکے خشک ہوجانے کے بعد بھی نہین زائل ہوتا کیونکہ درخت کے خشک ہوجانے سے اوسکی لکڑی نہین بیکار ہوجاتی اور بعض علما ے شافعیہ کا یہ قول ہے کہ اوس درخت کو نیلام کرکے اوسکا روپیہ اوسی طرح صرف کیا جاے جسطرح غلام مقتول کا خون بہا کا روپیہ - پرانی مسجد کی چٹائیان اور ٹوٹی ہوئی

دھنیان بک سکتی ہین مگر یہ صرف اس شرط سے جائز ہے کہ یہ چیزین ہمیشہ سوختنی کے کام مین نہ لائی جائین۔ جس زمین پر کوئی مسجد بنی ہو وہ کسی حال مین نہین فروخت ہو سکتی گو وہ مسجد منہدم ہو گئی ہو اور اوسکو از سر نو بنوانا غیر ممکن ہو۔

جب وقف کا انتظام واقف نے اپنے لیے مخصوص رکھا ہو یا کسی غیر شخص کے سپرد کیا ہو تو واقف کے منشا کی تعمیل کرنی چاہیئے لیکن اگر واقف نے ایسی کوئی شرط نہ کی ہو تو مذہب شافعی مین یہ حکم ہے کہ اوسکا انتظام قاضی کے سپرد کرنا چاہیئے منتظم وقف کو چاہیئے کہ عادل اور ثقہ ہو اور اوسمین انتظام کی قابلیت جسمانی و نفسانی دونون رکھتا ہو یعنے قوت بدنی اور عقل سلیم رکھتا ہو۔ منتظم کا کام یہ ہے کہ مال وقف کی حفاظت اور استحکام کرے اور اوسکے محاصل کو وصول اور تقسیم کرے لیکن اگر صرف انتظام جزئی اوسکے سپرد کیا گیا ہو تو اوسکو اپنے حدود اختیار سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے۔ واقف کو بہر حال اختیار ہے کہ منتظم وقف کو معزول کر کے دوسرے شخص کو اوسکی جگہ پر مقرر کرے مگر یہ کہ خود اوسنے وقفنامہ مین اوسکو منتظم مقرر کر دیا ہو۔ جو ٹھیکہ یا پٹہ منتظم وقف نے دیا ہو وہ بعینہ ویسا ہی رہیگا گو نرخ گران ہو گیا ہو یا کوئی اوس سے زیادہ دینے کو کہے۔

پندرھوان باب

وقف کا دستور العمل

شرع محمدی مین بہت صاف احکام اس باب مین موجود ہین کہ موقوف علیہ یہ حق رکھتا ہے کہ کسی جائداد کے وقفی ہونیکا اعلان عدالت سے کرائے یا کسی وقف کی آمدنی مین حصہ پانیکا استحقاق اپنے تئین ثابت کرے۔ حکم شرع یہ ہے کہ ہر موقوف علیہ ہر وقت قاضی کی خدمت مین جا کر اپنے حق شرعی کا دعوے کر سکتا ہے اور اسکی کچھ قید نہین ہے کہ کس طریقہ سے وہ دعوے کر سکتا ہے۔ مگر ہندوستان کے واضعان قوانین نے بعض قسم کے اوقاف کے باب مین چند قواعد مقرر کر دیئے ہین جو غور طلب ہین علے الخصوص جبکہ ہائیکورٹ کلکتہ اور ہائیکورٹ

الہ آباد مین وقف کے ضابطہ کے نسبت اختلاف ہوا ہے۔

بلاد اسلام مین یہ دستور ہے کہ اوقاف عامہ جنکی منفعت مین سب لوگ عموماً شریک ہین اونکا اختیار او رانتظام او رنگرانی ایک خاص عہدہ دار سرکاری سے متعلق کیجاتی ہے جسکو ناظر اوقاف کہتے ہین۔ مگر قاضی بحیثیت قائم مقام سلطان سب اوقاف عامہ وخاصہ کا کیوریٹر یعنے منتظم عام ہوتا ہے۔ جب سرکار انگریزی کی عملداری پہلے پہل ممالک بنگالہ مین ہ مانحتی بادشاہ دہلی ہوئی تو اوسوقت بہت سے اوقاف اس ملک مین جابجا پائے گئے جو بادشاہان وقت یا والیان ملک نے کئے تھے۔ چند عرصہ تک تو وہ اوقاف اوسی بدانتظامی کی حالت مین رہے جو زوال سلطنت اسلامیہ کے باعث سے پیدا ہوئی تھی۔ مگر ۱۸۱۰ء مین معلوم ہوا کہ ان اوقاف کے تحفظ اور ابقار کے لیے ایک قانون جاری کرنا ضرور ہے۔ اور اس غرض سے قانون ۱۹ ۱۸۱۰ء پاس ہوا۔ اوسکے مقاصد اوسکی تمہید سے بخوبی ظاہر ہین۔

۱۸۶۳ء مین گورنمنٹ نے تمام اوقاف مذہبی ہنود واہل اسلام سے قطع تعلق کرلینا مناسب تصور فرمایا اور صرف ان اوقاف کو اپنے اختیار مین رکھا جو مقاصد دنیوی کے لیے عمل مین آئی تھی کیونکہ یہ خیال کیاگیا کہ ایک عیسائی گورنمنٹ کو ہنود اور اہل اسلام کے اوقاف دینی سے تعلق رکھنا خلاف قاعدہ اور خلاف مصلحت ہے۔ اس غلط حکمت عملی کو نافذ کرنے کے لیے ایکٹ ۲۰ ۱۸۶۳ء پاس کیا گیا۔ اس ایکٹ کی تمہید اور ابتدائی دفعات مین اسکا منشا رقطعی طور سے بیان کیا ہے اور اسمین کچھ شک نہین ہے کہ اسکا اثر اون اوقاف پر محدود رکھا گیا تھا جو اون متولیون پر منتقل کردیے گئے تھے جو اس ایکٹ کے دفعات ۳ سے ۷ تک کے موافق مقرر ہوے تھے۔ چنانچہ اسی ایکٹ کی روسے مقدمہ[1] دلروس بانو بیگم بنام سید اصغر علیخان کا فیصلہ کیا گیا تھا اور اوس فیصلہ مین یہ بھی لکھا تھا کہ

[1] لارپورٹ بنگالہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۶۷ منہ۔

جب ایسا انتقال وقوع مین آیا ہو تو جن اشخاص کا ایسے اوقاف مین کچھ حق ہو وہ عدالت سے اجازت لیکر اونکے متولی یا منتظم پر نالش کرسکتے ہین[۱] اور کوی نالش مسموع نہ ہوگی تاوقتیکہ بموجب دفعہ ۵ اسکی عدالت سے اجازت نہ لے لی گئی ہو۔ مگر جب اوقاف کی حراست اون متولیون سے نہ منتعلق کردی گئی ہو جو حسب منشار ایکٹ ہذا مقرر کیے گئے ہون تو نالش کی اجازت لینے کی کچھ ضرورت نہین ہے۔ فی الواقع دفعہ ۱۴ سے ۱۸ تک کے بموجب جو انتقال عمل مین آیا ہو وہ معیار اس امر کا سمجھا جاتا تھا کہ آیا یہ وقف از قسم اوقاف عامہ ہے یا نہین ہے۔ اگر اوسکا انتظام یا حراست بورڈ آف رونیو نے حسب منشار قانون ۱۹ سنہ ۱۸۱۰ع اختیار کی ہوئی اور بعد ازآن متولیون پر بموجب ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ع منتقل کردی ہوئی تو بادی النظر مین وہ وقف ایسا قرار پاتا جسکی منفعت مین حصہ پانیکے مستحق خاص و عام ہوتے جو اصول بمقدمہ لروٹن نو بیگم بنام سید اصغر علی خان درباب نوعیت اور منشار ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ع کے مقرر کیا گیا ہے وہ بمقدمہ[۲] جان علی بنام رام ناتھ منڈل ضمناً منسوخ کردیا گیا ہے۔ اس مقدمہ مین جو فیصلہ ہوا ہے اوسکا مفاد یہ ہے کہ ہر ایک مسجد یا شوالہ یا کالج یا اور کوئی مذہبی کارخانہ جسکے مصارف کے لیے شاہان سابق نے یا اور اشخاص نے زمین وقف کی ہو وہ اس ایکٹ کے منشار مین داخل ہے لہذا ان مین سے کسی چیز کی نسبت نالش نہین دائر ہوسکتی تاوقتیکہ دفعہ ۱۸ اسکے بموجب پہلے عدالت سے اجازت نہ حاصل کرلیجاے۔ ظاہرا ایسی نظیر ایک اور مقدمہ[۳] مین بھی قبول کی گئی جسکا فیصلہ ہائی کورٹ کلکتہ نے کیا تھا۔ اس مقدمہ مین مدعیہ نے بحیثیت متولیہ چند قطعات اراضی پر قبضہ دلا پانیکی نالش کی تھی اور یہ بیان کیا تھا کہ یہ اراضی وقفی ہے اور اسکی منفعت راہ گیرون اور مسافرون کو کھانا کھلانے اور مسجد و درگاہ مین روشنی کرنے اور نماز عیدین مین صرف کیجاتی ہے اور وہ منفعت امور ذاتی

---

[۱] مقدمہ کاظمی بیگم بنام بی بی صاحب جان۔ ویکلی رپورٹر جلد ۵ صفحہ ۱۲۳ [۲] منہ ۱۸۸۲ انڈین لا رپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۳۲ — [۳] سنہ ۱۸۸۵ لطیف النسار بی بی بنام نظیرن بی بی۔ انڈین لا رپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۱۱ صفحہ

مین بھی بھنین صرف کیجاتی اور مدعیہ نے یہ بھی بیان کیا کہ پہلے اوسکا شوہر متوفی متولی تھا اور
اوسکی وفات کے بعد اوسکے سوتیلے بیٹے نے اراضی وقفی پر قبضہ کرکے اوسکا مقرری پٹہ بنام
مدعا علیہ نمبر ۲ کے لکھدیا - لہذا مدعیہ نے یہ استدعا کی کہ اراضی متنازعہ فیہ وقفی قرار دیجاوے اور
اوسکی بیع اور پٹہ منسوخ کیا جاوے

مدعیہ یہ ثابت کرنے مین کامیاب ہوی کہ ہر چہار قطعات اراضی متنازعہ فیہ
وقفی ہین اور اونکی ڈگری عدالت ابتدای سے حاصل کی اور اوس ڈگری کو صاحب جج نے
اپیل مین بحال رکھا - جب اس مقدمہ کا اپیل خاص ہای کورٹ کلکتہ مین ہوا تو مدعا علیہم کی
طرف سے یہ بیان کیا گیا کہ مدعیہ کا کوی حق کافی نہین ہے جسکے دلاپانیکی نالش اوسنے کی
ہے - اس بحث کو عالم ججون نے قبول فرماکر مدعیہ کا دعوے بوجوہ ذیل خارج کیا -

وہ اس مقدمہ مین عرضی دعوے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقف کسیقدر
کارہاے خیر کے لیے اور کسیقدر امور مذہبی کے واسطے کیا گیا تھا - جہانتک یہ وقف
راہگیرون اور مسافرون کو کھانا کھلانے کے لیے تھا وہانتک تو یہ وقف جمہور خلائق
کے فائدہ کے لیے تھا لہذا اس سے رفاہ عام متصور تھا - مدعیہ کی نالش کا مقصد یہ ہے
کہ متولی کو نکال کر اپنے تئین اوسکے مقام پر مقرر کرائے اور یہ جائداد اوسکو سپرد کردیجاوے
- دفعہ ۵۳۹ مجموعہ ضابطہ دیوانی اس قسم کی نالش سے متعلق ہے جو فی الحقیقت انتظام
کی نالش ہے اور ایسی نالش فقط اسی دفعہ کے احکام کے موافق دائر ہوسکتی ہے - لیکن
اگر یہ فرض کرلیا جاوے کہ اس مقدمہ مین جس وقف پر تنازعہ ہے نہ تو وہ وقف کسی کار خیر کے
لیے ہے کہ دفعہ ۵۳۹ مجموعہ ضابطہ دیوانی کے منشا مین داخل ہوسکے اور نہ کسی امر
مذہبی کے لیے ہے کہ ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ء کے منشا مین داخل ہوسکے تو بھی مدعیہ تنہا یہ نالش
نہین کرسکتی کہ متولیہ مقرر کیجاوے اور اس جائداد پر اسکا قبضہ کرادیا جاوے - عدالت
ابتدائی نے یہ تجویز کیا ہے کہ مدعیہ اس وجہ سے یہ نالش دائر کرنے کی مستحق تھی کہ وہ کرم علی مرحوم

سابق کی زوجہ ہے مگر ہمارے نزدیک یہ وجہ کافی نہین ہے - اگرہم مدعیہ کو یہ سمجھین کہ اوسنے بطور اوس شخص کے نالش کی ہے جو اس وقف مین کچھ حق رکھتا ہے تو خود اوسکے عرضی دعوے سے ظاہر ہے کہ اور اشخاص بھی اس مین حق رکھتے ہین پس وہ صرف اون سب اشخاص کی طرف سے نالش کرسکتی ہے جو اس وقف مین حق رکھتے ہین اور ایسی نالش کرنیکے لیے اوسکو چاہیئے تھا کہ عدالت سے اجازت لیتی اور دوسرے طور سے بھی احکام دفعہ ۳۰ مجموعہ ضابطہ دیوانی کی تعمیل کرلیتی - مگر جب اوسنے ایسا نہین کیا تو ہمارے نزدیک نالش کرنیکا حق نہ رکھتی تھی - پس چاہیے جس حیثیت سے اس نالش کو دیکھیے ہمارے نزدیک یہ مناسب طور سے نہین دائر کی گئی اور چل نہین سکتی ''

یہ راے ہای کورٹ کی شرع محمدی کے موافق نہین معلوم ہوتی

کیونکہ اسمین وہ قیود رکھے ہین جو شرع محمدی مین معتبر نہین ہین - ہای کورٹ کلکتہ کی اس راے سے ہای کورٹ الہ آباد نے اختلاف کیا ہے اور یہ تجویز فرمایا ہے کہ ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ اثبات وقف یا اوسکی منفعت مین اپنے حصہ کی نالش کرے - مقدمہ[1] ظفریاب علی بنام بختاور سنگھ بعض مسلمانون نے ایک تکیہ دلاپانیکی نالش کی جو تکیہ علی شاہ کا تکیہ مشہور تھا اور یہ استدعا کی کہ کفالت نامہ مورخہ ۲۰ مئی ۱۸۶۸ء اور ڈگری مصدرہ ۱۸۶۸ء اور نیز بیع محکومہ عدالت واقع ۳۰ مئی ۱۸۶۸ء یہ سب چیزین منسوخ فرمائی جائین اور دونون دیوارین گرادی جائین اور مدعا علیہم بیدخل کیے جائین - اوحھون نے اپنے عرضی دعوے مین لکھا تھا کہ جائداد متنازع فیہ وقفی ہے جسمین ایک مسجد یا امام باڑہ اور ایک قبرستان یا تکیہ داخل ہے جسمین بہت سی قبرین ہین - اور مدعا علیہم نمبر (۱) نے جو منتظم اوس جائداد وقفی کا تھا اور مدعا علیہم نمبر ۲ و ۳ و ۴ کے مورثان نے اس تکیہ کو مدعا علیہ نمبر ۵ پاس مکفول کیا جسنے نفاذ کفالت کی ڈگری حاصل کرکے

---

[1] انڈین لا رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۴۹۷ سلسلہ الہ آباد ۱۲ منہ -

اوس زمین کو فروخت کروا ڈالا اور اوسکو خود مدعا علیہ نمبر ۵ اور مدعا علیہم ۶ و ۷ نے خرید لیا
اور مدعا علیہ نمبر ۵ نے اوس زمین پر قبضہ حاصل کرکے دو دیوارین بنوالین جس سے انکے
مقاصد مین حرج واقع ہوا جن مقاصد کے لیے یہ زمین دراصل وقف کی گئی تھی اور مدعیان
ان سب کارروائیون سے ۲۴ جنوری ۱۸۸۲ء کو واقف ہوے تب یہ نالش دائر کی
مدعا علیہم نے یہ جواب دیا کہ مدعیان ایسی نالش کرنے کے مجاز نہ تھے — عدالت ابتدائی
نے یہ تجویز کیا کہ مدعیان ایسی نالش کرنیکے مجاز ہین اور تقریر ذیل لکھی

"یہ دستور عام ہے کہ ہر فریق جسکی حق تلفی ہوئی ہو اپنی دادرسی کی استدعا
کرسکتا ہے - اسی اصول کے موافق ایک گروہ مسلمانون کا جو اس مقدمہ سے تعلق رکھتا ہے
اس بات پر آمادہ ہوا ہے کہ مدعا علیہم پر عدالت مین نالش کرکے اپنی دادرسی کا مستدعی ہو
جو کارروائی مدعیان نے اس مقدمہ مین کی ہے وہ ازروے شرع محمدی جائز ہے —
ہر مسلمان اپنے عقائد مذہبی کے بموجب اسکا مستحق ہے کہ وقف عام کو غیر لوگون کے
ہاتھ سے بچاے —

مگر اپیل مین صاحب جج نے عدالت ابتدائی کا فیصلہ منسوخ کرکے تجویز کیا
کہ مدعیان کوئی حق نالش کا نہین رکھتے ہین جج نے تقریر ذیل بھی لکھی —

"بلحاظ اوس مقدمہ کے جسکا فیصلہ چند روز ہوے کہ ہائی
کورٹ نے کیا ہے یعنے مقدمہ جان علی بنام رام ناتھ منڈل میری راے یہ ہے کہ مدعیان
کوئی حق اس نالش کا نہین رکھتے ہین جو اونھون نے اس غرض سے دائر کی ہے کہ جائداد
متنازعہ وقفی قرار پاکر اونکے حوالہ کردی جاے — وہ متولی ہونیکے مدعی نہین ہین
نہ اس وقف مین کوئی خاص حق رکھتے ہین نہ اونھون نے کوئی وقفنامہ پیش کیا ہے
میرے نزدیک یہ مقدمہ ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ء کے منشا مین نہین داخل ہے کیونکہ مدعیان
کو منتظم وقف پر خیانت کی نالش کرنی نہین مقصود ہے گو اونھون نے منتظم مذکور کو اپنی

عرضی دعوے میں اس غرض سے شامل کیا ہے کہ اوسکی دستاویز منسوخ کردی جاے -اور اگر یہ نالش ایکٹ مذکور کے منشا مین داخل ہے تو بھی یہ بے قاعدہ ہے کیونکہ اس عدالت مین درخواست دیگر نالش دائر کرنے کی اجازت نہین طلب کی گئی ہے - اگر یہ کہا جاے کہ ایک وقف عام مین خیانت ہوی ہے تو بھی صاحب کلکٹر کی اجازت حسب دفعہ ۵۳۹ ایکٹ مذکور حاصل کرنی چاہیے تھی مگر یہ نہین کیا گیا ہے قطع نظر اسکے مدعیان نے اپنی عرضی مین کسی مقام پر کسی خاص حق نالش کا دعوے نہین کیا ہے نہ یہ لکھا ہے کہ ہم اس مسجد مین جاتے ہین یا اسمین جانیکا حق رکھتے ہین بلکہ بنا رمخاصمت صرف یہ لکھی ہے کہ ہمنے سنا ہے کہ مدعا علیہم کے نام یہ جایداد منتقل کی گئی ہے - اگر یہ دعوے مدعا علیہم نے کیا ہوتا تو عدالتین اسکا فیصلہ کر سکتین - مگر جس بابت پر اس مقدمہ مین بحث ہے یعنے یہ امر کہ آیا ایک مقام عبادت گاہ عام ہے یا نہین ہے اس امر کا تصفیہ کرنا صاحبان میونسپل کمشنر کو زیادہ تر مناسب ہے و ایسا کرنا زیادہ تر موافق منشا رقانون کے ہوگا - اسوجہ سے مین اس مقدمہ کو خارج کرتا ہون "

اپیل ثانی مین مدعیان نے یہ بحث پیش کی کہ (۱) چونکہ ہم سب مسلمان ہین لہذا ہم یہ نالش کرنیکے قانوناً مجاز ہین - (۲) ہمکو اوس ضابطہ کی پابندی کرنی فرض نہین ہے جو دفعہ ۵۳۹ مجموعہ ضابطہ دیوانی مین لکھا ہے کیونکہ اوس دفعہ کو اس نالش سے کچھ تعلق نہین ہے - (۳) عدالت ماتحت اپیل اس نالش کے منشار کو غلط سمجھی ہے کیونکہ اسمین اوس قسم کی دادرسی کی استدعا نہین کی ہے جو دفعہ مذکورہ مین لکھی ہے

ہائیکورٹ الہ آباد نے عدالت ماتحت اپیل کے فیصلہ کو منسوخ کر کے یہ تجویز لکھی ہے -

" چونکہ مدعیان مسلمان ہین اور اس مسجد مین جانیکے اور اور تعمیرات مذہبی جو اس وقف سے متعلق ہین اونکو استعمال مین لانیکے مستحق ہین لہذا وہ یہ نالش صرف

دائر کر سکتے ہین اور دفعہ ۵۳۹ ایسے مقدمہ سے نہین متعلق ہے۔ بلکہ یہ وقف ہماری رائے مین ایک مذہبی وقف ہے اور دفعہ ۴۲ ایکٹ ۱۸۷۱ء کے منشا مین داخل ہی پس اسمین شرع محمدی جاری ہوگی۔ لہذا ہم اس مقدمہ کو حسب دفعہ ۵۶۲ واپس کرتے ہین کہ اسکی تحقیقات روداد پر کیجاوے۔

اوسکے بعد ہای کورٹ الہ اباد کے اجلاس کامل مین ایک اسی قسم کا فیصلہ[1] بمقدمہ جواہر ابنام اکبر حسین ہوا۔ اس مقدمہ مین اس امر پر خوب بحث ہوئی کہ آیا مسلمان یہ حق رکھتا ہی کہ مسجد مین نماز پڑھنے کا حق ثابت کرنیکے لیے نالش دائر کرے۔

مدعی نے عرضی دعوے مین لکھا تھا کہ اوسکے ایک گاؤن مین ایک مسجد کہنہ و شکستہ ہے جو مسلمانون کے نماز پڑھنے کے لئے بنائی گئی تھی اور جسکی حفاظت اور حراست خود مدعی اور اور مسلمان باشندے اوس موضع کے کیا کرتے ہین اور چونکہ یہ مسجد اور اسکے ملحقات مال وقف ہے لہذا یہ اوس گاؤن کے بٹوارہ سے خارج رکھی گئی ہے اور مدعی کا قصد اوس مسجد کی مرمت کرنیکا ہے اور مدعا علیہم نے اوسکی زمین کے ایک حصہ کا احاطہ بنوالیا ہے اور اوسکے ایک حصہ مین ایک چکی بھی گاڑی ہے۔ اور اونھون نے ایک چھپر ڈالکر اوس مسجد کو ایک پیال جمع کرنیکی کوٹھری بنا لیا ہی اور یہ سب کارروای اونھون نے ناجائز طور سے کی ہی اور مدعی نے مدعا علیہم سے شکایت کی اور کہا کہ اس پیال وغیرہ کو اوٹھا لیجائے مگر اونھون نے مدعی کی بات پر کچھ اعتنا نہین کی اور مدعی کو مرمت نہ کرنے دی اور مدعا علیہم کی اس ناجائز کارروای سے اس جائداد وقفی مین ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہی اور دین اسلام کی توہین کا باعث ہی۔،، یہ امور بیان کرکے مدعی نے یہ استدعا کی کہ عدالت میرے حق کا اعلان فرمائے کہ مین اس مسجد کہنہ و شکستہ کی مرمت کر سکتا ہون اور اوس چکی اور چھپر اور پیال کو جو اوس مسجد مین بھری ہوئی ہی وہانسے اوٹھوا سکتا ہون۔ عرضی دعوے کے آخر مین یہ کلمات

[1] انڈین لا رپورٹ جلد ۷ صفحہ ۱۷۰ اسلسلہ الہ آباد ۱۲۔ منہ۔

لکھے تھے "یہ نالش موافق احکام دین اسلام اور بربنا ر شہادت تحریری و شہادت زبانی دائر کی گئی ہی" مدعا علیہم نے مدعی کے ان بیانات کا انکار نہین کیا ہی بلکہ جواب دعوے مین منجملہ اور دلائل کے ایک دلیل یہ بھی بیان کی ہی کہ مکان متنازع فیہ مسجد نہین ہے بلکہ ایک گڑھی ہے جو چورون سے حفاظت کے لیے اگلے زمانہ مین بنائی گئی تھی - پس مدعی کو اسکی مرمت کا کوی حق نہین حاصل ہے - عدالت ابتدای نے یہ تجویز کیا کہ یہ مکان مسجد ہی گڑھی نہین ہی اور چونکہ مدعی مسلمان ہے اور عمارات مذہبی کا حافظ ہی لہذا اوس مسجد کی مرمت کرانیکا مستحق ہی - لہذا اوس عدالت نے مدعی کا دعویٰ ڈگری کیا - اپیل مین مدعا علیہم نے یہ بحث کی کہ حسب منشاء ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ء مال وقف کی نالش بلا اجازت ایڈووکیٹ جنرل دائر اور مسموع نہین ہو سکتی - اس باب مین عدالت نے تقریر ذیل لکھی -

"وجہ اول اپیل کو منسوخ کرنا واجب ہی - ایسے ہی ایک مقدمہ ظفریاب علی بنام بختاور سنگھ مین ہمارے ہای کورٹ نے تجویز فرمایا ہی کہ دفعہ ۵۳۹ مجموعہ ضابطہ دیوانی اس مقدمہ سے نہین متعلق ہی اور چونکہ مدعیان اس مسجد مین جانیکے مستحق ہین لہذا ایسی نالش دائر کر سکتے ہین - مگر یہ تجویز ہماری ہای کورٹ کی اوس فیصلہ کے خلاف ہے جو ہای کورٹ کلکتہ نے بمقدمہ جان علی بنام رام منڈل کیا ہے - لہذا عدالت ابتدای کا فیصلہ بحال رکھا گیا"

اپیل ثانی مین مدعا علیہم نے یہ بحث کی کہ - (۱) یہ نالش اوس صورت سے جو اسکی اب ہے قابل سماعت نہ تھی کیونکہ مدعی کا کوی خاص حق نالش کا نہین ظاہر کیا گیا ہی - (۲) چونکہ اس گاؤن مین اور مسلمان بھی رہتے ہین لہذا بلا تعمیل احکام دفعہ ۳۰ مجموعہ ضابطہ دیوانی یہ نالش لائق سماعت نہ تھی -

ان واقعات اور ان دلائل کی بنا ر پر تھرام صاحب چیف جسٹس نے فیصلۂ ذیل صادر فرمایا -

"مجھے کچھ شک نہین ہے کہ مدعی یہ نالش دائر کرنیکا مجاز تھا - یہ تنازعہ
اوس خاص طریقہ سے پیدا ہوا ہے جس طریقہ سے اس قسم کی جائداد رکھی جاتی ہے - شرع
محمدی کے بموجب مسجد اور اوس سے ملحق زمین کسی شخص کے ملکیت معین داخل ہے وہ کسی انسان
کا مالک نہین ہے بلکہ جب مسجد کھلی ہو اوسوقت سب مسلمان اوسمین نماز پڑھ سکتے ہین - مگر مسلمان
اس ملک کی آبادی کا صرف ایک جزو ہے اور یہ حق اس ملک کے سب باشندون کو عموماً نہین
حاصل ہے لہذا یہ ایک مخصوص استعمال کے حق سے مشابہ ہے - جو شخص ایسا حق رکھتا ہو وہ
اوسکو بے دخدغہ عمل مین لانیکا مستحق ہے - اور جو شخص اوسمین دست اندازی کرے اوسپر
نالش دائر کرنیکا حق رکھتا ہے - یہ حق مشترک نہین ہے بلکہ بہت سے لوگون کا حق ہے
سو دفعہ ۳۰ اوس مقدمہ سے متعلق ہو سکتی ہے جسمین بہت سے اشخاص بالشرکت داد رسی
کے مستحق ہون - اور درحالیکہ پرانے قانون کے بموجب ایسے سب اشخاص کو بالشرکت
نالش دائر کرنی پڑتی لہذا دفعہ ۳۰ سے یہ فائدہ ہے کہ بہت سے نام لکھنے سے مثل بیکار ضخیم نہ
ہوجاوے اور ایک شخص یا چند اشخاص کو اجازت دی گئی ہے کہ عدالت سے اجازت لیکے
سب پر نالش کرین یا سب کی طرف سے جوابدہی کرین - یہ قاعدہ اس غرض سے جاری
کیا گیا تھا کہ متمول اشخاص باہم ایکہ کرکے کسی غریب آدمی کو بیش نہ کر دین کہ وہ مقدمہ کو لڑا
اور وہ خود بار خرچہ سے محفوظ رہین - اس مقدمہ مین یہ بات ظاہر ہے کہ ایک حق خاص
مین خلل اندازی کی گئی ہے - لہذا نالش ہو سکتی ہے - مسٹر جسٹس محمود کی تقریر بھی قابل غور ہے
- وہ فرماتے ہین کہ -

"مین چند کلمات درباب احکام شرع محمدی جو اوقاف سے عموماً اور مساجد سے
خصوصاً تعلق رکھتے ہین بیان کرنا چاہتا ہون - اولاً تو یہ ثابت کرنا چاہئیے کہ اہل اسلام ایسی نالش
دائر کرنیکا حق رکھتے ہین جیسے یہ نالش ہے - مگر اس امر کے استاد لکھنا کچھ ضرور نہین ہے
کیونکہ یہ اصول علماء اسلام مین بہت مشہور و معروف ہے - اس مسئلہ مین شرع محمدی کا حکم یہ ہے

کہ جب کوئی شخص قصد مصمم کرے کہ اپنی جائداد کو امور دینی مین صرف کریگا تو بمجرد اسکے کہ اوسکا
یہ ارادہ حتمی ہوجاوے اور کسی خاص فعل سے وہ اس ارادہ کا اظہار کردے جیسے اقباض وغیرہ
اوسیوقت فوراً وقف قائم ہوجاوے گا اور خود اوسکے فعل سے اوسکا ملک اوس جائداد مین بالکل
زائل ہوجاوے گا اور بقول علماء اسلام وہ مال خدا ہوجائیگا اور مال خدا کے احکام اوسمین جاری
ہونگے اور واقف کا حق اوسمین بالکل فنا ہوجاوے گا اور وہ مال خدا اس معنی سے ہوجاوے گا کہ اوسکا
فائدہ اوسکے بندون کو پہونچے گا ۔

مسجد اسی قسم کا وقف ہے اور اہل اسلام بالمجموع اور فرداً فرداً اوسمین
جاکر نماز پڑھسکتے ہین ۔ عالم چیف جسٹس نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ہندوستان کے حالات کا مقتضی
یہی ہے کہ مسجد سب لوگون کا مال عموماً نہین تصور ہوسکتی بلکہ صرف اہل اسلام کا مال سمجھی جاتی ہے
مسلمان کو نماز پڑھنے کا ویسا ہی حق حاصل ہے جیسے کسی خاص راستہ کا حق ہوتا ہے
جیسا عالم چیف جسٹس نے فرمایا ہے اور جو شخص کوئی حق رکھتا ہو وہ اوس حق کی نالش بھی
کرسکتا ہے اسی سے دفعہ ۵۳۹ مجموعہ ضابطہ دیوانی کی بحث طے ہوگئی ۔ وہ دفعہ صرف
اون مقدمات سے متعلق ہے جنمین کسی خاص حق مین دست اندازی نہ کی گئی ہو ۔ مگر یہ مسجد
ایک چھوٹے سے گاؤن مین ہے اور اوسمین ایک نماز پڑھنے والے کو نماز کی ممانعت کیجاتی
ہے ۔ وہ ایک ذاتی حق رکھتا تھا اور اوسمین خلل اندازی کی گئی ۔ درباب دفعہ ۵۳۹ مجموعہ
ضابطہ دیوانی مین بھی اوس اجلاس ہائیکورٹ مین شریک تھا جسنے اس مقدمہ مین اجلاس
کامل سے استصواب کیا تھا لیس مین چاہتا ہون کہ اسکے وجوہ بیان کرون کہ میرے نزدیک
یہ دفعہ اس مقدمہ سے کیون نہین متعلق ہوسکتی ہے ۔ اس مقام پر وقف یا متولی یا خیانت
سرمایہ وقف یا اور کسی قسم کی خیانت سے بحث نہین ہے اور اس مقدمہ کا مقصود وہ نہیں
ہے جو دفعہ ۵۳۹ کے مختلف فقرات کا منشا ہے ۔ بالآخر مین چند کلمات اوس مقدمہ
کی نسبت بھی کہنا چاہتا ہون جو بطور نظیر کے پیش کیا گیا ہے ۔ یعنے مقدمہ جان علی بنام رام ناتھ

سنڈل جسکا فیصلہ ہائی کورٹ کلکتہ مین پرنسپ صاحب جسٹس اور فیلڈ صاحب جسٹس نے کیا ہی - اس فیصلے کے آخر مین لکھا ہی کہ "جہانتک یہ عذر متعلق ہے ہمارے نزدیک مدعیان یہ نالش کرنیکے مجاز صرف اوس حق کی وجہ سے نہین تھے جسکا ذکر عرضی دعوے کے فقرہ ۱۰ مین کیا ہی یعنے وہ حق جو اس بات سے پیدا ہوا ہے کہ وہ دین اسلام کے پیرو ہین اور اس مسجد کے قریب رہتے ہین اور اوسمین نماز پڑھنے جایا کرتے ہین - یہ حق تو اون کے ساتھ اور بہت سے اشخاص کو بھی حاصل ہی یہ تو ہم نہین کہتے ہین کہ یہ حق اس ملک کے سب مسلمانون کو حاصل ہے مگر یہ یقیناً کہ سکتے ہین کہ اس حق مین مدعیان کے ساتھ اوس نواح کے سب مسلمان شریک ہین اور ہمارے نزدیک یہ مقدمہ دفعہ ۳۰ مجموعہ ضابطہ دیوانی کے منشا مین داخل ہے - اوس دفعہ مین لکھا ہی کہ جب بہت سے اشخاص ایک ہی حق ایک نالش مین رکھتے ہون تو اونمین سے ایک شخص یا چند اشخاص عدالت کی اجازت سے نالش کر سکتے ہین اور اون پر نالش ہو سکتی ہے یا ایسی نالش مین وہ سب اشخاص کی طرف سے جوابدہی کر سکتے ہین اگر مدعیان بموجب دفعہ ۳۰ عدالت مین درخواست دیتے تو اونکو اس نالش کی اجازت ملجاتی مگر جب اونھون نے عدالت سے اجازت نہین حاصل کی تو وہ یہ نالش کرنیکے یقیناً مستحق نہ تھے - پس باین وجوہ ہمارے نزدیک وہ عذر جو مدعا علیہم نے اپنے بیان تحریری کے دوسرے فقرہ مین لکھا ہی اور جس پر تیسرے تنقیح قائم ہوئی ہی ایک معقول عذر ہے اور اس نالش کو ڈسٹرکٹ جج نے خارج کیا تو اچھا کیا" - مین اون عالم ججون کا بہت احترام کرتا ہون جنہون نے یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے مگر اونکی تقریر مذکورہ بالا سے اختلاف کلی رکھتا ہون - میرے نزدیک یہ ایک اصول مسلم شرع محمدی کا ہی کہ جو لوگ مسجد مین سب سے زیادہ حق رکھتے ہین وہ اشخاص ہین جو اوسمین اکثر نماز پڑھا کرتے ہین - اگر اونکا حق اوس مسجد مین سب پر مقدم نہین ہے تو میری سمجھ مین نہین آتا کہ پھر کسکا حق ہے اور مین کہتا ہون کہ اگر یہ مقدمہ دفعہ ۵۳۹ کے منشا مین داخل ہی تو بھی وہ نالش کر سکتے تھے -

اگر اسکے وجوہ مین بیان کرچکا ہون کہ میرے نزدیک دفعہ ۳۰ اور دفعہ ۵۳۹ دونون اس مقدمہ سے متعلق نہین ہین اور مدعی یہ نالش کرنیکا مجاز تھا۔

یہ فیصلہ ہائی کورٹ الہ آباد کا احکام شرع کے موافق معلوم ہوتا ہے

سابق مین رد المختار اور فتاوے قاضی خان سے بیان ہوچکا ہے کہ ہر مسلمان جو ایک وقف مسلم سے منتفع ہوسکے متولی پر نالش کرسکتا ہے اور اپنا حق اوسپر ثابت کرسکتا ہے یا کسی غاصب پر نالش کرکے مال وقف کے کسی جزو کو جسمین خیانت کی گئی ہو لے سکتا ہے بے اسکے کہ کسی اور شخص کو اوس نالش مین شریک کرے جو منفعت وقف مین اوسکا شریک ہو۔ پس تاوقتیکہ کسی وقف کا تصفیہ بموجب قانون ۱۹ سنہ ۱۸۱۰ع و ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ع کیا گیا ہو اور تاوقتیکہ ایکٹ آخر الذکر کے موافق وہ متولیون کے قبضہ مین نہ آیا ہو عدالت سے اجازت حاصل کرنیکی کچھ ضرورت نہین معلوم ہوتی۔ پھر ملاحظہ کیجیے کہ دفعہ ۵۳۹ ایکٹ ۱۴ سنہ ۱۸۸۲ع (مجموعہ ضابطہ دیوانی) اون اوقاف سے متعلق ہے جو مقاصد عام یا امور مذہبی کے لیے خاصۃً کیے گئے ہون۔

دفعہ مذکورہ کے احکام وقف سے اوسوقت متعلق ہونگے جبکہ یہ معلوم ہوجاے کہ یہ وقف کسی کار خیر یا امر مذہبی کے لیے کیا گیا ہے یعنے اسمین سب کا حق ہو اور موقوف علیہم کا فرد خلائق سے منتخب کیے گئے ہین۔

مسجد (بشرطیکہ مسجد جامع نہ ہو) اور امام باڑہ اور وہ اوقاف جنکو کوئی شخص بہ نیت ثواب عمل مین لایا ہو (جیسا بمقدمہ لطیف النسا بی بی بنام نظیرن بی بی ثابت ہوا) یا کم و بیش محدود گروہ کے فائدہ کے لیے وقف کیا ہو ایسے اوقاف مین علماء اسلام کے نزدیک عوام کا کوئی حق نہین ہے۔ بلکہ شرع محمدی مین اوقاف عامہ اور اوقاف خاصہ مین بڑا فرق کیا گیا ہے۔ جن اوقاف مین عوام الناس کچھ حق رکھتے ہین اور جو شاید دفعہ ۵۳۹ کے منشا مین داخل ہوسکتے ہین وہ مصالح عامہ ...

جیسے مسجد جامع یا پل جسمین سب خلق اللہ راہ چلنے کا حق رکھتی ہے یا کاروان سرائے جسمین ہر شخص
اوتر سکتا ہے چاہے وہ کسی قوم اور ملت کا ہو یا شفاخانے یا لنگرخانے یا قبرستان
یا کتب خانے یا مدارس اور امام باڑے جیسے محمد محسن کا امام باڑہ ہگلی مین ہے۔

اوقاف خاصہ مین دفعہ ۵۳۹ کے احکام کسی طرح نہین جاری ہوسکتے
- اور اگر اونکی حراست کسی سے بموجب قانون ۱۹ سنہ ۱۸۱۰ع منتقل کردی گئی ہو اور بموجب
ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ع متولیون پر منتقل کردئے گئے ہون تو اس ایکٹ کے احکام اونپر نہین
جاری ہونگے - اور ایسے اوقاف مین نالش کرنیکا حق شرح محمدی کے عام احکام
کا تابع ہوگا -

سابق مین بیان ہوچکا ہے کہ جب وقف کی نوعیت پر کچھ تنازع نہ ہو
یا جب جائداد وقفی کا وقف ہونا مسلم ہو اور اوسکے متعدد متولی ہون تو اونمین سے
ایک یا کئی متولی اوس جائداد کی نسبت بلا شرکت دیگر نالش دائر کرسکتے ہین - اگر کوئی متولی
نہ ہو یا کوئی نالش کرنے پر راضی نہ ہو تو موقوف علیہم مین سے ایک شخص یا چند اشخاص
اوروں کی طرف سے بلا اجازت قاضی نالش کرسکتے ہین - اگر اوس وقف پر کوئی جھگڑا
ہو تو بعض متولی یا اگر وہ نہ ہون تو بعض موقوف علیہم اوروں کی طرف سے باجازت
قاضی نالش کرسکتے ہین - جائداد وقفی ولا پانیکی نالش واقف کے ورثہ اور اولاد نہین کرسکتی
مگر متولیان وقف بالشارکت نالش کرسکتے ہین [1]

مگر جس شخص پر جرم خیانت مال وقف ثابت ہوگیا ہو وہ اوسکے
ولا پانیکی چارہ جوئی عدالت سے نہین کرسکتا اور اختیارات متولی اوسکے نسبت [2]
نہین عمل مین لاسکتا ہے [3]

[1] مقدمہ صاحب بی بی بنام دمودر پنچھی - انڈین لا رپورٹ بمبئی جلد ۳ صفحہ ۴۰ - ۱۲ - منہ [2] آغا محمد
کمال طہرانی بنام آغا عباس طہرانی رپورٹ صدر دیوانی عدالت مطبوعہ ۱۸۵۹ع صفحہ ۲۰۵ - ۱۲ - منہ

موقوف علیہم یا اونمین سے بعض اشخاص اس غرض سے نالش کرسکتے ہین کہ متولی کو مال وقف ضایع و برباد کرنے یا اوسمین خیانت کرنے سے مانع ہون[۵۱] —

جب متولی متعدد ہون اور اونمین سے کچھ لوگ بمشارکت دیگران مال وقف دلاپانیکی نالش دائر کرنے پر نہ راضی ہون تو اس صورت مین کس ضابطہ کی پابندی کیجاسے یا کیا کارروای کیجاے ۔ اس سے نظیر مقدمہ بیچو لال بنام علی اللہ متعلق ہے

اس مقدمہ[۵۲] مین یہ تجویز ہوا تھا کہ جب متعدد متولی ہون تو حتے الامکان اون سب کو مدعی قرار دینا چاہیئے لکن اگر اونمین سے کوئی انکار کرے تو اوسکو مدعا علیہ گردانا چاہیئے مگر اصول مصرحۂ ذیل سے معلوم ہوجاے گا کہ اس مقدمہ مین جو فیصلہ ہائیکورٹ کلکتہ نے کیا ہے وہ شرع محمدی کے خلاف ہے —

اگر واقف متولی نہ مقرر کرے یہانتک کہ اوسکو موت آجائے اور اوسوقت وہ کسی شخص کو وصیت کرے تو وہ شخص اوسکے مال و اسباب کا وصی ہوجاے گا اور اوسکے وقف کا متولی ہوگا ۔ ہلال نے فرمایا ہے کہ وصی انتظام مال وقف مین متولی کے ساتھ شریک کردیا جاے اس طرح سے کہ گویا وہ بھی متولی مقرر کیا گیا ہے جیسا محیط سرخسی مین لکھا ہے ۔ اور اگر واقف ایک شخص کو متولی مقرر کرنیکے بعد کسیکو وصی مقرر کرے تو وہ وصی انتظام وقف مین اوس متولی کا شریک[۵۳] ہوجاے گا —

اگر واقف وقف کا انتظام دو آدمیون کے سپرد کرے یعنے ایک وصی اور ایک متولی تو اونمین سے کوی اکیلا منفعت وقف کو فروخت نہ کرسکے گا اگرچہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اونمین سے ہر ایک دوسرے کی منظوری سے کام کرسکتا ہے کہ

---

[۵۱] عبدالرحمن بنام یار محمد انڈین لارپورٹ جلد ۳ صفحہ ۱۳۹ سلسلہ الہ آباد ۱۲۔ سنہ [۵۲] انڈین لارپورٹ جلد ۱۱ صفحہ سلسلہ کلکتہ ۱۲۔ سنہ [۵۳] فتاوای عالمگیری صفحہ ۵۰۵ و ۵۰۶ و ۵۰۹ ۱۲۔ سنہ

اس صورت مین وہ شخص جو کام کرتا ہے دوسرے شخص کا وکیل سمجھا جاے گا - حاوی مین یہی لکھا ہے -

اگر دو واقف بالشارکت ایک وقف کرین اور دو متولی بالشارکت مقرر کرین تو وہ دونون مثل ایک متولی کے ہونگے - اگر اونکو دو شہرون کے قاضیون نے علحدہ علحدہ مقرر کیا ہو تو اونمین سے ایک متولی اوس جائداد کا انتظام کرسکتا ہے جو اوسکے عہدہ اختیار کے اندر ہو - یہ قول امام اسمعیل زاہدی کا ہے [۱]-

بعض موقوف علیہم بعض کیطرف سے نالش کرسکتے ہین - اسیطرح سے بعض متولی کل گروہ متولیون کی طرف سے استغاثہ کرسکتے ہین - یہ منقول وصی بالنکاح سے ہے - اگر وہ سب ایک ہی قوم سے ہون تو سب کا ایک حال ہے - پس اگر اونمین سے ایک متولی کو دیگر متولیان اجازت دیدین کہ سب کی طرف سے رضامندی ظاہر کرے تو کوئی بیرونی آدمی کچھ اعتراض نہین کرسکتا [۲]-

موقوف علیہ بلا اجازت قاضی اوس وقف کے دلاپانیکا دعوے نہین کرسکتا جو برباد کرڈالا گیا ہو یا غصب کرلیا گیا ہو مگر یہ کہ اوسکی تولیت مین ہو البتہ متولی پر نالش کرسکتا ہے اگر وہ غاصب ہو اور اپنا حق منفعت وقف [۳] مین حصہ پانیکا ثابت کرسکتا ہے -

متولی اور وصی کا ایک حال ہے - دو متولیون مین سے ایک متولی کے افعال بھی اوسی طرح باطل ہین جسطرح دو وصیون مین سے ایک وصی کے افعال باطل ہین - اس واسطے کہ دو متولی اور دو وصی بعض امور مین مثل شخص واحد کے ہین - اشباہ اور رکنیہ مین یہی لکھا ہے - اسکا نتیجہ یہ ہے کہ اگر دو وصیون مین سے ایک یا دو متولیون مین سے ایک زمین وقفی کو اجارہ پر دیدے تو بغیر رضامندی دوسرے

---

[۱] فتاوے قاضی خان صفحہ ۳۰۴ - ۳۰۶ - ۱۲ - سنہ [۲] ردالمحتار صفحہ ۱۰۶ - ۱۲ - سنہ [۳] انڈین لا رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۶۳۶ سلسلہ الہ آباد - ۱۲ - سنہ -

وصی یا متولی کے وہ اجارہ جائز نہ ہوگا گو وہ دونوں علحدہ علحدہ مقرر کیے گئے ہوں تنبیہ
بعض علما نے یہ فرمایا ہے کہ وہ علحدہ علحدہ کام کرسکتے ہین اور ابو لیث نے فرمایا ہے کہ
قول راجح یہی ہے اور اسکو اختیار کرنا چاہیئے - مگر پہلے قول کو مبسوط مین قول اصح لکھا ہے
اور صاحب ردّ المحتار نے اسکو قبول کر لیا ہے اور قہستانی نے بھی اسکو اصح لکھا ہے"
اسکے بعد شارح یعنے صاحب ردّ المحتار فرماتے ہین کہ وہ میرے نزدیک یہ اوسوقت درست
ہے جبکہ دو وصیون یا دو متولیون کو واقف یا موصی یا قاضی نے مقرر کیا ہو - ایک
متولی کا فعل جب اوسکی تصدیق دوسرا متولی کر دے تو جائز ہو جاوے گا اور اوس فعل کی
تجدید کی ضرورت نہ ہوگی جیسا شامی مین لکھا ہے -

یہی حال اوس وصی کا ہے جو متولی کا شریک کیا گیا ہو - اور حامدیہ مین
اسمعیلیہ سے لکھا ہے کہ اگر وصی بغیر علم متولی کے مال وقف مین کوئی معاملہ یا تصرف کرے
اور کچھ نقصان اوسمین ہو جاوے تو وہ وصی ہرجہ کا مستوجب ہے[۱] -

مگر موصی یا واقف کی تجہیز و تکفین مین دو وصیون مین سے ایک وصی
کا یا دو متولیون مین سے ایک متولی کا فعل جائز ہے اور اوسکی جائداد کا قرضہ جو کسی
شخص پر ہو اوسکو وصول کرنا یا اوسکے دلا پانے کی نالش کرنا اور اوسکے حقوق کی نالش
کرنا بھی اونمین سے ایک وصی یا متولی کو جائز ہے - یہ مسئلہ کہ ایک وصی یا ایک متولی
بغیر اذن دوسرے متولی کے موصی یا واقف کی جائداد کا قرضہ طلب کرسکتا ہے یا اوسکی
نالش کرسکتا ہے ضرورت پر موقوف ہے - مثلاً دوسرا وصی نالش کرنے سے انکار
کرے اور اوسکے انکار سے مال وقف ضائع و برباد ہوسکتا ہو یا دوسرا متولی غیر حاضر
ہو - یہی نقایہ مین لکھا ہے اور اوسکے شارح قہستانی کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے
- نالش کرنیکے حق کی تائید جمیع تفاسیر کی ہے - مگر امام ابو یوسف کا قول یہ ہے

---

[۱] ردّ المحتار صفحہ ۹۸۹ ۱۲ -

کہ دونین سے ایک متولی اکیلا کام کرسکتا ہے تاوقتیکہ واقف نے صاف یہ شرط نہ کرلی ہو کہ اون دونون کو بالمشارکت کام کرنا چاہیئے [۱] اگر ایک متولی کام کرنے سے انکار کرے تو اوسکو یہ سمجھنا چاہیئے کہ تولیت سے دست بردار ہوگیا۔ اور دوسرا متولی مال وقف کی حفاظت کی کارروای کرسکتا ہی جبتک قاضی ایک اور متولی مقرر کرے یا اوسکو اکیلا کام کرنیکی اجازت دے [۲]

ایک متولی کو بلاشرکت دیگر متولیان نالش کرنیکی اجازت اسوجہ سے دی گئی ہے کہ وہ بمشارکت دعوے دائر نہین کرسکتے اور اگر وہ بالمشارکت نالش دائر کرین تو بھی ایک ہی متولی کو گفتگو کرنیکی اجازت مل سکتی ہے۔ درالمختار مین یہی لکھا ہے۔

جب کسی شخص نے دو وصی مقرر کئے ہون اور اونین سے ایک جا کے اور دوسرے کو اپنا وصی مقرر کردے تو جو وصی زندہ بچا ہے وہ اصل موصی کیطرف سے بحیثیت وصی اکیلا کارروای کرسکتا ہے۔

اگر ایک شخص دو وصی مقرر کرے تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک اونین سے ہر ایک وصی موصی کی جائداد مین اکیلا معاملہ نہین کرسکتا ہے اور ایک کے افعال اور معاملات دوسرے کی اجازت کے بغیر جائز نہین ہین الا بعض مقدمات مین جیسے متوفی کی تجہیز و تکفین اور اوسکا قرضہ ادا کرنا اور ترکہ تقسیم کرنا اور اوسکے غلامون کو آزاد کرنا اور مال امانت اور مال مغصوب کو واپس کرنا۔ مگر اونین سے ایک متولی اکیلا اوس جائداد پر جو واپس کردی گئی ہو یا اوس قرضہ پر جو اوسکی جائداد کا ادا کردیا گیا ہو قبضہ نہین کرسکتا گو اون مین سے ہر ایک موصی کی حقوق کی نالش اور لوگون پر اکیلا کرسکتا ہی۔

---

[۱] فتاوائے قاضی خان۔ کتاب الوصیت صفحہ ۴۳۴ و ۴۳۴ ۱۲ سنہ [۲] فتاوی سراجیہ اور جامع صاحب کی کتاب الوصایا صفحہ ۲۳۴ ۱۲ سنہ۔

منجملہ متولیان ایک متولی مقدمات ذیل مین اکیلا کارروائی کرسکتا ہے یعنے موصی کی تجہیز وتکفین کرسکتا ہے اور اوسکے اطفال خردسال کے لیے نان ونفقہ مہیا کرسکتا ہے اور موصی پاس جو امانت رکھی ہو اوسکو واپس کرسکتا ہے اور اوسکے غلامون کو آزاد کرسکتا ہے اور اوسکے حقوق کی نالش کرسکتا ہے۔ اگر اراضی وقفی کے متعدد متولی ہون تو اونمین سے ایک اوسکا لگان وصول کرسکتا ہے مگر اوسکو منتقل کرنے مین سب کی مشارکت لازم ہے۔

سولھوان باب

احکام وصیت

تمہید

کتب تواریخ مین جو رسم ورواج زمانہ جاہلیت کے قبائل عرب کا لکھا ہے اوس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ انتقالات بالوصیت مشرکین عرب مین بھی کم وبیش رائج تھے۔ مگر جو ذرائع عرب کے حالات قدیم دریافت کرنیکے ہمکو بہم پہونچے ہین اونسے یہ قیاس کرنا مشکل ہے کہ کفار عرب کے وصایا کے جواز یا عدم جواز کی کیا شرط تھی۔

شریعت موسوی جو عرب کے قبائل یہود مین جاری تھی موصی کو اس بات سے مانع تھی کہ اپنے ورثہ شرعی کو وراثت وجانشینی سے محروم کردے۔ اور اس امر سے بھی مانع تھے کہ موصی غیر آدمی کو اپنا وارث بنا دے۔ مگر جب انتقال بالوصیت کے ساتھ قبضہ بھی کرا دیا جاتا تھا تو ظاہرا ربانیین (علمار یہود) کی رائے مین ایسا انتقال جائز سمجھا جاتا تھا۔ وصیت زبانی اور تحریری دونون طرح سے ہوسکتی تھی مگر عموماً وصیت زبانی کو ترجیح دیجاتی تھی۔

قرآن مجید مین انتقال بالوصیت جائز رکھا گیا اور منصوص کیا گیا اور اوسکے احکام اور شرائط مقرر کردیے گئے۔

ہدایہ مین لکھا ہے کہ - وصایا جائز ہین بنا بر قول مشہور - مگر قیاس
اسی کا مقتضی ہے کہ وہ ناجائز ہین اسواسطے کہ وصیت کا مفاد یہ ہے کہ وقف کرنا کسی
چیز کا اس طور سے کہ اوس وقف کا نفاذ اوس وقت پر موقوف رہے جبکہ واقف یا موصی کا
ملک زائل ہو چکا ہو اور جس وقف کا نفاذ زمانہ آیندہ پر موقوف رکھا جاوے (جیسے مثلاً
کوئی شخص کہے کہ مین تمکو اس چیز کا مالک کل کے لیے کرتا ہون) وہ وقف ناجائز ہے - اگر
یہ فرض کر لیا جاوے کہ مالک کا ملک اوس چیز مین اوسوقت تک باقی ہے تو بھی یہ لازم
آتا ہے کہ وصیت کا نفاذ اوسوقت تک معطل رکھنا جبکہ ملک زائل اور معدوم ہوجاویگا
(یعنے موصی کی وفات تک) بدرجہ اولے ناجائز ہے - مگر جواز وصیت کو جو عدم جواز
وصیت پر ترجیح دی گئی ہے تو دو وجوہ سے - اول یہ کہ یہ ضرور ہے کہ لوگون کو وصیت
کا اختیار دیا جاوے اسواسطے کہ آدمی طول امل کی وجہ سے کوتاہ بین اور نا عاقبت اندیش
ہوجاتا ہے مگر جب مرض مین مبتلا ہوجاتا ہے تو موت سے خائف و ترسان رہتا ہے
- لہذا اوسوقت اوسکو اپنے اعمال کی مکافات اپنے مال سے کرنی پڑتی ہے اوس
سطرحسے کرنی پڑتی ہے کہ اگر وہ بیماری سے مرجاوے تو اوسکے مقاصد (یعنے مکافات
اعمال اور ثواب اُخروی) برآسکین اور اگر وہ شفا پاوے تو وہ اوس مال سے اپنے حوائج
کو رفع کرے - اور چونکہ وصایا کو شرعاً جائز کرنیسے یہ مقاصد برآسکتے ہین لہذا وصیت کے
جواز کا حکم کیا گیا - دوئم یہ کہ وصایا کی حلت قرآن مجید مین منصوص اور احادیث مین ماثور
ہے اور سب علمار کا اسپر اجماع ہے -

سائیر ا صاحب عالم فرانسیسی نے جو تقریر اس باب مین لکھی ہے
وہ لائق توجہ خاص ہے -

وہ لکھتے ہین کہ " مسلمانون کے نزدیک وصیت احکام الٰہی
اور نصوص قرآنی مین سے ہے - وصیت سے موصی کو یہ اختیار ہوجاتا ہے کہ قانون

وراثت کو ایک حد تک صحیح کرسکتا ہے اور بعض اقربا محجوب الارث کو اپنے متروکہ مین حصہ دلاسکتا ہے اور غیر آدمی کی خدمات کا اور اوس وفاداری اور جانفشانی کا جو اوسنے اوسکے (موصی کے) ساتھ اخیر وقت مین بیتے عالم جانکنی مین کی ہو صلہ دے سکتا ہے۔ مگر ساتھ اسکے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اختیار وصیت ورثہ شرعی کی نقصان رسانی کے لیے نہ عمل مین لایا جاسے۔

اس قول کی موید وہ حدیث ہے جو سعد ابن ابی وقاص رض سے مروی ہے اور جسپر وہ قید مبنی ہے جو شرع محمدی مین ہر مسلمان کے اختیار انتقال مال بوصیت پر لگادی گئی ہے۔ سعد ابن ابی وقاص کہتے ہین کہ جس سال فتح مکہ ہوی اوس سال مین ایسا سخت بیمار پڑا کہ مجھکو زندگی سے یاس ہوگئی۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ میری عیادت کو تشریف لائے تو مینے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ خدا کے فضل سے مال کثیر رکھتا ہون مگر سواے ایک دختر کے کوئی وارث نہین رکھتا بس یا رسول اللہ کیا مین اوس سب مال کو بذریعہ وصیت منتقل کرسکتا ہون۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا "نہین" پھر مینے پوچھا کہ نصف مال یا دو ثلث مین وصیت کرسکتا ہون۔ آپ صلعم نے پھر یہی فرمایا کہ نہین۔ پھر مینے پوچھا کہ ثلث مال مین وصیت کرسکتا ہون۔ آپ صلعم نے فرمایا ہان۔ ای سعد تو اپنے مال کے ایک ثلث مین وصیت کرسکتا ہے مگر ثلث مال مین بھی اگر تونے وصیت کی تو ایک جز کثیر مین کی اور بہتر یہی ہے کہ تو اپنے ورثہ کو غنی چھوڑ جاسے بہ نسبت اسکے کہ اونکو فقیر چھوڑ جاسے کہ تیرے بعد اونکو اوروں سے بھیک مانگنی پڑے۔

ان احکام رسول کا نتیجہ یہ ہے کہ شرع شریعت مین موصی اپنے وارثان شرعی کو محجوب الارث نہین کرسکتا اور اپنے مال کا ایک ثلث سے زیادہ بذریعہ وصیت نہین منتقل کرسکتا ہے

سلہ صحیح ترمذی۔ صحیح ابن ماجہ۔ ردالمختار صفحہ ۱۲۹۳۹۔ منہ۔

۔ انتقال بالوصیت وارث پر کرنا تو کسی حال مین نہین جائز ہے البتہ غیر وارث پر بقدر ثلث مال جائز ہے اگرچہ موصی کے ورثہ اذن نہ دین ۔ ان اصول کی تشریح مقام مناسب پر کیجائے گی ۔

یہانتک تو وہ بنار بیان کی گئی جس بنار پر شرع محمدی مین احکام وصیت مبنی ہین ۔ اب مین اس امر پر بحث کرتا ہون کہ شرع شریف مین وصیت کی کیا تعریف ہے اور انتقال بالوصیت یا وصیت کے جواز کے کیا شرائط ہین یا یہ کہیئے کہ آدمی وصیت کرنیکی کتنی قابلیت شرعاً رکھتا ہے ۔

فصل اوّل

۔ وصیت کے اقسام اور اوصاف ۔

جارمین صاحب[۱] نے وصیت کی یہ تعریف لکھی ہے کہ "ایک دستاویز ہے جسکے ذریعہ سے آدمی اپنی جائداد کو اسطرح منتقل کرتا ہے کہ اوسکا نفاذ اوسکے مرنیکے بعد ہو اور جو اوسکی حیات مین تغیر پذیر اور قابل منسوخی رہتی ہے[۲]" مگر شرع محمدی[۳] مین وصیت زبانی اور تحریری دونون طرح سے ہو سکتی ہے ۔ لہذا وصیت کی تعریف فتاوے عالمگیری مین یہ لکھی ہے کہ "عطا کرنا حق ملکیت کا کسی خاص چیز مین یا منفعت مین بطور عطیہ کے جسکا نفاذ موصی کی وفات کے بعد ہو"

شرایع الاسلام مین بھی وصیت کی تعریف ایسی ہی لکھی ہے کہ "حق ملکیت کسی چیز مین یا کسی منفعت مین مرنیکے بعد عطا کرنا"

وصیت ایسے لفظ سے ہو سکتی ہے جس سے موصی کا ارادہ کما حقہ ظاہر ہو جاوے پس جبتک یہ معلوم ہو کہ موصی کا ارادہ یہ تھا کہ وصیت کا نفاذ اوسکے

[۱] جارمین صاحب کی کتاب الوصیت صفحہ ۱۶ ۔۔۔ منہ ۔ [۲] شرع محمدی مین وصیت کا تحریری ہونا نہین ضرور ہے ۔ مقدمہ تمیز بیگم بنام فرخ حسین ۔ رپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۲ صفحہ ۱۵۵ اردو لمیٹڈ

مرنیکے بعد ہو اوسوقت تک وہ وصیت سمجھی جاوے گی ۔ وصیت موصٰی لہ کے حق مین بطور حقیت کے یا بطور وقف کے کسی غرض یا مقصد سے ہو سکتی ہے اور ان الفاظ سے ہو سکتی ہے کہ ۔ اوصیت ھذا الشیئ الی فلان یا لفلان ۔ یعنے مینے اس چیز کی وصیت فلان شخص کو یا فلان شخص کے طرف کی ۔ یا اور کلمات سے بھی ہو سکتی ہے جنسے ایسا انتقال مفہوم ہو جسکا نفاذ موصی کے مرنے پر موقوف ہو ۔

وصیت اشارات سے بھی ہو سکتی ہے جیسے گونگا آدمی جو طاقت گویائی نہین رکھتا ہے اپنا منشا اشارون سے بیان کرسکتا ہے ۔ اسی طرح جب آدمی مرض الموت مین مبتلا ہو اور ضعف و نقاحت کی وجہ سے بات نہ کرسکتا ہو[۲] ۔ جب کوئی مریض وصیت کرے اور ضعف و نقاحت کیوجہ سے بات نہ کرسکتا ہو اور صرف اپنا سر ہلا دے اور یہ معلوم ہو کہ جس بات پر اوسنے سر ہلایا ہے اوسکو خوب سمجھتا ہے تو اس صورت مین اگر اوسکا مطلب سمجھ مین آجاوے تو یہ وصیت جائز ہے ورنہ نہین جائز ہے ۔ اس سے یہ قیاس کیا جاوے گا کہ مرتے دم تک طاقت گویائی اوسکو دوبارہ نہین حاصل ہوئی کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ وصیت کرنیکے وقت اوسکے بات کرسکنے کی امید تھی لہذا وہ مثل ایک گونگے آدمی کے تھا[۳] ۔

بعض صورتون مین ممکن ہے کہ وصیت سے بادی النظر مین انتقال فوری حقیت کا مفہوم ہو مگر موصی کا ارادہ یہ نہو کہ اوسکا نفاذ اوسکی زندگی مین کیا جاوے جب ایسا ہو تو وہ انتقال بطور وصیت کے نافذ ہوگا ۔ جو مال کسی شخص پر منتقل کیا گیا ہو اوسکے استحصال یا انتفاع واقعی مین تاخیر ہو جانے سے یہ نہین لازم آتا کہ وہ انتقال

---

[۱] الی فلان اور لفلان ۔ مین یہ فرق ہے کہ الی سے انتقال حقیت موصی لہ کی ذات پر مفہوم ہوتی ہے اور لام سے انتقال بطور وقف سمجھا جاتا ہے ۱۲ ۔ منہ ۔ [۲] ردالمحتار صفحہ ۱۲۶ ۔ منہ [۳] بیلی صاحب کی شرح حنفی صفحہ ۶۵۴ ۔ فتاوی عالمگیری صفحہ ۱۶۸ ۔ منہ ۔

یا وصیت ہے جیسا بقدمہ[1] نواب امجد علی خان بنام محمدی بیگم ثابت ہوا۔ اوس انتقال کی کل حقیقت موصی کے منشا ریا ارادہ پر بہرحال موقوف ہے خواہ وصیت ہو خواہ ایسا انتقال ہو جسکا نفاذ اوسکی حیات مین کیا جاے اور خواہ اوسکا نفاذ زمانہ حال خواہ استقبال مین بطور وصیت کے ہو۔

وصیت مشروط یا معلق بھی ہوسکتی ہے۔ یعنے اگر اوسکا نفاذ کسی امر کے وقوع پر موقوف رکھا گیا ہو اور وہ امر وقوع مین نہ آئے تو وہ وصیت نافذ نہ ہوگی۔ ایسی صورتون مین وصیت کا نفاذ اکثر کسی خوف یا خدشہ مظنون پر موقوف رکھا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہے کہ۔ اگر مین فلان بیماری سے مرجاؤن یا حج بیت اللہ یا زیارت کربلاے معلے نہ پھر آؤن یا سفر حج مین مجھکو کچھ ہوجاے تو مین فلان شخص کو وصیت کرتا ہون ۔ ایسے وصایا کو نافذ نہ کرنا چاہیئے اگرچہ وہ امور جنکا خوف موصی کو تھا وقوع مین آئین خواہ وہ وصایا زبانی ہون خواہ تحریری۔ مگر فقہا رنے وصیت زبانی مشروط اور وصیت تحریری مشروط مین فرق کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جب وصیت زبانی کا نفاذ کسی امر کے وقوع پر موقوف رکھا گیا ہو اور وہ امر نہ واقع ہو تو صرف اسی بات سے وہ وصیت منسوخ ہوجاے گی۔ لکن اگر وصیت تحریری ہو یعنے قلمبند کرلی گئی ہو اور وہ تحریر یعنی وصیت نامہ کسی تیسرے شخص کے سپرد کردیا گیا ہو اور اوس امر کے وقوع کا احتمال نہ باقی رہا ہو۔ پس اگر موصی اوس وصیت نامہ کو اوس شخص سے واپس نہ کرلے تو یہ قیاس کیا جائیگا کہ اوسکا ارادہ اوسکو منسوخ کرنیکا نہ تھا اور اوسکا نفاذ کیا جاے گا۔ لکن اگر وہ وصیت نامہ ہمیشہ موصی کے پاس رہا ہو تو یہ قیاس نہ ہوسکے گا۔ جب وصیت ان کلمات سے کی گئی ہو کہ "اگر مین مرجاؤن تو فلان چیز یا اسقدر حصہ متروکہ کا فلان شخص کا مال ہوجاے گا" تو یہ وصیت مشروط نہ ہوگی بلکہ وصیت محض و خالص ہوگی اسواسطے

[1] مور صاحب کی انڈین اپیلس جلد ۱ صفحہ ۵۱۷ ۱۲ منہ

کہ وصیت کا جوہر یہ ہے کہ اوسکا نفاذ موصی کے مرنیکے بعد ہو۔

فصل دوم

موصی کی قابلیت

موصی کی قابلیت وصیت کے باب مین اہل اسلام کے فرقون مین اختلاف عظیم ہے۔ مگر سب فرقون کے نزدیک حُرّیت۔ یعنے آزاد ہونا وصیت کی شرط ضروری ہے۔ غلام یا مکاتب یعنے وہ غلام جسنے اپنے مالک سے اپنی قیمت دینے کا معاہدہ کرکے ایک قسم کی محدود آزادی حاصل کرلی ہو اپنی جائداد کو بذریعہ وصیت نہین منتقل کرسکتا۔ مگر جو وصیت اوس شخص نے کی ہو جسکو یہ عذر شرعی مانع وصیت ہو اوسوقت جائز ہوجاے گی جبکہ اوس وصیت کا نفاذ اوسکے آزاد ہونے کے بعد کسی وقت پر موقوف رکھا گیا ہو۔ جو شخص کسی جرم کی علت مین قید ہو اوسکو یہ عذر شرعی مانع وصیت نہین ہے کیونکہ اوسکی آزادی کا جاتا رہنا شرعًا اوسکو اپنی جائداد کے انتقال سے مانع نہین ہے اور اوسکے مجرم قرار پانے سے اوسکی جائداد کا ملک دوسرے شخص کو نہین حاصل ہوجاتا برخلاف غلام کے کہ غلام مطلق ہو خواہ مکاتب ہو صرف باختیار اپنے مالک کی جائداد پر قابض رہ سکتا ہے

صحیح العقل ہونا بھی ایک شرط جواز وصیت کی ہے جیسا فتاوے عالمگیری مین لکھا ہے کہ "وصیت اوس شخص کی جو کوئی فعل عمدًا یا سہوًا یا قصدًا نہ کرسکتا ہو باطل ہے۔ لہذا وصیت مجنون یا مکاتب یا ماذون کی ناجائز ہے۔ اور اگر کوئی شخص وصیت کرنیکے وقت مجنون ہو اور بعد ازآن اوسکا جنون دفع ہوجائے اور وہ مرجاے تو بھی اوسکی وصیت اسوجہ سے ناجائز ہوگی کہ وصیت کرنے کے وقت وہ مجنون تھا۔

---

[1] سائیر صاحب کی کتاب صفحہ ۱۲۴۳ – منہ [2] مکاتب وہ غلام ہے جسنے اپنے آقا سے اپنی آزادی کے باب مین کوئی قول و قرار کرلیا ہو اور ماذون وہ غلام ہے جسنے اپنے حق مین تجارت کرنیکی اجازت اپنے مالک سے لی ہو ۱۲۰ منہ

قانون انگلستان کے بموجب یہ ہے کہ جو وصیت کسی مجنون نے
اوس حالت مین کی ہو جبکہ اوسکو جنون سے افاقہ ہو گیا ہو وہ وصیت جائز ہے - یعنے اگرچہ
کسی شخص کا حالت جنون مین پایا جانا بادی النظر مین اوسکے جنون دائمی کی دلیل ہے لہذا
اوسکے وصیت نامہ کے باطل ہونیکی بھی دلیل ہے تاہم اس امر کے ثبوت سے مانع نہین ہے
کہ وہ وصیت نامہ جنون سے افاقہ کی حالت مین تحریر کیا گیا تھا - مگر شرع محمدی کا اصول
ظاہر اور ہے اسواسطے کہ فتاوی قاضی خان کے موافق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کرنیکے بعد
مجنون دائمی ہو جاوے تو وہ وصیت باطل ہو جاوے گی - لکن اگرچہ مہینہ سے زیادہ مجنون نہ رہا ہو تو
وہ وصیت باطل نہ ہو جاوے گی -

شرع مین یہ حکم ہے کہ موصی کو بالکل صحیح العقل ہونا چاہیئے
اور اگر کوئی شخص وصیت کرنیکے تھوڑی مدت کے بعد دیوانہ ہو جاوے یا وصیت کرنیکے وقت
دیوانہ ہو تو اوسکی نسبت یہ قیاس کیا جاوے گا کہ اپنے اس فعل کی حقیقت سمجھنے کی لیاقت
تامہ نہ رکھتا تھا - اسی طرح سے اگر کوئی شخص وصیت کرنیکے بعد مجنونانہ حرکتین کرنے لگے
اور بعد ازآن مجنون ہو جاوے اور مرتے دم تک اوسی حالت مین رہے تو وصیت باطل
ہو جائیگی[۱] - اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جب کوئی آدمی مجنون ہو جاوے اور اوسنے جنون سے
افاقہ کی حالت مین وصیت کی ہو تو وہ وصیت باطل ہوگی اونھین وجوہ سے جن وجوہ سے
وصیت اوس شخص کی جو وصیت کرنیکے بعد مجنون ہو گیا ہو باطل ہوگی - مگر سوال یہ ہے
کہ آیا بالکل صحیح العقل ہونا شرط ضروری جواز وصیت کی ہے - شرایع الاسلام مین
عقل کامل کا ہونا جواز وصیت کو لازم لکھا ہے مگر جو مسائل جامع الشتات مین لکھے ہین
اونسے عموماً اور حنفیہ کے مسائل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ صرف اتنی بات
ضرور ہے کہ موصی اتنی عقل رکھتا ہو کہ فعل وصیت کی حقیقت سمجھ سکے - جبتک اوس

[۱] ردالمحتار صفحہ ۱۲۹۵۱ - منہ -

اوس فعل کی حقیقت سمجھنے کی لیاقت عقلی اوسمین موجود رہے اور جبتک وہ اتنی عقل رکھتا ہے کہ اوس وصیت کے اثر یا نتیجہ کو سمجھ سکے اوسوقت تک محض مجنونانہ خیالات یا حرکات سے اوسکی قابلیت وصیت نہ زائل ہو جاے گی۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ شرع محمدی کے اصول قانون انگلستان کے اصول سے اس امر مین مشابہ ہین کہ جو شخص کسی ایسے خبط یا سفاہت مین گرفتار ہو جو اوسکے فہم و ادراک مین مخل نہ ہو وہ وصیت کرنے کی قابلیت شرعی یا قانونی رکھتا ہے۔

صرف جنون محض و مطلق ہی ازالۂ قابلیت وصیت کا سبب نہین ہے بلکہ سفیہ کی وصیت بھی یقیناً باطل ہے اور جو سفاہت کبرسن یا مرض یا اور کسی سبب سے پیدا ہو وہ بھی اختیار وصیت کو زائل کر سکتی ہے۔ زوال قابلیت وصیت چند روزہ اور دائمی دونون ہوسکتا ہی زوال چند روزہ میخواری یا بیماری یا کسی شئے مخدر کے استعمال سے ہوسکتا ہے اور سفیہ یا ضعیف العقل پر دباب ناجائز عمل مین لانے سے بھی یہی نتیجہ پیدا ہوسکتا ہی۔

شرع محمدی مین افعال متعلقۂ انتقال جائداد اوس شخص کے جو ایسے مرض مین مبتلا ہو جسمین سے خوف ہلاکت ہو اور جو آخر الامر اوسکی موت کا باعث ہو جاے صرف ایک اثر محدود رکھتے ہین۔ مثلاً اگر وہ شخص جو ایسے مرض مین مبتلا ہو ہبہ یا وقف کرے تو گو یہ فعل ایسا ہی جو فوراً نفاذ پذیر ہے مگر وصیت کے حکم مین ہے اور صرف وہانتک جائز ہے جہانتک وصیت جائز ہوسکتی ہے۔ یعنے صرف ثلث مال مین نافذ ہوسکتا ہے۔ اسمین موصی کی قابلیت وصیت یا اوسکے فعل کے اختیاری ہونیکو کچھ دخل نہین ہے۔ بلکہ جو شخص ایسی حالت مین مبتلا ہو اوسکی نسبت شرعاً قیاس کیا جاے گا کہ قابلیت تامہ انتقال یا وصیت کی نہین رکھتا تھا۔ لہذا جو انتقالات اختیاری فوراً نفاذ پذیر ہون جب اونکے اثر پر غور کیا جاے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ اون انتقالات کے وقوع کے وقت منتقل کنندہ کی کیا حالت تھی۔ اگر وہ اوسوقت تندرست تھا تو وہ انتقالات اوسکی کل جائداد

مال کی نسبت جائز ہین اور اگر اوسوقت وہ بیمار تھا تو وہ انتقالات اوسکے صرف ثلث مال کی نسبت جائز ہین - انتقالات سے وہ افعال مراد ہین جو کسی حکم پر شامل ہین یا جنسے کوئی حق پیدا ہو اور جو کسیقدر شرعاً وقوع مین آئی ہون اسواسطے کہ بیماری کی حالت مین قرضہ کا اقرار کر لینے سے وہ قرضہ آدمی کی کل جائداد پر عائد ہوجاتا ہے اور اسی طرح سے نکاح عالم بیماری مین کر لینے سے منکوحہ کا مہر معین ناکح کی کل جائداد پر عائد ہوجاتا ہے - وہ فعل جسکا نفاذ فاعل کے مرنے پر موقوف ہو گو وہ بحالت صحت نفس وقوع مین آیا ہو تو بھی صرف اوسکے ثلث مال مین نافذ ہوگا جیسے کوئی شخص کہے کہ "تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے" یا "یہ چیز میرے مرنیکے بعد زیدکو دیجاوے" بیمار آدمی کا عتق[1] اور محابات اور ہبہ اور وقف اور ضمان یہ سب افعال وصیت کا حکم رکھتے ہین اور صرف اوسکے ثلث مال مین نافذ ہوسکتے ہین - جن امراض سے خوف ہلاکت خواہ مخواہ ہوتا ہے اور جنکو فقہ کی اصطلاح مین مرض الموت کہتے ہین اونکی کیفیت سابق مین مفصل بیان ہوچکی ہے مگر اس مسئلہ کی اور زیادہ توضیح اس مقام پر کرنا فائدہ سے خالی نہین ہے -[2]

قہستانی نے فرمایا ہے کہ مرض الموت وہ بیماری ہے جو موت کا باعث ہو اگرچہ مریض اوس بیماری سے صاحب فراش ہوگیا ہو وہ مرض مزمن مرض الموت نہین سمجھا جاتا جس سے مریض کو انتقال جائداد پر قدرت نہ باقی رہے اور اوسکی قابلیت اپنی کل جائداد کو منتقل کرنیکی محدود ہوجاوے - اسکی وجہ یہ ہے کہ جب مرض مزمن ہوگیا ہو تو وہ مریض کے مزاج مین داخل ہوجاتا ہے جیسے اندھے یا لنگڑے وغیرہ کی کیفیت ہوتی ہے - پس مرض الموت وہ بیماری ہے جس سے خوف ہلاکت ہو اور یہ جب ہوتا ہے

[1] عتق کے معنی بردہ آزاد کرنا ہے اور محابات وہ فعل ہے جس سے واہب موہوب لہ کی رعایت سے مال مبیع یعنی جو جائداد فروخت ہوچکی ہے اوسکی قیمت گھٹا یا بڑھا دیتا ہے - محابات جو سے مشتق ہے ۱۲ - منہ

[2] ردّ المختار کتاب الوصیت صفحہ ۹۳۹ - ۱۲ - منہ

کہ جب مرض بڑھتے بڑھتے آخر موت کا باعث ہوجاتا ہے مگر جب ایک عرصہ تک بیماری ایک ہی
حال پر رہے یا اوسمین ترقی ہو تو ایسی غیر محسوس ہو کہ مریض کو اپنی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو
اور وہ اوس مرض کا عادی ہوجاوے تو وہ مرض الموت نہین ہے ۔ جب بیمار ہونیکے
پورے برس روز کے بعد بیمار آدمی مرجاوے تو جو انتقال اوسنے کیا ہو وہ اوسکے کل
مال مین نافذ ہوگا ۔ مگر جب اوس میعاد سے پہلے آدمی ایسی بیماری سے مرجاوے جو اکثر
مہلک ہوتی ہے اور اوس بیماری کی وجہ سے وہ اپنے کاروبار معمولی سے معذور ہوگیا ہو
یا اگر وہ عورت ہو تو امور خانگی کے انصرام سے معذور ہوگئی ہو تو ایسی بیماری مرض الموت
سمجھی جاوے گی اور جو انتقال متوفی یا متوفیہ نے کیا ہو وہ اوسکے ثلث مال مین نافذ ہوگا ۔
جو انتقال[۱] اوس عورت نے جسکا وضع حمل قریب ہو تبرعاً کیا ہو اوسکے ثلث مال مین نافذ ہوگا ۔ ایسے ہی
اگر دو گروہون مین باہم لڑائی ہو اور خونریزی کی نوبت آئے اور کچھ لوگ مارے جائیں
تو مرض الموت کا قاعدہ جاری ہوگا یعنے جو انتقال اون لوگون نے لڑائی پر آمادہ ہونیکے بعد
کیا ہو وہ اونکے ثلث مال مین نافذ ہوگا لیکن اگر لڑائی نہ ہوی ہو تو نہ ہوگا ۔ یہی قاعدہ اوس
انتقال مین جاری ہوگا جو کسی شخص نے طوفان کے عالم مین کیا ہو یا اوس قیدی نے
کیا ہو جسکے قتل کا حکم ہوچکا ہو[۲] اس مسئلہ مین شیعہ کے احکام حنفیہ کے احکام سے
مشابہ ہین گو چند اختلافات بھی ہین جنپر توجہ کرنا ضرور ہے ۔ جواہر الکلام مین لکھا ہے کہ
انتقال جائداد جو کوی شخص مرض الموت کی حالت مین کرے دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ
انتقال جو مؤجل ہو معجل نہ ہو یعنے جسکا نفاذ موصی کے مرنے کے بعد کیا جاوے ۔ اور دوسرا
وہ انتقال جو معجل ہو یعنے جسکا نفاذ فوراً مقصود ہو ۔ پہلی قسم کا انتقال باتفاق علمائے شیعہ
من جمیع الوجوہ وصیت سمجھا جاوے گا اور مانند اوس شخص کے فعل کے تصور کیا جاویگا

---

[۱] اس سارے باب مین انتقال سے ظاہرا انتقال جائداد بذریعہ وصیت یا انتقال بالوصیت مرادہے ۔ ۱۲ مترجم

[۲] ردالمختار صفحہ ۱۲۶۵ ۔ منہ

جیسے بحالت صحت شخص کوئی انتقال کرکے اوسکو اپنی موت پر موقوف رکھا ہو اور جسکا نفاذ وسکی وفات تک نہین ہوسکتا - دوسری قسم کا انتقال وہ ہے جسکا نفاذ فوراً کیاجاے جیسے محابات ہے اور محابات کے معنے یہ ہین کہ مبادلہ اور ہبہ اور وقف اور عتق ان معاملات مین جو نقصان ہوجاے اوس سے چشم پوشی کرنا اور فریق ثانی کی رعایت کرنا - ایسا انتقال بعض علماء شیعہ کے نزدیک موصی کی کل جائداد مین اور بعض کے نزدیک اوسکے ثلث مال مین نفاذ پذیر ہے [۱]

مگر علماء کے دونون گروہون نے اس بات پر اتفاق کیاہے کہ اگر وہ شخص بیماری سے شفا پاے تو وہ انتقال خود اوسکے اور اوسکے ورثہ کے مقابل مین نافذ ہوجاےگا اختلاف صرف اوس صورت مین ہے جبکہ وہ اوس بیماری سے مرجاے

اب اون امراض کو بیان کرنا ضرور ہے جو آدمی کو ثلث مال سے زیادہ کا انتقال بالوصیت کرنے سے مانع ہین ہر ایک مرض کو جس سے عموماً خوف ہلاکت ہو مرض مخوف یا مرض الموت کہ سکتے ہین جیسے تپ محرق یا دق یا نفث الدم یعنے خون تھوکنا وغیرہ - مگر جو امراض عموماً شفا پذیر ہین اونکا ایسا اثر انتقال جائداد پر ہوتاہے کہ گویا آدمی نے اوسکو صحت کے عالم مین کیاہے جیسے حمی یومیہ یا درد سر خواہ بڑھتاجاے خواہ نہ بڑھتاجاے یا ضفدع اللسان وغیرہ - وہ امراض جو مہلک اور غیر مہلک دونون ہوسکتے ہین ایسے ہین جیسے تپ سوداوی یا تخمہ یا ورم بلغمی - مگر بہتر یہی ہے کہ مرض الموت اون سب بیماریون کو سمجھنا چاہیے جو فوراً یا چند مدت کے بعد ہلاکت ہون خواہ عموماً خطرناک ہون خواہ نہ ہون - مگر ہنگامہ جنگ مین مقاتلہ ہونا یا عورتون کو درد زہ عارض ہونا یا سمندر مین طوفان آنا ان آفات کا اثر نہین ہوتاہے کہ آدمی کا اختیار انتقال جائداد زائل ہوجاے اسواسطے کہ ان حوادث پر لفظ مرض ہرگز نہین صادق آتا [۱]

[۱] اس مسئلہ مین حنفیہ نے شیعہ سے اختلاف کیاہے ۱۲ - منہ -

انتقالات یا وصیت جو اوس شخص نے کئے ہون جو ایسے مرض مین
مبتلا ہو جو آخر الامر اوسکی ہلاکت کا باعث ہون شرایع الاسلام مین بعبارت ذیل بیان
کیے گئے ہین۔

(الف) جب کسی مریض نے ہبہ کیا ہو اور محابات بھی کی ہو اور اوسکا
ثلث مال ان دونون معاملون کے لیے کافی ہو تو دونون لاکلام نافذ کیے جائین گے
۔لکن اگر ثلث مال اس مقدار سے کم ہو تو جو معاملہ متوفی نے پہلے کیا ہو اوسکو ترجیح دی جا
اور اسی طرح سے دیگر معاملات بھی بلحاظ تقدم و تاخر نافذ کئے جائین گے یہانتک کہ
ثلث مال ختم ہو جاوے تب جو کمی پڑے وہ سب سے آخری معاملہ پر عائد کیجاے۔

(ب) جب ہبہ مؤجل اور ہبہ معجّل دونون ساتھ کئے جائین تو ہبہ معجّل
کو ترجیح دی جاوے اور ہبہ مؤجّل بھی نافذ کیا جاوے اگر ثلث مال دونون کے نفاذ کو
کافی ہو۔لکن اگر ثلث مال کفایت نہ کرے تو ہبہ مؤجّل ثلث مال تک نافذ ہوگا اور باقی مین باطل ہوگا۔

(ج) جب مریض ایک کر سے زیادہ غلہ نہ رکھتا ہو۔اور اوسکی قیمت چھ
دینار ہو اور اوسکو بمعاوضہ ایک کر غلہ کے جو اوس سے بدتر ہو اور جسکی قیمت دو دینار
ہو بیع کرے تو یہ معاملہ محابات ہے اور اس سے جو نقصان ہوا ہے وہ اوسکی کل جائداد
کا ایک نصف ہی ہے حالانکہ اوسکو ایک ثلث سے زیادہ کی نسبت یہ معاملہ کرنا شرعاً نہین
جائز تھا لہذا مشتری کو لازم ہے کہ ایک سدس اوسکا اوسکے ورثہ کو واپس کردے
مگر ایسا کرنے سے ربوٰ یعنے سود ہو جاوے گا۔پس اس معاملہ کو شرعاً جائز کردینے کے لیے
ضرور ہے کہ مشتری بایع کے ورثہ کو ایک ثلث اونکے اچھے غلہ کا واپس کردے تب
اون ورثہ کے پاس دو ثلث اوسکے رہجائین گے جنکی قیمت دو دینار ہے اور مشتری پاس
بھی دو ثلث رہجائین گے جنکی قیمت چار دینار ہے پس صرف دو دینار یا ایک ثلث چھ کا (
یعنے کل جائداد کا) زیادہ رہے گا اور یہی وہ مقدار ہے جسکو بایع مرض الموت کی حالت مین

شرعاً منتقل کرسکتا تھا۔

(د) اگر کوئی مریض اپنی دوسے روپیہ کی چیز سو روپیہ کو بیچڈالے اور بعد اوسکے اوس مرض سے اچھا ہوجائے تو اس معاہدہ کی پابندی اوسکو یقیناً واجب ہے۔ لکن اگر وہ مرجاے اور اوسکے بعد ورثہ اس بیع سے راضی نہ ہون تو یہ معاملہ جائز ہوگا جہانتک اوس چیز کا ایک نصف اوس قیمت کے مقابل ہو جو اوسنے فی الواقع دی ہے یعنے چھہ مین سے تین اور یہ محابات دو سدس یا چھہ کے ایک ثلث مین جائز ہے اور یہ دونون ملاکر اوس چیز کے پانچ سدس کے برابر ہوے پس اس مقدار تک تو یہ بیع جائز ہے اور صرف ایک سدس جو باقی رہگیا ہے اوسکے نسبت ناجائز ہے لہذا وہ ورثہ کو واپس کردینا چاہیئے۔ مگر مشتری کو اختیار ہے کہ چاہیے اوس بیع کو اسوجہ سے فسخ کرے کہ اوسکا صرف ایک جزو جائز تھا یا اوسکا پابند رہے اور اگر وہ اوسکی پابندی اختیار کرکے بایع کے ورثہ کو اوس چیز کے ایک سدس کا معاوضہ دیدے تو اونکو بھی اوسکے لینے نہ لینے کا اختیار ہے کیونکہ اونکا حق اوس چیز کے عین مین موجود ہے"

ان احکام کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب کوئی شخص مرض الموت کی حالت مین انتقال بالوصیت کرے تو وہ جائز ہے بشرطیکہ وصیت کرنے کے وقت موصی کے ہوش وحواس درست ہون اور یہ فعل اوسکا اختیاری ہو اضطراری یا جبری نہ ہو۔ جس فعل کا نفاذ فوراً مقصود ہو یعنے فعل معجل وہ بھی بطور وصیت کے نافذ ہوگا۔

مگر وہ انتقال جو مرض الموت کی حالت مین یا موت کے خیال سے تبرعاً کیا گیا ہو اوسمین اور کسی دین کا اقرار کرنے مین بڑا فرق ہے۔ چنانچہ ہدایہ مین لکھا ہے کہ "جب کوئی شخص اپنی جائداد کے باب مین کوئی فعل اختیاری معجل عمل مین لاوے (جو فوراً انفاذ پذیر ہو اور اوسکی وفات پر موقوف نہ ہو) اور اوس فعل کو بحالت صحت نفس عمل مین لاے تو وہ فعل اوسکی کل جائداد مین نافذ ہوگا اور جب کوئی شخص ایسا فعل عمل مین

لاگر اوسکا نفاذ اپنے مرنے پر موقوف رکھے تو وہ اوسکے ثلث مال مین نافذ ہوگا خواہ وہ اوسوقت بیمار ہو خواہ تندرست ہو۔ مگر برخلاف اسکے اگر کوئی شخص دین یا قرضہ کا اقرار کرے تو وہ اقرار اوسکی کل جایداد مین نافذ ہوگا اگرچہ اوسنے بیماری کی حالت مین کیا ہو کیونکہ یہ فعل تبرعاً یا رعایتاً نہین کیا گیا ہے۔ تاہم اس قسم کا اقرار جو حالت صحت مین کیا گیا ہو اسی قسم کے اقرار پر جو حالت مرض مین کیا گیا ہو مقدم رکھا جاوے گا۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ مرض جس سے آدمی شفا پاوے شرعاً صحت کا حکم رکھتا ہے۔

۱۰۰۰ اگر کوئی مریض قرضہ کا اقرار کسی غیر عورت کے باب مین کرے یا اوسکی باب مین وصیت کرے یا کوئی چیز اوسکو ہبہ کرے اور بعد ازآن اوس سے نکاح کرلے اور پھر مرجاوے تو وہ اقرار صحیح ہے مگر وہ وصیت یا ہبہ باطل ہے اسواسطے کہ بطلان اوس اقرار کا جو کسی وارث کے باب مین کیا گیا ہو اسپر موقوف ہے کہ وہ شخص وہ اقرار کرنے کے وقت وارث ہو مگر بطلان اوس وصیت کا جو کسی وارث کے باب مین کی گئی ہو اسپر موقوف ہے کہ موصی لہ موصی کی وفات کے وقت اوسکا وارث ہو جیسا کہ اوپر مین بیان کیا گیا اور چونکہ وہ عورت اوس اقرار کے وقت اوس شخص کی وارث نہ تھی بلکہ اوسکے مرنے کے وقت بسبب نکاح کے اوسکی وارث ہوگئی تھی لہذا وہ اقرار صحیح ہے مگر وہ وصیت باطل ہے اور اسی طرح سے وہ ہبہ بھی باطل ہے کیونکہ وصیت اور ہبہ کا ایک ہی حکم ہے۔

اگر کوئی مریض اپنے بیٹے کے باب مین قرضہ کا اقرار کرے یا اوسکو ہبہ یا وصیت اوسوقت کرے جبکہ وہ نصرانی ہو اور وہ (بیٹا) بعد ازآن اپنے باپ کی وفات کے پیشتر مسلمان ہوجاوے تو وہ اقرار اور ہبہ اور وصیت سب باطل ہین۔ وصیت اور ہبہ تو اس سبب سے باطل ہے کہ وہ بیٹا اپنے باپ کی وفات کے وقت اوسکا

وارث نہ تھا جیسا سابق مین بیان کیا گیا اور اقرار دین اسوجہ سے باطل ہے کہ اگرچہ وہ بیٹا
نصرانی ہونے کی وجہ سے اوس اقرار کے وقوع کے وقت اپنے باپ کا وارث نہ تھا (کیونکہ کفر
مانع ارث ہے) تاہم سبب وراثت یعنے نسب تو اوسوقت موجود تھا جس سے اوسکے باپ
پر یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ اوسنے جھوٹا اقرار اسلیے کر دیا تھا کہ اوسکے مال کا ایک جز اوسکے
بیٹے کو مل سکے - مگر نکاح کی اور صورت ہے جیسا سابق مین بیان کیا گیا کہ اوسمین سبب وراثت
نکاح تھا اور وہ اوس اقرار کے بعد واقع ہوا تھا اوسکے قبل نہ واقع ہوا تھا کیونکہ فرض کیجیے
کہ وہ نکاح اقرار کرنے کے وقت موجود تھا اور اوسوقت زوجہ نصرانیہ تھی مگر بعد ازآن اپنے
شوہر کی وفات کے پیشتر مسلمان ہو گئی تو اوس صورت مین وہ اقرار ناجائز ہوگا -

اگر کوئی مریض اپنے بیٹے سے جو غلام محض یا مکاتب ہو قرضہ
کا اقرار کرے یا اوسکو ہبہ یا وصیت کرے اور باپ کے مرنیکے بعد بیٹا آزاد کر دیا جاے
تو اوس صورت مین انمین سے کوئی فعل بھی جائز نہین ہے اسکے وجوہ مثال مذکورہ بالا مین
بیان ہو چکے ہین -

اسی طرح سے قاضی خان نے فرمایا ہے کہ "اگر مریض کسی غیر عورت
سے قرضہ کا اقرار کرے یا اوسکے نام ہبہ یا وصیت کرے بعد ازآن اوس سے نکاح
کر کے مر جاے تو وہ اقرار ہمارے (حنفیہ) کے نزدیک جائز ہے مگر وصیت اور ہبہ
باطل ہے - اور جب مریض نے اپنے بیٹے کے نام وصیت کی ہو یا ہبہ مع الاقباض یا اقرار
دین کیا ہو اور وہ بیٹا اوسوقت کافر یا غلام ہو اور بعد ازآن اپنے باپ کی وفات کے قبل
مسلمان یا آزاد ہو جاے تو انمین سے ہر فعل باطل ہے"

مگر جب کسی خاص رقم یا کسی خاص چیز کا اقرار نہ کیا ہو تو اوسکا نفاذ
ثلث مال مین کیا جاے گا - مثلاً اگر کوئی شخص مرض الموت کی حالت مین اپنے ورثہ سے
کہے کہ "مین زید کا قرضدار ہون اور جو کچھ وہ کہے تم اوسکا اعتبار کرنا" تو اس صورت مین

زید کا دعوے کسی مقدار پر جو ثلث مال سے زائد نہ ہو تسلیم کر لیا جاوے گا اگرچہ ورثہ بھی اوسکا دعوے کرین - قول راجح یہی ہے[1]

اسی طرح سے اگر موصی اپنے ورثہ سے کہے کہ ہمارا اگر زید ہمارے پاس اگر کسی چیز کا دعوے مجھ پر کرے تو اوسکو وہ دینا چاہیے اوسکی مقدار جو ہو تو یہ اقرار بقدر ثلث مال تسلیم اور نافذ کیا جاوے گا اور چونکہ یہ اقرار بمنزلہ وصیت ہے لہذا زید کا دعوے مقر کے ثلث مال سے زیادہ مین نہین نافذ ہو سکتا - پس اگر اس اقرار کے علاوہ موصی نے اور چند وصایا چند اشخاص کے نام کیے ہون تو اوسکے مال کا ایک ثلث موصی لہم کے لیے اور دو ثلث ورثہ کے واسطے رکھا جاوے گا - اور موصی لہم اور ورثہ سے پوچھا جاوے گا کہ موصی نے زید کے باب مین کیا کہا تھا - اگر وہ کچھ دین یا قرضہ تسلیم کر لین تو وہ مقر کے مال و اسباب سے بقدر حصص ورثہ و موصی لہم کے ادا کیا جاوے گا اور اونسے کہا جاوے گا کہ جہانتک مناسب سمجھین وہانتک زید کے دعوے کی تصدیق کرین - پس اگر ورثہ اور موصی لہم دونون اقرار کرین کہ زید کا کچھ قرض ہے تو ظاہر ہے کہ موصی کی جائداد پر ایک دین ہے جسکا اثر اون دونون کے حصہ پر پہونچتا ہے اور جب یہ ہوا تو اس سے یہ لازم آیا کہ اگر زید اوس سے زیادہ کا دعوے کرے جتنا ورثہ اور موصی لہم تسلیم کرین اور موصی کے اقرار غیر معین کے سوائے زید اور کوئی ثبوت اپنے دعوے کا نہ رکھتا ہو تو ورثہ اور موصی لہم کا بیان باین مضمون کہ ہمارے علم و یقین مین اس سے زیادہ زید کا قرضہ نہین ہے یقین کیا جاوے گا اور ان کو حلف کرنے کی تکلیف نہ دی جاوے گی کیونکہ انسے حلف اس مقدمہ مین نہ لینی چاہیئے جو صرف مدعی اور مقر کے درمیان ہوا ہے اور جسمین وہ کوئی فریق نہین ہین[2] -

اگر کوئی شخص کسی چیز کی وصیت اپنے کسی وارث اور غیر شخص کو

---

[1] ہدایہ صفحہ ۶۹۴ - ۱۲ - منہ [2] شرایع الاسلام صفحہ ۲۴۷ - ۱۲ - منہ -

بالاشتراک کرے تو اس صورت مین وارث کے نام تو وصیت صحیح نہین ہے البتہ صرف نصف
مال وصیتی اوس غیر شخص کو دیا جاوے گا اسواسطے کہ چونکہ وارث بھی ایک موصی لہ ہے
لہذا اوس غیر آدمی کے اس حق کا مانع ہے جو اوسکو کل مال وصیتی مین حاصل ہوتا - مگر یہ اوس
صورت مین نہ ہوگا جبکہ وصیت ایک زندہ اور ایک مردہ کے نام کی ہو کیونکہ اس
صورت مین چونکہ مردہ مال وصیتی نہین لے سکتا لہذا وہ سارا مال اوس زندہ کو ملیگا۔

صغیر یا نابالغ کی قابلیت انتقال بالوصیت کے باب مین فرق اسلام
مین اختلاف عظیم ہے - شیعہ کے نزدیک عقل کامل اور آزادی جواز وصیت کو لازم ملکیہ
الزم ہے اور وصیت مجنون یا صبی کی جبکہ سن دس برس سے کم ہو نہین جائز ہے - مگر جب
اوسکی عمر دس برس کی ہوجاوے تو قول مشہور وراجح یہی ہے کہ وہ جملہ انتقالات بالوصیت
مقاصد مباح کے لیے اپنے اقربا اور غیرون پر کرسکتا ہے بشرطیکہ رشید و ذی شعور ہو
اس مسئلہ مین شافعیہ اور مالکیہ نے عموماً شیعہ سے اتفاق کیا ہے - شافعیہ کے نزدیک
صبی شرعاً وصیت کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنے اس فعل کی حقیقت سمجھنے کی قابلیت
رکھتا ہو[1] - خلاصہ یہ ہے کہ جب موصی کی قابلیت وصیت کا قیاس ہوسکے تو اوسکی عمر
کے باب مین کوئی سخت حکم شرع کا نہین ہے - مالکیہ کے نزدیک بھی نابالغی فی نفسہ
مانع شرعی وصیت کا نہین ہے مگر اس فرقہ کے علما مین نابالغ کی وصیت کے باب
مین اختلاف معلوم ہوتا ہے - بعض علما مالکی کا یہ قول ہے کہ صرف وہ وصیتین نابالغ کی
جائز ہین جو امور مذہبی کے باب مین کی ہون اور بعض کا یہ قول ہے کہ نابالغ کے حق وصیت
کو ایسے امور پر محدود نہ کرنا چاہیے بلکہ تمام وصایا پر حاوی کرنا چاہیے بشرطیکہ اون وصایا
مین باہم منافات نہ معلوم ہو اور وہ نابالغ اتنی عقل رکھتا ہو کہ اپنے اس فعل کی
خاصیت کو سمجھ سکے۔

[1] سا ئیر صاحب کی کتاب صفحہ ۱۹۳ - ۱۲ منہ

مگر حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ جو لڑکا حد بلوغ کو نہ پہونچا ہو وہ عقل و شعور
نہین رکھتا ہے لہذا وصیت نہین کر سکتا - چنانچہ ملتقی الابحار مین صاف لکھا ہے کہ "جواز
وصیت چند شروط پر موقوف ہے جنمین سے ایک شرط یہ ہے کہ موصی کو بالغ ہونا چاہئیے"
- اور فتاوائے عالمگیری مین بھی لکھا ہے کہ "ہمارے نزدیک جو وصیت نابالغ نے
کی ہو خواہ وہ مراہق[1] ہو خواہ نہ ہو ناجائز ہے - اور اسمین کچھ فرق نہین ہے کہ اوس لڑکے
کو سوداگری کرنیکی اجازت دی گئی ہو خواہ نہ دی گئی ہو اور وہ خواہ قبل بلوغ خواہ بعد بلوغ
مر جاوے - اسی طرح سے اگر وہ کہے کہ "اگر مین بالغ ہو جاؤن تو میرے مال کا ایک
ثلث فلان شخص کو ملے" تو یہ وصیت بھی اسوجہ سے ناجائز ہے کہ وہ اوسوقت اسکی
قابلیت شرعیہ نہ رکھتا تھا یعنے نابالغ تھا" ردّ المختار مین لکھا ہے کہ "وصیت
نابالغ کی نہین جائز ہے گو وہ رشید یا ذی شعور ہو مگر وہ وصیت جو وہ اپنی تجہیز و تکفین کے
مصارف کی باب مین کرے - جیسا حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ مراہق
اپنی تجہیز و تکفین کے باب مین وصیت کر سکتا ہے - ہدایہ مین اوس اختلاف کو بتفصیل بیان
کیا ہے جو اس مسئلہ مین حنفیہ اور شافعیہ مین ہے - نابالغ کی وصیت نہین جائز ہے
مگر امام شافعی نے فرمایا ہے کہ اوسکی وصیت اس شرط سے جائز ہے کہ کسی معقول اور مناسب
امر کے لیے کیجاوے اسواسطے کہ حضرت عمرؓ نے ایک صبی کی وصیت کو جائز رکھا اور نیز
اسواسطے کہ اس وصیت کی تعمیل سے اوس لڑکے کو ثواب ہوگا اور اسکی تفسیخ سے اوسکو
کچھ ثواب نہ ہوگا ہمارے علماء (حنفیہ) نے دو دلیلین اپنے قول کی تائید مین لکھی ہین - ایک
دلیل یہ ہے کہ وصیت ایک فعل اختیاری ہے جسکا حسن و قبح سمجھنے کی قابلیت نابالغ نہین
رکھتا ہے - دوسری دلیل یہ ہے کہ نابالغ کا قول واجب العمل نہین ہے لیکن اگر اوسکی وصیت
کا جواز تسلیم کر لیا جاوے تو اوسکے قول پر عمل کرنا پڑے گا - اور حضرت عمرؓ سے جو روایت

---

[1] مراہق وہ لڑکا ہے جو قریب بہ بلوغ ہو ۱۲ - منہ

لکھی ہے اوسمین لفظ صبی سے وہ شخص مراد ہے جو ابھی بالغ ہوا ہو یا صبی کی وصیت سے
فقط وہ وصیت مقصود ہے جو اوسنے اپنے دفن وکفن کے باب مین کی ہو اور یہ ہمارے
علمار کے نزدیک جائز ہے۔ قطع نظر اسکے صبی کی وصیت کا باطل ہونا خود اوس صبی کی
حق مین مفید ہے کیونکہ جب اوسکا مال اوسکے ورثہ کو ملیگا تو حقوق قرابت باقی رہین گے
اور رشتۂ محبت قائم رہے گا جیسا سابق مین بیان کیا گیا۔ اور یہ جو امام شافعی نے فرمایا ہے
کہ نابالغ کی وصیت کی تعمیل سے اوسکا فائدہ متصور ہے اسکا جواب یہ ہے کہ جب کسی امر مین
نفع یا نقصان متصور ہو تو غور طلب یہ بات ہے کہ اس فعل کا نتیجہ فوری کیا ہوگا نہ یہ کہ انجام
اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ یعنے اگر اوس فعل سے فی نفسہ کوی فائدہ فوری ہو تو اوسکو
نابالغ کے خاطر عمل مین لانا بہتر ہے مگر یا نحن فیہ مین یعنے جس مسئلہ کی تحقیق اس مقام پر
ہو رہی ہے اوسمین اوس فعل (یعنے وصیت) کا نتیجہ فوری یہ ہے کہ نابالغ کے مال کا
نقصان ہوتا ہے گو آخر مین اوسکو کچھ فائدہ ہو یعنے اوسنے بہ نیت ثواب یا بغرض تقرب الٰہی
وصیت کی ہو اور جب نابالغ کی وصیت کا نتیجہ فوری نقصان ہوا تو وہ ناجائز ہوگئی جیسا
طلاق مین ہوتا ہے کہ اگر کوی نابالغ اپنی زوجہ کو طلاق دے یا اوسکا ولی اوسکی طرف سے
طلاق دے تو وہ طلاق واجب العمل نہین ہے اگرچہ اکثر اوقات طلاق سے فائدہ
ہوتا ہے جیسے مثلاً کسی نابالغ کی زوجہ غریب ہو اور اوسکو طلاق دیکر وہ اپنی کسی رشتہ کی
بہن سے جو متمول اور خوبصورت ہو اپنا عقد کرنا چاہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے علمار کے
نزدیک نابالغ کی وصیت ناجائز ہے۔ اسی طرح سے اگر کوی نابالغ وصیت کرے اور
پھر بالغ ہونے کے بعد مرجاسے تو ایسی وصیت بھی ناجائز ہے کیونکہ اوسوقت ہوی تھی
جبکہ موصی اس فعل کی قابلیت نہ رکھتا تھا۔ علے ہذا القیاس اگر کوی نابالغ یہ کہے کہ
میری وصیت یہ ہے کہ جب مین سن بلوغ کو پہونچون اوسوقت میرے مال کا ایک ثلث
فلان شخص کو دیا جاسے تو ایسی وصیت بھی ناجائز ہے اسواسطے کہ جب نابالغ

وصیت کرنے کے قابل نہین ہے تو نہ ایسی وصیت کرسکتا ہے جسکا نفاذ فوراً کیا جائے
اور نہ ایسی وصیت کرسکتا ہے جسکا نفاذ زمانہ آئندہ پر موقوف ہو جس طرح سے
وہ طلاق دینے یا آزاد کرنے کے قابل نہین ہے - مگر غلام محض اور مکاتب کی اور
صورت ہے کیونکہ وہ قابلیت تامہ رکھتے ہین جسمین صرف انکے مالک کا حق خارج ہے
لہذا اونکی کل افعال (جیسے طلاق وصیت وغیرہ) بالکل جائز ہین بشرطیکہ اوس زمانہ پر
موقوف رکھے جائین جبکہ وہ مانع شرعی (یعنے اونکے مالک کا حق) نہ باقی رہے جیسے کوئی
غلام کہے کہ مین زوجہ کو طلاق دیتا ہون جسوقت مین آزاد ہو جاؤن [لہ]

پس شرع حنفی کے احکام کا محصل و مفاد یہ ہے کہ جو لڑکا سن بلوغ
کو نہ پہونچا ہو وہ اپنے مال کو بذریعہ وصیت منتقل کرنیکی قابلیت نہین رکھتا ہے - اور سابق مین
مفصل بیان ہوچکا ہے کہ بموجب ایکٹ بلوغ (ایکٹ ۹ سنہ ۱۸۷۵ع) سن بلوغ کیا ہے
- مگر جب نابالغ بعد بلوغ اپنی وصیت کی تصدیق کردے یا اوسکو بحال رکھے تو وہ ابتدا ہی
جائز ہو جاوے گی -

جس شخص کو کسی جرم کی علت مین سزاے موت کا حکم ہوا ہو اوسکے
بابت مین کوئی ایسا حکم شرع نہین ہے جس سے وہ اختیار وصیت سے محروم ہو جاوے
جو سپاہی کسی لڑائی مین مصروف ہو اور جو شخص عالم مسافرت مین ہو اور اپنی جائداد
دور ہو بلکہ ہر شخص جو صحیح العقل اور آزاد ہو خواہ مرد ہو خواہ عورت شرعاً وصیت کرسکتا ہے

اختلاف مذہب مانع انتقال بالوصیت نہین ہے - چنانچہ ملتقی الابحار
مین صاف لکھا ہے کہ موصی اور موصی لہ مین اختلاف مذہب جواز وصیت کا مانع
یا مبطل وصیت نہین ہے - لہذا مسلمان غیر مسلم پر (بشرطیکہ حربی نہو) انتقال بالوصیت
کرسکتا ہے اور غیر مسلم بھی مسلمان پر ایسا انتقال کرسکتا ہے [لہ] - جو وصیت اون مسلمان

لہ اس مسئلہ مین شافعیہ نے اختلاف کیا ہے ۱۲ - منہ -

کی ہو جو بعد ازآن مرتد ہو گیا ہو اوسکے جواز مین فقہاے اسلام مین اختلاف ہے - مالکیہ کے
نزدیک ارتداد مبطل وصیت ہے - ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ مرتد کی وصیت اوسوقت
جائز ہو جاوے گی جبکہ وہ اوس فرقے کے نزدیک جائز ہو جس فرقہ کا مذہب اوسنے اسلام
ترک کرکے قبول کیا ہے[1]

مسئلہ اگر کوی مسلمان نصرانی یا یہودی یا مجوسی ہو جاوے اور بعد ازاں
کسی قسم کا انتقال یا وصیت کرے تو وہ انتقال جو اگر کوی مسلمان کرتا تو جائز ہوتا اوسوقت
تک معطل رکھا جاوے گا جبتک کہ وہ پھر اسلام قبول کرے یا قتل کیا جاوے یا خود اپنی
موت سے مرجاوے یا دار الحرب مین جاکر پناہ لے اور وہ انتقال جو اگر کوی مسلمان کرتا
تو جائز نہ ہوتا امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک ناجائز ہے - صاحبین کے نزدیک مرتد کے
افعال بالفعل جائز اور نفاذ پذیر ہین پس جو فعل اوس فرقہ کے نزدیک جائز ہے جسکا
دین اوسنے اختیار کیا ہے وہ اب بھی جائز ہے اور اگر وہ وصیت اوس فرقہ کے نزدیک
فعل حسن ہو مگر ہمارے (مسلمانون) کے نزدیک فعل قبیح ہو تو بھی وہ وصیت صحیح ہے
اگرچہ اون اشخاص کے باب مین کی ہو جنکی موصی نے کچھ تعیین نہ کی ہو - جب کوی
عورت مرتد ہو جاوے تو اوسکی وصیت بھی وہانتک جائز ہے جہانتک وصیت اوس
فرقہ کی جسکا دین اوسنے اختیار کیا ہے جائز ہو سکتی ہے اسواسطے کہ عورت ارتداد کی علت مین
مستوجب قتل نہین ہے[2] -

ایک اور شرط ضروری انتقال بالوصیت کے جواز کی یہ
ہے کہ موصی مال وصیتی کا مالک ہو یا اوسکا مستحق ہو اگر اوس مال مین اوسکا کوی حق ہو
مگر جب مال وصیتی اوس موصی کا ملک ہو جسپر قرضہ کا بار اسقدر ہو

[1] بیلی صاحب کی شرع حنفی صفحہ ۶۷۵ - منہ - [2] فتاوے عالمگیری صفحہ ۱۴۱ - بیلی صاحب کی شرع محمدی صفحہ ۶۷۵ - رد المختار صفحہ ۱۴۴۳ - ہدایہ صفحہ ۵۳۶ - منہ - [3] ساشیر صاحب کی کتاب صفحہ ۳۰۲ - منہ

کہ اوسکا قرضہ اوسکی جائداد سے زیادہ ہو تو انتقال بالوصیت نافذ نہ کیا جاسے گا تاوقتیکہ قرضخواہ اوس جائداد کو اپنے قرضہ سے بری نہ کردین[۵]

اس باب مین شیعہ کے اقوال شرائع الاسلام مین یہ لکھے ہین کہ "

جب وہ شخص جو مقروض ہو اپنے غلام کو آزاد کرنیکی وصیت کرے اور اوس غلام کی قیمت مقدار قرضہ کے دوچند ہو تو وہ غلام آزاد کیا جاسے گا مگر اوسکو چاہیئے کہ اپنی قیمت کے ۵/۶ کے معاوضہ مین کام کرے لکن اگر اوس غلام کی قیمت موصی کے قرضہ سے کم ہو تو وہ وصیت ناجائز ہے ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ قرضہ وصیت پر مقدم ہے لہذا اسکو پہلے ادا کرنا چاہیئے اور قرضہ ادا کرنے کے بعد جو کچھ باقی رہے صرف اوسکے ثلث مین سے وہ غلام آزاد ہوسکتا ہے ۔ مگر جب کوئی شخص مرض الموت مین کوئی غلام تبرعاً آزاد کرے تو اوسکا حکم اور ہے یعنی اس صورت مین حکم شرع اوس فیصلہ پر مبنی ہے جو عبدالرحمن سے روایت ہے

[۵] فتاوے عالمگیری مین اس اصول کو اسطرح بیان کیا ہے کہ "جب کوئی شخص وصیت کرے مگر اسقدر مقروض ہو کہ اوسکی ساری جائداد قرضہ مین مستغرق ہو تو وہ وصیت نہین جائز ہے تاوقتیکہ قرضخواہ اوس جائداد کو قرضہ سے بالکل بری نہ کردین " اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جس طور سے یہ اصول فتاوی عالمگیری مین لکھا ہے اوسمین اور اوس بیان مین جو اس کتاب کے متن مین لکھا ہے بلحاظ نتائج کے فرق ہے ۔ اور بیلی صاحب کے ترجمہ انگریزی ہدایہ مین یہ فرق اور زیادہ ظاہر ہوگیا ہے ۔ بیلی صاحب کے ترجمہ مین لکھا ہے کہ ۔ اگر کوئی شخص بہنایت مقروض ہو اور وصیت کرے تو وہ وصیت ناجائز اور غیر موثر ہے اسواسطے کہ دیون وصایا پر مقدم ہین اور قرضہ ادا کرنا فرض عین ہے مگر وصیت ایک فعل اختیاری اور رعایتی ہے اور جو چیز لازم ہو اوسکا خیال پہلے کرنا چاہیئے ۔ لکن اگر متوفی کے قرضخواہ اپنا قرضہ معاف کردین تو اوسوقت اوسکی وصیت جائز ہے کیونکہ وصیت کا مانع شرعی جاتا رہا ہے اور موصی لہ مال وصیتی کا محتاج سمجھا گیا ہے " مگر تمام کتب فقہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ مین انتقالات بالوصیت اون لوگون کے مقصود ہین جنپر قرضہ کا بار اسقدر ہو کہ اونکے وصایا کی تعمیل کی گنجائش نہ ہو جسکو عربی مین ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے کہ قرضہ مین مستغرق

جون ۔ ۱۲ ۔ منہ ۔

کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

وصیت ہر امر کی جائز ہے جو شرعاً مباح ہو اور موصی کے مرنیکے بعد نافذ ہو سکے۔ مگر یہ اصول چند قیود سے مقید ہے جنکی تحقیق کرنا ضرور ہے قبل اسکے کہ آیندہ بحث کیجاے کہ کن اشخاص کے واسطے شرعاً وصیت ہو سکتی ہے۔

(۱) وصیت اوس شخص کے حق مین کرنا جو موصی کی ہلاکت کا باعث عمداً ہوا ہو سب فرقون کے نزدیک ناجائز ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک اوس شخص کے حق مین بھی وصیت نہین جائز ہے جسنے موصی کو سہواً یا اتفاقاً مار ڈالا ہو مگر یہ کہ قاتل نابالغ یا مجنون ہو۔ اور وہ وصیت بہر کیف ناجائز ہے خواہ قبل قتل خواہ بعد قتل وقوع مین آئی ہو۔ لکن اگر مقتول کے ورثہ راضی ہو جائین تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک وہ وصیت جائز ہوگی مگر امام ابو یوسف کے نزدیک تب بھی ناجائز رہے گی۔ جب موصی لہٗ صغیر یا مجنون ہو اور اوسنے موصی کو مار ڈالا ہو تو اوسکے ورثہ کی رضامندی جواز وصیت کی شرط نہین ہے۔ ردّ المحتار مین لکھا ہے کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قاتل کے حق مین وصیت نہین ہو سکتی کیونکہ اوسنے اوس واقعہ کو جلد واقع کیا ہے جسکو خدا موقوف رکھتا۔ لہذا وصیت قاتل کے حق مین ناجائز ہے خواہ قبل خواہ بعد قتل کی گئی ہو کیونکہ اس حدیث مین تعمیم ہے۔ یہ قول زیلعی کا ہے" اوس واقعہ کو جلد واقع کرنے سے" یہ مراد ہے کہ قاتل کا فعل مقتول کی موت کا سبب فوری ہوا ہے ورنہ اہل حق کا یہ اعتقاد ہے کہ موت تو ضرور ہی بہرحال آتی۔ اگر کوئی شخص کسی کو فقط زخمی کرے تو وصیت اوس شخص کے حق مین ناجائز نہ ہوگی جسنے اوسکو زخمی کیا ہے کیونکہ وہ قاتل نہین ہے۔ جب کوئی شخص کسی کو مار ڈالے تو اوسکی وصیت سے محروم ہو جاتا ہے خواہ اوسکو عمداً مار ڈالا ہو خواہ سہواً یا اتفاقاً مثلاً اگر کوئی شخص کنوان کھودے اور جسنے اوسکے حق مین وصیت کی ہو وہ اسمین گرکر مرجاے تو موصیٰ لہٗ

اوس وصیت سے محروم ہوجاے گا۔

امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک قاتل کے حق مین وصیت اوس وقت جائز ہے جبکہ موصی مقتول کے ورثہ راضی ہوجائین ۔ مگر امام ابو یوسف نے اس مین اختلاف کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر ورثہ راضی ہوجائین تو بھی وصیت قاتل کے حق مین مطلقاً باطل ہے ۔ ایک عالم کا قول ہے کہ جو وصیت قبل قتل کی گئی ہو وہ سب کے نزدیک باطل ہے گو مقتول کے ورثہ راضی ہوجائین[1]۔

مالکیہ کے نزدیک موصی کو اپنے قتل کا جرم معاف کردینے کا اختیار ہے پس اگر زخم کاری لگنے کے بعد وہ اوس شخص کے باب مین وصیت کرے جسنے اسکو زخمی

---

[1] فتاوی عالمگیری مین لکھا ہے کہ "وصیت اوس شخص کے باب مین نہین جائز ہے جو موصی کو عمداً یا سہواً یا اتفاقاً قتل کرے خواہ وصیت قبل خواہ بعد قتل کی ہو ۔ لکن اگر مقتول کے ورثہ راضی ہوجائین تو وصیت امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے ۔ اور اگر قاتل نابالغ یا مجنون ہو تو اوسکے باب مین وصیت بغیر رضامندی ورثہ مقتول جائز ہے یا اگر خود قاتل اکیلا وارث ہو تو اوسکے باب مین بھی امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک وصیت جائز ہے ۔ قاتل کے مکاتب یا مدبر یا امّ الولد کے حق مین بھی بلا رضامندی ورثہ مقتول وصیت ناجائز ہے ۔

ہدایہ مین لکھا ہے کہ "اگر کوئی شخص دوسرے کے حق مین وصیت کرے جسنے اوسکو زخم کاری لگایا ہو تو وہ وصیت ناجائز ہے خواہ قاتل مقتول کا وارث ہو خواہ کوئی غیر شخص ہو اور خواہ اوسکو عمداً خواہ سہواً اتفاق سے زخمی کیا ہو بشرطیکہ وہ فے الواقع اس جرم کا مرتکب ہوا ہو اسواسطے کہ احادیث مین وارد ہوا ہے کہ قاتل کے لیے وصیت نہین ہے اور چونکہ جس شخص نے زخم لگایا ہے وہ موصی کی موت مین عجلت کا باعث ہوا ہے لہذا اوسکی سزا یہی ہے کہ اوسکی وصیت سے مستفیض ہوسکے جسطرح قاتل مقتول کے ترکہ سے محجوب ہے ۔ علے ہذا القیاس جب کوئی شخص کسی کے باب مین وصیت کرچکا ہو اور موصی لہ موصی کو مار ڈالے تو وصیت باطل ہوجاے گی ۔ لکن اگر ان صورتون مین مقتول کے ورثہ راضی ہوجائین تو امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک وہ وصیت جائز ہوجاے گی ۔ مگر امام ابو یوسف کے نزدیک نہین جائز ہے اسواسطے کہ قاتل کا جرم جو موجب ابطال وصیت ہے تب بھی

کیا ہے تو یہ قیاس کیا جاوے گا کہ اوسنے اوسکے گناہ کو معاف کیا ہے اور وہ وصیت جائز ہوجاوے گی۔

شیعہ کے نزدیک قاتل کے حق مین وصیت اوسوقت باطل ہے جبکہ اوسنے موصی کو عمداً قتل کرڈالا ہو۔ اور حنفیہ کے نزدیک اگر قاتل اکیلا وارث موصی مقتول کا ہو تو بقول امام اعظم اور امام محمد اوسکے حق مین وصیت جائز ہوگی اور بقول امام ابو یوسف ناجائز ہوگی۔

اگرچہ خود قاتل کے حق مین وصیت ناجائز ہے مگر اوسکے والدین اور اولاد اور اجداد اور ذریات کے باب مین وصیت جائز ہے۔

(۲) سب فرقون کے نزدیک ایک وارث کے حق مین بلا رضامندی دیگر ورثہ وصیت کرنا نہین جائز ہے۔

ردالمختار مین لکھا ہے کہ "غیر آدمی کے حق مین بقدر ثلث مال موصی وصیت جائز ہے مگر موصی کے مرنیکے بعد اس سے زیادہ مقدار کی وصیت بھی برضامندی ورثہ جائز ہوسکتی ہے۔ اگر موصی کی حیات مین اوسکے ورثہ راضی ہوجاین تو وہ رضامندی بیکار اور غیر موثر ہے بلکہ ورثہ کی رضامندی اوسوقت معتبر ہوگی جبکہ موصی کی وفات کے بعد ظاہر کیجاوے اور ورثہ خود بالغ وعاقل ہون۔ ورثہ کی رضامندی قبل وفات موصی اسوجہ سے غیر موثر ہے کہ اونکو حق وراثت اوسکے وفات تک نہین حاصل ہوتا۔ جب ورثہ راضی ہوجاین تو ہمارے (حنفیہ) کے نزدیک موصی لہ اپنا حق موصی سے پائیگا مگر شافعیہ کے نزدیک اون ورثہ سے پائیگا جو اوس وصیت سے راضی ہوگئے ہین۔ جب بعض ورثہ راضی اور بعض ناراض ہون تو وصیت بقدر حصص اون ورثہ کے جائز ہوگی جو راضی ہوگئے ہین۔ یہ ضرور ہے کہ جو ورثہ راضی ہوے ہین وہ بالغ وعاقل یعنے صحیح العقل ہون۔ لہذا رضامندی مجنون اور نابالغ کی نہین معتبر ہے۔ اور رضامندی مریض

سکے وہی احکام ہین جو مریض کی وصیت کے ہین - یہ خیال کرنا چاہیئے کہ آیا یہ شخص باعتبار اپنے حق وراثت کے موصی کا وارث شرعی اوسکی وفات کے وقت تھا یا نہ تھا - لہذا جب کوئی شخص اپنے بھائی کے حق مین وصیت کرے اور اوسوقت کوئی اولاد نہ رکھتا ہو مگر بعد ازان اسکے یہان اولاد پیدا ہو اور وہ شخص مر جاوے تو بھائی کے حق مین جو اوسنے وصیت کی تھی وہ جائز ہوگی کیونکہ اولاد کے ہوتے بھائی کوئی حق وراثت نہین رکھتا ہے - اسی طرح سے اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کے حق مین وصیت کرکے اوسکو طلاق دیدے تو یہ وصیت جائز ہوگی کیونکہ مطلقہ موصی کی وفات کے وقت اوسکی وارث نہوگی - یعنے جب رشتہ زوجیت قطع ہوگیا تو حق وراثت بھی زائل ہوگیا[1]

اگر وارث بالغ وعاقل ہو اور قابلیت انتقال جائداد رکھتا ہو مگر مرض کی حالت مین اپنی رضامندی ظاہر کرے پس اگر اوس بیماری سے شفا پائے تو اوسکی رضامندی درست ہے اور اگر اوس سے مرجاوے تو اوسکی رضامندی وصیت کا حکم رکھتی ہے پس اگر اصل موصی لہ اوس وارث کا وارث تھا جسنے رضامندی ظاہر کی ہے تو وہ رضامندی ناجائز ہے تاوقتیکہ مریض کے اور ورثہ بھی اوسکو منظور کرین - لکن اگر اصل موصی لہ اوس وارث کا وارث نہ تھا جسنے رضامندی ظاہر کی ہے تو اوس رضامندی سے وہ وصیت اصل موصی کے ترکہ مین بقدر ایک ثلث کے نافذ ہوگی[2]

اگرچہ وصیت وارث کے حق مین باطل ہے مگر اقرار دین جائز ہے جیسا سابق مین بیان کیا گیا[3]

اگر کوئی شخص اپنے کسی وارث کے حق مین وصیت کرے تو ایسی وصیت نہین جائز ہے اسواسطے کہ ایک حدیث مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم نے

[1] ردالمختار صفحہ ۴۳۶ - منہ [2] ردالمختار صفحہ ۴۳۶ - بیلی صاحب کی شرح حنفی صفحہ ۶۲۶ - فتاوی عالمگیری صفحہ ۴۴۱ - منہ [3] ردالمختار صفحہ ۴۴۶ - ہدایہ صفحہ ۲۷۴ - منہ

فرمایا ہے کہ "اللہ تعالے نے ہر وارث کو اوسکا خاص حصہ بخشا ہے" اور نیز اسواسطے
کہ ایک وارث کے حق مین وصیت کرنے سے دیگر ورثہ کی حق تلفی لازم آتی ہے اور اگر ایسی
وصیت جائز رکھی جائے تو رشتہ قرابت قطع ہوجاے اور ورثہ مین باہم نفاق پیدا
ہو۔ علاوہ برین احادیث مین وارد ہوا ہے کہ "وصیت خاص خاص ورثہ کے
حق مین کرنا خلاف انصاف ہے" ۔ یہ بات قرار دینے مین کہ آیا موصی لہ وارث ہے یا غیر
وارث اس امر کا لحاظ رکھنا ضرور ہے کہ آیا وہ موصی کے مرنیکے وقت اوسکا وارث تھا یا
تھا نہ یہ کہ وصیت کرنے کے وقت اوسکا وارث تھا یا نہ تھا۔ اگر بعض ورثہ راضی ہوجائین
اور بعض ناراض ہین تو وصیت بقدر حصص اون ورثہ کے جائز ہوگی جو راضی ہوگئے ہین اور بقدر
حصص اون ورثہ کے ناجائز ہوگی جو نہین راضی ہوے ہین ۔

خلاصہ احکام مذکورہ بالا کا یہ ہے کہ وہ لوگ انتقال بالوصیت کی
وجہ سے محجوب الارث نہین ہوسکتے جو موصی کے مرنے کے بعد اوسکے ترکہ مین حصہ پانیکے
مستحق ہین خواہ وہ کسی قسم کے وارث ہون۔ یہ اصول نص قرانی پر مبنی ہے جیسا اللہ تعالے
نے سورۃ النسا مین فرمایا ہے۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ
وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ
نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔ یعنے واسطے مردون کے ہے حصہ اوس چیز مین جو اونکے مان
باپ اور عزیزون نے چھوڑا ہو اور واسطے عورتون کے ہے حصہ اوس چیز مین جو اونکے
مان باپ اور رشتہ دارون نے چھوڑا ہے خواہ کم ہو خواہ زیادہ وہ حصہ واجب
کروانا گیا ہے۔ اسی وجہ سے علما نے فرمایا ہے کہ ورثہ کے حقوق شرعیہ کے تعین
قرآن مجید مین اسطرح کردی ہے کہ انمین تغیر نہین ہوسکتا۔ اور جو ترتیب شریعت
غرا مین مختلف درجہ کے اقربا کی جو متوفی کے مال مین حصہ پانے کے مستحق ہین
مقرر کردی گئی ہے اوس ترتیب مین اسطرح فتور نہ ڈالنا چاہیئے کہ مورث اپنے ا[illegible]

وارث کو اوروں سے زیادہ حصہ دیجاوے - اسی وجہ سے ملتقی الابحار مین لکھا ہے کہ
انتقال بالوصیت اوسوقت سے باطل ہے جبوقت ارث یا وراثت وقوع مین آوے مگر جب
سے ہے جبکہ موصی لہ وارث ہو اور خلیل ابن اسحق فقیہ مالکی نے فرمایا ہے کہ سب وصایا بحق ورثہ
باطل ہین -

ان احکام کی وجہ سے مسلمان اپنے وارث کے حق مین کبھی وصیت
نہین کرتے اور جب اونکو اپنے ورثہ کے حصون مین کمی و بیشی کرنی منظور ہوتی ہے تو جس
وارث کو ترجیح دینا چاہتے ہین اوسکو ہبہ کردیتے ہین یا اوسکے حق مین قرضہ کا
اقرار کرتے ہین -

مگر جو وصیت اوس رشتہ دار کے حق مین کی گئی ہو جو موصی
کے متروکہ مین حصہ پانیکا مستحق نہ ہو یا جو وصیت کرنیکے وقت تو اوسکا وارث ہو مگر ترکہ
تقسیم ہونے کے وقت کسی وجہ سے اوسکا وارث نہ باقی رہا ہو وہ وصیت شرعاً جائز ہے
مثلاً جب کسی شخص کے دو بیٹے اور ایک پوتا ہو اور وہ پوتا اوس بیٹے کی اولاد ہو جو
اپنے باپ کی زندگی مین مرگیا ہو اور جسکے حق مین اوسنے اپنے اوسقدر مال کی وصیت
کی ہو جو ایک ثلث سے زائد نہ ہو تو ایسی وصیت جائز ہے - اسی طرح سے اگر کسی شخص
کا ایک بیٹا اور ایک نواسا یا نواسی ہو تو چونکہ وہ نواسا یا نواسی اوسکی وارث نہین ہے
لہذا اوسکے حق مین وصیت جائز ہے - جب کسی شخص کا صرف ایک بھائی ہو اور کوئی
اولاد نہ ہو تو اوسکے حق مین وصیت ناجائز ہوگی لیکن اگر وصیت کرنے کے بعد موصی
کے کوئی اولاد پیدا ہو تو وہ وصیت جائز ہوگی بشرطیکہ ثلث مال سے زیادہ مین کی ہو
اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کی حق مین وصیت کرے تو ناجائز ہوگی لیکن اگر اوسکو اپنے مرنیکے
پیشتر طلاق دیدے تو جائز ہوجاوے گی -

ساشیرا صاحب نے ایک مثال انتقال بالوصیت کی غوب لکھی ہے

۔ ون یہ ہے کہ ایک شخص ابو مدینہ نامی نے اقرار کیا کہ مین اپنی زوجہ کا ۲۵۰ درہم کا قرضدار
ہون ۔ پس اس قرضہ کو ادا کرنے کے بعد میرا کل مال و اسباب میری زوجہ مذکورہ اور
دو غیر آدمیون پر برابر تقسیم کر دیا جاوے ۔ اس مقدمہ مین یہ تجویز ہوا کہ از روے شرع
محمدی پہلے اوس جائداد سے قرضہ ادا کرنا چاہیئے ۔ بعد ازآن وہ جائداد ورثہ اور
موصی لہم مین اسطرح سے تقسیم ہونی چاہیئے کہ $\frac{3}{12}$ زوجہ کو جسکا حصہ $\frac{1}{4}$ ہے
$\frac{2}{12}$ ہر ایک موصی کو جو $\frac{1}{6}$ کل جائداد وصیتی کا ہے ۔ اور $\frac{5}{12}$ ورثہ کو ۔ میزان کل
$\frac{12}{12} = 1$

سب[له] فرقون کے نزدیک وارث کے حق مین وصیت ناجائز ہے

۔ چنانچہ ملتقی الابحار مین لکھا ہے کہ وصیت ایک وارث کے حق مین ناجائز ہے اگر
اور ورثہ راضی نہ ہون ۔ اور فقیہ شافعی ابو حواجہ نے بھی یہ اصول ایسے ہی کلمات
سے بیان کیا ہے اور فقیہ مالکی خلیل ابن اسحق نے فرمایا ہے کہ جب وصیت ایک وارث کے
حق مین کیجاوے اور دیگر ورثہ اوسکو قبول کرین تو وہ اون ورثہ کی عنایت اور فیاضی
سمجھکر نافذ کیجاوے گی ۔ البتہ شیعہ کے نزدیک بعض ورثہ کے حق مین بلا رضامندی
دیگر ورثہ ثلث مال مین وصیت جائز ہے جیسا آیندہ مفصل بیان کیا جاوے گا مگر جب وصیت
ثلث مال سے زائد ہو تو بلا رضامندی جمیع ورثہ جائز نہین ہے ۔ ایسی رضامندی قبل
یا بعد وفات موصی ظاہر ہو سکتی ہے ۔ مگر اہل سنت کے نزدیک دیگر ورثہ کی رضامندی
بعد وفات موصی ہونی چاہیئے اور اگر قبل وفات ہوی تو موثر نہ ہوگی ۔

اہل سنت کے نزدیک ورثہ کے اذن کو چاہیئے کہ اونکا فعل
اختیاری ہو لہذا جب موصی نے ایسی دھمکی دی ہو جسکی وجہ سے ورثہ نے اذن دیدیا

له یعنے اہل سنت کے فرقون کے نزدیک کیونکہ مذہب شیعہ مین وصیت ثلث مال مین وارث اور غیر
وارث دونون کے حق مین جائز ہے ۔ ۱۲ ۔ مترجم

تو وہ وصیت نافذ نہ ہوگی خلیل ابن اسحٰق نے فرمایا ہے کہ وہ وصیت باطل ہے جسمین موصی
نے یہ کلمات کہے ہون کہ "اگر میرے ورثہ میری اس وصیت کو نہ قبول کرین تو میرا مال
فقرا کو دیدیا جاوے" مگر جو وصیت ایسے الفاظ سے کی گئی ہو جیسے "مین اس مال کی وصیت
غربا کے حق مین کرتا ہون مگر یہ کہ میرے ورثہ اس میرے بیٹے کو دینا منظور کرین" تو
ایسی وصیت جائز ہے اسواسطے کہ ورثہ کو منظور کرنے نہ کرنیکا اختیار رہے۔
جب ورثہ نے موصی کے مرض الموت مین اذن وصیت برضا
رغبت دیدیا ہو تو پھر وہ منسوخ نہین ہو سکتا اسواسطے کہ اوسوقت اونکو حق وراثت
حاصل ہو چکا تھا۔
جب کوئی شخص بالکل لاوارث ہو تو جسکو چاہے اپنی کل جائداد بذریعہ
وصیت دیجاوے۔
مسائل شیعہ — شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ جب موصی نے اپنی ایک اولاد
کو محجوب الارث کرکے اپنی ساری جائداد دوسری اولاد کو لکھدی ہو تو اوسکا یہ فعل بالکل
ناجائز ہے اور اوسکا ترکہ اوسکے سب ورثہ مین موافق اونکے سہام شرعیہ کے
تقسیم کیا جاوے گا۔ مگر فرض کیجئے کہ کوئی شخص اپنی اولاد یا دیگر ورثہ پر اپنی جائداد
کو تقسیم بالوصیت کرے یعنے غیر مساوی تقسیم کرے۔ پس اگر ورثہ اوسپر راضی ہو جاوین
تو لاکلام جائز ہے۔ لکن اگر ورثہ اذن نہ دین تو کیا ہوگا۔ اسکی مثال جامع الشتات مین یہ
لکھی ہے — کہ ایک شخص نے حج کو جاتے وقت اپنا مال و اسباب اپنی اولاد
پر اس نہج سے تقسیم کیا کہ (الف) بعض اولاد کو اونکی مان کے مہر کے بابت اونکے
سہام شرعیہ سے زیادہ جائداد دی۔ (ب) بعض اولاد کو اونکی شادی کے مصارف
کے لیے کچھ رقم اونکے سہام شرعیہ سے زائد دے۔ پس جن ورثہ کو اونکے سہام
شرعیہ سے کم ملا اونھون نے اوس تقسیم نامہ بالوصیت کے جواز مین کلام کیا مجتہد العصر

نے بہ مضمون ذیل فتوے دیا۔

"مہر ایسا دین ہے جسکو سب وصایا سے پیشتر ادا کرنا واجب ہے

۔ لہذا جو جائداد بعوض مہر کے دی گئی اوسکے باب مین وصیت جائز ہے۔ اور جو

رقوم بعض اولاد کو اونکے سہام شرعیہ سے زائد دی گئین وہ از قسم وصیت ہین او

موصی لہ کے ثلث مال مین سے دی جائین۔ باقی جائداد سب اولاد مین موافق اونکے

سہام شرعیہ کے تقسیم کیجاے" [1]

وصیت ثلث مال سے زیادہ مین برضامندی ورثہ جائز ہے

جب چند وارث ہون اور اونمین سے ایک یا کئی شخص ثلث مال سے زائد پر راضی ہوجائین

تو بقدر اونکے حصہ کے اوسمین وصیت نافذ ہوگی۔ اذن ورثہ اوسوقت موثر ہے جب موصی

کی وفات کے بعد دیا جاے۔ اگر اوسکی وفات کے قبل دیا جاے تو موثر ہوگا یا نہ ہوگا۔

اسمین دو قول ہین جنمین سے قول مشہور یہ ہے کہ ایسی اذن کی پابندی اوس وارث کو جسنے اذن

دیا ہے واجب ہے۔ جب موصی کی وفات کے بعد اذن دیا جاے تو وہ موصی کے فعل کا

مصدق ہوگا نہ یہ کہ اوس وارث کی جانب سے ایک عطیہ یا ہبہ از سر نو ہو لہذا اوسکے جواز

کی تکمیل موصی لہ کے قبضہ پر موقوف نہین ہے" [2]

سب فرقون کے نزدیک مسلمان کی وصیت کافر حربی کے

حق مین ناجائز ہے۔ وصیت مقاصد ذیل کیلیے از روے شرع حنفی جائز ہے۔

اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ میرے مرنیکے بعد میری لاش فلان

مقام پر لیجا کر دفن کرنا اور اوس مقام پر رباط بنا دینا تو ابو القاسم نے فرمایا ہے کہ

رباط کے باب مین یہ وصیت جائز ہے مگر جنازہ کے اوس مقام پر لیجانیکے باب میں

[1] جامع الشتات ۔ بیلی صاحب کی شرح امامیہ صفحہ ۲۲۳ ۔ سنہ ۵ ردالمحتار صفحہ ۴۴۳ ۔ ۶ فتاوے عالمگیری صفحہ ۱۴۱ ۔ شرائع الاسلام ۔ جواہر الکلام ۱۲ ۔ سنہ ۳ بیلی صاحب کی شرح حنفی صفحہ ۶۲۳ ۔ سنہ

باطل ہے اور اگر وصی بغیر اجازت ورثا اوسکو وہان لیجانے مین کچھ صرف کرے تو اوس خرچ کا وہی ذمہ دار ہوگا اور اگر باجازت ورثہ صرف کیا ہو تو وہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ موصی کی قبر کو آراستہ کرنے کے باب مین وصیت باطل ہے۔ لکن اگر موصی نے یہ وصیت کی ہو کہ میرے مرنے کے بعد میرے ماتم دار دن کو اور اون لوگون کو جو میرے جنازہ کی تشییع کرین کھانا کھلانا تو اس باب مین فقیہ ابوجعفر کا قول یہ ہے کہ ایسی وصیت ثلث مال مین جائز ہے اور سب لوگ جو تشییع جنازہ کرین باجود دور سے آئے ہون خواہ غنی ہون خواہ فقیر اوس کھانے مین شریک ہوسکتے ہین لکن اگر اوس دعوت مین فضول خرچی کیجائے تو اوسکا ذمہ دار وصی ہے۔ امام ابوبکر بلخی کے نزدیک یہ وصیت کہ موصی کے مرنے کے بعد تین دن لوگون کو کھانا کھلایا جاے باطل ہے۔ واقعات ناطفی مین لکھا ہے کہ اگر کوی شخص یہ وصیت کرے کہ ہزار دینار یا تین ہزار درہم میرے کفن مین صرف کیے جائین تو ایک معتدل رقم سے زیادہ اوس مین نہ صرف کیجاے اور صرف اوس کپڑے کا کفن دیا جاے جسکو پہنکر موصی نماز جمعہ پڑھنے جایا کرتا تھا اور اگر کوی عورت اپنے شوہر کو وصیت کرے کہ میرے کفن کی قیمت میرے مہر مین سے دینا جو تمہیر واجب الادا ہے تو لکھا ہے کہ اوسکا امر و نہی دونون اس باب مین باطل ہین۔ جب کوی شخص یہ وصیت کرے کہ مجھے میرے مکان مین دفن کرنا تو یہ وصیت باطل ہے مگر یہ کہ وہ مکان سب مسلمانون کے لیے قبرستان کردیا جاے۔ یہ وصیت بھی ناجائز ہے کہ موصی کی قبر پختہ بنائی جاے یا اوس مین ایک مقبرہ بنادیا جاے مگر اون مقامات پر جہان جانوران صحرای کے شر سے مردہ کو بچانے کے لیے ایسی تدبیر کرنی ضرور ہو۔ علے ہذا القیاس یہ وصیت بھی باطل ہے کہ موصی کے جائداد مین سے اتنا قران خوانون کو دیا جاے کہ اوسکی قبر پر قران پڑھا کرین بلکہ اگر خاص قرآن خوان مقرر کیے جائین تو بھی باطل ہے۔

مذہب شیعہ مین مقاصد ذیل کے لیے وصیت جائز ہے

(الف) موصی[1] کے لیے دوامًا یا چند مدت تک نمازین پڑھوانا۔

(ب) موصی کا جنازہ کربلائے معلٰے یا اور کسی مشہد مقدس مین لیجانا

(ج) موصی کی طرف سے کسی شخص سے حج بیت اللہ کروانا۔

(د) اوسکی قبر پر یا ائمۂ اطہار کی قبور پر روشنی کروانا اور وہان پھول چڑھانا۔

(ھ) سادات کربلائے معلٰے اور نجف اشرف کی اعانت و خدمتگذاری کرنا۔

(و) عزا دارون کو دہائے عید کھلوانا۔

(ز) امام باڑون مین مرثیہ پڑھوانا۔

(ح) عشرۂ محرم مین شربت یا پانی پلوانا اور ایسے ہی دیگر امور کرنا

(ط) ایک شخص دوسرے کو یہ وصیت کرسکتا ہے کہ میری طرف سے فلان رسوم مذہبی کو ادا کرنا۔ مثلاً زید اپنے مرنے کے وقت بکر سے وصیت کرسکتا ہے کہ میری قضاء عمری پڑھنا اور اگر بکر اس وصیت کو قبول کرلے تو جائز ہے اور اوس کو زید کی قضاء عمری پڑھنا واجب ہوجائے گا[2]۔

---

[1] یہ مسئلہ فتاوی عالمگیری صفحہ ۱۴۰ سے لیا گیا ہے۔ مگر ردالمختار صفحہ ۷۷ ملاحظہ ہو۔ کسی شخص سے موصی کی قبر پر باجرت قران پڑھوانیکا عدم جواز اسپر مبنی ہے کہ کسی کو اجرت دیکر اپنی نماز پڑھوانا نہین جائز ہے۔ ردالمختار مین لکھا ہے کہ "لوگون کو اُجرت دے کر نماز یا قرآن پڑھوانا یا اذان دلوانا بضرورت جائز ہے۔ سب علماء حنفی کا اجماع ہے کہ روزہ اور نماز اور حج باجارہ نہین جائز ہے" مگر فی زماننا ان احکام پر کوئی عمل نہین کرتا۔ ۱۲ منہ [2] جامع الشتات ۱۲ منہ

سترہوان باب

فصل اول

موصیٰ لہم کون لوگ ہوسکتے ہین

باعتبار اصول کے وصیت ہر شخص کو اور ہر مقصد کے لیے جو وصیت کرنے کے وقت صریحاً یا ضمناً موجود ہو جائز ہے[۵۱] چنانچہ شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ "وصیت مین ضروری کہ موصیٰ لہ وصیت کرنے کے وقت موجود ہو اور اگر وہ زندہ نہ ہو تو وصیت ناجائز ہے جسطرح سے وہ وصیت جو میّت کو کی گئی ہو یا وہ وصیت جو اوس شخص کو کی گئی ہو جسکے زندہ ہونے کا گمان ہو مگر بعد ازان ثابت ہو جاسے کہ وہ وصیت کے وقت مرچکا تھا ناجائز ہے" اسی طرح سے فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ "میّت کو وصیت نہین ہوسکتی"

اب یہ تحقیق کیجاتی ہے کہ کن لوگون کو اور کن مقاصد کے لیے وصیت کرنا شرعاً جائز ہے۔ (الف) باستثنار شافعیہ کے جنکے نزدیک مسلم کی وصیت غیر مسلم کو ناجائز ہے اور سب فرقون کے نزدیک مسلم کی وصیت غیر مسلم کو جو ذمی ہو حربی نہ ہو جائز ہے (یعنے جو دارالاسلام کا رہنے والا ہو دارالحرب کا رہنے والا نہ ہو) ۔ ردّ المختار اور فتاوائے عالمگیری مین یہ اصول نہایت واضح طور سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ فتاولے عالمگیری مین لکھا ہے کہ "مسلم کی وصیت ذمی کو اور اسکے بالعکس جائز ہے۔ مگر اوس حربی کو وصیت نہین جائز ہے جو مستامن نہ ہو۔ اگر کوئی مسلم اوس حربی کے حق مین وصیت کرے جو دارالحرب کا باشندہ ہو تو وہ وصیت ناجائز ہے

---

[۵۱] ردّ المختار صفحہ ۶۶۱ ۔ انڈین لا رپورٹ جلد ۹ صفحہ ۵۰ سلسلہ بمبئی ۱۲ ۔ منہ [۵۲] اس باب مین شرح محمدی یقیناً اوس سے بہتر ہے جو قانون انگلستان کی کیفیت چندہی سال گذرے ہین کہ تھی یعنے فرقہ رومن کیتھولک اور دیگر اہلِ مذاہب کی عدم قابلیت وصیت وغیرہ صرف ۱۸۳۰ء مین قانون انگلستان سے

تو موصی کے ورثہ راضی ہو جائین - اور اگر حربی دار الاسلام مین امان لیکر آئے اور اپنا مال وصیت سے لینا چاہے تو وہ ایسا نہین کرسکتا اگرچہ موصی کے ورثہ راضی ہو جائین یا اوسوقت ہی جبکہ ورثہ موصی اور حربی موصی لہ دونون اوسوقت دار الاسلام مین ہون - لکن اگر موصی بھی اوسوقت دار الحرب مین ہو تو اوس وصیت کے جواز مین ہمارے علما رنے اختلاف کیا ہے جب حربی دار الاسلام مین مستئمن ہو تو ظاہر الروایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اوسکے حق مین وصیت بقدر ثلث مال موصی بلا اذن ورثہ اور اوس سے زائد باذن ورثہ جائز ہوگی -

ایسا ہی حکم شیعون مین بھی ہے - چنانچہ شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ

"کفار حربی کے حق مین جو وصیت کیجائے اوسکے جواز مین کلام ہے مگر احادیث صحیحہ کے موافق وہ وصیت حرام اور باطل ہے"[۵۱] اور رد المختار مین لکھا ہے "کہ حربی حقوق شرعی کے لحاظ سے کالمیت ہے یعنے مردہ کے حکم مین ہے"

حربی کے حق مین وصیت تو نہین جائز ہے مگر اوسکو نذر اور انعام دینا شرعًا جائز ہے - چنانچہ رد المختار مین لکھا ہے کہ "علامہ سرخسی کی شرح الکبیر مین لکھا ہے کہ مسلمان کا نذر و انعام دینا کفار کو کچھ قباحت نہین ہے خواہ اوسکے عزیز ہون خواہ نہ ہون اور خواہ حربی ہون خواہ ذمی اور اسکا جواز اوس حدیث پر مبنی ہے جسمین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چند تحفے ابو سفیان ابن الحرب اور سفیان ابن امیہ کو بھیجے کہ عزبار مکہ مین تقسیم کردین حالانکہ وہ دونون کافر حربی تھے - اسکی وجہ یہ ہے کہ آدمی کا اپنے رشتہ دارون کو تحف و ہدایا دینا ہر شخص کے نزدیک مستحسن اور ہر مذہب مین ممدوح ہے اور غیرون کو دینا اسلیے اچھا ہے کہ یہ ایک مہربانی اور فیاضی کا کام ہے - پس کفار حربی کو تحائف دینا شرعًا جائز ہے باستثنار سلاح جنگ اور آلات حرب[۵۳] کے - مگر مرتد کے

---

۵۱ بیلی صاحب کی شرع امامیہ صفحہ ۴۴ ۱۲۲ - ۵۲ رد المختار صفحہ ۱۲۶۶۴ - ۵۳ رد المختار صفحہ ۶۴۳ - ۱۲ - ۵۴

حق مین وصیت کرنا کسی فرقہ کے نزدیک نہین جائز[۱] ہے -

(ب) طفل نازائیدہ یعنے جو بچہ ہنوز رحم مادر مین ہو اوسکے حق مین وصیت کرنا سب فرقون[۲] کے نزدیک جائز ہے اوس بچہ کو چاہیئے کہ تاریخ وصیت سے چھ مہینے کے اندر پیدا ہو کہ اس صورت مین یہ قیاس کیا جاوے گا کہ وہ وصیت کے وقت موجود[۳] تھا - بچون کے باب مین رجنمین وہ بچے بھی داخل مین جو ہنوز رحم مادر مین ہون) قبول فرض کرلیا جاوے گا مگر یہ کہ اوس سے موصی لہ کا نقصان متصور ہو جو بچہ ہنوز بطن مادر مین ہو اوسکا حق مال وصیتی مین اوسکے پیدا ہونے کے وقت قائم ہوجاوے گا اور اوسوقت تک کوئی شخص اوس حق کو اوسکی طرف سے نہین عمل مین لا سکتا - مثلاً جو موصی لہ ہنوز پیدا نہوا ہو اوسکی مال وصیتی کو کوئی شخص بدل نہین سکتا نہ اوسمین تصرف کرسکتا ہے - ردالمختار مین صاف لکھا ہے کہ وہ طفل نازائیدہ کا کوئی ولی نہین ہے - کیونکہ لفظ ولا کے معنی کا مقتضی یہ ہے کہ ولی بچہ کی حفاظت شفقت کے ساتھ کرے اور طفل نازائیدہ ایسی حفاظت کا محتاج نہین ہے - بلکہ وہ فے الواقع اپنی مان کا جزو بدن ہے اور چونکہ اوسکا باپ اوسکی مان کا ولی شرعی نہین ہے لہذا اوسکا بھی ولی نہین ہوسکتا اور نہ مان اپنے طفل نازائیدہ کی ولی ہوسکتی ہے لہذا وہ ایسے بچہ کے مال وصیتی کی نسبت کوئی حق نہین عمل مین لا سکتی کیونکہ اگرچہ وہ اوسکا جزو بدن ہے تاہم اوسکی روح خدا نے اوسکی مان کے سپرد کی ہے اور جب اوسکی روح موجود ہوئی تو اوسکے حق مین وصیت جائز ہے - وصیت ایک حیثیت سے تملیک ہے اور دوسری حیثیت سے توریث ہے یعنے موصی کے حقوق کا ایک وارث اوسکے کل یا جزو مال مین مقرر ہوجاتا ہے - لہذا

---

[۱] فتاوی عالمگیری صفحہ ۱۴۰ و ۱۴۱ - شرائع الاسلام - سائیر صاحب کی کتاب جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ - ۲۴۳ مکیٹ ۲۱ نشٹن ۱۸۷۶ء سے شرع محمدی کے ان احکام مین کچھ فرق نہین پڑا ہے ۱۲ - منہ [۲] فتاوی عالمگیری صفحہ ۱۴۰ - ردالمحتار صفحہ ۶۲۷ - [۳] ہدایہ مین لکھا ہے کہ یہ چھ مہینہ موصی کی تاریخ وفات سے لیے جائین -

اگرچہ طفل نازائیدہ کا کوئی ولی نہین مقرر ہو سکتا تاہم علامہ ابن شبلی اور شمس الائمہ حلوائی اور سب علمار کے نزدیک ایسے بچہ کا وصی مقرر ہو سکتا ہے جیسے طفل نازائیدہ پرجو وقف کیا جاسے اوسکے لیے وصی مقرر ہو سکتا ہے۔ ایسا تقرر اوس بچہ کے پیدا ہونیکے بعد نافذ ہوتا ہی جب اوسکا حق اوس وصیت مین قائم ہوجاتا ہے۔[1]

جب اوس بچہ کا باپ زندہ ہو تو اوسکو تاریخ وصیت سے چھ مہینے کے اندر پیدا ہونا چاہیئے تاکہ اوسکا حق اوس وصیت مین قائم ہوجاسے مگر جب اوسکا باپ مرگیا ہو یا اوسکی مان کو طلاق دیدیا ہو تو اوسکو چاہیئے کہ تاریخ وصیت سے چھ مہینہ کے اندر اور جو زیادہ سے زیادہ مدت حمل شرع مین قرار دی گئی ہے اور جو اوسکے باپ کی وفات کی تاریخ یا اوسکے مان کے طلاق کی تاریخ سے لیجاسے گی اوس مدت کے اندر پیدا ہوا ہو۔ کیونکہ اگر اوس مدت کے بعد وہ پیدا ہو تو یہ قیاس نہین ہو سکتا کہ وصیت کے وقت اوسکا حمل رہ چکا تھا۔

لکن اگرچہ انتقال یا بوصیت طفل نازائیدہ پر صرف اوس صورت مین جائز ہے جبکہ وہ تاریخ وصیت سے چھ مہینہ کے اندر پیدا ہوجاسے تاہم طفل نازائیدہ پر وقف یا بوصیت جائز ہے چاہیے جب وہ پیدا ہو بشرطیکہ اوسکی ابتدا اوس شخص سے کیجاسے جو موجود ہو مثلاً زید (جو موجود ہے) اور اوسکے اطفال و اولاد نازائیدہ کے حق مین وصیت کرنا سب فرقون کے نزدیک جائز ہے۔ ایسے وقف کا نفاذ اسطرح کیا جاسے گا کہ اوصیاء مقرر کیئے جائین گے اور وہ اوسکی تعمیل کیا کرینگے۔

مذہب شیعہ مین کوئی قید نہین ہے کہ وہ بچہ کب پیدا ہو کہ اوس وصیت سے مستفید ہو سکے۔ صرف اتنا کافی ہے کہ جو زیادہ سے زیادہ مدت حمل مذہب شیعہ مین قرار دی گئی ہے اور جو تاریخ وصیت سے لیجاسے گی اوسکے اندر پیدا ہوا ہو

[1] ردالمختار صفحہ ۶۴۲ - ۱۲ - منہ

(۲) وصیت اوس جنین کے حق مین جو زندہ ہو جائز ہے مگر یہ شرط ہے کہ وہ بچہ زندہ پیدا ہو۔ اگر وہ مردہ پیدا ہو تو وہ وصیت باطل ہو جاوے گی لیکن اگر وہ زندہ پیدا ہو اور تھوڑی دیر کے بعد مرجاوے تو وہ وصیت اوسکے ورثہ کو ملیگی [1]

مذہب حنفی مین بھی یہی ہے کہ جب وہ بچہ زندہ پیدا ہو تب مال وصیتی کا مستحق ہوگا۔ جب کوئی شخص اوس بچہ کے حق مین وصیت کرے جو ہنوز رحم مادر مین ہو اور وہ بچہ مردہ پیدا ہو تو اوسکے مرنے کے بعد اور اوس وصیت کے مہینہ بھر کے بعد مال وصیتی اوسکا نہ باقی رہے گا لیکن اگر وہ بچہ زندہ پیدا ہوکر مرجاوے تو وہ وصیت بقدر ثلث مال موصی جائز ہے اور اوس بچہ کے ورثہ مین تقسیم کیجاوے گی۔ اگر کسی عورت کو دو بچے توام پیدا ہون ایک زندہ اور ایک مردہ تو کل مال وصیتی زندہ بچہ کو ملے گا۔ لیکن اگر دونون زندہ پیدا ہوے ہون اور پھر ایک مرجاوے تو اوس مال کو نصف نصف کرکے ایک نصف زندہ بچہ کو اور دوسرا نصف مردہ بچہ کے ورثہ کو وراثتاً دیدیا جاوے گا۔ جب کوئی شخص وصیت باین الفاظ کرے کہ "اگر فلان عورت کے بطن مین لڑکی ہو تو اوسکو ہزار درہم ازروے وصیت دئے جائین اور اگر لڑکا ہو تو مین اوسکے حق مین دو ہزار درہم کی وصیت کرتا ہون" اور اوس عورت کو اوس وصیت کے چھ مہینہ کے اندر لڑکی پیدا ہو اور اوسکے دو تین روز کے بعد لڑکا بھی پیدا ہو تو اون دونون کے حق میں وہ وصیت بقدر ثلث مال موصی جائز ہے [2]

(۴) وصیت مقاصد ذیل کے لیئے یا اشخاص ذیل کے حق مین جائز ہے۔

(الف) غربا کے حق مین عموماً یا اونکے کسی خاص گروہ کے حق مین

(ب) کعبہ شریف یا کسی مسجد کے لیے۔

---

[1] شرایع الاسلام صفحہ ۲۵۲۔ [2] فتاوے عالمگیری صفحہ ۱۴۲ ۱۲۔ منہ۔

(ج) فی سبیل اللہ صرف کرنے کے لیے۔
(د) وجوہ الخیر اور وجوہ البر کے لیے عموماً۔
(ہ) خدا کے راہ مین جہاد کرنے کے لیے۔
(و) موصی کے وارث کی اولاد یا اوسکے اقربا ریا ہمسایہ یا قوم کے حق مین۔
(ز) عتق رقبات یعنے بردہ آزاد کرنیکے لیے۔
(ح) اپنا قرضہ ادا کرنے کے لیے۔
(ط) مواشی کو کھلانے کے لیے[1]

(الف) وصیت غربا رکے حق مین عموماً یا اونکے کسی خاص گروہ کے حق مین جائز ہے۔ مذہب حنفی مین "مسلمان کو غربا ر نصارے کے حق مین وصیت کرنا جائز ہے اور اسمین کچھ گناہ نہین ہے مگر برخلاف اسکے اونکے لیے گرجا بنوانا گناہ ہے اور جو مسلمان گرجا بنانے مین اونکی اعانت کریگا وہ گنہگار ہے یہی اصول سب مذاہب کے فقرا رپر صادق آتا ہے۔ لہذا جب وصیت غربا رکے حق مین عموماً کیجائے تو سب مذاہب کے غربا رکو دیجاے گی۔ مگر مذہب شیعہ مین ایسی وصیت کا اور حکم ہے۔ جیسا شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ "جب مسلمان نے فقرا رکے حق مین عموماً وصیت کی ہو تو وہ صرف اوسکے ہم مذہب فقرا رکو دیجاے گی۔ اسی طرح سے اگر موصی کافر ہو تو ایسی وصیت سے صرف اوسکے ہم مذہب فقرا رکو دیا جاے گا۔ عموماً مسلمانون کے لیے کفن مہیا کرنیکے واسطے یا اونکے لیے قبور یا انہار کھدوانے کے واسطے وصیت کرنا امام ابو یوسف کے نزدیک باطل ہی جیسا نوادر مین لکھا ہی مگر غریب مسلمانون کے باب مین ایسے امور کی وصیت کرنا جائز ہے۔

---

[1] فتاولے عالمگیری صفحہ ۱۲۰-۱۲۱ منہ

(ب) مسجد الحرام یا اور کسی مسجد کے باب مین جو وصیت کیجاے
اوسکی نسبت فتاولے عالمگیری مین لکھا ہے کہ "اگر کوی شخص اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت
مسجد الحرام کے باب مین کرے تو وہ وصیت جائز ہے اور وہ ثلث اوسکی روشنی وغیرہ
مین صرف کیا جاے گا۔ اسی طرح سے آدمی اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت مسجد کے
باب مین کرسکتا ہے اور وہ ثلث اُسکی روشنی وغیرہ مین صرف کیا جاے گا۔ سب علمار
کے نزدیک آدمی کو اپنی زمین کی وصیت مسجد بنانے کے لیے کرنا جائز ہے۔ اسی
طرح سے ردّ المختار مین لکھا ہے کہ "جب کوی شخص اپنے ثلث مال کی وصیت
بیت المقدس کے باب مین کرے تو ایسی وصیت جائز ہے اور اسکی روشنی وغیرہ مین
صرف کیجاے گی۔ یہی قاعدہ اوس وصیت مین بھی جاری ہوگا جو مسجد کے باب مین کیجاے
اور مال وصیتی اوس مسجد کی مرمت اور حفاظت مین اور بقول قاضی خان کے ماہ رمضان
وغیرہ مین اوسکی روشنی مین صرف کیا جاے گا۔ مگر مجتبی مین لکھا ہے کہ جب ثلث مال کی وصیت
کعبہ شریف کے باب مین کیجاے تو اوسکو کعبہ شریف کے غربار کے مصرف مین لانا چاہیے
(جو وہان زکات پاتے ہون) اور یہی حکم اون وصایا کا ہے جو بیت المقدس یا مساجد کے
باب مین کیجائین۔" اسکے بعد ردّ المختار مین لکھا ہے کہ "جو وصیت مسجد کے باب مین کیجاے
اوس مین دو قول ہین۔ ایک قول یہ ہے کہ ایسی وصیت جائز ہے ایک قول یہ ہے کہ
نہین جائز ہے۔ پھر جن علمار کے نزدیک ایسی وصیت جائز ہے اونھون نے اس مین
اختلاف کیا ہے کہ وہ کیونکر صرف کیجاے۔ بعض کا قول ہے کہ مال وصیتی اوس مسجد کی
مرمت اور روشنی وغیرہ مین صرف کیا جاے اور بعض کا قول ہے کہ وہ اوس مسجد کے
غربار کو راہ خدا مین دیا جاے (پہلے قول کی تائید امام محمد نے فرمای ہے اور دوسرا
قول صاحب مجتبی نے اختیار کیا ہے) ایسی وصیت کو صرف دو عالمون نے ناجائز
قرار دیا ہے۔ لیکن جب وصیت مین بالتخصیص یہ کہدیا جاے کہ یہ مسجد مین صرف کیجاے

تو وہ سب علمار کے نزدیک جائز ہے۔مگر امام محمد کے نزدیک وہ مطلقاً ناجائز ہے۔ اچھا یہ ہے کہ فتوے یہ دیا جاوے کہ جب وصیت مسجد کے باب مین ہو تو اوسکو اوس مسجد کے فقرار مین تقسیم کرنا چاہیئے۔سیجانی نے اس مسئلہ کو مفصل بیان کیا ہے اور شرح وہبانیہ مین بھی اسکو ملاحظہ کرنا چاہیئے۔خلاصہ مین لکھا ہے کہ ایسی وصیت سے اوس مسجد کے غربار کو دینا اولے ہی اور اور مسجد کے غربار کو بھی دینا جائز ہے۔یہ قول امام ابو یوسف کا ہی اور اسی کے موافق فتوے دیا گیا ہے[۵۲]۔

آدمی اپنی زمین کی وصیت مسجد کے باب مین کرسکتا ہے مگر امام اعظم کے نزدیک غربار کے واسطے قبرستان بنانے یا مسافرون کے واسطے سرا بنانے کیلیے زمین از روئے وصیت دینا نہین جائز ہے[۵۳]۔اس فرق کے وجوہ سمجھ مین آنا ذرا مشکل ہے مگر صاحبین نے اپنے اوستاد (ابو حنیفہ) سے اختلاف کرکے آخر الذکر امور کے باب مین بھی وصیت کرنا جائز قرار دیا ہے۔

(ج) جب کوئی شخص ان الفاظ سے وصیت کرے کہ "مین ایک ثلث اپنے مال کا راہ خدا مین چھوڑے جاتا ہون" تو امام محمد[۵۴] کے نزدیک یہ وصیت جائز ہے اور عموماً امور دینی اور کارہائے خیر مین صرف کیجاوے گی۔وصیت فی سبیل اللہ جہاد فی سبیل اللہ مین صرف کیجاوے گی اور جس غریب حاجی کا ذریعہ معاش جاتا رہا ہو اوسکو بھی اوسمین سے دینا جائز ہے۔نوازل مین لکھا ہے کہ اوس وصیت سے مسجد مین روشنی کیجاوے اور عموماً امور مذہبی مین صرف کیجاوے۔مذہب شیعہ مین یہ ہے کہ "اگر موصی کہے کہ یہ مال وصیتی راہ خدا مین صرف کیا جاوے تو اوسکو ایسے امر مین صرف کرنا چاہیئے جو باعث ثواب آخرت کا ہو مگر بعض علمار نے فرمایا ہے کہ فقط جہاد فی سبیل اللہ

---

[۵۲] رد المحتار صفحہ ۶۵۲ و ۶۵۳ — منہ [۵۳] فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۱۴۹ — منہ [۵۴] امام محمد کے قول کے موافق فیصلہ کیا جاتا ہے گو امام اعظم کے نزدیک ایسی وصیت باطل ہے ۱۲ — منہ۔

مین صرف کرنا چاہیئے۔ پہلا قول مستحسن معلوم ہوتا ہے۔

(د) جو وصیت وجوہ الخیر و البر یعنے نیک کامون کے لیے کیجائے اوسمین سب امور نیک داخل ہین اور وہ مساجد اور مدارس اور طلبہ کے وظائف مین صرف ہوسکتی ہے۔ جب وصیت جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کیجائے تو اوس سے غازی یا مجاہد کو دیا جائے کہ اوسکو آمد و رفت مین اور جبتک جہاد مین رہے صرف کرے مگر اوسکا کوئی جز اوسکے عیال و اطفال کو نہ دیا جائے اور اگر اوسمین سے کچھ فاضل بچے تو وہ موصی کے ورثہ کو واپس کردینا چاہیئے۔ اوس غازی کا مالدار ہونا کوئی عذر نہین ہے اور خود موصی یا موصی الیہ کا بیٹا اوسکی طرف سے جہاد کرسکتا ہے[۱]۔

(۴) آدمی کو اپنے ورثہ کی اولاد کے حق مین وصیت کرنا باتفاق علمار جائز ہے کیونکہ وہ غیرون کی حیثیت رکھتے ہین۔ فے الواقع انتقال بالوصیت ہر رشتہ دار پر ہوسکتا ہے جو موصی کے متروکہ مین حصہ پانیکا مستحق نہ ہو۔

مسائل شیعہ محقق ابو القاسم حلی نے فرمایا ہے کہ آدمی کو اپنے اقربا کے حق مین وصیت کرنا اولے ہے خواہ وہ اوسکے وارث ہون خواہ نہ ہون اور جب کوئی شخص اپنے قریب ترین قرابت داران کے حق مین وصیت کرے تو اوسمین احکام میراث جاری ہونگے اور قریب کے ہوتے بعید کو اوس مین سے کچھ نہ دیا جائے گا۔ چنانچہ شرایع الاسلام لکھا ہے کہ "اگر کوئی شخص اپنے ذو و قرابت کے باب مین وصیت کرے تو اوس مین وہ سب لوگ داخل ہین جو اوسکی قوم یا نسب مین شریک ہون یا ایک ہی جد کی اولاد ہون بعض علمار نے فرمایا ہے کہ اوسمین وہ لوگ بھی داخل ہین جو اوسکی مان اور باپ دونون کی جانب سے اوسکے اور چار پشت بزرگان بعید کے قرابت دار ہون جنھون نے اسلام قبول کیا تھا۔ مگر یہ قول محض بے دلیل ہے۔ اگر موصی نے اپنی قوم کے باب مین وصیت کی ہو تو اوس

---

[۱] مفاتیح۔ جواہر الکلام ۱۲ و ۱۳ سنہ ۱۲۵۵ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۰۰ ۔۔۔ سنہ

وہ سب لوگ داخل ہین جو ایک ہی زبان بولتے ہون اور اگر اہلبیت کے باب مین کی ہو
تو اوسمین اوسکی اولاد اور باپ اور دادا داخل ہین اور اگر عشیرت (خاندان) کے حق مین
وصیت کی ہو تو اُس وصیت مین صرف وہ لوگ داخل سمجھے جاینگے جو اوس سے نسب مین
اقرب ہون "۔ اگر کوئی شخص اپنے ہمسایون کے باب مین وصیت کرے تو بعض علمار کے نزدیک
اوس وصیت مین وہ سب لوگ داخل ہین جنکے مکانات موصی کے مکان کے چالیس ذراع
کے اندر ہر سمت واقع ہون ۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ وصیت چالیس مکانون کے
رہنے والون پر جو موصی کے مکان کے اودہر اودہر ہون حاوی ہے ۔ یہ قول بعید از قیاس
اور غیر معقول معلوم ہوتا ہے ۔

(و) عتق رقبات یعنے بردے آزاد کرنا شرعاً بڑا ثواب ہے اسوجہ
سے سب فرقون کے علمار نے عتق بالوصیت کے احکام تفصیلاً بیان کیئے ہین ۔ مگر اس امر کے
کوئی عملی فائدہ نہین متصور ہے لہذا اسمین طول دینا کیا ضرور ہے ۔

(ز) موصی اپنے وصی کو یہ وصیت کرسکتا ہے کہ میرے مال کو
بیچکر پہلے میرا قرضہ ادا کرنا اور جو کچھ باقی رہے اوسکو کارہائے خیر کے لیے وقف کردینا
یا میرے ورثہ پر تقسیم کردینا ۔

فصل سوم
قواعد تعبیر وصیت ۔

قواعد ذیل علمار حنفی نے وصایائے مبہم و مشکوک کی تاویل کے باب مین مقرر کئے ہین ۔

(۱) جب موصی یہ الفاظ کہے کہ "مین اپنی زوجہ کے اقربار کو
بذریعہ وصیت دیتا ہون" تو اس وصیت سے اوسکی زوجہ کے اقربار پدری و مادری
دونون مستفید ہونگے ۔

(۲) جب انتقال بالوصیت "قریب ترین اقربار پر کیا ہو" تو درصورت

نہ ہونے اقربا پدری کے صرف اقربا مادری کو ملیگا۔

(۳) جب کسی غیر آدمی کے عزیزون کے حق مین وصیت کیجاے تو اوسکے سب اقربا نسبی ذوی الرحم نسبی شریک ہونگے۔

(۴) جب موصی نے اپنے مال کی وصیت یتیمون اور اندھون یا فلان قوم یا فلان مقام کے لوگون کے حق مین کی ہو تو مال وصیتی اون سب لوگون مین بلا امتیاز ذکور و اناث اور امیر و غریب تقسیم کیا جاے گا۔

(۵) جب موصی زید کے وارث کے حق مین وصیت کرے اور زید چند ورثہ چھوڑکر مرجاے تو مال وصیتی اونمین بمقدار اونکے سہام شرعیہ کے تقسیم کیا جائیگا

(۶) جب وصیت باین الفاظ کی ہو کہ "مین فلان خاندان کو بذریعہ وصیت دیتا ہون (اوس خاندان کا نام لے دیا ہو) تو امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اوس خاندان کے رئیس کے حق مین یہ وصیت ہوگی۔ مگر امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اوس خاندان کے سب لوگون مین وہ جائداد اوس طور سے تقسیم کیجاے گی جیسا صورت مذکورہ بالا مین لکھا گیا۔

(۷) جب موصی نے اپنے ہمسایون کے حق مین اپنے مال کی وصیت کی ہو تو وہ مال اون ہمسایون کو ملیگا جو موصی سے بہت قریب رہتے ہون یا جنکے مکانات اوسکے مکان سے متصل ہون امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک یہ ہے کہ اگر چند اشخاص ایک ہی مکان مین رہتے ہون تو مال وصیتی اون سب کو حصص مساوی اور بلا امتیاز ذکور و اناث ملیگا۔

(۸) جب وصیت سپاہیون اور مصیبت زدون کے حق مین کی ہو تو موصی کے وارث یا وصی یا قاضی پر یہ فرض نہین ہے کہ اوس قسم کے سب لوگون کو دریافت کرے بلکہ منتظم یا وصی کو جائز ہے کہ جو لوگ ویسے ملجائین اونمین مال وصیتی تقسیم کردے

مگر یہ کہ موصی نے اونکی تصریح خاص طور سے کردی ہو۔

اگر کوئی شخص ان الفاظ سے وصیت کرے کہ "مین ہزار روپیہ کی وصیت اپنے ہمسایہ کے باب مین کرتا ہون" تو امام اعظم کے نزدیک وہ مال اوس شخص کو ملیگا جسکا مکان موصی کے مکان سے متصل ہو۔ مگر امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا ہے کہ وہ مال اوس نواح کے سب باشندون کو جو ایک ہی مسجد مین نماز پڑھتے ہون دینا چاہیئے۔ اگر موصی کی مراد ایک ہمسایہ تھا تو فتوے امام اعظم کے قول کے موافق ہے لکن اگر موصی کے مراد متعدد اشخاص تھے تو یہ معاملہ قاضی کی راے پر موقوف رکھا جاے[1]۔ فتاواے عالمگیری مین جو عبارت اس باب مین لکھی ہے اوسکا مضمون درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"جب کوئی شخص اپنے ثلث مال کی وصیت اپنے ہمسایون کے حق مین کرے تو بعض علمارنے فرمایا ہے کہ اگر اونکا شمار ہو سکے تو ثلث مذکور اون سب مین بلا امتیاز غنی و فقیر تقسیم کردیا جاے اور اگر وہ کہے کہ "اس مسجد کے لوگون کو" تو بھی وہ مال اوسی طرح تقسیم کیا جاے "اون کا شمار نہ ہو سکے" اسکے معنی امام ابو یوسف نے یہ بیان کیے ہین کہ اونکا شمار بغیر حساب لکھے نہ ہو سکے۔ مگر امام محمد کے نزدیک اس سے اوتنے اشخاص مراد ہین جنکی تعداد سو سے زائد نہ ہو۔ اور بعض علمارنے فرمایا ہے کہ یہ امر قاضی کی راے پر موقوف رکھا جاے اور فتوے اسی قول کے موافق ہے اگرچہ امام محمد کا قاعدہ زیادہ آسان ہے۔ اگر اون ہمسایون کا شمار نہ ہو سکے تو وہ وصیت باطل ہے۔ اسی طرح سے اگر وصیت اہل مسجد یا اہل سجن یعنے قیدخانہ کے لوگون کے باب مین کی ہو اور اونکا شمار نہ ہو سکے تو وہ بھی باطل ہے۔ امام محمد نے فرمایا ہے کہ جب وصیت کسی خاص شخص کے ایتام کے حق مین کی ہو اور اونکا شمار

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۱۴۲ - ۱۲ منہ

ہوسکے تو مال وصیتی اون سب مین اسطرح تقسیم کیا جاوے گا گویا موصی نے کہا ہے کہ
یہ اس سکان یا اس کوچہ کے یتیمون کو ہے اور غنی و فقیر دونون کو برابر دیا جاوے گا۔
لکن اگر اونکا شمار نہ ہوسکے تو مال وصیتی اونمین سے اون یتیمون کو دیا جاوے جو محتاج
ہون۔ اس باب مین کہ ہمسایون مین سے کون مال وصیتی مین حصہ پانیکا مستحق ہے
مشائخ (علماء) کا قول یہہ ہے کہ ہمسایون کے لفظ مین ہر شخص داخل ہے خواہ
سکان رکھتا ہو خواہ نہ رکھتا ہو اور خواہ مرد ہو خواہ عورت اور خواہ مسلمان ہو خواہ ذمی
لفظ ہمسایان سب پر برابر صادق آتا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کا قول یہہ بھی ہے کہ غلام
مطلق کوئی سکان اوس جوار مین رکھتا ہو اوس وصیت سے مستفید ہوسکتا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے اصہار (یعنے اپنی زوجہ کے عزیزون)
کے باب مین وصیت کرے تو اس لفظ مین اوسکی زوجہ کے سب اقربا جو اوسکے محارم
شرعیہ مین سے ہون (مثل باپ اور بھائی وغیرہ کے) داخل ہین اور اوسکی سوتیلی مان
کی اولاد جو اوسکی باپ کے نطفہ سے ہو اور اوسکی بہو کے اقربا جو اوسکے محارم شرعیہ مین
سے ہون وہ سب موصی کے اصہار مین داخل ہین اور اس وصیت مین موصی کی زوجہ کے
سب اقربا جو اسکے محارم شرعیہ ہون داخل ہین اگرچہ موصی کی وفات کے وقت زوجہ مذکورہ
طلاق راجع کے عدت مین ہو لیکن اگر وہ طلاق بائن ہو تو زوجہ مذکورہ کے اقرباء اوس وصیت
مین نہین داخل ہین اسواسطے کہ اصہار کا حق اوس وصیت مین اسپر موقوف ہے کہ وہ
موصی کی وفات کے وقت اوسکی زوجہ اوسکے حبالہ عقد مین ہو اور طلاق بائن سے وہ عقد
بالکل فسخ ہو گیا ہو۔

اگر کوئی شخص اپنے اقربا کے باب مین وصیت کرے تو اوس وصیت
کے یہ معنے لیے جائینگے کہ سب سے قریب کے رشتہ دارون کے بابت مین کی ہے
جو اوسکے محارم یا محرمات شرعیہ ہین اور اگر وہ نہ ہون تو اونکے بعد جو اوس سے قرابت

قریبہ رکھتے ہون اور اسی طرح سے بہ ترتیب مدارج قرابت - امام اعظم کے نزدیک
ایسی وصیت کا نفاذ موصی کے محارم و محرمات شرعیہ پر محدود ہے مگر صاحبین کے نزدیک
ایسی وصیت موصی کے مورث اعلےٰ کی نسل سے جتنے لوگ ہون اون سب پر
حاوی ہے بشرطیکہ مسلمان ہون - اور امام شافعی کے نزدیک ایسی وصیت صرف موصی
کے باپ اور اوسکی اولاد پر محدود ہے -

اگر کوئی شخص دو چچا اور دو ماموں رکھتا ہو اور اپنے اقربا کے باب
مین وصیت کرے تو امام اعظم کے نزدیک وہ وصیت صرف اوسکے چچاؤن کے حق مین
ہوگی مگر صاحبین کے نزدیک چچا اور ماموں سب اوسمین داخل ہونگے - لکن اگر موصی
ایک چچا اور دو ماموں رکھتا ہو تو اس صورت مین نصف مال وصیتی اوس چچا کو اور
نصف دونون ماموؤن کو ملے گا - اگر وصیت قریب ترین اقربا کے باب مین کی ہو
تو کل مال وصیتی چچا کو ملیگا دونون ماموون کو کچھ نہ ملیگا - لکن اگر موصی اپنے مرنے کے بعد
ایک چچا اور ایک پھپھی اور ایک ماموں اور ایک خالہ چھوڑ جاوے تو مال وصیتی چچا اور
پھپھی مین برابر تقسیم کیا جاوے گا کہ وہ دونون درجۂ قرابت مین ایک ہین اور اونمین اور
موصی مین جو قرابت نسبی ہے وہ اوس قرابت سے قوی تر ہے جو موصی مین اور اوسکے
ماموں او خالہ مین ہے اگرچہ پھپھی اپنے بھتیجے کی وارث نہین ہے تاہم اوسکی وصیت مین وہ اسی
طرح شریک ہو سکتی ہے جسطرح وہ عزیز جو غلام یا کافر ہو - ان سب صورتون مین اگر
موصی نے محارم یا محرمات شرعیہ مین سے کوئی نہ چھوڑا ہو تو وہ وصیت باطل ہے اسواسطے کہ
اوسکا نفاذ انھین اقربا پر محدود ہے -

جب وصیت کسی خاص شخص یا قوم کے یتیمون یا لنگڑون یا
زنان بیوہ کے باب مین کیجاوے اور اونکی تعداد معلوم و معین ہو تو اوس وصیت مین
وہ سب شریک ہونگے خواہ غنی ہون خواہ فقیر خواہ ذکور ہون خواہ اناث اسواسطے کہ

اس صورت مین موصی لہم کی تعداد معلوم ہونیکی وجہ سے وصیت نافذ ہو سکتی ہے "اگر اونکا شمار ہو سکے" اس جملہ مین امام ابو یوسف کے نزدیک اوتنے لوگ داخل ہین جنکا شمار بے حساب لکھے ہو سکے مگر امام محمد کے نزدیک اس جملہ مین سو آدمیون سے زیادہ نہین داخل ہین - بعض علمار کا قول ہے کہ اس امر کا انفصال قاضی کی راے پر موقوف ہے اور اسی کے موافق فتوے دیا جاتا ہے اور فیصل خصومات کیا جاتا ہے - لکن اگر جس قوم کے باب مین وصیت کی ہے اوس قوم کے لوگون کا شمار نہ ہو سکے تو اوس وصیت مین صرف غربا داخل ہین امرا نہین داخل ہین کیونکہ وصیت ایک امر نیک یا کار ثواب ہے جس سے خوشنودی خدا حاصل کرنا مقصود ہے اور خدا محتاجون کی حاجت روائی کرنے سے خوش ہوتا ہے - علاوہ برایں اس وصیت کے فحوا سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ موصی لہ غریب و محتاج ہو اور موصی کا منشا یہی سمجھنا چاہیئے -

لکن اگر کوئی شخص کسی قوم کے "نوجوان مردون یا عورتون کے باب مین وصیت کرے" اور اونکا شمار نہ ہو سکے تو یہ اور صورت ہے - اس صورت مین وصیت باطل ہے اسواسطے کہ اس وصیت کے فحوا سے موصی لہم کا محتاج ہونا نہین ثابت ہوتا ہے لہذا موصی کے کلام مین یہ تاویل نہین ہو سکتی کہ اوسنے غربا کو مراد لیا ہے اور نہ یہ وصیت اوس قوم کے سب لوگون کے باب مین درست ہو سکتی ہے کیونکہ جب وہ بے شمار ہین تو اونکی تعیین کیونکر ہو سکتی ہے اور وصیت اون موصی لہم کو جو مجہول الحقیقت ہون باطل ہے کیونکہ وصیت ایسا فعل ہے جس سے موصی دوسرے شخص کو حق ملکیت دیدیتا ہے اور مجہول الحقیقت اشخاص کو یہ حق عطا کرنا محال ہے - جب وصیت غربا و مساکین کے باب مین کی ہو تو اقل مراتب دو غریبون کو مال وصیتی دینا چاہیے کیونکہ وصایا مین جمع کا اطلاق کم سے کم دو پر ہوتا ہے -

جب کسی خاص شخص کی قوم کی اولاد کے باب مین وصیت کیجائے

تو اوسمین ذکور و اناث سب برابر حق رکھتے ہین کیونکہ لفظ اولاد سب پر حاوی ہے جب
کسی خاص شخص کے ورثہ کے باب مین وصیت کیجاوے تو اوس شخص کے سب ورثہ مین تقسیم کیجاویگی
موافق قواعد میراث کے یعنے مرد کو عورت کا دوچند ملے گا اسواسطے کہ یہ قیاس ہو سکتا ہے
کہ لفظ ورثہ موصی نے اس غرض سے کہا تھا کہ وصیت کی تقسیم مین بھی وہی امتیاز رکھا جاوے جو
میراث مین رکھا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے ثلث مال سے زائد کی وصیت کسی کے باب مین
کرے تو اوس وصیت کو گھٹا کر ثلث مین لے آئین گے۔ فتاولے عالمگیری لکھا ہے
کہ "جب کوئی شخص اپنی جائداد کے ایک ثلث کی وصیت ایک شخص کے باب مین اور ایک
ثلث کی دوسرے شخص کے باب مین کرے اور دونون وصیتون کو اوسکے ورثہ منظور
کرلین تو موصی لہم کو دو ثلث ملین گے اور ورثہ کو ایک ثلث ملیگا۔ لکن اگر ورثہ اسکو منظور
کرین تو موصی لہم ایک ثلث لیکر آپس مین نصف نصف تقسیم کرلین گے۔ جب موصی نے ثلث
مال کی وصیت ایک شخص کے باب مین اور ایک سدس کی وصیت دوسرے شخص کے باب مین
کی ہو تو اوسمین کمی نسبت دیکھکر کیجاوے گی یعنے پہلا موصی لہ ایک ثلث کے بدلے دو تسع پائیگا
اور دوسرا موصی لہ ایک تسع پاوے گا جسکا مجموع ایک ثلث ہوا"

ردالمحتار مین بھی یہی لکھا ہے کہ "اگر کوئی اپنے ثلث مال کی وصیت
زید کے حق مین کرے اور دوسرے ثلث کی وصیت دوسرے شخص کے باب مین کرے
اور ورثہ اوسکو منظور نکرین تو ایک ثلث کو دونون موصی لہم برابر تقسیم کرلین گے
۔ اور اگر وہ ایک ثلث ایک شخص کو اور ایک سدس دوسرے شخص کو دے تو ایک
ثلث اون دونون مین دو اور ایک کی نسبت سے تقسیم کیا جاوے گا۔ اگر وہ اپنی کل جائداد
ایک شخص کو اور اوسکا ایک ثلث دوسرے شخص کو دے جاوے تو وہ ایک ثلث اونمین
برابر تقسیم کیا جاوے گا لیکن یہ اوسوقت ہوگا جبکہ ورثہ راضی نہون۔ اگر ورثہ راضی ہو جائین

تو کیونکر تقسیم ہوگی اسمین بڑا اختلاف ہے جسکا نتیجہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل مال و اسباب موصی کا چار سہام مین تقسیم کرکے ایک سہم دوسرے موصی لہٗ کو اور تین سہم پہلے موصی لہٗ کو دیے جائین گے۔

مسائل شیعہ ۔ مذہب شیعہ مین دوسری وصیت باطل ہوجائے گی اور ثلث مال جسمین وصیت نافذ ہوسکتی ہے پہلے موصی لہٗ کو ملے گا۔ شرایع الاسلام مین اس مسئلہ کو بعبارت ذیل بیان کیا ہے۔

"اگر کوئی شخص اپنا ثلث مال ایک موصی لہٗ کو بذریعہ وصیت دیجائے اور ایک ربع دوسرے کو اور ایک سدس تیسرے کو اور اوسکے ورثہ ان وصایا کو منظور نکرین تو ثلث مال پہلے موصی لہٗ کو دیا جاے اور باقی وصایا باطل ہین۔ لکن اگر وہ ثلث مال کی وصیت ایک شخص کے باب مین کرے اور دوسرے ثلث کی وصیت دوسرے کے باب مین کرے تو اس صورت مین دوسری وصیت سے پہلی وصیت منسوخ ہوجاے گی اور اگر اسمین شک پیدا ہو کہ موصی نے پہلے کس موصی لہٗ کا نام لیا تھا تو اسکا فیصلہ قرعہ اندازی سے کیا جاے گا۔ اگر کوئی شخص ایک شے کی وصیت دو آدمیون کے باب مین کرے اور اوس شے کی قیمت اوسکے ثلث مال سے زائد ہو اور اوسکے ورثہ مقدار زائد از ثلث کا اذن نہ دین تو جسقدر اوس شے مین سے ثلث مال مین آجاے اوسقدر دونون موصیٰ لہم کا مال مشترک ہے۔ لکن اگر وہ ایک ایک چیز دونون کو بذریعہ وصیت دی جاے تو ابتدا اوس شخص سے کی جاے جسکے حق مین پہلے وصیت کی تھی۔ اور جو کچھ کمی پڑے وہ دوسرے پر عائد ہوگی۔

یہ اصول وصایاے معیّن اور غیر معیّن دونون پر حاوی ہے

مثلاً اگر کوئی شخص ایک رقم کی یا اپنے متروکہ مین ایک حصہ کی وصیت کسی کے باب مین کرے اور دوسرے کے باب مین اوسقدر کی وصیت کرے جسقدر اوسکی بسر اوقات کو

ایک میعاد معین تک کافی ہو تو آخر الذکر وصیت کی مالیت کا تخمینہ کیا جاے گا اور دونون وصیتون کا تصفیہ اصول مصرحۂ بالا کے بموجب کیا جاے گا

شرع حنفی ۔ جب موصی ایک شخص کو اپنا نصف مال اور دوسرے شخص کو ربع مال بذریعہ وصیت دیجاے تو موصی لہم اپنا اپنا حصہ پائین گے بشرطیکہ اوسکے ورثہ راضی ہوجائین اور جو کچھ باقی رہے وہ ورثہ کو ملیگا ۔ لکن اگر ورثہ راضی نہ ہون تو دونون وصیتون کا نفاذ ثلث مال مین کیاجاے گا جو جائز الوصیت ہے اور جو سات حصون مین تقسیم کیا جائیگا چار حصے نصف مال کے موصی لہٗ کو اور تین حصے ربع مال کے موصی لہٗ کو دیے جائینگے ۔ یہ قول امام اعظم کا ہے ۔ مگر صاحبین کے نزدیک اوس ایک ثلث کے تین حصے کرکے دو حصے نصف مال کے موصی لہٗ کو اور ایک حصہ ربع مال کے موصی لہٗ کو دیا جاے گا[۱]۔

جب رقوم معینہ یعنے مثلاً ہزار درہم کی وصیت ایک شخص کے باب مین اور دو ہزار درہم کی وصیت دوسرے شخص کے حق مین کی ہو اور ایک ثلث جو جائز الوصیت ہے اوسکی مالیت صرف ہزار درہم کی ہو تو امام اعظم کے نزدیک ہر ایک موصی لہٗ کو اوس ہزار درہم مین سے بقدر اوسکے پورے حصہ کے دیا جاے گا اسواسطے کہ بادی النظر مین یہ اسوجہ سے جائز ہے کہ شاید موصی نے اور جائداد اسقدر چھوڑی ہو کہ یہ رقم اوسکے ایک ثلث مین آجاے ۔ اور اسمین سب علماء کا اتفاق ہے کہ جب متعدد وصایا مین سے ہر ایک وصیت ثلث مال سے زائد مین نہ ہو یعنے مثلاً ایک ثلث ایک شخص کو اور ایک ربع دوسرے شخص کو بذریعہ وصیت دیا گیا ہو اور ورثہ دونون کو نہ منظور کرین تو ہر ایک موصی لہٗ بقدر اپنی پوری وصیت کے حصہ پانیکا مستحق ہے چاہیے وہ جو کچھ ہو اور اسی کے موافق وہ ثلث اون دونون مین تقسیم کیا جاے گا ۔

جب وصیت غیر معین طور سے کیجاے یعنے مثلاً موصی نے کہے

---

[۱] فتاوی عالمگیری صفحہ ۱۲۱۵ ۔ منہ

کہ "مین اپنے مال کا ایک حصہ فلان شخص کو دیتا ہون" تو وہ اپنے منشار کی تصریح اپنی زندگی
مین ہر وقت کر سکتا ہے اور اوسکے مرنے کے بعد اوسکی وصیت کے معنے بیان کرنا اوسکے
ورثہ پر موقوف ہے۔ اگر وصیت ایک سہم یا ایک جزر کی ہو تو بعض علمار کا قول ہے کہ ورثہ کو
اختیار ہے کہ جسقدر چاہین دین مگر مبسوط مین لکھا ہے کہ ایک سہم کے موصیٰ لہٗ کو بقدر اقل
سہام ورثہ دیا جاسے بشرطیکہ وہ ثلث مال سے زائد نہ ہو۔ یہ قول صاحبین کا ہے جب
کسی شخص نے اپنے مال کے ایک سہم مین وصیت کی ہو اور کوی وارث نہ چھوڑا ہو تو موصیٰ لہ
کو نصف ملیگا اسواسطے کہ بیت المال بجاے موصی کے فرزند کے ہے اور یہ صورت بمنزلہ اسکے
ہے کہ اوسنے دو فرزند چھوڑے ہین جنمین اوسکا مال برابر تقسیم کیا جاسے گا۔

اگر کوی شخص اپنے بیٹے یا بیٹی کے حصہ کی وصیت کرے تو اگر
وہ بیٹا یا بیٹی زندہ ہو تو یہ وصیت باطل ہے اسواسطے کہ اوسنے دوسرے شخص کے مال
مین وصیت کی ہے لکن اگر اوسکے بیٹا بیٹی کچھ نہ ہو تو یہ وصیت جائز ہے۔ اگر دختر یا پسر
کے حصہ کے مثل کی وصیت کی ہو تو یہ وصیت جائز ہے اگرچہ اوسکا بیٹا یا بیٹی موجود ہو
اسواسطے کہ کسی چیز کا مثل خود وہ چیز نہین ہے بلکہ اور چیز ہے پس بیٹی کا حصہ دریافت کرکے
اوسکے برابر ایک رقم موصیٰ لہ کو دیدی جاسے لکن اگر وہ ثلث مال سے زیادہ ہو تو ورثہ کا
اذن حاصل کرنا ضرور ہے اور اگر ایک ثلث کے برابر یا اوس سے کم ہو تو بغیر اذن ورثہ
درست ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص ایک بیٹے کے حصہ کی وصیت کسی کے باب مین کرے اور
ایک ہی بیٹا رکھتا ہو تو موصیٰ لہ کو نصف مال وصیتی ملیگا بشرطیکہ ورثہ راضی ہو جائین ورنہ
صرف ایک ثلث ملیگا۔ اسی طرح سے اگر وہ دو بیٹے رکھتا ہو تو زیلعی کے نزدیک موصیٰ لہ
ایک ثلث پاسے گا۔ جب موصی اپنے مرنے کے بعد صرف ایک بیٹی چھوڑ جاسے اور
بیٹی کے حصہ کی وصیت کی ہوئے تو موصیٰ لہ نصف پاسے گا بشرطیکہ وہ بیٹی راضی ہو جا
ورنہ ایک ثلث پاسے گا۔ اور اگر دو بیٹیان ہون تو منہاج مین لکھا ہے کہ موصیٰ لہ ایک

ثلث پاوے گا - اور اگر تین بیٹیاں ہون تو فقط ایک ربع پاوے گا - اس قول کی تائید میں
مجتبیٰ کا حوالہ دیا ہے - یہ ایک کتاب امام زاہدی کی ہے - اگر کوی موصی اپنے مرنیکے بعد
ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ جاوے اور بیٹی کے حصہ کی وصیت کی ہو تو موصی لہ کو ایک
ربع ملیگا - اور اگر کوی موصیہ اپنے مرنیکے بعد ایک شوہر اور ایک خواہر عینی ایک علاتی
اور ایک اخیافی چھوڑ جاوے اور خواہر علاتی کے حصہ کی وصیت کر جاوے تو موصی لہ کو ایک
عشر ملیگا - مجتبیٰ مین یہی لکھا ہے - اور ہندیہ یعنے فتاوے عالمگیری مین اس مسئلہ کو
اسطرح بیان کیا ہے کہ شوہر اپنا حصہ معینہ پائیگا اور بالبقی موصی لہم اور وارثون تینون میں
بمقادیر شرعیہ تقسیم کیا جاوے گا - اگر کوی موصی اپنے مرنے کے بعد ایک ماں اور ایک
بیٹا چھوڑ جاوے اور ایک بیٹی کے حصہ کی وصیت کی ہو تو اوسکے جائداد کے ستره حصے
کیے جاوینگے جن مین سے پانچ حصے موصی لہ کو اور دو حصے ماں کو دیے جائینگے -

اس مسئلہ کو یون سمجھیے کہ اگر موصی نے کوی وصیت نہ کی ہوتی
تو اوسکی جائداد کے چھ حصے کیئے جاتے جن مین سے پانچ حصے بیٹے کو ملتے اور ایک حصہ ماں کو
ملتا دو مگر جب موصی ایک بیٹی کے حصہ کی وصیت کرے تو اوس حصہ مین کچھ اضافہ کرنا
چاہیئے اور چونکہ بیٹی کا حصہ بیٹے کے حصہ کا نصف ہوتا ہے لہذا اوس مین $\frac{1}{2}$ حصے
اضافہ کرنے چاہیین جسکا مجموع $8\frac{1}{2}$ ہوا اور جب اسکو دو چند کر لیا تاکہ کسر نکلے تو
۱۷ حصے ہوے جنمین سے پانچ حصے موصی لہ پہلے پاوے گا اسواسطے کہ وصیت ثلث مال
سے کم مین کی ہے لہذا ورثہ کی میراث پر مقدم ہے اور باقی بارہ حصون مین سے دو حصے
ماں کو اور دس حصے بیٹے کو ملین گے -

اگر ایک بیٹی اور ایک بہن ہو اور وصیت ایک بیٹی کے حصہ کی کی ہو تو
موصی لہ کو ایک ثلث ملیگا خواہ وہ بیٹی یا وہ بہن راضی ہو خواہ نہ ہو - سیجانی سے کہ
فتاوی نامیہ مین یہی لکھا ہے

اگر کوئی شخص زوجہ اور ایک بیٹا رکھتا ہو اور دوسرے بیٹے کے حصہ کی وصیت کرے (اگر دوسرا بیٹا ہوتا) تو اوسکی جائداد کے پندرہ حصے کیے جائین گے بشرطیکہ ورثہ اوس وصیت سے راضی ہون - اون پندرہ حصون مین سے موصی لہ سات حصے پائیگا اور زوجہ ایک حصہ پاے گی اور بیٹا بھی سات حصے پاے گا - اس صورت مین بھی صورت مذکورہ بالا کی طرح فرض کیجیے کہ اگر وصیت نہ ہوئی ہوتی تو وہ جائداد آٹھ حصون مین تقسیم کیجاتی جن مین سے ایک حصہ زوجہ کو اور سات حصے بیٹے کو ملتے - مگر جب جائداد وصیتی کو دوسرے بیٹے کا حصہ فرض کرلیا (اگر وہ ہوتا) تو اون حصون مین سات حصے اور ملانے پڑے تاکہ مجموع پندرہ حصے ہوجائین - لکن چونکہ اس صورت مین مال وصیتی ثلث مال موصی سے زائد ہے لہذا ورثہ کا اذن شرط ہے ورنہ وصیت ناجائز ہوگی -

جب کوئی شخص ایک بیٹی اور ایک بھائی چھوڑکر مرجاے اور دوسرے شخص کے باب مین ایک بیٹے کے حصہ کی وصیت کرجاے تو چونکہ اوسکا کوئی بیٹا نہین ہے لہذا موصی لہ دو ثلث مال وصیتی پاے گا اور باقی ایک ثلث اوس بیٹی اور اوس بھائی مین بنصف تقسیم کیا جاے گا بشرطیکہ ورثہ راضی ہوجائین - لکن اگر وہ نہ راضی ہون تو موصی لہ کو صرف ایک ثلث ملیگا اور باقی دو ثلث بیٹی اور بھائی مین برابر تقسیم کیے جائین گے - اور اگر وصیت ایک بیٹے کے حصہ کی مثل کی ہو اور اور سب امور ویسے ہی ہون جیسے آخر الذکر صورت مین تھے تو موصی لہ کو دو ثمس جائداد کے ملین گے بشرطیکہ ورثہ راضی ہوجائین — اگر کوئی شخص ایک بھائی اور ایک بہن چھوڑکر مرجاے اور کسی شخص کے باب مین ایک بیٹے کے حصہ کی وصیت کرجاے اور اوس وصیت کو اوسکے ورثہ منظور کرلین تو موصی لہ کل جائداد پاے گا اور بھائی اور بہن کو کچھ نہ ملیگا - لکن اگر اوسنے ایک بیٹے کے حصہ کے مثل کی وصیت کی ہوتی اور اوس وصیت سے ورثہ راضی نہو جاتے تو موصی لہ کو صرف ایک نصف ملیگا

اور دوسرا نصف بھائی اور بہن مین اسطرح تقسیم ہوتا کہ بھائی کو دو حصے ملتے اور بہن کو
ایک حصہ ملتا۔ ان دونو صورتون مین اگر اوس وصیت کو ورثہ نامنظور کرتے تو موصی لہ کو
صرف ایک ثلث ملتا اور باقی دو ثلث اوسیطرح سے بھائی اور بہن مین تقسیم کیے جاتے۔

یہ سب اوسوقت ہے جبکہ موصی ورثہ چھوڑ گیا ہو۔ لکن اگر ورثہ
نہ ہون اور موصی کسی خاص وارث کے حصہ کی وصیت کرے تو نصف موصی لہ کو ملیگا
اور نصف بیت المال مین داخل کیا جاے گا۔ قول مشہور یہی ہے اور جوہرہ مین بھی یہی لکھا ہے
وارث ذی حق ہے لہذا بالکل محجوب الارث نہین ہوسکتا[1]

موصی نے اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت زید اور عمرو کے
باب مین کی مگر عمرو وصیت کے وقت مرچکا تھا تو پورا ایک ثلث زید کو ملیگا۔ کیونکہ قاعدہ
یہ ہے کہ معدوم یا متوفی کوی حق نہین رکھتا ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ ہے
کہ اگر موصی یہ نہ جانتا تھا کہ وصیت کے وقت عمرو مرچکا تھا تو صرف ایک نصف زید کو
دیا جاے گا۔ زیلعی کا بھی یہی قول ہے۔ کیونکہ زید اور عمرو کے باب مین وصیت جبکہ
عمرو مرچکا ہو بمنزلہ اوس وصیت کے ہے جو زید کے اور ایک شئے معدوم کے باب
کی ہو۔ مگر جب وصیت زید اور عمرو کے درمیان کی ہو اور اوسوقت عمرو مرچکا ہو تو جو موصی
زندہ ہے اوسکو صرف ایک نصف ملیگا کیونکہ درمیان کے لفظ سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ
نصف نصف دیا جاے۔

اگر کوی شخص ان الفاظ سے وصیت کرے کہ میرا وصی میرے
مال کا ایک ثلث زید اور پسر عبد اللہ کو دے اگر وہ میرے مرنے کے وقت محتاج ہو
اور موصی کی وفات کے وقت پسر عبد اللہ مالدار ہو تو صرف اوس ثلث کا ایک نصف
زید کو دیا جاے گا۔

---

[1] رد المحتار صفحہ ۶۵۹ ۔ منہ

یہی نتیجہ اوس وقت ہوگا کہ جب موصی لہم مین سے کوئی شخص موصی کے حیات مین مرجاے - اصول یہ ہے کہ جب وصیت اشخاص موجودین یا اشیا رموجودہ کے باب مین کی ہو اور اون مین سے ایک وصیت کے بعد معدوم ہوجاے تو باقیماندہ موصی لہم اپنے اپنے حصہ پائینگے اور موصٰی لہ متوفی کا حصہ موصی کی اصل جائداد مین شامل ہوجائیگا - لیکن اگر موصٰی لہم مین سے ایک وصیت کے وقت موجود نہ تھا یا وہ صفت نہ رکھتا تھا جو موصی نے اوس وصیت کے لینے کے لیے قرار دی تھی تو مال وصیتی موصٰی لہم موجودین کو ملے گا - مثلاً اگر وصیت زید اور اون لوگون کے باب مین کیجاے جو کسی خاص مکان مین رہتے ہین مگر اوس مکان مین کوئی نہ رہتا تھا تو کل مال وصیتی زید کو ملیگا کیونکہ معدوم اشخاص کے حق مین وصیت نہین ہو سکتی - یہی نتیجہ اوس وقت بھی ہوگا جبکہ کوئی شخص زید اور اوسکے اعقاب کے باب مین وصیت کرے کیونکہ اعقاب وہ لوگ ہین جو کسی کے مرنیکے بعد زندہ رہین اور اونکی تعیین وصیت کے وقت نہین ہوسکتی - اسی طرح سے اگر کوئی شخص کہے کہ میری یہ وصیت زید اور پسر عبداللہ کے باب مین ہے اگر وہ میرے مکان مین رہے اور پسر عبداللہ اوسکے مکان مین نہ رہے تو کل مال وصیتی زید کو ملے گا - لیکن جب وصیت زید اور عمرو کے باب مین کی ہو اور عمرو موصی کے مرنے کے بعد مرجاے تو اوسکا حصہ اوسکے ورثہ کو دیا جاے گا -

جب کوئی عورت شوہر چھوڑکر مرجاے اور اپنے نصف مال کی وصیت کسی غیر آدمی کے حق مین کرجاے تو ایسی وصیت جائز ہے اور شوہر ایک ثلث اور موصی لہ ایک نصف کا مستحق ہے اور ایک سدس جو باقی رہا بیت المال مین داخل کیا جاے - اسواسطے غیر آدمی کے حق مین وصیت ثلث مال مین ورثہ کے حقوق پر مقدم ہے پس باقی دو ثلث بطور مذکورکے تقسیم ہوجائینگے جنمین سے ایک نصف یعنے کل مال کا ایک

ردالمختار صفحہ ۶۶۱

ثلث شوہر کا مال ہے اب رہا ایک ثلث اوسکا کوی وارث نہین ہے لہذا باقی وصیت
اوس ایک ثلث مین نافذ ہوگی اور وہ کل جائداد کا ایک سدس ہے پس اب وصیت ایک
نصف کی ہوجاے گی - اور چونکہ اوس ایک سدس کا کوی مستحق نہین ہے لہذا وہ بیت المال
کا حصہ ہے - اسی طرح اگر کوی شخص ایک زوجہ چھوڑ کر مرجاے اور اپنے تمام جائداد
کی وصیت کسی غیر آدمی کے حق مین کرجاے اور زوجہ اوس وصیت کو منظور نہ کرے
تو وہ ایک سدس کی مستحق ہوگی اور باقی پانچ سدس موصی لہٗ پاے گا اسواسطے کہ ایک
ثلث کا مستحق تو وہ از روے وصیت ہے اب رہے دو ثلث اوس مین سے ایک
ربع زوجہ پاے گی جو کل جائداد کے ایک سدس کے برابر ہے اور باقی موصی لہٗ پائیگا کہ وہ
بیت المال پر ترجیح رکھتا ہے -

جب[1] کوی شخص اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت کسی شخص کے بیٹون
کے باب مین کرے مگر وہ شخص وصیت کے وقت کوی بیٹا نہ رکھتا ہو اور بعد ازان جب
موصی مرجاے تب اوسکے یہان بیٹے پیدا ہون تو وہ بیٹے ثلث مال کے مستحق ہین اور
اگر وصیت کے وقت بھی اوسکے بیٹے ہوتے مگر اونکا نام موصی نے نہ لیا ہوتا یعنے فلان
عمرو وغیرہ نہ کہا ہوتا تو وہ وصیت اون سب بیٹون کے نام ہوتی جو موصی کی وفات
کے وقت موجود ہوتے - اور اگر وہ بیٹے جو وصیت کے وقت موجود تھے مرجائین اور
اونکے بعد اور بیٹے پیدا ہون اور وہ موصی کی وفات کے وقت زندہ ہون تو وہ بھی ثلث مال کے
مستحق ہین - لکن اگر موصی نے اون بیٹون کا نام لے دیا ہو جو وصیت کے وقت موجود
ہون یا اور کسی طور سے اونکی تصریح کردی ہو تو وصیت صرف اونھین کے حق مین
سمجھی جاے گی اور اونکے مرنے پر باطل ہوجاے گی - خلاصہ یہ ہے کہ اگر موصی لہم کا نام
لے دیا گیا ہو یا اور کسی طور سے اونکی تصریح کردی گئی ہو تو اونکے حق مین وصیت مخصوص

[1] رد المختار صفحہ ۶۱۹ - سنہ -

ہو جاوے گی اور یہ لحاظ کیا جاوے گا کہ کس وقت وہ وصیت کی گئی تھی۔

جب کوئی شخص اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت اپنی اُمّ الولد کے باب مین کرے اور تین اُمّ الولد رکھتا ہو اور فقراء و مساکین کے باب مین بھی کرے تو اوس جائداد کے پانچ حصے کرکے تین حصے امّ الولد کو دئے جائین گے اور ایک حصہ فقراء اور ایک حصہ مساکین کو دیا جاوے گا یہ قول امام اعظم اور امام ابو یوسف کا ہے۔ امام محمد کے نزدیک اوس جائداد کے سات حصے کرکے تین حصے اُمّ الولد کو اور دو دو حصے فقراء اور مساکین کو دیے جائین گے۔ قول اول احوط ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص اپنے مال کا ایک ثلث زید کو اور مساکین کو از روے وصیت دئے جاوے تو زید کو نصف ملے گا اور دوسرا نصف امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک مساکین کو دیا جاوے گا۔ مگر امام محمد کے نزدیک اوس جائداد کے تین حصے کیے جائین گے۔ جب کوئی شخص اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت زید اور فقراء و مساکین کے باب مین کرے تو امام اعظم کے نزدیک اوس جائداد کے تین حصے کیے جائین گے اور امام ابو یوسف کے نزدیک دو حصے اور امام محمد کے نزدیک پانچ حصے کیے جائین گے اور یہی قول مختار ہے۔ جب کوئی شخص ثلث مال کی وصیت فقراء کے باب مین کرے تو امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک اسمین ایک فقیر بھی داخل ہو سکتا ہے مگر امام محمد کے نزدیک کم سے کم دو فقیر ہونے چاہیئن مگر جب جماعت مساکین کا لفظ کہا ہو تو وہ وصیت صرف ایک مسکین کو نہین مل سکتی۔ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔[1]

اگر کوئی شخص فقراء بلخ کے حق مین وصیت کرے تو امام ابو یوسف کے نزدیک اوس وصیت مین سے اور فقراء کو بھی دینا جائز ہے اور اسی کے موافق فتوے ہے۔

جب کوئی شخص اپنے ثلث مال کی وصیت ایک شخص کے باب مین کرکے

[1] ردّ المختار صفحہ ۶۹۲ - ۶۹۳ ج ۵

دوسرے شخص سے کہے کہ "مینے تمکو اوسکے ساتھ شریک کیا" تو وہ ثلث اون دونون
کو ملیگا۔ اور اگر ایک شخص کے باب مین سو روپیہ اور دوسرے شخص کے باب مین بھی
سو روپیہ کی وصیت کرکے تیسرے شخص سے کہے کہ "مینے تمکو اونکا شریک کیا" تو یہ تیسرا شخص
ہر سو روپیہ کے ایک ثلث کا مستحق ہوگا۔

جب کوئی شخص کسی غیر آدمی اور اوسکے وارث کے باب مین وصیت کرے
تو وہ غیر آدمی نصف پاے گا اور باقی وصیت باطل ہے اور اگر کسی انسان کے قاتل اور غیر
آدمی کے باب مین وصیت کرے تو بھی یہی ہوگا۔

اگر کوئی شخص تین کپڑے رکھتا ہو اونمین سے ایک کپڑا اچھا ہو اور
ایک اوسط درجہ کا ہو اور ایک برا ہو اور وہ تینون کپڑے تین آدمیون کو از رو وصیت
دیجاوے تب اون مین سے ایک کپڑا گم یا ضایع ہوجاے مگر یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کونسا
کپڑا ہے اور ورثہ باقی دو کپڑے موصی لہم کو دینا نہ منظور کرین اور ہر ایک موصی لہ سے
کہین کہ جس کپڑے کی وصیت تمھارے باب مین کی تھی وہ ضایع ہوگیا ہے تو اس صورت مین
چونکہ اون اشخاص کے حقوق کی تعین نہین کی گئی ہے اور جب اونکے حقوق کی تعین
نہین کی ہے تو جو فیصلہ اس مقدمہ کا کیا جاے جائز نہین ہوسکتا اور موصی کا مقصد
نہین بر آسکتا لہذا ان وصایا کو باطل قرار دینا چاہیئے مگر یہ کہ ورثہ باقی کپڑے حوالہ کردین
۔ اگر وہ ایسا کرین تو یہ عذر رفع ہوجاے گا اور سب سے عمدہ کپڑے کا موصی لہ دو ثلث
اوس عمدہ کپڑے کا پاے گا جو اب باقی رہگیا ہے اور اوسط درجہ کے کپڑے کا موصی لہ
اوس عمدہ کپڑے کے باقی ایک ثلث کا مستحق ہوگا اور ایک ثلث برے کپڑے کا بھی پائیگا
اور سب سے برے کپڑے کا موصی لہ اوس کپڑے کے باقی دو ثلث پاے گا۔

جو افزونی مال وصیتی مین قبل وفات موصی ہوئی ہو وہ موصی کا مال ہے
مثلاً مواشی کے بچے یا زمین کی پیداوار۔ اور اوسپر وہی دیون عائد ہونگے جو موصی کی

باقی جائداد پر عائد ہون۔ مگر وہ افزونی جو اوسکی وفات کے بعد وقوع مین آئے اور اوسوقت وقوع مین آئے جب اوسکا ترکہ تقسیم ہو چکا ہو موصی لہ کا مال ہے۔ اور جو افزونی بعد وفات موصی مگر قبل تقسیم ترکہ وقوع مین آئے وہ دو حال سے خالی نہین ہے یا موصی لہ کے اوس وصیت کو قبول کرنیکے قبل یا اوسکے بعد وقوع مین آئی ہے۔ پہلی صورت مین وہ افزونی داخل وصیت اسوجہ سے ہے کہ اصل مال وصیتی کے مضافات مین سے ہے اور ثلث مال سے ملنی چاہئے اور صرف اوسوقت جائز ہے جبکہ ایک ثلث کے اندر ہو۔ مگر کلام اسمین ہے کہ اگر موصی لہم کے قبول کرنیکے بعد مگر قبل تقسیم ترکہ افزونی ہوئی ہو تو اوسمین بھی یہی حکم جاری ہوگا۔ اس مسئلہ مین امام محمد نے کوئی صاف فتوے نہین دیا ہے مگر قدوری نے لکھا ہے کہ اس صورت مین وہ افزونی وصیت مین داخل ہوگی اور کل جائداد سے لیجاے گی۔ لکن ہمارے مشائخ (علما حنفیہ) نے فرمایا ہے کہ وہ افزونی وصیت مین داخل ہے اور ثلث مال سے لی جاے گی۔

اگر موصی کی وفات کے بعد مال وصیتی مین ایسی افزونی ہوئی ہو جو اوس سے جدا ہو سکے پس اگر اصل مال وصیتی اور وہ افزونی دونون ایک ثلث مین داخل ہون تو وہ دونون موصی لہ کا مال ہے۔ اگر وہ دونون ثلث مال سے زائد ہون تو امام اعظم کے نزدیک یہ ہے کہ اوس وصیت کا نفاذ پہلے تو اصل مال مین بعد اوسکے اوس افزونی مین کیا جاے گا۔ مگر صاحبین کے نزدیک دونون مین اوسکا نفاذ برابر کیا جاے گا۔ یعنے مثلاً اگر موصی چھہ سو درہم اور ایک گھوڑی چھوڑ گیا ہو جسکی قیمت تین سو درہم ہے اور وہ گھوڑی بعد وفات موصی مگر قبل تقسیم ترکہ بچہ جنے اور اوس بچہ کی قیمت بھی تین سو درہم ہو تو اس صورت مین اصل مال وصیتی اور اوسکی افزونی کا مجموع چھہ سو درہم ہوے تو امام اعظم کے نزدیک موصی لہ اوس گھوڑی اور اوسکے بچہ کے ایک ثلث کا مستحق ہے جسکا مجموع چار سو درہم یعنے اصل مال کا ایک ثلث ہو۔ مگر صاحبین کے نزدیک موصی لہ اصل مال اور افزونی دونون مین دو دو ثلث پانیکا مستحق ہے۔ یہ اس تقدیر پر ہے کہ اوس گھوڑی کے بچہ دینے کے پیشتر اور نیز قبل تقسیم ترکہ موصی لہ نے اصل وصیت کو قبول

کر لیا ہو۔ اگر اوس گھوڑی کے بچہ جننے کے وقت اور تقسیم ترکہ کے بعد موصی لہ نے اوس وصیت
کو قبول کر لیا ہو تو وہ اوسکا مال ہے اور اگر اوسکے قبول کرنے کے بعد مگر تقسیم ترکہ کے قبل وہ
گھوڑی بچہ جنی ہو تو قدوری کے نزدیک یہ وصیت نہین ہے مگر ہمارے مشائخ (علمار حنفیہ) کے
نزدیک یہ وصیت ہے اور ثلث مال مین اسطرح نافذ ہوگی کہ گویا وہ گھوڑی وصیت قبول ہونیکے
پیشتر بچہ جنی تھی۔ اگر یہ امر قبل وفات موصی وقوع مین آئے تو وہ بچہ اس وصیت مین ہرگز نہ
داخل ہوگا بلکہ اوسمین بھی وہی احکام جاری ہونگے جو متوفی کی باقی جائداد مین جاری ہونگے۔

مسائل شیعہ — مذہب شیعہ مین یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی نصف جائداد کے باب مین
وصیت کرے اور پہلے اوسکے ورثہ راضی ہوجاوین مگر بعد ازآن کہین کہ ہم سمجھے تھے کہ مقدار
وصیت بہت کم ہے تو ڈگری اوس مقدار کی دی جاوے گی جو مقدار وصیت ورثہ بیان کرین
اور باقی کے باب مین اونسے حلف لیا جاوے مثلاً اگر وصیت ایک غلام یا ایک
مکان کی ہو اور ورثہ پہلے تو راضی ہوجاوین مگر بعد اوسکے کہین کہ ہم سمجھے تھے کہ یہ متوفی کے مال کے
ایک ثلث سے زیادہ نہین ہے اور اگر زیادہ ہے تو بہت خفیف سی زیادتی ہے تو اونکا یہ بیان
قابل توجہ نہین ہوسکتا کیونکہ اونھون نے اوس چیز کی وصیت کا اذن دیا ہے جسکو وہ یہ نہین کہہ سکتے کہ
جب ہمنے اس وصیت کو منظور کیا تھا اوسوقت ہم اس شے کی مالیت سے ناواقف تھے۔ اگر کوئی
شخص اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت بطور مشاع یعنے بلا انقسام کرے تو موصی لہ ہر چیز کے
ایک ثلث کا مستحق ہے جو موصی کے قبضہ مین اوسکی وفات کے وقت تھی۔ اگر وہ کسی خاص چیز کی
وصیت کرے جسکی قیمت اوسکی جائداد کے ایک ثلث کے برابر ہو تو اوسکے مرنیکے بعد موصی لہ
مالک بلا شرکت غیرے شے موصی بہ کا ہوجاوے گا اور ورثہ کا کوئی عذر اوسکے باب مین نہ چلے گا
اور اگر متوفی نے مال موجود اور مال غیر موجود دونوں چھوڑے ہوں (مثلاً نقد روپیہ اور قرضہ)
تو اوس چیز مین سے اوسقدر موصی لہ کو دیا جائیگا جسقدر مال موجود کے ایک ثلث کے برابر
ہو اور باقی کا انتظار موصی لہ اوسوقت تک کریگا جبتک ورثہ قرضہ کو وصول کرین کیونکہ جو چیز بالفعل موجود

نہین ہے شاید وہ گم یا ضایع ہوجاے اورکبھی وصول ہو۔ لہذا اگر اوسنے اپنے غلام کے ایک ثلث کے باب مین وصیت کی ہو اور اوسکاو ثلث اورکسی شخص کا مال ثابت ہو تو اوس وصیت کا نفاذ کل اوس ایک ثلث مین کیا جاے جو موصی کا مال ہو اور وہ وصیت ایک ثلث کے ثلث پر نہ محدود کیجاے اسواسطے کہ اوسکا نفاذ ہوسکتا ہے بے اسکے کہ ورثہ کے حق مین دست اندازی لازم آے جب یہ فرض کیا جاے کہ موصی کی باقی جایداد کی ملکیت اوس غلام کے دو ثلث کے برابر ہے —

جب کوی شخص ایک وصیت کرنے کے بعد دوسرے وصیت کرے جو پہلی وصیت کے خلاف ہو تو دوسری وصیت نافذ کیجاے گی —

جب کوی شخص کہے کہ اگر اس عورت کے رحم مین لڑکا ہے تو اوسکو دو درہم دیے جائین اور اگر لڑکی ہو تو اوسکو ایک درہم دیا جاے اور اوس عورت کو ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہون تو اونکو تین درہم دیے جائین ۔ لیکن اگر اوسنے کہا ہو کہ اگر اس عورت کے رحم مین لڑکا ہے تو اوسکو اتنا دیا جاے اور اگر لڑکی ہے تو اتنا دیا جاے اور اوس عورت کے لڑکا اور لڑکی دونون پیدا ہون تو اون کو کچھ نہین ملیگا —

اگر کوی شخص اپنے غلام کی خدمت یا اپنے باغ کے میوہ یا اپنے مکان کی سکونت یا اور کسی چیز کی منفعت کی وصیت دوامًا یا ایک مدت معیّن تک کرے تو جو منفعت اوس مال سے حاصل ہو اوسکا تخمینہ کیا جاے اگر وہ موصی کے ثلث مال سے زائد نہ ہو تو وہ وصیت جائز ہے اور اگر ایک ثلث سے زیادہ ہو تو موصی لہٗ اوسقدر پاے گا جسقدر ایک ثلث مین آجاے اور اوس سے زائد مین وصیت باطل ہے —

جب کوی شخص اپنے غلام کی خدمت کی وصیت ایک مدت معیّن تک کرے تو اوس غلام کے نفقہ کے مصارف اوسکے ورثہ دین کیونکہ یہ ایسا فرض ہے جو اوس غلام کے ملک پر موقوف ہے اور موصی لہٗ صرف اوس غلام کی خدمت کا مستحق ہے باقی سب حقوق ملکیت اوس شخص کے

لہ شرایع الاسلام ۔ بیلی صاحب کی شرع امامیہ ۱۲ منہ —

ورثہ کے ہین جیسے بیع اور عتق وغیرہ مگر انمین سے کوی حق موصی لہ کے حق کو نہین باطل کرسکتا ؀
جب موصی نے ایسی لفظ کا استعمال کیا ہو جو متعدد اشیا رمین شریک ہو اور سب پر صادق آسکتا ہو تو ورثہ کو اختیار ہے کہ اونمین سے جو چیز چاہین موصی لہ کو دیدین لکن اگر موصی نے کہا ہو کہ "میری کمان اوسکو دیدو" اور اوسکے پاس ایک ہی کمان ہو تو وہی کمان موصی لہ کو دیجائے چاہیے وہ جیسی ہو۔
جب کوی شخص کسی غیر آدمی کو اپنے بیٹے کے حصہ کا مثل از روے وصیت دیگیا ہو اور اوسکا ایک ہی بیٹا ہو تو یہ بمنزلہ اسکے ہے کہ اوسنے اپنی جائداد کو اون دونون مین تقسیم کردیا ہے اور موصی لہ نصف جائداد کا مستحق ہے مگر یہ کہ ورثہ کل وصیت کو منظور نکرین اس صورت مین موصی لہ کا حق صرف ایک ثلث مین رہجاے گا۔ اگر موصی کے دو بیٹے ہون تو وصیت ثلث مال کی رہجاے گی اور اگر تین بیٹے ہون تو ربع مال کی رہجاے گی۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ موصی لہ ورثہ مین شامل ہو کر ایک وارث سمجھا جاے گا اگر وہ سب متروکہ مین برابر حصہ پانیکے مستحق ہون۔ لکن اگر اونکے حصے مختلف ہون یعنے بعض کے زیادہ اور بعض کے کم ہون تو موصی لہ مثل اوس وارث کے سمجھا جاے گا جسکا حصہ سب سے کم ہے مگر یہ کہ موصی نے بالتخصیص کہدیا ہو کہ اوسکا حصہ سب سے بڑے حصہ کے برابر ہو کہ اس صورت مین موصی کے حکم کی تعمیل کیجاے پھر ملاحظہ کیجئے کہ اگر موصی نے کہا ہو کہ میری بیٹی کے حصہ کے مثل تو ہمارے علما ر شیعہ کے نزدیک موصی لہ نصف کا مستحق ہے بشرطیکہ اوس بیٹی کے سواے اور کوی وارث موصی کا نہو لکن اگر وہ پوری وصیت کو نہ منظور کرے تو موصی لہ کا حق ایک ثلث مین رہجاے گا اسواسطے شیعون کے نزدیک بیٹیان کل جائداد پاتی ہین اور عصبات یعنے اقربا ر ذکور پدری کو کچھ نہین ملتا لہذا موصی لہ مثل دوسرے بیٹے کے ہوجاتا ہے۔
اگر کوی شخص تین اخیافی بھنین اور تین علاتی بھای رکھتا ہو اور کسی غیر آدمی کے باب مین اپنے ایک وارث کے حصہ کے مثل کی وصیت کرے تو موصی لہ مثل اسکی

ایا بہن کے سمجھا جاے گا اور موصی کی جائداد دس حصون مین تقسیم کیجاے گی اونین سے ایک
حصہ موصی لہٗ کو ملیگا اور اخیافی بہنون کو تین حصے اور علاتی بھائیون کو باقی چھہ حصے موافق قاعدہ
وراثت بلا وصیت کے ملین گے - اگر موصی ایک زوجہ اور ایک بیٹی رکھتا ہو اور بیٹی کے حصہ کے مثل
کی وصیت کرے اور ورثہ اوسکو منظور کرلین تو موصی لہٗ اوس مال کے سات حصون کا مستحق ہے
اور سات ہی حصے بیٹی پاے گی اور زوجہ کو دو حصے ملین گے پس اس صورت مین کل جائداد سولہ حصون پر
تقسیم کیجاے گی - مگر یہ کہنا بہتر ہے کہ اس صورت مین زوجہ پندرہ مین سے ایک حصہ سے
زیادہ کی نہین مستحق ہے لہذا کل جائداد پندرہ حصون مین تقسیم کیجاے گی - لکن اگر کوئی شخص چار ازواج
اور ایک دختر رکھتا ہو اور کہے کہ انمین سے ایک کے حصہ کے مثل تو اوسکے مال کے ۳۲ حصے کیے جائین گے
جسکا ایک ثمن یعنے چار حصے چار ازواج کو برابر دے جائین گے اور موصی لہٗ ایک حصہ مثل ایک
زوجہ کے حصہ کے پاے گا اور باقی ۲۷ حصے بیٹی کو ملین گے -

جب کوئی شخص اپنی اولاد کے حصہ کے دوچند کے باب مین وصیت کرے
تو موصی لہٗ کو اوس حصہ کا دوچند ملیگا اور اگر موصی ضِعفان یعنے چار چند کا لفظ کہے تو موصی لہٗ
کو اوس حصہ کا چار چند ملیگا مگر بعض علمار کے نزدیک سہ چند کا مستحق ہے اور ترجیح اسی قول کو ہے
اور یہی اوس صورت مین ہوگا جبکہ موصی نے ضِعفُ الضعف یعنے اوس حصہ کے دوچند کے دوچند
کا لفظ کہا ہو -

اگر کوئی شخص اپنی اولاد کے حصہ کی وصیت غیر آدمی کے حق مین کرے تو یہ وصیت
بعض علمار کے نزدیک باطل ہے اسواسطے کہ یہ وصیت دوسرے شخص کے مال کی ہے مگر اصول کے
موافق یہی کہنا چاہیے کہ یہ وصیت جائز ہے اور اسکے وہی معنی ہین جو اوسکے حصہ کے مثل کے معنی ہوے
لکن اگر موصی ایک بیٹا رکھتا ہو اور وہ اپنے باپ کو قتل کرڈالے اور موصی اوس بیٹے کے حصہ کے

[1] اولاد کے حصہ کی وصیت غیر آدمی کے باب مین کرنا ازروے شرع حنفی اس وجہ سے ناجائز ہے کہ
دوسرے کے حق کی وصیت کرنا نہین جائز ہے یعنے وہ اولاد جو کسی حال مین محجوب الارث نہ ہوسکے ۱۲ منہ

نسل کی وصیت کرے تو بعض علماء کا قول ہے کہ یہ وصیت باطل ہے مگر از روے اصول شرع ایسی وصیت کو جائز کہنا چاہیئے[1]۔

جب کوئی شخص جسکی جائداد متفرق مقامات پر واقع ہو اوسکے ایک ثلث کی وصیت فقراء کے حق مین کرے تو جو جائداد شہر مین پائی جاے وہ اوسی شہر کے فقراء کو دی جاے بلکہ کل مال موطن موصی کے شہر کے فقراء کو دینا جائز ہے اور جو لوگ اوس شہر مین نہ رہتے ہون اور محتاج ہون اونکو بھی دیا جائیگا مگر کسی کو تلاش کرنے کی ضرورت نہین ہے۔ جو لوگ اس وصیت سے مستفید ہون اونکو چاہیئے کہ تین یا تین سے زیادہ ہون کیونکہ موصی نے صیغہ جمع استعمال کیا ہے جسکا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے۔ اگر موصی کہے کہ "غلامون کو آزاد کرو" تو وصی کو لازم ہے کہ اقل مراتب تین غلام آزاد کرے مگر یہ کہ موصی کے مال کا ایک ثلث مقدار وصیت سے کم ہو۔

جب کوئی شخص مکان کی وصیت کرے اور وہ مکان اوسکی وفات کے قبل منہدم ہو کر بالکل زمین سے ملا دیا جاے تو یہ وصیت باطل ہے اسواسطے کہ اب اوسپر لفظ دار یعنے مکان نہین صادق آسکتا یہ مسئلہ مشکوک ہے۔

جب کوئی شخص کہے کہ زید کو اور فقراء کو ایک رقم دیدو تو بعض علماء کے نزدیک زید ایک نصف کا اور بعض کے نزدیک صرف ایک ربع کا مستحق ہے۔ مگر قول اول بہت معتبر و مستند ہے[1]۔

---

[1] یہ اصول مذہب شیعہ شرایع الاسلام اور جواہر الکلام سے نقل کیے گئے ہین۔ واضح ہو کہ ان سب مسائل مین دو قول ہین اور محقق ابو القاسم حلّی صاحب شرایع الاسلام نے اون دونون کا ذکر کرکے ہمیشہ اپنے قول کو ترجیح دی ہے مگر شیخ مرتضیٰ علم الہدے اور ابن جنید اور محمد ابن ادریس حلّی اور ابن زہرہ حلبی صاحب غنیہ کا قول اکثر مسائل مین محقق حلّی اور اور متقدمین کے خلاف ہے مینے یہ عبارتین شرایع الاسلام سے نقل کردی ہین اور پرانے اقوال کو اپنی عبارت مین نہین نقل کیا ہے۔ مینے بیلی صاحب کی شرح امامیہ کا تتبع کیا ہے گو میرے نزدیک ایم کوئیری صاحب کے ترجمہ فرانسیسی کو ترجیح ہے ضمیمہ ۶ ملاحظہ ہو ۱۲۔ مسنف

اقرار قرضہ بنابر شرع حنفی

اقرار قرضہ اکثر اسوجہ سے کرلیا جاتا ہے کہ اوس قاعدن کا اثر باطل ہوجاے جسکے بموجب وہ وصایا جو ثلث مال سے زائد ہون ثلث تک کم کردینے پڑتے ہین لیکن جب اقرار دین مرض الموت کی حالت مین کیا جاے اور منشیر سے سونچکر نہ کیا جاے تو ایسا اقرار بھی شرعًا وصیت کے حکم مین ہے اور اوسمین ثلث تک کمی کرنی لازم ہے۔ چنانچہ ہدایہ مین لکھا ہے کہ "اگر کوئی شخص مرض الموت مین اپنے ورثہ سے کہے کہ مین زید کا قرضدار ہون اور وجوہ کیے تم اسکا اعتبار کرنا چاہیئے تو اس صورت مین قرضہ کا دعوے کسی مقدار تک جو ثلث مال سے زائد نہ ہو تسلیم کرلیا چاہیئے اگرچہ ورثہ اوس دعوے کی تکذیب کرین

حاشیہ

احکام اون وصایا کے جو غیرمسلم نے کیے ہون

ذمیون یعنے وہ لوگ جو مسلمان نہ ہون مگر مطیع الاسلام یا بادشاہان اسلام کی رعیت ہون اور اون کے وصایا کے باب مین فتاوی عالمگیری مین احکام ذیل لکھے ہین۔

ذمی کی وصیت امور دنیوی کے باب مین اجماعًا یعنے باتفاق علما جائز ہے۔ امور دینوی اسکے سواے اور امور کی چار قسمین ہین۔

- اول۔ بعض امور ایسے ہین جو ہمارے اور اونکے نزدیک (یعنے مسلم اور ذمی دونون کے نزدیک) موجب تقرب خدا ہین۔ ایسے امور کے لئے وصایا جائز ہین خواہ وہ کسی فرقہ کے لوگون کے باب مین کئے جائین۔

- دوم۔ وہ امور ہین جو ہمارے اور اون کے دونون کے نزدیک حرام یا مکروہ ہین۔ ایسے امور کی وصیت اوس حالت مین جائز ہے جبکہ ایک گروہ خاص کے باب مین کیجاے اور بطور ہبہ کے بلالحاظ مقاصد کیجاے۔ لکن اگر اون اشخاص کی تخصیص نہ کیجاے تو وصیت باطل ہے۔

- سوم وہ امور ہین جو ہمارے نزدیک موجب تقرب الٰہی اور اونکے نزدیک گناہ ہے۔ ایسے امور کے وصیت بھی اس شرط سے جائز ہے کہ خاص اشخاص کے باب مین بطور ہبہ اور بلالحاظ مقاصد کیجاے۔ اگر اون اشخاص کی تخصیص نہ کیجاے تو وہ وصیت باطل ہے۔

چہارم وہ امور جن ہمارے نزدیک معصیت اور اون کے نزدیک ثواب ہو —
ایسے امور کی وصیت امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے خواہ موصی لہم کی تخصیص کیجاسے
خواہ نہ کیجاسے مگر صاحبین کے نزدیک باطل ہے اگر موصی لہم کی تخصیص نہ کیجاسے - مثلاً جب کوئی
ذمی نصرانی ہو خواہ یہودی یہ وصیت کرے کہ میری طرف سے غلام خرید کر آزاد کرنا خواہ اسکی تصریح
کی ہو خواہ نہ کی ہو یا یہ وصیت کرے کہ میرے مال کا ایک ثلث فقرا و مساکین کو دیا جاسے یا بیت المقدس
کی روشنی یا گرفتار (ترکہ) سے غزوات صلیبی (جہاد) مین صرف کیا جاسے تو وہ وصیت جائز
ہے - اگر کوئی ذمی اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت اپنے ماتم داروں اور نوحہ خوانون کے
حق مین کرے تو یہ وصیت جائز ہے بشرطیکہ موصی لہم کی تخصیص کردی ہو اور اونکے باب مین
وصیت لطور ہبہ کی ہو لیکن اگر اونکے تخصیص نہ کی ہو تو وصیت باطل ہے - اور اگر کوئی ذمی
ثلث مال مین وصیت کرے کہ چند مسلمانون کے مصارف حج مین لایا جاسے یا مسلمانون کے
لیے مسجد بنانے مین صرف کیا جاسے اور اون لوگون کی تخصیص کردے تو یہ وصیت لطور ہبہ کے
جائز ہے لیکن اگر موصی لہم کی تخصیص نہ کی ہو تو وصیت باطل ہے - اگر ذمی اپنے مال کا ایک ثلث معبد
نصارے (گرجا) یا معبد یہود بنانے کے لیے یا کسی مکان کو معبد یہود و نصارے کر دینے کے
لیے از روے وصیت دے جاسے تو صاحبین کے نزدیک یہ وصیت باطل ہے مگر یہ کہ کسی فرقہ
خاص کے باب مین ہو کہ اس صورت مین ہبہ ہو جاسے گا مگر امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک ایسی
وصیت بہر حال جائز ہے — لیکن مشائخ حنیفہ نے فرمایا ہے کہ ایسی وصیت صرف اوس حال مین
جائز ہے جبکہ معابد اہل کتاب دیہات مین بنائے جائین قصبات مین نہ بنائے جائین کہ اس صورت
مین وصیت باطل اور غیر موثر ہے —

اگر کوئی ذمی جو دار الاسلام مین مستامن ہو مسلم یا ذمی کے باب
مین وصیت کرے تو وہ وصیت اسکے کل مال مین جائز ہے مگر یہ کہ اوسکا وارث اوسکے ساتھ
دار الاسلام مین چلا آیا ہو اس صورت مین ثلث مال سے زائد کی وصیت اوس وارث کی رضامندی
پر موقوف ہے - لیکن اگر وہ لاوارث ہو تو وہ وصیت کل مال مین اوسی طرح جائز ہے
جیسے مسلم یا ذمی کی وصیت ایسی صورت مین جائز ہے

اگر موصی مذکور کا کوئی وارث دار الحرب مین ہو
تو بھی کل مال کی وصیت بلا اذن وارث جائز ہے —

اگر اوسنے صرف اپنے مال کے ایک جز کی وصیت کی ہو تو باقی اوسکے اوس وارث کو جو دار الحرب مین ہے دیا جاے گا۔ اگر ذمی اپنے ثلث مال سے زیادہ کی وصیت کرے یا اپنے ورثہ مین سے ایک وارث کے باب مین وصیت کرے تو وہ اوسی طرح ناجائز ہے جس طرح ایسی وصیت جو مسلم کرے ناجائز ہے۔

ہدایہ مین بھی یہی لکھا ہے کہ "اگر کوی یہودی یا نصرانی بحالت صحت نفس ایک گرجا بنوا کر مر جاے تو وہ گرجا ہمارے سب علما کے نزدیک اوسکے ترکہ مین داخل ہے اسوجہ سے کہ امام اعظم ابو حنیفہ نے ایسے مکان کو وقف مذہبی قرار دیا ہے جو اونکے اصول کے موافق وقف مطلق نہین ہے بلکہ واقف کے ورثہ کو وراثتاً پہونچتا ہے مگر صاحبین کے نزدیک ایسی سب عمارات حرام اور ناجائز ہے لہذا بانی کے ورثہ کو اوسی طرح وراثتاً پہونچتی ہین جسطرح اوسکی اور جایداد پہونچتی ہے۔ اگر کوی یہودی یا نصرانی یہ وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد میرا مکان کسی خاص فرقہ کے لیے گرجا بنا ڈالا جاے مگر اوس فرقہ کی تصریح نہ کرے تو یہ وصیت امام اعظم کے نزدیک جائز ہے مگر صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ ایسا فعل فے الواقع تو حرام ہے گو موصی کی نظر مین حلال ہو اور فعل حرام کی وصیت اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اوسکی تعمیل مستلزم تحلیل حرام ہے۔ امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ یہود و نصارے ایسی عمارات (گرجا وغیرہ) بنوانا ثواب جانتے ہین اور چونکہ وہ کفار ذمی ہین جنکے باب مین حکم شرع یہ ہے کہ اونکے مذہب مین جو فعل جائز ہو اسکو عمل مین لانے کی اجازت اونکو دیجاے لہذا اونکے اعتقاد کے موافق وہ وصیت جائز ہے"

دو۔ سوال۔ ذمی کا حالت صحت مین گرجا بنوانا اور گرجا کی وصیت کرنا ان دونون باتون مین کیا فرق ہے کہ امام اعظم نے پہلی صورت مین اوسکو قابل الوراثت قرار دیا ہے اور دوسری صورت مین غیر قابل الوراثت فرمایا ہے۔

جواب۔ ان دونون باتون مین یہ فرق ہے کہ گرجا بنوانے سے اوسکے بانی کا حق اپنے مال مین نہین زائل ہوتا اگر گرجا عبادت خدا کے لیے وقف کر دینے سے اوسکا حق ملکیت اوس طرح زائل ہو جاتا ہے جسطرح مسجد سے اوسکے بانی مسلم کا حق ملکیت زائل ہو جاتا ہے اور چونکہ کفار کا معبد قربۃ الی اللہ وقف نہین ہو سکتا لہذا وہ بانی کا مال باقی رہتا ہے اور اوسکی دیگر جایداد کی طرح قابل الوراثت ہے۔ مگر برخلاف اسکے وصیت کا تو یہی مقصود ہے کہ مال معین مین موصی کا حق ملکیت زائل ہو جاے "ذمیین کے وصایا چار قسم کے ہین۔ (۱) وصیت ان امور کی جو اونکے مذہب مین نیک ہین مگر مسلمانون کے نزدیک نیک نہین ہین جیسے معبد نصارے وسیود بنوانا یا اوس

فقرا رکے کھانیکے لیے سور ذبح کرنا - ایسے امور کی وصیت امام اعظم کے نزدیک موصی کے مذہب کے موافق جائز ہے مگر
صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ حرام ہی (۲) وصیت اون امور کی جو مسلمانون کے مذہب مین مستحسن مین مگر
ذمیین کے اعتقاد مین مذموم ہین جیسے مسجد بنوانا یا حج بیت اللہ کرنا یا مسجد مین چراغ جلانا - ایسی وصیت موصی کے
اعتقاد مین سب علما رکے نزدیک ناجائز ہے مگر یہ کہ وصیت خاص اشخاص کے باب مین کی ہو کہ اس صورت مین
جائز ہے - کیونکہ ایسی حالت مین وہ ہبہ یا عطیہ ہے اور مسجد وغیرہ کا جو ذکر موصی نے کیا ہی اوسکو مشورہ سمجھنا
چاہیئے یعنے یہ سمجھنا چاہیئے کہ موصی نے اپنے مال کی وصیت کرکے موصیٰ لہم کو یہ مشورہ دیا ہے کہ اس سے
مسجد وغیرہ بنوانا - (۳) وصیت اون امور کی جو مسلمین اور ذمیین دونون کے نزدیک ممدوح ہین جیسے بیت المقدس
مین چراغ جلانا یا کفار تاتار سے جہاد کرنا ایسی وصیت بہرحال جائز ہے خواہ خاص اشخاص سے کیجاے خواہ
نہ کیجاے (۴) وصیت اون امور کی جو مسلمین اور ذمیین دونون کے نزدیک قبیح ہین جیسے مغنیون یا زنان فاحشہ
کی پرورش کی وصیت کرنا ایسی وصیت اسوجہ سے ناجائز ہے کہ موجب معصیت ہے - مگر یہ کہ خاص
اشخاص کے باب مین کیجاے کہ اس صورت مین جائز ہے -

اگر کوئی مسلمان اپنی ساری جائداد کی وصیت مستامن یا ذمی کے حق مین کرے تو وہ وصیت جائز ہے
کیونکہ کل مال کی وصیت صرف اسوجہ سے ناجائز ہی کہ موصی کے ورثہ کے حقوق کو ضرر ہو اور اسی وجہ سے اونکی رضامندی
سے جائز ہی مگر مستامن کے ورثہ چونکہ دارالحرب مین رہتے ہین اور دارالاسلام مین کالمیت سمجھے جاتے ہین لہذا حقوق
شرعی نہین رکھتے ہین علاوہ اسکے یہ ہی کہ مستامن کا مال صرف اسوجہ سے محفوظ رہتا ہی کہ وہ سلطان کی امان
مین ہوتا ہے اور وہ امان اوسکا ذاتی حق ہے اوسکے ورثہ کا حق نہین ہے -

اگر مستامن اپنے مال کے ایک جزو کی وصیت کرے تو اوس وصیت کی تعمیل کیجائیگی اور باقی
مال اوسکا اوسکے ورثہ کو بھیجدیا جائے گا اگرچہ وہ دارالحرب مین رہتے ہون - اگر مستامن ایک ساعت بھی
قبل اپنی وفات کے اپنے غلام کو دارالاسلام مین آزاد یا مدبر کرے تو جائز ہے اور وہ غلام آزاد ہو جائیگا
اگرچہ اوسکی قیمت موصی کے ثلث مال سے زیادہ ہو کیونکہ وصیت ثلث مال سے زیادہ کی صرف اسوجہ سے
ناجائز ہے کہ ورثہ کی حق تلفی کا باعث ہوتی ہے مگر مستامن کے ورثہ حقوق نہین رکھتے ہین جیسا
سابق مین بیان کیا گیا -

اگر مسلمان یا ذمی مستامن کے حق مین وصیت کرے تو جائز ہے کیونکہ مستامن جبتک دارالاسلام
مین رہتا ہی ذمی سمجھا جاتا ہی اور چونکہ ذمی کے ساتھ رعایت و مروت اوسکی حیات مین کرنا مسلمانون کو جائز
ہے لہذا اوسکے مرنیکے بعد بھی اوس سے حسن سلوک کرنا جائز ہی - امام اعظم نے اور امام ابو یوسف نے فرمایا ہے

ہمارے نزدیک ذمیّین کے حق مین وصیت کرنا اسوجہ سے ناجائز ہے کہ وہ اپنے ملک کو مراجعت کرنیکا قصد رکھتے ہیں اور اسوجہ سے بھی ناجائز ہے کہ مسلمان اونکو اپنے ملک مین ایک سال سے زیادہ رہنے بھی نہین دیتے تاوقتیکہ وہ جزیہ دینا نہین قبول کرتے — مگر پہلا قول راجح ہے —

اگر ذمی اپنے مال کے ایک ثلث سے زیادہ کی وصیت کسی غیر آدمی یا اپنے کسی وارث کے حق مین کرے تو وہ وصیت ناجائز ہے کیونکہ خلاف شرع ہے اور شرع کی پابندی کا اقرار ذمیین نے سب امور دنیوی مین کیا ہے —

اگر ذمی کسی دوسرے کافر کے حق مین وصیت کرے تو جائز ہے اسواسطے کہ وصایا کا قیاس میراث پر کیا جاتا ہے لہذا مختلف قسم کے لوگ جو دین حق اسلام کے معتقد نہین ہین وہ سب ایک ہی فرقہ سے سمجھے جاتے ہین الکفر ملۃ واحدۃ

اگر کوئی ذمی جو دار الاسلام کا باشندہ ہو کافر حربی کے حق مین وصیت کرے تو وہ وصیت جائز ہے کیونکہ مختلف ملکون کی سکونت کی وجہ سے اونمین توارث نہین ہوسکتا اور وصیت مثل میراث کے ہے لہذا ذمی جو حربی کے باب مین وصیت کرے وہ بھی ناجائز ہے — ردّ المختار صفحہ ۶۹۳ بھی ملاحظہ ہو —

حاشیہ ۲

اقرار مریض

اگر مریض کسی عورت کے قرضہ کا اقرار کرے یا اوسکے حق مین وصیت کرے یا اوسکو کوئی چیز ہبہ کرے اور بعد اوسکے اوس سے نکاح کرے اور پھر مرجاے تو وہ اقرار جائز ہے مگر وصیت یا ہبہ ناجائز ہے کیونکہ بطلان اوس اقرار کا جو وارث کے باب مین کیا جاے اس امر پر موقوف ہے کہ وہ شخص اوس اقرار کے وقت وارث تھا مگر بطلان وصیت بحق وارث اسپر موقوف ہے کہ وہ موصی کی وفات کے وقت وارث تھا جیسا سابق مین بیان کیا گیا — اور چونکہ وہ عورت اقرار کے وقت وارث نہ تھی بلکہ نکاح کے سبب سے موصی کے مرنے کے وقت اسکی وارث ہوگئی تھی لہذا وہ اقرار جائز ہے مگر وہ وصیت باطل ہے اور ہبہ بھی باطل ہے کیونکہ ہبہ اور وصیت کا ایک حکم ہے —

اگر مریض اپنے فرزند کے قرضہ کا اقرار کرے یا اوسکے حق مین وصیت کرے یا اوسکو کوئی چیز ہبہ کرے اوس وقت جبکہ فرزند مذکور نصرانی ہو اور وہ اپنے باپ کی وفات کے قبل مسلمان ہو جاے تو وہ اقرار اور وصیت اور ہبہ سب باطل ہے وصیت اور ہبہ تو اسوجہ سے باطل ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی وفات کے وقت اوسکا وارث تھا اور اقرار اسوجہ سے باطل ہے کہ اگرچہ بیٹا کافر ہونیکی وجہ سے اوس اقرار کے وقوع کے وقت اپنے باپ کا وارث نہ تھا تاہم سبب وراثت یعنی نسب تو اوسوقت موجود تھا اور اسی سبب سے باپ کی نسبت یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اوسنے جھوٹا اقرار کیا ہے کہ اوسکے مال کا ایک حصہ اوسکے بیٹے کو وراثتاً ملے مگر نکاح کی اوس کیفیت سے جیسا سابق مین بیان کیا گیا اوس میں سبب وراثت یعنی نکاح اقرار کے وقت نہ تھا اوسکے قبل موجود نہ تھا اگر اقرار کے وقت نکاح موجود ہوتا اور زوجہ پہلے نصرانیہ ہوتی پھر اپنے شوہر کی وفات کے قبل مسلمان ہو جاتی تو اس صورت مین وہ اقرار ناجائز ہو جاتا ۔۱۱

باب اٹھارھوان

وصیت کن چیزون کی ہوسکتی ہی۔

ہر چیز کا انتقال بالوصیت شرعاً جائز ہی جو منقولہ یا غیر منقولہ ہو اور جسپر حق ملکیت عمل مین آسکتا ہو یا جسکا مبادلہ ہوسکتا ہو یا اوسکے ایک جزو کا یا اوسکی منفعت کا۔

مسائل شیعہ شرایع الاسلام مین لکھا ہی کہ "وصیت کسی چیز کے عین یا منفعت کی ہوسکتی ہی مگر ان دونون مین یہ شرط ہی کہ وہ عین یا منفعت ایسی ہو جسپر قابض رہنا یا جس سے منتفع ہونا شرعاً جائز ہو۔ لہذا وصیت شراب یا خوک یا سگ یا کسی ایسی چیز کی جس سے کچھ نفع نہو باطل اور ناجائز ہی۔ مگر وصیت اوس کتے کی جو شکاری ہو یا جو خانگی امور کے لیے پالا گیا ہو جیسے مکانات یا غلہ کے کھیتون کی نگہبانی کرنا جائز ہی"

وصیت جائز اور موثر رہتی ہی اگرچہ وصیت کے بعد مال وصیتی مین کچھ تغیر و تبدل یا اصلاح یا ترقی ہوئی ہو مگر یہ کہ وہ تغیر ایسا عظیم ہو کہ یہ گمان ہوسکے کہ اوسکو عمل مین لانے سے موصی کو تنسیخ وصیت مقصود تھی۔

اسی طرح سے جو نقصان یا تنزل مال وصیتی مین اوس عرصہ مین ہوا ہو وہ موصی لہ پر عائد ہوگا۔ مثلاً اگر موصی نے اوس مال سے کچھ قرض دیا ہو تو وہ قرضہ موصی لہ کو اوسی شرط سے ملیگا۔ جب ایک قطعہ اراضی کسی شخص کو از روے وصیت دیا جاوے اور بعد ازآن اوسپر موصی مکان بنوالے تو حکم شرع یہ ہی کہ موصی کے مرنیکے بعد وہ زمین موصی لہ کو ملیگی اور وہ مکان موصی کے ورثہ کو ملیگا اور وہ دونون اپنے اپنے حق کے مالک بالمشارکت ہین۔

اگر موصی زمین وصیتی پر مکان بنوانیکے بدلے جو مکانات وغیرہ اوسپر بنے ہون اونکو کھدوا ڈالے تو موصی لہ کو وہ زمین بغیر اون مکانات کے ملیگی۔ لکن اگر مکان کی وصیت کرکے موصی نے اوسکو کھدوا ڈالا ہو تو اوسکے اِس فعل سے

وہ وصیت باطل ہو جائیگی۔

وصیت شئی مباح کی بھی اوسوقت باطل ہی جبکہ اس شرط سے کیجائے کہ موصی لہ کسی فعل حرام کا مرتکب ہو مثلاً یہ شرط کہ وہ کسی مکان مین آگ لگا دے یا کسی کو مار ڈالے یا کسی شخص کو حج سے مانع ہو۔ اور جب کوئی چیز ہبہ کیجائے اور اوس ہبہ کا نفاذ بھی کر دیا جائے تو پھر اوسکی وصیت نہین ہو سکتی۔

موصی کو اوس جائداد کا جو اوسکے مرنیکے وقت اوسکی ہو ایک ثلث سے زیادہ از روے وصیت دینا نہین جائز ہی جیسا سابق مین بیان کیا گیا۔ یہ قاعدہ کلیہ از روئے حدیث مقرر کیا گیا ہی اور اس مسئلہ مین سب فرقون کے علما کا اجماع ہی۔ چنانچہ ملتقی الابحار اور ہدایہ اور منہاج الطالبین مین یہ اصول بعبارت واضح بیان کیا ہی اور محقق (ابوالقاسم علی) نے اسکی تشریح بعبارت ذیل فرمائی ہی "وصیت خواہ عین کی ہو خواہ منفعت کی موصی کے ثلث مال پر محدود ہی اور اگر کل وصایا ثلث مال سے زائد کے ہون تو مقدار زائد از ثلث کی نسبت باطل ہین مگر یہ کہ ورثہ راضی ہو جائین۔ موصی کے مال کا ایک ثلث جسکی وصیت کرنا اوسکو شرعاً جائز ہی اوس حیثیت کا لحاظ کرکے لیا جاتا ہی جو حیثیت اوسکی موصی کی وفات کے وقت ہو اوس حیثیت کے اعتبار سے نہین لیا جاتا جو وصیت کرنیکے وقت اوس مال کی ہو۔ پس اگر کوئی شخص وصیت کرنیکے وقت غنی ہو مگر مرنیکے وقت فقیر ہو جاے تو اوسکے وصایاے جائز کے تصفیہ مین اوسکے تمول سابق کا لحاظ نہ کیا جائیگا۔ اسی طرح سے اگر وہ وصیت کرنیکے وقت غریب ہو مگر مرنیکے وقت امیر ہو جائے تو اوسکے وصایا کی مقدار شرعی مقرر کرنے مین اوسکی حالت لاحقہ کا لحاظ کیا جائیگا حالت سابقہ کا اعتبار نہین کیا جائیگا[1]۔"

ان اصول کو اس ملک کی عدالتون نے متواتر قائم رکھا ہی۔ مگر اس مسئلہ مین

---

[1] شرایع الاسلام صفحہ ۲۴۸ ۱۲ منہ

ایک اختلاف جو فرق اسلام مین ہی وہ لائق بیان ہی - مذہب حنفی مین یہ ہی کہ جب کوئی لاوارث آدمی اپنی کل جائداد کی وصیت کرجائے تو وہ وصیت جائز ہی اور اوسمین بیت المال کی اجازت کی کچھ ضرورت نہین ہی اگرچہ درصورت نہ ہونے کسی وارث کے بیت المال وارث ہی - مگر شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک کسی کو اپنی کل جائداد کی وصیت کرنیکا اختیار نہین ہی اور یہی مذہب شیعہ مین بھی ہی -

جب کسی خاص رقم کی وصیت کی ہو اور موصی نے کچھ جائداد اور کچھ قرضہ بھی چھوڑا ہو تو رقم وصیتی کو فوراً ادا کرنا چاہیے بشرطیکہ ثلث مال سے زائد نہ ہو لیکن اگر وہ ثلث مال سے زیادہ ہو تو ایک ثلث موصیٰ لہ کو دیدیا جاے اور جب قرضہ ادا کرنیکی نوبت آئے تو موصیٰ لہ ہر قسط سے ایک ثلث منہا کرلے یہانتک کہ اوسکی وصیت پوری[1] ہوجائے -

فرض کیجیے کہ موصی دو وصیتین ایک ہی شخص کے حق مین کرے تو آیا وہ دونون نافذ ہوسکتی ہین ؟ - خلیل ابن اسحق نے فرمایا ہی کہ اگر اون دونون مین مختلف چیزین شامل ہین تو دونون وصیتین نافذ ہونگی بشرطیکہ اونکا مجموع ثلث مال سے زیادہ نہ ہو لیکن اگر اونمین باعتبار مقدار یا تعداد کے کچھ فرق نہ ہو تو جو وصیت بعد ہوئی ہی وہی نافذ ہوگی - اسی طرح سے فتاواے عالمگیری مین لکھا ہی کہ "جب کوئی شخص اپنے مال کے ایک سدس کی وصیت ایک آدمی کے حق مین کرے اور اوسی وقت یا اوسی جلسہ مین کہے کہ میرے مال کا ایک ثلث اوسکو دیا جاے اور ورثہ راضی ہوجائین تو بھی موصیٰ لہ ایک ثلث کا مستحق ہی اس سے زیادہ کا مستحق نہین ہی اسواسطے کہ سدس ثلث مین داخل ہی خواہ مقدم ہو خواہ موخر - اور اگر کوئی شخص کہے کہ میرے مال کا ایک سدس فلان شخص کو دیا جاے اور اوسی جلسہ مین یا دوسرے جلسہ مین کہے کہ میرے مال کا ایک سدس فلان شخص کو دیا جائے تو موصیٰ لہ ایک سدس پائیگا مگر یہ کہ شہادت سے ثابت

[1] ردالمختار صفحہ ۶۶۰ - ۱۲ منہ

ہوجائے کہ موصی کو دوسرے سارس کی وصیت کرنی بھی مقصود تھی "

اگر کوئی شخص اپنے مال کا ایک جزو معین از روے وصیت دیدے تو اوسکے مرنیکے وقت جو جائداد ہوا اوسکا لحاظ کیا جائیگا وصیت کے وقت جو جائداد اوسکے پاس ہو اوسکا اعتبار نہ کیا جائیگا مگر جب کسی مال مخصوص یا اوسکے جزو معین کی وصیت کی ہو یعنے مثلاً ایک ثلث گلہ گوسفند کی اور وہ گلہ قبل وفات موصی فنا ہوجاے تو وہ وصیت باطل ہوجائیگی۔ اسواسطے کہ جب وصیت ایک خاص گلہ گوسفند کے ایک خاص حصہ کی تھی تو اوس گلہ کے نہ موجود ہونے سے باطل ہوجائیگی گو موصی نے بعد ازآن اور گلے حاصل کیے ہون۔ لکن اگر اوسکے پاس وصیت کرنیکے وقت کوئی گلہ نہ تھا اور بعد ازآن اوسنے گلہ حاصل کیا ہو تو بنا بر قول مشہور وہ وصیت نافذ ہوجائیگی کیونکہ یہ وصیت چونکہ ناطق تھی لہذا اوسوقت اسکو نافذ کرنا چاہیئے جبکہ وہ چیز جسمین سے یہ وصیت دیجائے بعد اسکے وقوع کے موجود ہوجائے[۱]۔ مگر جب موصی نے کہا ہو کہ "میرے اوصیا رکو چاہیئے کہ میرے مال مین سے ایک بھیڑ فلان شخص کو دیدین" اور موصی کے مرنیکے وقت کوئی بھیڑ اوسکے مال مین نہ ہو تو موصی لہ کو ایک بھیڑ کی قیمت دیدیجاے۔ اور اگر اوسنے کہا ہو کہ "میرے اوصیا رمیرے گلہ مین سے ایک بھیڑ زید کو دیدین" اور وہ مرجاے اور کوئی گلہ نہ چھوڑ جائے تو وصیت باطل ہوگی۔ یہی قاعدہ سب قسم کے مال مین جاری ہوگا۔

ایسا اکثر ہوتا ہی کہ موصی اپنے پوتے یا پوتی کے نام از روے وصیت کوئی جائداد نہین چھوڑ جاتا مگر وصیت نامہ مین یہ لکھ دیتا ہی کہ اوسکو ایک بیٹے کا حصہ میرے ترکہ مین دیا جاے۔ پس فرض کیجیے کہ ایک موصی ایک ہی بیٹا اکیلا وارث چھوڑ جاے اور وہ بیٹا اذن بھی دے تو اوسکا ترکہ اوس بیٹے اور پوتے مین برابر تقسیم کیا جائیگا ورنہ موصی

[۱] ردّ المختار صفحہ ۶۶۰ ۱۲ منہ

(پوتا) ایک ثلث اور وارث (بیٹا) دو ثلث پائیگا۔ لکن اگر دو بیٹے ہون تو اونکا اذن ضرور نہین ہے اور مال وصیتی اون بیٹون اور اوس پوتے مین بہ حصص مساوی تقسیم کیا جائیگا۔ اسی طرح سے اگر چار بیٹے اور ایک پوتا ہو اور موصی ایک بیٹے کا حصہ اوس پوتے کو دیجائے تو اوسکو ایک خمس ملیگا۔ اگر کوئی شخص ایک زوجہ اور دو بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑ جاے اور ایک پوتا اوس بیٹے کی اولاد بھی چھوڑ جاے جو اوسکی زندگی مین مرچکا ہو اور یہ وصیت کر جاے کہ پوتے کو ایک بیٹے کا حصہ اوسکے ترکہ مین دیا جاے تو تقسیم حسب تفصیل ذیل ہوگی۔

زوجہ	$\frac{۱}{۸}$
بیٹی	$\frac{۱}{۸}$
ہر ایک بیٹا	$\frac{۱}{۴}$
پوتا	$\frac{۱}{۴}$

اگر فقط ایک بیٹا ہوتا تو زوجہ $\frac{۱}{۱۲}$ پاتی اور بیٹا $\frac{۷}{۱۸}$ اور بیٹی $\frac{۷}{۳۶}$ اور پوتا $\frac{۴}{۱۲}$ جسکا مجموع $\frac{۳۶}{۳۶}$ = ہوا۔

سابق مین بیان کیا گیا کہ جب وصایا متعدد ہون اور سب بدرجۂ مساوی اہم وضروری ہون اور اونکا مجموع ثلث مال سے زائد ہو تو اہل سنت کے نزدیک اون سب مین رسدی کمی کیجائے گی۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے مگر اس سے وہ وصایا مستثنیٰ ہین جو فرائض مذہبی یا امور خیر کے لیے کیے گئے ہون کہ اونکو کلاً (نہ جزءًا) اس ترتیب سے نافذ کرنا چاہیے کہ۔ (۱) طہارت کے لیے (۲) نماز کے لیے (۳) زکات کے لیے۔ (۴) روزہ کے لیے۔ (۵) حج کے لیے۔ اس استثنا مین امور دینی اور امور نیک دونون داخل ہین گو وہ امور فرائض مذہبی کے درجہ سے کم ہون۔ ایسے امور کو پیشتر بجا لانا چاہیئے اوسکے بعد اون اشخاص کو جنکے حق مین وصیت کی گئی ہے دینا چاہئیے۔

اون امور کی ترتیب یہ لکھی ہی (۱) معاوضہ دیکر قیدیون کو رہا کرانا - (۲) اون غلامون کے آزاد کرنا جنکو آزاد کرنیکا وعدہ موصی نے کیا ہو - (۳) اوس عورت کا مہر ادا کرنا جس سے موصی نے مرض الموت کی حالت مین نکاح کرکے زفاف کیا ہو یعنے اپنے تصرف مین لایا ہو - (۴) زکات دینا - (۵) عید الفطر کو فطرہ دینا اور عید الاضحیٰ کو قربانی کرنا - (۶) ظہار کا کفارہ دینا - (۷) نذر کا کفارہ دینا - (۸) روزہ واجب کا کفارہ دینا (۹) عتق رقبات یعنے بردے آزاد کرنا - (۱۰) حج سنتی بجالانا -

ردّ المختار مین اس باب مین یہ لکھا ہی کہ "واضح ہو کہ وصایا دو قسم کے ہین - وہ وصایا جو بالکل خدا کی راہ مین ہون اور وہ وصایا جو بندگان خدا کے حق مین ہون یا خدا اور اوسکے بندون کے حق مین بالمشارکت ہون - جو وصایا فی سبیل اللہ ہون اونکو سب وصایا پر مقدم رکھنا چاہیئے کیونکہ اونمین موصی لہٗ وحدہ لاشریک لہٗ ہی مگر جب موصی لہم متعدد ہون تو ایک دوسرے پر ترجیح نہین رکھتا ہی - مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت ایک آدمی کے حق مین کرے اور پھر دوسرے شخص کے باب مین کرے تو دونون وصیتین نافذ کی جائینگی مگر یہ کہ موصی نے تصریح کردی ہو کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دیجاے یا جب وصیت از قبیل محابات یا عتق ہو - لکن جب وصیت اللہ تعالیٰ کی راہ مین کی ہو اور موصی نے ان باتون کا حکم دیا ہو کہ (۱) فرائض مانند زکات اور حج کے ادا کیے جائین (۲) وہ امور بجالائے جائین جو صرف واجب ہین فرض نہین ہین جیسے کفارہ دینا یا نذر ادا کرنا یا زکات فطر دینا (۳) نوافل یا مستحبات بجالانا جیسے حج سنتی یا فقرا کو صدقہ دینا - تو ان سب صورتون مین ابتدا اوس امر سے کرنی چاہیئے جسکی نسبت موصی نے وصیت کی ہو کہ یہ سب سے پہلے کیا جائے - لکن اگر وہ سب امور باہم مخلوط ہون تو ابتدا فرائض سے کرنی چاہیئے خواہ موصی نے اونکو مقدم رکھا ہو خواہ نہ رکھا ہو اونکے بعد واجبات کو ادا کرنا چاہیئے اور

ثلث وصیتی کو موصی کی وصیت کی تعمیل مین رسدی صرف کرنا چاہیئے - لہذا اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ میرے مال کے ایک ثلث سے مصارف حج و زکات اور کفارے دیے جائین اور زید کو بھی دیا جاے تو اوس ثلث کے چار حصے کرکے زید کو ایک حصہ دیا جاے اور باقی تین حصے اون تین مقاصد مین صرف کیے جائین - اگر موصی لہم کی تخصیص نہ کی ہو یعنے مثلاً غربا کا لفظ نہ کہدیا ہو تو چار حصون مین تقسیم نہ ہوگی کیونکہ وہ سب مال خدا کا ہی اور اوسمین سے فرائض (مذہبی) پہلے ادا کیے جائین گے -

مذہب شیعہ مین یہ ہی کہ جب کسی شخص نے کچھ جائداد واسطے ادا کرنے اون فرائض جنمین سے بعض واجبات عینی اور بعض واجبات تخییری ہون از روے وصیت دی ہو تو اون سبکی تعمیل کیجاے بشرطیکہ ثلث مال اونکی تعمیل کے لیے کافی ہو - اگر ثلث مال اس مقصد کے لیے نہ کافی ہو اور ورثہ اذن نہ دین تو پہلے واجبات عینی کو موصی کی عام جائداد سے ادا کرنا چاہیئے اوسکے بعد جو کچھ باقی رہے اوسکے ایک ثلث سے دیگر واجبات کو بجالانا چاہیئے اور جس امر کو موصی نے پہلے کہا ہو اوس سے ابتدا کرنی چاہیئے اور اسی طرح علے الترتیب اونکی تعمیل کرنی چاہیئے - اگر اونمین سے کوئی امر واجب عینی نہ ہو بلکہ واجب تخییری ہو تو اوسکا نفاذ صرف ثلث مال مین ہوسکتا ہی اور اونکی تعمیل اسطرح کرنی چاہیئے کہ جس امر کو موصی نے پہلے کہا ہو اوس سے ابتداء کیجائے اور اسی طرح علی الترتیب تعمیل کیجاے یہانتک کہ وہ ثلث تمام ہوجائے -

اُنیسوان باب

فصل اوّل

وصیت کا اثر یا نتیجہٴ شرعی -

وصیت کی تعریف یہ لکھی ہی کہ عطا کرنا حق ملکیت کا (تملیک) کسی خاص چیز کے عین یا اوسکی منفعت مین جسکا نفاذ موصی کی وفات کے بعد کیا جاے "آدمی کو

وصیت کرنا اوسوقت درست ہی جبکہ اوسپر کوئی حق خدا کا نہ ہو لکن جب اوسپر حق اللہ ہو
تو وصیت کرنا اوسپر فرض ہی جیسے مثلاً اوسنے زکات نہ دی ہو یا روزہ واجب نہ رکھا ہو
یا حج نہ کیا ہو یا نماز ہاے واجب کو ادا کرنے سے قاصر رہا ہو۔

کوئی لفظ یا کلمہ جس سے موصی کا ارادہ ظاہر ہوجاے انعقاد وصیت کے لیے کافی ہی
اسکی مثالین فتاواے عالمگیری مین تفصیلاً لکھی ہین۔

"جب کوئی شخص کہے کہ یہ میرا غلام فلان شخص کا ہی یا یہ میرا مکان فلان آدمی کا ہی
اور لفظ "وصیت" نہ کہے اور میرے مرنیکے بعد کا لفظ بھی نہ کہے تو ان کلمات سے از روے
قیاس اور بموجب منطوق کلام واہب بھی ہبہ منعقد ہوگا اور اگر قبضہ واہب کی
حیات مین ہوگیا ہو تو یہ ہبہ جائز ہوگا لکن اگر قبضہ واہب کی وفات تک نہ ہوا ہو تو یہ
ہبہ باطل ہی۔ اگر کوئی شخص کہے کہ مین وصیت کرتا ہون کہ میرے مکان کا ایک ثلث میری
وفات کے بعد فلان شخص کو دیا جاے تو یہ وصیت ہی اور موصی کی حیات مین قبضہ
کرنا ضرور نہین ہی۔ علے ہذا القیاس جب کوئی شخص حالت صحت یا عالم مرض مین کہے
کہ اگر مجھکو کچھ ہوجاے تو یہ چیز فلان شخص کی ہی، تو یہ وصیت ہی اور کچھ ہوجانے کے
لفظ سے ہمارے نزدیک موت آجاے مراد ہی۔ اسی طرح سے اگر وہ کہے کہ فلان شخص کو
ہزار درہم میرے ثلث مال سے دینا، تو یہ بھی وصیت ہی گو موصی نے اپنے مرنیکا کچھ ذکر نہین
کیا ہی۔ لکن اگر یہ کلمات کہے ہون کہ فلان شخص کو میرے مال سے یا میرے مال کے نصف
یا ربع سے، تو انکا کچھ اثر نہ ہوگا تاوقتیکہ یہ الفاظ وصیت کے متعلق نہ کہے گئے ہون کہ اس
صورت مین انسے وصیت منعقد ہوجائیگی۔ اور اگر کوئی شخص کہے کہ اگر مین اس سفر مین
مرجاؤن تو فلان شخص کے ہزار درہم مجھپر قرض ہین۔ تو یہ وصیت ہی اور ثلث مال سے
دیجائیگی۔"[1]

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۱۴۵ سنہ ۱۲

مسائل شیعہ مذہب شیعہ مین چند قواعد وصایائے مشتبہ کے باب مین ہین جنکو
بیان کرنا مناسب ہی اگرچہ ان قواعد کے اجرا مین بلحاظ حالات موجودۂ تمدن کچھ ترمیم
ضرور کرنی پڑیگی۔ وہ قواعد درج ذیل ہین۔

جب کسی شخص نے اپنے مال کے ایک جزو کی وصیت کی ہو تو اوسکے کلام مین تاویل
دو حدیثون کے موافق ہوسکتی ہی۔ انمین سے جو حدیث اصح ہی اوسمین وارد ہوا ہی کہ
موصیٰ لہ کو موصی کے مال کا ایک عشر یعنے دسوان حصہ دیا جائے مگر دوسری حدیث کے
موافق اوسکو صرف ایک سبع یعنے ساتوان حصہ یا ایک ثلث کا ملنا چاہیئے۔ "پس
ملاحظہ کیجیے کہ اگر اوسنے ایک سہم کی وصیت کی ہو تو اوس سے ایک ثمن سمجھا جائیگا اور
اگر اوسنے ایک شی کی وصیت کی ہو تو اوس سے ایک سدس مراد لیا جائیگا۔"

"اگر کوئی شخص متعدد امور کی وصیت کرے جنمین سے ایک امر یا چند امور کو وصی
بھول گیا ہو تو اوسکو چاہیئے کہ اوس وصیت کی تعمیل عمدہ و مناسب طور سے کرے
اگرچہ بعض علماء (شیعہ) کا قول یہ ہی کہ ایسی وصیت میراث مین شامل ہو جائیگی۔"

"اگر کوئی شخص ایک تلوار کی وصیت کرے جو نیام مین ہو تو وہ نیام اور قبضہ وغیرہ
سب اوس وصیت مین داخل ہی۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص ایک صندوق کی
وصیت کرے جسمین کپڑے ہون یا ایک کشتی یا جہاز کی وصیت کرے جسمین مال تجارت ہو
یا ایک تھیلی یا تھیلہ کی وصیت کرے جسمین کچھ چیزے ہون تو ان سب صورتون مین
وہ چیزین جنکی وصیت فی الواقع کی ہی اور جو چیزین انمین تھین وہ شامل ہون داخل وصیت
ہین۔ مگر بعض علماء نے اسمین اختلاف کیا ہی گو وہ اختلاف لائق التفات
نہین ہی۔"

"اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ اپنی بعض اولاد کو [illegible]
اونکا اخراج نہین جائز ہی۔ مگر اسپر دو قول ہین کہ آیا اوسکی وصیت کو [illegible]

غیرموثر سمجھنا چاہئیے۔ ایک قول تو یہ ہی کہ ایسی وصیت بالکل باطل اور غیرموثر ہی اور ایک قول یہ ہی کہ ایسی وصیت کو بھی اوسی طرح نافذ کرنا چاہئیے جسطرح وصیت اوس شخص کی جو اپنا سارا مال کسی غیر آدمی کو دیجائے کہ وہ وصیت صرف ثلث مال مین نافذ ہوگی اور دو ثلث مین ورثہ اپنے حصص شرعیہ پائینگے۔ پہلا قول زیادہ ترموافق شرع معلوم ہوتا ہی اور دوسرے قول کی موئید ایک حدیث ہی جو اب متروک ہوگئی ہی"

"اگر کوئی شخص ایسے الفاظ سے وصیت کرے جو اسقدر مشتبہ ہون کہ شرعاً اونکی کچھ تاویل نہوسکے تو وارث کو اختیار ہی کہ جو تاویل چاہے اوس وصیت مین کرے"۔

"وصایا کو موصی کے مال کے ایک ثلث سے کم رکھنا اولے ہی لہذا ایک ربع کی وصیت ثلث کی وصیت سے بہتر ہی اور خمس کی وصیت ربع کی وصیت پر ترجیح رکھتی ہی"۔

"وصایائے مشتبہ مین اگر موصی لہ کوئی خاص شئے طلب کرے کہ موصی کی وصیت مین یہ چیز بھی داخل ہی تو اوسکے مقابل مین وارث کے قول کو ترجیح دیجائیگی۔ اور اگر موصی لہ اب بھی اپنے دعوے مین اصرار کرے تو وارث سے اوسکے بیان کی تصدیق کرائی جائے والّا فلا"۔

فصل دوم

تنسیخ وصایا

وصیت فی نفسہ قابل تنسیخ ہی۔ اور ہر وقت یہانتک کہ موصی مرض الموت مین بھی اوسکو منسوخ کرسکتا ہی۔

تنسیخ وصیت صریحاً یا ضمناً صراحتہً یا کنایۃً ہوسکتی ہی۔ تنسیخ صریحی اسکا نام ہی کہ موصی اپنی وصیت کو بالفاظ صریح منسوخ کردے۔ اور تنسیخ ضمنی یہ ہی کہ موصی کے

کردار اور افعال سے ثابت ہو جائے کہ اوسکو وصیت قائم رکھنا نہین منظور تھا۔ ہر فعل جسکا اثر یہ ہو کہ کسی مال مین آدمی کا حق ملکیت زائل ہو جائے جب ایسا فعل موصی مال وصیتی سے کرے تو وہ باعث تنسیخ وصیت ہو جائیگا۔ اور اسی طرح سے ہر فعل موصی کا جو مال وصیتی مین اضافہ یا افزونی کا باعث ہو موجب تنسیخ وصیت ہوگا بشرطیکہ وہ اضافہ یا افزونی اوس مال سے غیر منفک ہو۔ اسی طرح سے کوئی انتقال جو بعد وصیت کیا گیا ہوا اور نافذ ہو گیا ہو سبب تنسیخ[1] وصیت[2] ہی''۔

منسوخی کے طریقہ اور قابلیت کے اعتبار سے وصایا عموماً چار قسم کے ہین۔ اول اوس قسم کی وصیت جو صریحاً یا ضمناً یا قولاً و فعلاً یعنے بالفاظ صریح یا بہ کردار منسوخ ہو سکتی ہی۔ دوم وہ وصیت جو صرف صریحاً یا قولاً یعنے بالفاظ صریح منسوخ ہو سکتی ہی۔ سوم وہ وصیت جو صرف ضمناً یا فعلاً یعنے فعل یا کردار سے منسوخ ہو سکتی ہی۔ چہارم وہ وصیت جو کسی طرح نہین منسوخ ہو سکتی۔ قسم اول مین وہ وصایائے مخصوص داخل ہین جو موصی کے قول صریح سے منسوخ ہو سکتی ہین یا اسطرح منسوخ ہو سکتی ہین کہ موصی مال وصیتی کو اس طور سے بیچڈالے یا منتقل کر دے کہ اوس انتقال کو منسوخ کرنا اوسکے اختیار سے باہر ہو۔ قسم دوم مین وہ وصایا داخل ہین جنمین موصی نے اپنے مال کے ایک ثلث یا ایک ربع کی وصیت کسیکے حق مین کی ہو۔ ایسی صورت مین موصی لہ مال وصیتی مین وہ خاص حصہ پانیکا مستحق ہی جو موصی اپنی وفات کے وقت چھوڑ گیا ہو پس تاوقتیکہ وہ وصیت بالفاظ صریح نہ منسوخ کی گئی ہو لا کلام نافذ ہوگی۔

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۴۱۔ بیلی صاحب کی شرح حنفی صفحہ ۶۲۸ ۔ ردالمحتار صفحہ ۶۴۴ ۱۲ منہ

[2] بعض اوقات انتقال جائداد پر اقدام باعث تنسیخ وصیت ہو جاتا ہی گو کسی عیب شرعی کی وجہ سے خود وہ انتقال نفاذ پذیر نہو مگر جب کوئی انتقال فی نفسہ ناجائز ہو مثلاً جب انتقال جائداد اوس شخص نے کیا ہو جسکو کوئی عذر شرعی مانع انتقال ہو تو وہ موجب تنسیخ وصیت نہ ہوگا ۱۲ منہ

قسم سوم مین وہ وصایا داخل ہین جنمین عتق مشروط ہوا ہو جو صرف موصی کے فعل سے منسوخ ہو سکتا ہی۔ قسم چہارم مین وہ وصایا داخل ہین جنمین عتق مطلق ہوا ہو جو صراحۃً وضمناً کسی طرح نہین منسوخ ہو سکتا۔

امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک جنکا قول حکم شرع سمجھا جاتا ہی موصی کے حکم سے کسی چیز کی صورت مین صرف تغیر کر دینے سے وصیت نہین منسوخ ہو جاتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو کچھ چاندی دینے کی وصیت کر دے اور بعد ازان اوسکی انگوٹھی بنوالے تو امام اعظم کے نزدیک یہ تنسیخ وصیت نہین ہی۔ مگر امام ابو یوسف اور ظاہراً امام محمد کے نزدیک یہی تنسیخ وصیت ہی۔ اگر کوئی شخص کسی خاص چیز کی وصیت کرکے اوسکو بیچ ڈالے اور پھر اوسکو خرید لے یا اوسکو ہبہ کرکے پھر اوس ہبہ کو منسوخ کرے تو وہ وصیت جائز (باقی) رہیگی۔ جس بکری کی وصیت کی ہو اوسکو ذبح کرنا تنسیخ وصیت ہی مگر جس کپڑے کی وصیت کی ہو اوسکو دھو ڈالنا تنسیخ وصیت نہین ہی"۔ امام ابو یوسف کے نزدیک محض انکار وصیت بمنزلہ اوسکی تنسیخ کے نہین ہی مگر امام محمد کا قول اسکے خلاف ہی اگر موصی کہے کہ جو وصیت مین نے زید یا بکر کے حق مین کی ہی وہ باطل ہی تو وہ وصیت منسوخ ہو جائیگی لیکن اگر اوسنے صرف اتنا کہا ہو کہ یہ وصیت حرام ہی تو منسوخ نہ ہوگی۔

اگر موصی کسی خاص چیز کی وصیت زید کے باب مین کرے اور پھر خالد کے حق مین کرے تو دوسری وصیت کو یہ ضرور نہین ہی کہ پہلی وصیت کو باطل کر دے۔ بلکہ اگر موصی کے کلام سے یا اور کسی بات سے ثابت ہو کہ اوسکی نیت یہ تھی کہ شئی موصیٰ دونون موصی لہم کو بالاشتراک دیجائے تو اوسکا منشاء[1] عمل مین لایا جائیگا۔ لیکن اگر اوسکا منشاء یہ معلوم ہو کہ پہلی وصیت کو منسوخ کرکے شئی موصیٰ دوسرے موصی لہ کو دیجائے

[1] فتاوی عالمگیری صفحہ ۴۴۴ ۱۲ منہ

تو یہ بمنزلہ تنسیخ وصیت اول ہوگا۔ مگر قاعدہ کلیہ یہ ہی کہ سب سے آخری وصیت نافذ ہوتی ہی۔

اگر دوسرا موصی لہ اوس وقت مرگیا ہو جب دوسری وصیت ہوئی ہو تو دوسری وصیت کے باطل ہونے سے پہلے وصیت جائز باقی رہیگی اور اگر دوسرا موصی لہ اوس وقت زندہ ہو مگر بعد ازآن موصی کی وفات کے قبل مرجائے تو دونوں وصیتیں باطل ہوجائینگی اور مال وصیتی ورثہ پر عود کریگا۔

مذہب حنفی میں جائداد کو رہن رکھنے سے وصیت نہیں باطل ہوجاتی اسواسطے کہ رہن سے راہن کا حق ملکیت جائداد مرہونہ میں نہیں زائل ہوجاتا بلکہ موصی کا حق فک رہن کا اوسکے مرنیکے بعد موصی لہ کو ملیگا۔ البتہ یہ ممکن ہی کہ رہن رکھنے کے وقت موصی نے ایسے کلمات کہے ہوں جنسے پہلی وصیت کو منسوخ کرنا صاف ظاہر ہو۔

اگر کوئی شخص ایک مکان کی وصیت کرکے اوسمین سفیدی پھیرے یا اوسکو کھودڈالے تو یہ بمنزلہ تنسیخ وصیت نہ ہوگا لکن اگر اوس مکان پر بگذشت کہگل کردائے تو یہ بمنزلہ تنسیخ وصیت ہوجائیگا۔ اگر وہ زمین کی وصیت کرکے اوسمین ترکاری بوئے تو یہ تنسیخ وصیت نہ ہوگی لکن اگر اوسمین انگور یا اور درخت بوئے تو قاضی خان کے نزدیک وصیت منسوخ ہوجائیگی۔ اسی طرح سے شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک مال وصیتی کو بیع اور ہبہ کرنا موجب تنسیخ وصیت ہی۔

محقق ابوالقاسم حلی نے اصول مذہب شیعہ بعبارت ذیل بیان فرمائے ہین۔

"وصیت ایک عقد جائز موصی کا ہی خواہ وصیت مال کی ہو خواہ تقرر ولی کی ہو۔ اور وہ موصی کی حیات مین کلام صریح سے یا اوس فعل سے جو منافی

---

[1] رد المختار صفحہ ۷۵۶-۸۵۶ ۲ ۱۲ ۶ ۵ ۸ ۱۲ اسکہ فتاوائے عالمگیری کے موافق یہ ہی کہ جنس غلام کی وصیت کی ہو اوسکو رہن رکھنا بمنزلہ تنسیخ وصیت ہی مگر یہ اثر اوس قسم کی جائداد پر نہیں جو ہی جو اوس جائداد کسی ... یہ ہوسکا ذکر اس مقام پر نہی

وصیت ہو منسوخ ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر موصی مال وصیتی کو بیچ ڈالے یا دوسرے وصیت نامہ
مین اوسکو بیع یا ہبہ کرنیکا حکم لکھے اور موہوب لہ کا قبضہ کرا دے یا اوسکو رہن رکھ لے
تو ایسا ہر فعل بمنزلہ تنسیخ وصیت ہوگا۔ اسی طرح سے اگر وہ شی وصیتی کو ایسے استعمال
مین لائے کہ اوسکا وہ نام نہ باقی رہے مثلاً اگر وہ غلہ کی وصیت کرکے اوسکو پسوا ڈالے
اور اوسکا میدہ بنوا ڈالے یا میدہ کا خمیر کروا کے اوسکی روٹی پکوائے تو یہ بمنزلہ تنسیخ
وصیت ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص کسی قدر تیل کی وصیت کرکے اوسمین اور تیل عمدہ قسم کا
ملا دے یا ایک قسم کے غلہ کی وصیت کرکے اوسمین دوسری قسم کا غلہ شریک کر دے
اور اسطرح شریک کرے کہ ایک غلہ دوسرے سے ممیز اور علیحدہ نہ ہو سکے تو یہ بھی بمنزلہ
تنسیخ وصیت ہوگا۔ لکن اگر وہ روٹی کی وصیت کرکے اوسکے ٹکڑے کر ڈالے تو یہ تنسیخ
وصیت نہ ہوگی"[1]۔

جواز وصیت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ موصی لہ اوسکو صریحاً یا ضمناً قبول کرے۔
چنانچہ ایک عالم مالکی کا قول ہے کہ "وصیت کو قبول کرنا اوسکے جواز کی ایک شرط ضروری ہے"
اور ایک عالم حنفی نے فرمایا ہے کہ "جو وصیت قبول نہ ہوئی ہو وہ باطل ہے" اسی طرح سے
مذہب شیعہ مین بھی مال وصیتی موصی لہ کا اوسوقت ہوجاتا ہے جبکہ اوسنے وصیت کو قبول
کرلیا ہو۔ مگر حنفیہ اور شیعہ مین اوس زمانہ کے باب مین جس زمانہ مین وصیت کو قبول
کرلینا چاہیئے اختلاف عظیم ہے۔

مذہب شیعہ مین وصیت کو قبل وفات موصی قبول کرنا جائز ہے اگرچہ موصی لہ کو ایسا
اختیار ہے۔ مگر وصیت کو بعد وفات موصی قبول کرنا قبول قطعی ہے اگرچہ اوس واقعہ کے
وقوع کے بعد کچھ تاخیر بھی قبول کرنے مین ہوجائے بشرطیکہ موصی لہ نے بعد وفات موصی
اور قبول کرنیکے پیشتر وصیت کو نامنظور نہ کیا ہو۔ لکن اگر موصی کی حیات مین وصیت نامنظور

[1] شرایع الاسلام صفحہ ۲۴۷ ۲ ۱۲ منہ

ہوئی ہو تو بھی اوسکی وفات کے بعد قبول ہوسکتی ہی کیونکہ ایسی نامنظوری اثر نامعتبر
نہین ہی۔ لکن اگر موصیٰ لہ بعد وفات موصی وصیت کو نامنظور کرے اور پیشتر اوسکو
قبول نہ کرچکا ہو تو وہ وصیت منسوخ ہوجائیگی۔ جب موصی لہ نے مال وصیتی پر قبضہ
کرلیا ہو تو بھی اگر اوسنے بعد وفات موصی اوسکو نامنظور کیا ہو گو پہلے قبول کرچکا ہو تو
وصیت باطل ہوجائیگی۔ جب قبضہ نہ ہوا ہو اور وصیت بعد وفات موصی اور موصیٰ لہ کے
قبول کرنیکے پیشتر نامنظور کی گئی ہو تو بھی بعض علماء کے نزدیک منسوخ ہوجائیگی مگر
بعض کے نزدیک نہ منسوخ ہوگی اور یہی قول ترجیح رکھتا ہی۔ لکن اگر قبول اور قبضہ
دونون امر ہوچکے ہون اور اوسکے بعد وصیت نامنظور کیجائے تو اسمین کچھ شک نہین ہی
کہ وہ نامنظوری غیر موثر ہی اور اسمین سب علماء کا اتفاق ہی کہ وہ وصیت نہین منسوخ
ہوئی اسواسطے کہ حق ملکیت موصی لہ کو حاصل ہوچکا ہی۔

اگر موصی لہ ایک جزو وصیت کو قبول کرے اور باقی کو نہ قبول کرے تو یہ قبول
جزئی جائز ہوگا اور اوسکا ملک اوس جزو مین قائم ہوجائیگا۔

مذہب حنفی مین قبل وفات موصی وصیت کو قبول کرنا بیکار ہی۔ وصیت صریحاً
یا ضمناً قبول ہوسکتی ہی۔ اگر موصی لہ قبول یا انکار کرنیکے پیشتر مرجائے تو اوسکی موت بمنزلہ
قبول ہوجائیگی اور قیاس کیجائیگی اور اوسکے ورثہ اوس مال کو وراثتاً پائینگے۔ توریث
بالوصیت اور توریث بلا وصیت مین یہ فرق ہی کہ وارث میراث پر بغیر قبول قبضہ
کرلیتا ہی مگر موصی لہ مال وصیتی پر بغیر قبول قبضہ نہین پاتا۔ موصی کی وفات کے بعد وصیت کو
قبول کرنا چاہئیے اور اگر اوسکی حیات مین وصیت قبول یا نامنظور کیجائے تو یہ دونون
فعل باطل ہین مگر موصی لہ کو اختیار ہی کہ موصی کے مرنیکے بعد اوسکو قبول کرے۔

وصیت کا اثر شرعی یہ ہی کہ موصی لہ کو ایک جدید حق اوسی طرح حاصل ہوتا ہی

ملہ جواہر الکلام ۱۲ منہ

جسطرح ہبہ مین حاصل ہوتا ہی اور جب وہ وصیت قبول کرلیتا ہی تو مال وصیتی
اوسکا ہوجاتا ہی۔ پس اگر وہ موصی کی وفات کے بعد قبول کرے تو شئی وصیتی مین اوسکا
ملک قائم ہوجائیگا خواہ اوسنے قبضہ کیا ہو خواہ نہ کیا ہو اور اگر وہ وصیت کو نامنظور کرے
تو وہ منسوخ ہوجائیگی۔ مگر جب وصیت ایک گروہ کے باب مین کیجاے مثلاً فقرا کے
باب مین یا کسی امر مذہبی یا کار خیر کے لیے کیجاے تو موصی لہم کا اوسکو قبول کرلینا فرض
کرلیا جائیگا۔

فصل سوم

وصیت منفعت اراضی و باغات و مکانات و اشجار وغیرہ کی۔

وصایا کا دائمی ہونا شرع محمدی مین ممنوع نہین ہی۔ جبتک وصیت مین
استقرار اوس شخص سے کیجاے جو اوسوقت زندہ ہو یہ ضرور نہین ہی کہ جن لوگون کو باقی
دیا جاے وہ بھی موجود یا زندہ ہون۔ لہذا ہر شخص دوسرے کے حق مین ایک میعاد
معین تک یا دواماً و استمراراً غلات[1] اراضی و باغات اور کرایہ مکانات اور سکونت مکان
اور جانورون اور درختون اور غلام کے خدمات یا کسوبات کو استعمال مین لانیکی وصیت
کرسکتا ہی۔ اگر وصیت کی میعاد غیر محدود ہو تو وہ وصیت دائمی سمجھی جائیگی۔

ایسی وصیت کا اثر یہ ہی کہ مال وصیتی موصی کے ورثہ کا مالک باقی رہتا ہی اور موصی لہ کو
صرف اوسکی منفعت لینے کا حق حاصل ہوجاتا ہی جسطرح سے اوس شخص کو حاصل

---

[1] رد المختار صفحہ ۶۷۷ - ہدایہ کتاب ۲ باب ۵ صفحہ ۷۲۵ - غلات کا لفظ مشترک المعنے ہی جسمین پیداوار
اور کرایہ یا لگان اور ہر قسم کی آمدنی اور منفعت اور غلامون کے خدمات وغیرہ یہ سب چیزین داخل
ہین - جامع اللغات ۱۲ منہ فتاوے عالمگیری (صفحہ ۱۸۸) مین ایک باب کا بابت منفعت
کی وصیت کے باب مین باین عنوان لکھا ہی - فی الوصیۃ بالسکنی والخدمۃ والثمرۃ
وغلۃ العبید وغلۃ البستان وغلۃ الارض وظہر الدابۃ وغیرھا - رد المختار
صفحہ ۶۷۸ بھی ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

ہوجاتا ہی جسکے حق مین وقف کیا جائے "۔

وصیت ایک سال کی بھی ہوسکتی ہی مثلاً سنہ ہجری کی ۔ اگر موصی کی وفات کے وقت وہ سال تمام ہوجائے تو وہ وصیت باطل ہوجائیگی ۔ اگر سال کا صرف ایک حصہ گذرا ہو تو حصہ غیر منقضی مین وہ وصیت نافذ ہوگی ۔

اگر مال وصیتی ایک ثلث جائداد موصی کے اندر ہو تو اوسکی منفعت موافق شرائط وصیت کے موصی لہ کو دیجائیگی ۔ مثلاً اگر کسی مکان کے حق سکونت کی وصیت ہوا اور وہ مکان ایک ثلث جائز الوصیت کے اندر ہو تو وہ موصی لہ کی سکونت کے لیے دیدیا جائیگا اگر صرف اوس مکان کے کرایہ اور منافع کی وصیت کی ہو تو موصی لہ اوسکا کرایہ اور منافع پائیگا مگر اوسمین سکونت کا نہ مستحق ہوگا ۔ اگر مال وصیتی ایک ثلث سے زائد ہو تو موصی لہ اوس جزو سے منتفع ہوگا جو ایک ثلث کے اندر ہو ۔ فتاوائے عالمگیری مین ایک مثال غلام کی لکھی ہی جس سے اس اصول کی توضیح بخوبی ہوگئی ہی ۔ وہ عبارت درج ذیل ہی ۔

"اگر وہ غلام (جسکی وصیت کی ہی) ثلث مال کے اندر نہ ہو تو وہ موصی لہ کی خدمت ایک دن اور ورثہ کی خدمت دو دن کیا کرے یہانتک کہ پورا سال ہوجائے اور جب ایک سال گذرجائے تو وہ غلام ورثہ کو دیدیا جائے ۔ اگر ایک سال معین کیا گیا ہوا ور وہ غلام ثلث مال کے اندر ہو یا اوس وصیت کو ورثہ منظور کرلین تو وہ موصی لہ کو دیدیا جائے اور سال بھر اوسکی خدمت کرکے پھر ورثہ کو واپس کردیا جائے ۔ اگر وہ غلام ثلث مال کے اندر نہ ہوا ور ورثہ اوس وصیت کو نہ منظور کرین تو وہ غلام تین برس تک ایک روز موصی لہ کی خدمت اور دو روز ورثہ کی خدمت کیا کرے جب تین برس گذرجائین تو اوسکی خدمت سے تعمیل وصیت ہوجائیگی ۔ اگر موصی لہ مرجائے تو وہ غلام موصی کے ورثہ پر عود کریگا اور اگر وہ موصی کی حیات مین مرجائے تو وصیت باطل ہوجائیگی "۔

اگر موصی لہ قبل انقضاے میعاد معینۂ وصیت فوت ہوجاے تو مال وصیتی موصی
ورثہ پر فوراً عود کریگا۔ اگر موصی لہ موصی کی حیات مین مرجاے تو وصیت معاً باطل
ہوجائیگی۔ موصی کسی چیز کے عین کی وصیت ایک شخص کے باب مین اور اوسکی منفعت کی
وصیت دوسرے شخص کے حق مین کرسکتا ہی۔ اور اگر مال وصیتی ایک ثلث جائزالوصیت
کے اندر ہو تو ہر ایک موصی لہ اپنی اپنی وصیت کا مستحق ہوگا۔ اور اگر منفعت کی وصیت
مطلق ہی تو موصی لہ اپنی وفات تک اوسپر قابض رہنے کا مستحق ہوگا بعد اوسکے وہ
منفعت اوس موصی لہ پر منتقل ہوجائیگی جسکے باب مین عین کی وصیت ہوئی ہی بشرطیکہ
وہ زندہ ہو اگر وہ زندہ نہ ہو تو موصی کے ورثہ پر منتقل ہوجائیگی[۱]۔

جب وصیت ایک مکان کے کرایہ اور منافع کی ہو تو موصی لہ کو اوسمین سکونت
کرنا نہین جائز ہی۔ اگر وصیت سکونت مکان کی ہو اور اوسکے سواے اور کوئی جائداد
نہ ہو تو موصی لہ اوس مکان کے ایک ثلث مین رہ سکتا ہی اور ورثہ اون دو ثلث کو
جو اونکے قبضہ مین ہین بیع[۲] نہین سکتے۔ اور نہ وہ موصی لہ جسکو سکونت مکان کی وصیت
کی گئی ہی اوس مکان کو کرایہ[۳] پر دلیسکتا ہی اور نہ اوس غلام کو جسکی خدمات کی وصیت
کی گئی ہی موصی کے مکان سے نکالکر دوسرے مکان مین لیجاسکتا ہی مگر یہ کہ موصی اور
اوسکا اہل وعیال اس دوسرے مکان مین ہون کہ اس صورت مین اوس غلام کو
اونکی خدمت کے لیے وہان لیجاسکتے[۴] ہین۔ اس حکم شرع کی وجہ یہ ہی کہ وصیت کی تعمیل
موصی کے منشا کے موافق کرنی چاہیئے[۵] اور جب موصی کا عیال اوسکے ساتھ ایک ہی مکان
مین رہتا ہو تو اوسکا یہ منشا ہوتا ہی کہ موصی لہ کی خدمت یہ غلام اسی مکان مین

[۱] ردالمحتار صفحہ ۶۷۹ ج ۲ ۱۲ منہ [۲] ردالمحتار صفحہ ۶۷۹۔ ظاہر الروایت کے موافق ورثہ اپنے دو ثلث کو نہین بیچ سکتے اسلیے اسسے موصی لہ کا نقصان یا حق تلفی ہوگی۔ مگر امام ابو یوسف کے نزدیک ایسی بیع جائز ہی ظاہر الروایت مین جو قول لکھا ہی اوسکو ترجیح دیگئی ہی۔ ہدایہ مین لکھا ہی کہ موصی لہ ورثہ کے حصص کی نسبت یہ اختیار رکھتا ہی کہ انکو کوئی ایسی دستاویز تحریر کرنے دے جو اوسکے حق مین مضر ہو ۱۲ منہ [۳] شافعیہ کے نزدیک وہ ایسا کرسکتا ہی ۱۲ منہ [۴] ردالمحتار صفحہ ۶۸۰ ج ۲ ۱۲ منہ

کیا کرے۔ لکن جب موصی دوسرے شہر مین رہتا ہو تو اوسکے ارادہ کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ موصی لہ

اوس غلام سے وہان جا کر خدمت لے۔

جب کسی مکان کی سکونت کی وصیت کسی شخص کے باب مین بلا تعیین میعاد کیجائے

تو وہ مدت العمر اوسکا مستحق رہیگا۔ اور جب مکان کی آمدنی کی وصیت کیجاے اور وہ مکان

ثلث مال کے اندر ہو گو اوسکی آمدنی ثلث مال سے زائد ہو تو بھی وہ وصیت جائز ہوگی

یہی حکم غلام کے مکسوبات یعنے کمائی اور موصی کے باغ وغیرہ کی پیداوار یا آمدنی کا بھی ہی۔

جب یہ وصیت ہو کہ یہ غلام موصی لہ کی خدمت اوسوقت تک کرے جبتک کہ اوسکو

اسکی خدمت کی احتیاج باقی رہے۔ پس اگر موصی لہ نابالغ ہو تو وہ غلام اوسکے زمانہ بلوغ تک

اوسکی خدمت کریگا اور اگر موصی لہ بالغ ہو مگر غریب ہو تو وہ غلام اوسکی خدمت اوسوقت تک

کریگا جبتک کہ وہ خود ایک غلام خریدے۔ لکن اگر موصی لہ بالغ ہو اور غنی بھی ہو تو وہ

وصیت باطل ہو جائیگی۔

اگر کوئی شخص اپنے غلام کی سال بھر کی کمائی یا اپنے مکان کے ایک سال کے کرایہ کی

وصیت کسی کے حق مین کرے اور اوس غلام یا اوس مکان کے سواے اور کوئی جائداد

نہ رکھتا ہو تو اس صورت مین موصی لہ سال بھر کی کمائی یا کرایہ کا ایک ثلث پائیگا اسواسطے کہ

چونکہ کرایہ یا اور آمدنی بھی ایک قسم کی جائداد ہی لہذا تقسیم ہو سکتی ہی۔ مگر موصی لہ ورثہ سے

یہ نہین کہہ سکتا کہ اس مکان کو تقسیم کر لو تاکہ مین اپنے حصہ کا کرایہ خود وصول کر لیا کرون

(یعنے ایک ثلث کا)۔

جب وصیت موصی کے باغ کی پیداوار کی ہو تو موصی لہ موجودہ اور آیندہ

پیداوار دونون کا مستحق ہی۔ مگر جب وصیت موصی کے باغ کے میوہ کی دواماً ہو تو

موصی لہ اوس میوہ کا مستحق اپنی وفات تک ہی۔ لکن اگر موصی نے لفظ دواماً یا ابداً

نہ کہا ہو اور موصی کے روز وفات اوس باغ مین کچھ میوہ لگا ہو تو موصی لہ بقدر ثلث

جائز الوصیت اوسکا مستحق ہی مگر آئندہ کے میوہ کا نہین مستحق ہی کیونکہ یہ خیال کیا جائیگا کہ موصی کا منشا صرف میوۂ موجودہ دینا تھا۔ لکن اگر موصی کے روز وفات اوس باغ مین میوہ نہ ہو تو وصیت اوس میوہ مین نافذ ہوگی جو موصی کی وفات کے بعد مگر موصی لہ کی وفات کے قبل پیدا ہو[۱]۔ جب وصیت اوس چیز کی ہو جو دوسری چیز مین ملحق یا اضافہ ہوگئی ہو تو وہ اضافہ خاص جو موصی کی وفات کے وقت موجود ہو موصی لہ کو دیا جائیگا اگرچہ وصیت مین ابدًا کا لفظ استعمال کیا گیا ہو مگر یہ حکم کرایہ اور منافع کا نہین ہی۔ اس مسئلہ کی وجہ ردّ المختار مین لکھی ہی۔ اور فتاواے عالمگیری مین اس مسئلہ کو اسطرح بیان کیا ہی کہ ”اگر کوئی شخص اپنے گلۂ گوسفند کا اُون یا اوسکے بچے یا اوسکا دودھ بذریعہ وصیت دیکر مر جاوے تو موصی لہ صرف اوس اُون کا جو اون بھیڑون کی پشت پر ہو یا اون بچون کا جو اونکے بطون مین ہون یا اوس دودھ کا جو اونکی چھاتیون مین ہو مستحق ہی خواہ وصیت مین لفظ ابدًا کہا ہو خواہ نہ کہا ہو“۔

اگر مکان کی آمدنی کے ایک ثلث کی وصیت ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک ورثہ اوس مکان کو تقسیم کرکے اوسکا ایک ثلث موصی لہ کو دیسکتے ہین۔ اگر اوس ثلث سے کچھ آمدنی ہو تو موصی لہ کو ملیگی اگر اوس سے کچھ آمدنی نہ ہو تو اوسکو کچھ نہ ملیگا۔ اور ورثہ بھی قبل یا بعد تقسیم اوسکے ہاتھ اپنے دو ثلث کو فروخت کرسکتے ہین۔

جب وصیت پیداوار اراضی کے ایک ثلث کی ہو اور اوس زمین پر درخت یا اور کوئی جائداد نہ ہو تو اوس اراضی کو لگان پر دیکر ایک ثلث اوس لگان کا موصی لہ کو دیا جائیگا اگر اوس زمین پر درخت خرما یا اور درخت ہون تو اونکی پیداوار کا ایک ثلث موصی لہ کو دیا جائیگا اور وہ زمین مضاربت[۲] مین نہ دیجائیگی۔

---

[۱] فتاواے عالمگیری صفحہ ۱۴۹ ردّ المختار صفحہ ۶۸۱ ہدایہ صفحہ ۵۲ ۱۲ منہ [۲] مضاربت اوس معاملہ کا نام ہی جسکے بموجب مالک اراضی اور اسامی پیداوار اراضی کو باہم اپنے حصص معینہ کے موافق تقسیم کرلیتے ہین ۱۲ منہ

جب وصیت باغ کے میوہ کی ہو تو موصی لہ اوس باغ کو موصی کے ورثہ سے خرید سکتا ہی کر
اس سے وصیت منسوخ ہو جائیگی۔ اسی طرح سے اگر موصی کے ورثہ موصی لہ کو اور کوئی چیز دیکر
راضی کر لیں تو وہ اپنا ثلث پیداوار اونکو دیکر باز دعوے دیسکتا ہی۔ علی ہذا القیاس مکان کی
سکونت یا غلام کی خدمت کے باب میں ورثہ موصی اور موصی لہ میں معاملہ ہو جانا شرعًا جائز ہی
مگر ان حقوق کو غیر آدمی کے ہاتھ فروخت کرنا نہیں جائز ہی[1]۔

مکان کی آمدنی یا غلام کی کمائی کی وصیت غربا کے حق میں کرنا جائز ہی۔ مگر مکان کی
سکونت یا غلام کی خدمت کی وصیت غربا کے باب میں کرنا نہیں جائز ہی تا وقتیکہ موصی لہم کی
تخصیص نہ کر دی جائے۔

جب وصیت اصل اور فرع کی دو شخصوں کے نام ایک ہی وصیت نامہ میں لکھی ہو
تو ہر ایک موصی لہ کو وہ شئی مخصوص ملیگی جسکی وصیت اوسکے باب میں کی ہی مثلاً اگر موصی نے
کہا یا لکھا ہو کہ ”میں یہ انگوٹھی فلان شخص کو اور یہ نگ فلان شخص کو دیتا ہوں“۔

اور جب ایک وصیت دوسری وصیت سے علیحدہ کی ہو تو بھی امام ابو یوسف کے
نزدیک وہی نتیجہ ہوگا مگر امام محمد کے نزدیک اصل کا موصی لہ بالتخصیص اصل کا مستحق ہی اور
فرع میں دونوں موصی لہم شریک ہیں۔

عبارت ذیل اس غرض سے نقل کیجاتی ہی کہ یہ معلوم ہو جائے کہ جب ایک ہی چیز کی دو
وصیتیں کیجائیں اور ایک وصیت دوسری سے پیدا ہوتی ہو تو اون دونوں کا نفاذ
کیونکر کیا جائے۔

”اگر کوئی شخص ایک غلام کی وصیت ایک آدمی کے باب میں اور اوسکی خدمت کی وصیت
دوسرے آدمی کے حق میں کرے یا ایک مکان کی وصیت ایک کے حق میں اور اوسکی سکونت کی
وصیت دوسرے کے باب میں کرے یا ایک بھیڑ کی وصیت ایک کے حق میں اور اوسکے اون کی

---

[1] رد المحتار صفحہ ۶۹۱ ۱۲ منہ

وصیت دوسرے کے باب مین کرے اور اون دونون شخصون کی تصریح کردے تو ہر ایک
موصی لہ وہ چیز پائیگا جسکی وصیت اوسکو کی ہی- اس مسئلہ مین کچھ اختلاف نہین ہی خواہ وہ
دونون وصیتین اکٹھا خواہ الگ الگ کی گئی ہون - مگر جب ان صورتون مین پہلے فرع کا
وصیت بعد اوسکی اصل کی وصیت کی ہو یعنے مثلاً پہلے غلام کی خدمت کی وصیت ایک شخص کے
حق مین پھر خود غلام کی وصیت دوسرے شخص کے باب مین کی ہو یا پہلے مکان کی سکونت کی
وصیت ایک آدمی کے باب مین کرکے پھر خود اوس اصل مکان کی وصیت دوسرے کے حق مین
کی ہو یا پہلے میوہ کی وصیت ایک آدمی کے باب مین کرکے پھر اصل درخت کی وصیت دوسرے کے
حق مین کی ہو تو جب دونون وصیتین یکجا کی ہون تب ہی ہر ایک موصی لہ اوس چیز کا مستحق
ہوگا جو اوسکے نامزد کی گئی ہی اور اگر دونون وصیتین علیحدہ علیحدہ کی گئی ہون تو اصل کا
موصی لہ خاصتہً اصل کا مستحق ہی اور فرع دونون موصی لہم کو نصف نصف دیجائیگی- اور
اگر ایک مکان کی وصیت ایک شخص کے باب مین اور اوسکے ایک حجرۂ مخصوصہ کی وصیت
دوسرے شخص کے حق مین کی ہو تو وہ حجرہ نصف نصف دونون کو ملیگا- اسیطرح سے اگر
ہزار درہم کی وصیت ایک شخص کے باب مین اور اونمین سے سو درہم کی وصیت دوسرے کے
حق مین کی ہو تو ہزار درہم کا موصی لہ نو سو درہم کا مستحق ہی اور وہ سو درہم اون دونون مین
برابر تقسیم کیے جائین- اسمین کچھ اختلاف نہین ہی"

جب وصیت کسی جانور کے بچہ کی استعمال یا تصرف کی ہو اور وہ بچہ کام کرنیکے قابل نہو
تو اوسکو پرورش کرنا اوس شخص کو واجب ہی جسکو اوس چیز کے عین مین حق حاصل ہو-
اسی طرح جب درختہاے خرما کا میوہ از روے وصیت کسی شخص کو دواما دیدیا جاے اور خود
اون درختون کی وصیت جو ہنوز خام ہون دوسرے کے حق مین کیجاے تو اصل درختون کا
موصی لہ اونکی آب پاشی وغیرہ کے مصارف کا ذمہ دار اوسوقت تک ہی جبتک کہ وہ پختہ
ہو جائین اور اونمین میوہ لگے بعد اوسکے یہ ذمہ داری میوہ کے موصی لہ پر عاید ہو جائیگی اور

جب اول درختون مین میوہ لگنا شروع ہوجائے تو گو بعد ازان وہ میوہ جھڑ جائے اور پھر ادن درختون مین کچھ میوہ نہ لگے تو بھی میوہ کا موصی لہ مصارف مذکورہ کا ذمہ دار ہوگا جیسطرح خدمت کا موصی لہ اوس غلام کے "دن اور رات دونون کے نفقہ کا ذمہ دار ہے گو وہ غلام رات کو سوتا رہتا ہوا ور کام نہ کرتا ہو"

اگر باغ کی آمدنی سے بیس درہم سالانہ کی وصیت کیسکے باب مین کیجائے اور اوس باغ کی آمدنی کبھی زیادہ اور کبھی کم ہوجاتی ہو تو موصی لہ ہر سال کی آمدنی کے ایک ثلث کا مستحق ہوگا جسمین سے بیس درہم جبتک وہ زندہ رہے اوسکے نفقہ مین صرف کیے جائینگے اسی طرح سے اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ میری جائداد مین سے ایک رقم ماہانہ زید کو گذارہ کے لیے دیدی جایا کرے تو گو وہ رقم کیسی ہی قلیل ہو پورا ایک ثلث اوس جائداد کا اس مقصد خاص کے لیے علیحدہ کر دیا جائے تاکہ موصی لہ حسب الارشاد موصی اوسمین سے اپنا گذارہ ماہانہ لیا کرے[۱]۔

اگر موصی اپنے مال کا ایک ثلث ایک شخص کو اور پانچ درہم ماہواری دوسرے شخص کو اوسکی حیات تک بطور گذارہ کے اور پانچ درہم ماہواری تیسرے شخص کی حیات تک بطور گذارہ کے از روے وصیت مقرر کر جاے اور ورثا ان سب وصایا کو منظور کرلین تو امام اعظم کے نزدیک اوسکی جائداد کے نو حصے کیے جائین جنمین سے ایک حصہ ایک ثلث کے موصی لہ کو دیا جائے اور باقی آٹھ حصے دیگر موصی لہم کو فی نفر چار کے حساب سے دیے جائین۔ مگر صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک اوس جائداد کے سات حصے کیے جائین جنمین سے ایک حصہ ایک ثلث کے موصی لہ کو دیا جاے اور باقی چھ حصے دیگر موصی لہم کو تین تین کرکے دیے جائین۔ یہ اصول اون صورتون مین جاری ہوگا جنمین موصی کے ورثہ سب وصایا کو منظور کرلین۔ مگر فرض کیجیے کہ وہ نہ منظور کرین تو اس صورت مین تمامی

---

[۱] فتاوےٰ عالمگیری صفحہ ۱۵۰ ۔ ردالمحتار صفحہ ۶۸۰ ۔ ۱۱ منہ

صاحبین کے نزدیک سات حصوں مین وہ جائداد تقسیم ہوگی اور امام اعظم کے نزدیک اس صورت مین یہ سمجھنا چاہیے کہ گویا سب موصی لہم ایک ثلث کے مستحق ہین جو اونمین تین حصے کرکے تقسیم کردینا چاہیے - اس صورت مین اگر وہ دونون تنخواہ دار اوس سرمایہ یا جائداد کے ختم ہونیکے پیشتر مرجائین توجو کچھ فاضل بچے وہ ایک ثلث کے موصی لہ کو دیا جائیگا اور اگر اونمین سے ایک مرجاے تو اوسکا حصہ جو بچے وہ اسطرح تقسیم کیا جائے کہ ایک حصہ ایک ثلث کے موصی لہ کو دیا جاے اور دوسرا حصہ دوسرے تنخواہ دار کو دیا جائے - یہ قول امام اعظم کا ہے - اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ صرف ایک ربع ایک ثلث کے موصی لہ کو دیا جاے اور تین ربع اوس تنخواہ دار کو دیا جاے جو زندہ رہگیا ہے[1] -

اگر موصی پانچ درہم ماہواری زید کے گذارہ کے لیے اوسکی حیات تک اور دس درہم ماہواری بکر اور خالد کے گذارہ کے واسطے اونکی حیات تک بالمشارکت یا علیحدہ علیحدہ مقرر کرے اور موصی کے ورثہ ان وصایا کو منظور کرلین تو اوس جائداد کے دو مساوی حصے کرکے نصف زید کو دیا جائے اور نصف بکر اور خالد کو دیا جاے اسواسطے کہ زید کل جائداد کا موصی لہ سمجھا جائیگا اور بکر و خالد دونون ملاکر ایک موصی لہ تصور کیا جائیگا اور وہ جائداد اون تینون ہین نصف نصف تقسیم کردی جائیگی - یہ مسئلہ اجماعی ہے - اگر زید مرجاے تو اوسکا حصہ بکر اور خالد کے لیے رکھا جائیگا اور دس درہم ماہواری اونکے گذارہ کے لیے علیحدہ دیے جائینگے - اور اگر اونمین سے ایک زید کے پیشتر فوت ہو تو اوسکا حصہ اوسکے ساتھی موصی لہ کو جو زندہ رہگیا ہے ملیگا اور وہ پانچ درہم ماہواری گذارہ کے لیے علیحدہ پائیگا - اگر موصی کے ورثہ ان وصایا کو نہ منظور کرین تو اسمین علمار کا اتفاق ہے کہ اوس جائداد ایک ثلث کے دو حصے برابر کیے جائین اونمین سے ایک حصہ زید کو اور دوسرا حصہ بکر و خالد کو دیا جائے - لکن اگر کوئی شخص اپنی جائداد کے ایک ثلث مین سے چار درہم

---

[1] صاحبین کا قول اس مسئلہ مین مفتے بہ ہے ۱۲ منہ

ماہواری زید کی اوسکی حیات تک اور دس درہم ماہواری بکر اور خالد کی اونکی حیات تک مقرر
کرجاے اور اوسکے ورثہ ان دونون وصیتون کو منظور کرلین تو ایک ثلث اوس جائداد کا
زید کو اور ایک ثلث بکر اور خالد کو بالمشارکت دیا جائیگا اور زید کے مرنیکے بعد اوسکا ایک
ثلث یا جسقدر اوسمین سے باقی رہا ہو موصی کے ورثہ پر عود کریگا اور اگر بکر یا خالد مرجائے
تو اوسکا حصہ جو باقی رہے وہ اوسکے ساتھی موصی لہ کو ملیگا اور جب وہ بھی مرجائے تو جوکچھ
باقی رہے وہ موصی کے ورثہ پر عود کریگا۔ اگر ورثہ ان وصایا کو نہ منظور کرین تو ثلث مال کو
دو حصون مین تقسیم کرکے نصف زید کو اور نصف بکر اور خالد کو دیدیا جائیگا۔

امام محمد کا قول ہے کہ جب وصیت باین کلمات کیجائے کہ "مین ایک ثلث اپنے
مال کا زید کو دیتا ہون کہ جبتک وہ زندہ رہے چار درہم ماہواری اپنے گذارہ کے لیے پایا
کرے اور دو ثلث بکر اور عمرو کو دیتا ہون کہ وہ دونون دس درہم ماہواری جبتک
زندہ رہین اپنے گذارہ کے لیے پایا کرین" اور اوسکے ورثہ ان وصایا کو منظور کرلین
تو کل جائداد کا پورا ایک ثلث پہلے موصی لہ کو دیدیا جائے اور باقی دو ثلث بھی اوسیطرح
باقی دو موصی لہم کو دیدیے جائین اور جب اونمین سے کوئی مرجائے تو اوسکا حصہ اوسکے
ورثہ کو دیا جائے۔ لیکن اگر موصی کے ورثہ ان وصایا کو نہ منظور کرین تو پہلے موصی لہ کو
ایک ثلث کا نصف ملیگا اور باقی دو موصی لہم کو باقی ایک نصف ملیگا۔ اسی طرح سے
اگر وصیت باین کلمات کی ہو کہ "مین ایک ثلث اپنے مال کا زید کو دیتا ہون کہ جبتک
وہ زندہ رہے اوسمین سے چار درہم ماہواری گذارہ کے لیے پایا کیے اور مین بکر اور عمرو کے
حق مین یہ وصیت کرتا ہون کہ بکر کو اوسمین سے پانچ درہم ماہواری گذارہ کے لیے اور عمرو کو
تین درہم ماہواری گذارہ کے واسطے دیا جائے"۔ اور ورثہ ان وصایا کو منظور کرلین
تو پہلے موصی لہ کو کل جائداد کا ایک ثلث ملیگا اور باقی دو موصی لہم دوسرے ثلث کو
باہم نصف نصف تقسیم کرلینگے۔ لیکن اگر ورثہ ان وصایا کو نہ منظور کرین تو زید ایک

ثلث کا نصف پائیگا اور بکر و عمر و دوسرے نصف کو باہم تقسیم کرلینگے اور جو کوئی اونمین سے مرجائے اوسکا حصہ اوسکے ورثہ کو ملیگا ۔

مسائل شیعہ ۔ مذہب شیعہ مین یہ ہی کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کی خدمت یا اپنے باغ کے میوہ یا اپنے مکان کی سکونت یا اور کسی منفعت کی وصیت دوامًا یا ایک میعاد معین تک کرے تو جو منفعت اوس سے حاصل ہو اوسکا تخمینہ کیا جاے اگر وہ موصی کے ثلث مال سے زیادہ نہو تو وہ وصیت جائز ہی اور اگر ثلث مال سے زائد ہو تو موصی لہ کو بقدر ایک ثلث کے دیا جائیگا اور اوس سے زائد مین وصیت باطل ہوگی ۔

جب کوئی شخص اپنے غلام کی خدمت کی وصیت ایک میعاد معین تک کرے تو اوسکے نفقہ کے مصارف اوس شخص کے ورثہ پر عائد ہونگے کیونکہ یہ ایسا فرض ہی جو غلام کے مالک کے بعد عائد ہوتا ہی اور اوس ملک پر موقوف ہی اور موصی لہ صرف اوسکی خدمت کا مستحق ہی باقی سب حقوق ملکیت اوس غلام کے مثل بیع اور عتق وغیرہ کے اوسکے مالک کے ورثہ کو ہین گو اونمین سے کوئی حق موصی لہ کے حقوق کو نہین باطل کرسکتا ۔

حاشیہ

سب فرقون کے نزدیک زبانی وصیت کرنا جائز ہی اور اوسکا طریقہ قرآن مجید مین منصوص ہی ۔ شرایع الاسلام مین لکھا ہی کہ [illegible] وصایا دو مسلمان اور عادل گواہون کی گواہی سے شرعًا ثابت ہوجاتے ہین یا اگر ضرورت ہو اور دو مسلمان گواہ نہ میسر آئین تو دو ذمیون کی شہادت کافی ہی ۔ اور جب جائداد کی وصیت کا مقدمہ ہو تو ایک گواہ کی شہادت حلفی قبول ہوسکتی ہی یا ایک مرد اور دو عورتون کی ۔ اور ایک عورت کی گواہی سے بھی موصی لہ کا حق اوس مال کے ایک ربع مین ثابت ہوجاتا ہی جسکی گواہی اوسنے دی ہی اور دو عورتون کی شہادت سے نصف مال مین اور تین عورتون کی گواہی سے تین ربع مین اور چار عورتون کی گواہی سے کل مال مین اوسکا دعوے

ثابت ہو جاتا ہی۔ مگر اوصیار کا تقرر جو بذریعۂ وصیت ہوا ہو اوسکا ثبوت صرف دو مردون
کی گواہی سے ہو سکتا ہی اور اس صورت مین عورتون کی شہادت غیر مقبول ہی اور
نہ ایک مرد گواہ کا اظہار حلفی اس مقدمہ مین قبول ہو سکتا ہی اگرچہ اسمین کسی قدر
اختلاف علمار ہی،،۔

دہ وصی کی شہادت خود اوسکی وصایت کے مقدمہ مین یا کسی مقدمہ مین جس سے
خود اوسکو یا اوسکے عہدہ کو فائدہ ہو نہین قبول ہو سکتی اور اگر موصی کی جائداد کے
ایک خاص حصہ کے صرف کرنیکے لیے وہ وصی مقرر کیا گیا ہو تو اوسکی شہادت اس
امر کے ثبوت مین نہین قبول ہو سکتی کہ یہ جائداد موصی کے ثلث مال سے زیادہ نہین ہی"
بلاد اسلام مین جب وصیت گواہون کی حضوری مین کیجاتی ہی تو گواہون کا قاعدہ ہی
کہ اپنی گواہی وصیت نامہ پر لکھ دیتے ہین۔ وصیت کسی لفظ یا کلمہ سے ہو سکتی ہی بلکہ
اشارات سے بھی ہو سکتی ہی جنسے موصی کا مطلب اور ارادہ بخوبی ظاہر ہو جائے۔
اس ملک مین اکثر وصیت تحریری ہوتی ہی جسپر گواہون کی شہادت ثبت ہوتی ہی اور
جسکو وصیت نامہ کہتے ہین۔

اسپد ایکٹ پروبیٹ (ایکٹ ۵ ۱۸۸۱ء) مسلمانون کے وصیت ناموت سے متعلق ہی۔
جب وصیت قلم بند نہ ہوئی ہو تو پروبیٹ کی کچھ ضرورت نہین ہی۔

بیسوان باب

اوصیار۔

فصل اوّل

کون لوگ اوصیار مقرر ہو سکتے ہین۔

موصی کو اختیار ہی کہ اپنی وصیت کی تعمیل جس شخص سے چاہے متعلق کرے اور بپابندی
بعض قیود کے جنکا ذکر آئندہ کیا جائیگا وصی کا عہدہ مرد یا عورت عزیز یا غیر سب کو

سپرد ہو سکتا ہے۔ اور اگرچہ کوئی انتقال بالوصیت ناجائز ہو تاہم تقرر وصی اولاد نابالغ کی حراست اور تعلیم و تربیت کے لیے جائز ہوگا۔ وصی کو موصی کی وصیت کی تعمیل جہانتک وہ موافق شرع ہو یکمال تدین کرنا واجب ہے۔ اور اوسکی اولاد کے حقوق کی نگرانی کرنا اور اوسکے مال و اسباب کا انتظام کرنا بھی لازم ہے۔

تقرر وصی خصوصاً اور عموماً دونون طرح سے ہو سکتا ہے یعنے کسی خاص مقصد کے لیے یا مقاصد عامہ کے لیے۔

نابالغ یا مجنون کو خواہ جنون لازمی ہو خواہ عارضی وصی مقرر کرنا نہین جائز ہے۔ مگر عورت اور نابینا اور وہ شخص جسکو غیبت کی سزا سے شرعی ملی ہو شرعاً وصی مقرر ہو سکتا ہے

خصاف نے فرمایا ہے کہ جب نابالغ وصی مقرر کیا گیا ہو تو قاضی اوسکو برخاست کر کے کسی اور شخص کو وصی مقرر کرے جو موصی کی وصیت کی تعمیل اور اوسکی جائداد کے انتظام کی قابلیت رکھتا ہو۔ کوئی فعل جو وصی نابالغ نے قبل برخاست ہونیکے کیا ہو نافذ قول مشہور موثر نہ ہوگا۔

مگر فرض کیجیے کہ وصی نابالغ قبل اسکے کہ اوسکو قاضی برخاست کرے حد بلوغ کو پہونچ جاوے تو آیا وصی باقی رہیگا۔ امام اعظم کا قول یہ ہے کہ نہ باقی رہیگا مگر ابو یوسف نے فرمایا ہے کہ وہ وصی باقی رہیگا اور اسمین امام محمد اور امام ابو یوسف نے اتفاق فرمایا کہ نابالغ خود اکیلا وصی نہین مقرر ہو سکتا مگر اوسکے ساتھ بالغ شریک ہو سکتا ہے۔ اور اوس جائداد کے انتظام مین وہ نابالغ نہین دخل دیسکتا تاوقتیکہ بالغ نہ ہو جائے۔

جب دو وصی مقرر کیے جائین اور اونمین سے ایک بالغ اور ایک نابالغ ہو تو وصی بالغ اکیلا کام کر سکتا ہے جبتک کہ وصی نابالغ بھی بالغ ہو جائے مگر جب وہ بالغ ہو جائے

---

۵۱ جامع الفصولات۔ فتاوے قاضی خان۔ ردالمختار ۱۲ منہ ۵۲ ردالمختار صفحہ ۶۸۹۔ فتاوے عالمگیری صفحہ ۲۱۴ ۱۲ منہ ۵۳ ردالمختار صفحہ ۶۸۷ ۱۲ منہ

تو پھر وصی بالغ اکیلا کام نہین کر سکتا- لکن اگر وصی نابالغ مر جاوے یا بعد بلوغ مجنون ہوجائے تو دوسرا وصی اکیلا کام کر سکتا ہی اور اس صورت مین قاضی کسیکو زبردستی اوسکا شریک نہین مقرر کر سکتا اسواسطیکہ ابتک ایک وصی موجود ہی جسکو خود موصی نے مقرر کیا تھا- اور وصی بالغ نے وصی نابالغ کے زمانہ نابالغی مین جو کچھ کیا ہو اوس فعل کو وصی نابالغ بعد بلوغ منسوخ نہین کر سکتا مگر یہ کہ وہ فعل اوس وصیت کی حقیقت اور اوسکے مقصد کے خلاف ہو-

چونکہ وصی اس غرض سے مقرر کیا جاتا ہی کہ موصی کی اولاد کی تعلیم و تربیت کی نگرانی کرے اور اونکے حقوق کی حفاظت کرے اور اوسکی وصیت کی تعمیل واجبی کرے لہذا شرع مین حکم قطعی ہی کہ کافر مسلم کا وصی نہ مقرر کیا جائے- سب فرقون کا اتفاق ہی کہ مسلم کافر حربی کو اپنا وصی نہین مقرر کر سکتا اگرچہ وہ دار الاسلام مین مستامن ہو- اگر ایسا تقرر عمل مین آیا ہو تو قاضی اوسکو منسوخ کر سکتا ہی- ذمی کو وصی مقرر کرنا جائز ہی مگر قاضی اوسکے تقرر کو بھی منسوخ کر سکتا ہی- اس سے یہ لازم آتا ہی کہ کافر حربی کا تقرر بعہدہ وصی فی نفسہ باطل ہی مگر ذمی کا تقرر اس عہدہ پر اوسوقت تک جائز ہی جبتک کہ قاضی اوسکو منسوخ کر دے- یہی راے مشیران قانونی سرکاری نے دو مقدمون مین دی تھی جنکا فیصلہ صدر دیوانی عدالت نے ۱۸۲۲ء مین کیا تھا-

بمقدمہ محمد امین الدین و یک کس دیگر بنام محمد کبیر الدین ایک مسلمان عورت نے اپنی کل جائداد کی وصیت ایک غیر آدمی کے حق مین کر کے ایک ہندو کو اپنا وصی مقرر کیا تھا- جب صدر عدالت دیوانی کے ججون نے اس مقدمہ مین قاضی القضات اور مفتیان عدالت سے استصواب کیا تو اونھون نے یہ فتوے دیا کہ (۱) اگر موصیہ لاوارث مرتی ہی تو وہ اپنی ساری جائداد بذریعہ وصیت دیسکتی تھی (۲) اگر وہ وارث رکھتی تھی تو ثلث مال سے زیادہ کی وصیت کا جواز اوسکے ورثہ کی رضامندی

موقوف ہی۔ (۳) اگرچہ مسلمہ کا وصی غیر مسلم شرعاً مقرر ہوسکتا ہی مگر قاضی کو واجب ہی کہ اوسکو اوس عہدہ سے معزول کرے۔ اور اگرچہ وہ تقرر صحیح نہین ہی تاہم شرعاً جائز ہی اسکی وجہ یہ ہی کہ اوس وصی کے افعال بحیثیت وصی اوسوقت تک جائز ہین جبتک کہ قاضی اوسکو معزول کرے۔ اور اوس تقرر سے اوس وصیت کے جواز مین جہانتک موصی لہ کا حق متعلق ہی کچھہ فتور نہ واقع ہوگا[۱]۔

بمقدمہ مہری الملک و دیگران بنام ظہور النساء خانم بھی یہی اصول قرار دیا گیا ہی[۲]۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہی کہ غیر مسلم کو مسلم کا وصی مقرر ہونا حالات موجودہ تمدن مین جائز ہی۔ البتہ اگر وصی غیر مسلم موصی مسلم کی اولاد نابالغ کے مذہب مین مداخلت بیجا کرنا یا اوسکو تعلیم بیجا دینا چاہیے تو جج یا قاضی پر فرض ہی کہ اوسکو برخاست کردے تاوقتیکہ وہ ایسے فعل کی علت مین یا اس وجہ سے کہ شرع محمدی مین قاضی کو حکم ہی کہ اوسکو برخاست کردے معزول نہ کیا جائے اوسکا تقرر جائز اور اوسکا انتظام صحیح باقی رہیگا۔

اگر کسی وصی کو اختلاف مذہب (کفر) یا عدم بلوغ یا عبدیت (غلامی) یہ عذرات شرعیہ مانع وصایت ہون اور وہ مسلمان ہوجائے یا آزاد کردیا جاسے یا بالغ ہوجائے اور اس وجہ سے وہ موانع شرعیہ رفع ہوجائین تو وہ وصی باقی رہیگا اگر معزول نہ ہوگیا ہو مگر وصی نابالغ اور وصی غیر مسلم یا وصی غلام کے افعال مین یہ فرق ہی کہ وصی آخر الذکر کے افعال جائز ہین مگر وصی سابق الذکر کے افعال بالکل ناجائز ہین[۳]۔

جب قاضی کو معلوم ہو کہ جس شخص کو موصی نے اپنا وصی مقرر کیا ہی وہ اس کام کی لیاقت نہین رکھتا یا سفیہ و نالائق ہی تو وہ دوسرے آدمی کو اوسکا مددگار مقرر کرے اور اگر اوسکی عدم قابلیت دائمی ہو تو اوسکی جگہ پر دوسرا وصی مقرر کرسکتا ہی جو بمنزلہ اوسکے معزول کرنیکے ہوگا۔ اگر وصی خود کہدے کہ جو کام میرے سپرد کیا گیا ہی اوسکی

[۱] چوپنی جلد ۲ صفحہ ۳۹ ... ۱۲۵ [۲] سلکتہ رپورٹ صفحہ ۳۰۱ ۱۲ [۳] ردالمحتار صفحہ ۴۸۷ ۱۲

لیاقت مجھے نہین ہی تو قاضی اوسکے اس قول کو بغیر اس امر کو تحقیق کیے نہ قبول کرے
لکن اگر اوسکو معلوم ہو کہ یہ شخص فی الواقع نالائق ہی تو اوسکی جگہ پر اور کسیکو مقرر کر دے
بعض علما نے فرمایا ہی کہ اگر قاضی اوس وصی کو موقوف کر دے جسکو موصی نے مقرر
کیا ہو اور جو اپنے کام کی لیاقت رکہتا ہو تو وہ موقوف ہو جائیگا اگرچہ قاضی نے یہ
فعل خلاف انصاف کیا ہو اور گناہ کیا ہو۔ مگر اشباہ مین لکھا ہی کہ یہ مسئلہ اختلافی ہی
اکثر علما کے نزدیک یہ حکم قاضی کا موثر ہی جیسا شرح وہبانیہ مین لکھا ہی مگر جامع
الفصولین مین لکھا ہی کہ ایسی معزولی کو ناجائز سمجھنا چاہیئے البتہ قاضی کو واجب ہی کہ
وصی خائن یا غیر معتبر کو معزول کر دے"۔ اسکے بعد شارح[1] نے لکھا ہی کہ "جامع
الفصولین کے باب ۲۷ مین لکھا ہی کہ جب وہ شخص جسکو موصی نے وصی مقرر کیا ہو مرد
عادل ہو تو قاضی کو یہ مناسب نہین ہی کہ اوسکو معزول کر دے اور اگر وہ ایسا کرے
تو اکثر فقہا کے نزدیک اوسکا یہ فعل باطل ہی۔ میرے نزدیک یہ قول صحیح ہی کیونکہ
موصی قاضی کے بہ نسبت اپنے حال پر زیادہ شفقت رکھتا ہی۔ پس اسی قول کے موافق
فتوے دینا چاہیئے۔ مگر یہ سب اوس وصی سے متعلق ہی جسکو خود موصی نے مقرر کیا ہو
مگر جس وصی کو خود قاضی نے مقرر کیا ہو اوسکو قاضی جب مناسب سمجھے معزول کر سکتا ہی"
مسائل شیعہ۔ مذہب شیعہ مین بھی وصی کے اوصاف شرعی اوسی قسم کے ہین
جیسے مذہب حنفی مین ہین۔ یعنے وصی کا صحیح العقل اور مسلمان ہونا شرط ہی بعض
علما شیعہ کا قول یہ بھی ہی کہ وصی کو عادل ہونا چاہیئے کیونکہ فاسق کا اعتبار نہین ہوسکتا
مگر بعض کے نزدیک اوسکا عادل ہونا ضرور نہین ہی اسواسطے کہ سب مسلمان معتبر ہین
اور نیز اسواسطے کہ اوسکو موصی نے اپنا وصی مقرر کیا ہی۔ مگر مجتہد کو واجب ہی کہ
اوس وصی کو معزول کر دے جو وصی مقرر ہونیکے وقت تو معتبر اور امین ہو مگر

---

[1] غالباً اس سے مصنف ردالمحتار مراد ہی ۱۲ منہ

موصی کی وفات کے بعد خائن ہو گیا ہو کیونکہ موصی نے تو اوسکو متدین سمجھکر وصی مقرر کیا تھا اور جب اوسکو یہ معلوم ہوتا کہ یہ خیال میرا غلط ہی تو وہ خود اوسکو موقوف کر دیتا۔[۱]

کسی شخص کے غلام کو بغیر اوسکے آقا کی اجازت کے وصی مقرر کرنا نہین جائز ہی آدمی اپنے غلام کو اپنا وصی مقرر کر سکتا ہی بشرطیکہ اوسکی اولاد نابالغ ہو۔ اگر اوسکی اولاد بالغ ہو تو نہین مقرر کر سکتا۔ جب کوئی وصی جنون دائمی مین مبتلا ہو جائے تو قاضی اور کسی کو اوسکی جگہہ پر مقرر کر دے۔ اگر قاضی نے کسی کو وصی نہ مقرر کیا ہو اور وہ وصی جنون سے شفا پائے تو وہی وصی رہیگا۔

فصل دوم

تقرر اوصیاء کیونکر کیا جائے۔

وصی کو موصی الیہ بھی کہتے ہین اور اوسکی تعریف یہ لکھی ہی کہ ایک امین ہی جسکو موصی نے اس غرض سے مقرر کیا ہو کہ اوسکے مرنیکے بعد اوسکے مال اور اولاد کی نگرانی اور حفاظت اور انتظام کیا کرے۔ وہ اوسکا قائم مقام ہوتا ہی

اوصیاء کی تین قسمین ہین۔ اوّل وہ وصی جو اوس کام کو جو اوسکے سپرد کیا گیا ہی بجا لا سکتا ہی اوسکو وصی مقرر کہتے ہین اور وہ اوسکو قاضی معزول نہین کر سکتا۔ دوم وہ وصی جو سفیہ اور نالائق ہو اوسکا درگار قاضی کو مقرر کرنا چاہئیے۔ سوم وہ

[۱] شرائع الاسلام صفحہ ۳۰۵ ۔ ۱ مع القضا ۱۲ ۔ رد المختار صفحہ ۱۲۶۸۷ منہ ۔ وصی کا عہدہ قبول کرنا محض نامناسب ہی کیونکہ یہ ایک خطرناک امر ہی امام ابو یوسف سے منقول ہی کہ وصایت پہلی مرتبہ قبول کرنا خطا ہی دوسری دفعہ قبول کرنا فریب ہی تیسری مرتبہ قبول کرنا سرقہ ہی فتاوے عالمگیری صفحہ ۲۱۱ ۔ رد المحتار صفحہ ۱۲۶۵ منہ ۔ وصی کی حیثیت میں اور دوسرے شرع کی وصی کی حیثیت میں بموجب قانون انگلستان بڑا فرق ہی۔ شرع محمدی میں وصی موصی کی جائداد کے انتظام اور حفاظت کے لیے اوسکا قائم مقام ہی مگر کوئی حق اوس جائداد مین نہین رکھتا ہی۔ اسکا مقابلہ ایکسکیوٹر سے کرنا چاہئیے ۱۲ منہ

وصی جو فاسق یا کافر یا غلام ہو قاضی کو مناسب ہی کہ اوسکو موقوف کرکے دوسرے شخص کو اوسکی جگہ پر مقرر کرے۔

سابق مین بیان کیا گیا کہ (باستثنار اشخاص مذکورۂ بالا کے) موصی ہر شخص کو وصی مقرر کرسکتا ہی اور اوسکا تقرر اوسوقت وقوع مین آیگا جبکہ وہ اس عہدہ کو قبول کرے قبول قولاً وفعلاً دونون طرحسے ہوسکتا ہی اور موصی کی حیات مین یا اوسکی وفات کے بعد ہوسکتا ہی۔ موصی کی وفات کے بعد جو کارروائی اوسکی جائداد مین کیجائے وہ بمنزلۂ قبول ہی۔

جو شخص وصی مقرر ہوا ہو وہ وصایت سے استعفا دیسکتا ہی یا انکار کرسکتا ہی اور اگر وہ ایسا کرے تو اوسکا تقرر نافذ نہ ہوگا۔ جب تقرر اور قبول دونون فعل فریقین کی موجودگی مین واقع ہون تو کچھ دقت نہین ہی۔ مگر جب کسی شخص کو اوسکی غیبت مین وصی مقرر کردیا ہو اور جب اوسکو اطلاع ہو تو وہ کہے کہ مجھے منظور نہین ہی اور پھر کہے کہ منظور ہی تو یہ قبول جائز ہی مگر یہ کہ قبول کرنیکے پیشتر قاضی نے اوسکو معزول کردیا ہو۔ لیکن اگر موصی کی حیات مین تو اوسنے وصی ہونا نہ قبول کیا ہو اور اوسکے مرنیکے بعد قبول کرلیا ہو تو یہ قبول جائز نہ ہوگا۔ اگر اوسنے موصی کے سامنے سکوت کیا ہو اور پھر موصی کی حیات مین یا اوسکی وفات کے بعد قبول کرلیا ہو تو یہ قبول جائز ہوگا خواہ قاضی کے سامنے کیا گیا ہو خواہ نہ کیا گیا ہو مگر یہ کہ قبول کرنیکے پیشتر قاضی نے اوسکو معزول کردیا ہو کہ اس صورت مین اوسکا مابعد کا قبول ناجائز ہوگا۔ اگر وہ موصی کی غیبت مین کہے کہ مین نہین قبول کرتا اور یہ انکار موصی کو خط مین لکھ بھیجے یا کسی کے ہاتھ کہلا بھیجے اور پھر کہے کہ مین قبول کرتا ہون تو یہ قبول جائز نہ ہوگا۔

جب وصی کا عہدہ ایک مرتبہ قبول کرلیا جائے تو پھر استعفا[1] نہین ہوسکتا۔ مگر

---

[1] ردّ المختار صفحہ ۶۸۶۔ مگر اشباہ سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ ایسا کرسکتا ہی اگر وصیت نامہ مین اس مضمون کی کوئی شرط لکھی ہو ۱۲ منہ

وصی قاضی سے اپنے تئین موقوف کرا سکتا ہی۔ امام محمد نے جامع الصغیر مین فرمایا ہی کہ جب
کوئی شخص وصی مقرر کیا جائے اور موصی کی حیات مین اس عہدہ کو قبول کرے تو اوس
قبول کرنیوالے پر وہ عہدہ فرض ہو جائیگا پس اگر موصی کی وفات کے بعد وہ اوس عہدہ سے
علیحدہ ہونا چاہیے تو نہین علیحدہ ہو سکتا۔ لیکن اگر وہ موصی کی حیات مین اور اوسکے روبرو
استعفا دے تو وہ استعفا جائز ہی اور اگر اوسکے روبرو نہ دے تو نا جائز ہی۔ اوسکے روبرو سے
مراد اوسکے علم سے ہی اور اوسکے روبرو ہونے سے مراد اوسکی لاعلمی ہی۔ یہ محیط کے موافق ہی
اگر وصی موصی کے سامنے قبول کرے اور موصی اوسکی غیبت مین کہے کہ "مین نے اوسکو وصایت سے
بری کیا تم اس بات پر گواہ رہو" تو یہ ابرا جائز نہی[۱] لیکن اگر وصی ایک مرتبہ قبول کر چکا ہو
اور پھر موصی کی غیبت مین وصایت کو نا منظور کرے تو حنفیہ کے نزدیک یہ انکار باطل ہی
اسی کے مشابہ مذہب شیعہ کے احکام بھی ہین۔ یعنے لکھا ہی کہ موصی کی حیات مین وصی کو
وصایت سے انکار کرنا جائز ہی بشرطیکہ موصی کو اطلاع دیدی ہو۔ لیکن اگر موصی اوس
انکار کے قبل یا بعد مر جائے اور اوسکی اطلاع اوسکو نہ ہوئی ہو تو وہ انکار صحیح نہین ہو سکتا
اور وصی کو اپنے فرائض منصبی کی تعمیل واجب ہی[۲]۔ اگر وصی اپنے فرائض منصبی کے تعمیل کی
لیاقت نہ رکھتا ہو تو مجتہد اوسکا مددگار کسی کو مقرر کر سکتا ہی لیکن اگر وہ خائن یا جعلساز ہو
تو اوسکو موقوف کرکے دوسرے شخص کو اوسکی جگہ پر مقرر کرنا چاہیے۔

تقرر وصی اون سب الفاظ سے ہو سکتا ہی جنسے موصی کا منشا اپنی وفات کے بعد
اوسکو اپنا قائم مقام مقرر کرنیکا ظاہر ہو جائے۔ اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ "تم میرے
مرنیکے بعد میرے وکیل ہو" تو یہ بمنزلہ وصی مقرر کرنیکے ہو جائیگا۔
فتاوے قاضی خان اور خلاصہ اور کتب فقہ مین لکھا ہی کہ اگر کوئی شخص کسی سے
کہے کہ "مین اپنے مرنیکے بعد اپنے لڑکون کو تمھارے سپرد کرتا ہون" یا "میرے مرنیکے بعد

---
[۱] رد المحتار صفحہ ۲۱۱-۲۱۳ - فتاواے عالمگیری صفحہ ۶۸۶-۱۲ منہ [۲] شرائع الاسلام صفحہ ۲۵۲-۱۱ منہ

میری اولاد کا خیال رکھنا" یا اور ایسے ہی کلمات کہے جنسے دوسرے شخص کو موصی کے مرنیکے بعد اوسکی طرف سے کچھ افعال کرنیکا اختیار حاصل ہوجائے تو تقرر وصی ہوجائیگا۔ ایک کتاب میں لکھا ہی کہ اگر کوئی شخص چند اشخاص سے کہے کہ "یہ بات میرے مرنیکے بعد میری طرف سے کرنا" تو اس سے وہ سب اشخاص اوسکے اوصیاء ہوجائینگے۔ اور اگر وہ سب موصی کی وفات تک خاموش رہین اور بعد اوسکے اونمین سے صرف بعض لوگ قبول کرلین تو وہی اوصیاء ہوجائینگے۔ لکن اگر اونمین سے فقط ایک شخص قبول کرے تو وہ وصی کا کام نہ کرسکیگا جبتک کہ قاضی دوسرے شخص کو انتظام جائداد موصی مین اوسکا شریک نہ مقرر کرے اسواسطے کہ موصی کا منشا صاف یہ تھا کہ منصب وصی پر کئی شخص مقرر کیے جائین۔

وصی بغیر اپنی رضامندی اور بغیر اپنے علم کے معزول ہوسکتا ہی۔ وصی کی معزولی اور وکیل کی معزولی مین یہ فرق ہی کہ اوسکے موکل کو اوسے آگاہ کردینا چاہیئے کہ تم معزول کیے گئے۔

جب کسی شخص نے دو وصی مقرر کیے ہون تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک ایک وصی اکیلا اوسکی جائداد کا انتظام نہین کرسکتا اور جو فعل اونمین سے ایک وصی نے کیا ہو وہ بغیر دوسرے کی منظوری کے نہین نافذ ہوسکتا مگر بعض مقدمات مخصوصہ مین۔ مثلاً ایک وصی دوسرے سے علحدہ ہوکر موصی کا غسل اور دفن وکفن اور اوسکے جنازہ کی تشییع کرسکتا ہی اور اوسکا قرضہ اوسکی اوسی قسم کی جائداد سے جس قسم کا قرضہ ہی ادا کرسکتا ہی اور وصایاے مخصوصہ موصی لہم کو حوالہ کرسکتا ہی اور اوسکی امانتون کو واپس کرسکتا ہی اور جو چیزین اوسنے غصب کرلی ہون یا بذریعہ بیع ناجائز حاصل کی ہون اونکو واگذار کرسکتا ہی اور اوسکے کسی خاص غلام کو آزاد کرسکتا ہی اور اوسکی جائداد کی عام حراست کرسکتا ہی۔ مگر ایک وصی دوسرے سے علحدہ ہوکر موصی کی اوس امانت کو جو کسی شخص پاس ہو نہین لے سکتا یا اوسکا قرضہ کسی پر آتا ہو اوسکو نہین وصول کرسکتا البتہ اونمین سے

ایک اکیلا اوسکے حقوق کی نالش کرسکتا ہی - اوربعض علما نے یہ بھی فرمایا ہی کہ ایک وصی بلا اجازت
دوسرے وصی کے نابالغ کی طرف سے ہبہ کو قبول کرسکتا ہی اور اوسکے افعال کو منظور کرسکتا ہی
اور جو چیزین وزن یا پیمانہ ہوسکین اونکو تقسیم کرسکتا ہی اور جس چیز کے خراب ہوجانیکا اندیشہ ہی
اوسکو بیچ سکتا ہی - جب موصی نے یہ وصیت کی ہو کہ چند حصے میری جایداد کے فقرا و مساکین کو
خدا کی راہ مین دیدیے جائین اور اونکی تخصیص نہ کی ہو تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک
ایک وصی اس مقدمہ مین دوسرے وصی سے علیحدہ ہوکر نہین کام کرسکتا مگر امام ابو یوسف کے
نزدیک کرسکتا ہی لیکن اگر فقرا و مساکین کی تصریح کردی ہو تو دو مین سے ایک وصی سب
علما کے نزدیک اکیلا کام کرسکتا ہی - صورت مذکورۂ بالا مین یہ فرض کرلیا گیا ہی کہ دو
وصی ایک ہی کلام مین یعنے اکٹھا مقرر کیے گئے ہین - لیکن جب ایک وصی دوسرے سے پیشتر
مقرر کیا گیا ہو تو بعض علما حنفی کا قول ہی کہ اونمین سے ہر ایک وصی علیحدہ کام کرسکتا ہی
مگر بعض علما نے فرمایا ہی کہ امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک وہ انتظام جایداد موصی کے
مقدمہ مین علیحدہ علیحدہ کام نہین کرسکتے اور یہی قول علامہ سرخسی نے اختیار کیا ہی - البتہ
اگر دو وصی خاص اس شرط سے مقرر کیے گئے ہون کہ اونمین سے ایک اکیلا کام کرسکتا ہی
یا موصی نے کہدیا ہو کہ اونمین سے ہر ایک وصی تام ہی تو ہر ایک اکیلا اوسکی جایداد کا
انتظام کرسکتا ہی[1] -

جب دو وصی ہون تو اونمین سے ایک کے افعال باطل ہین تاوقتیکہ دوسرا اونکی
تصدیق نہ کرے جیسے دو متولیون مین سے ایک متولی کے افعال بغیر اتفاق دوسرے
متولی کے باطل ہین - اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر دو وصیون مین سے ایک وصی زمین وقفی کا
پٹہ لکھدے تو نہین جائز ہی تاوقتیکہ دوسرا وصی نہ منظور کرے اگرچہ دونون علیحدہ علیحدہ
وصی مقرر ہوے ہون - بعض علما نے مثل ابو لیث کے فرمایا ہی کہ جب دو وصی علیحدہ

[1] یہ اقوال فتاواے عالمگیری سے لیے گئے ہین ۱۲ منہ

علٰحدہ مقرر کیے گئے ہون تو وہ علٰحدہ علٰحدہ کام بھی کرسکتے ہین - مگر مبسوط مین قول اوّل کو اصح لکھا ہی اور یہی قول صاحب درمختار نے بھی اختیار کیا ہی - مگر یہ اوسوقت ہی جبکہ دونون وصیون کو موصی نے یا ایک ہی قاضی نے مقرر کیا ہو لکن اگر اونکو دو قاضیون نے مقرر کیا ہو تو وہ علٰحدہ علٰحدہ کام کرسکتے ہین کیونکہ دو قاضی اپنے اپنے حدود اختیار کے اندر جو کارروائی کرین وہ جائز ہی لہذا انتظام جائداد موصی جب اونکے نائب ہین تو اونکو بھی ایسا کرنا جائز ہی -

وصی شریک کی تصدیق بمنزلہ تجدید معاہدہ کے نہین ہی بلکہ اوس سے صرف وہ معاہدہ جو پہلے ناجائز تھا جائز ہو جاتا ہی - اگر ایک وصی دوسرے کے علم یا مرضی کے بغیر کام کرے اور کچھ جائداد کا نقصان ہو جاوے تو اوس نقصان کی تلافی یا اسکا فائدہ اسی وصی کو کرنی پڑیگی جسکے اکیلا کام کرنے سے وہ نقصان ہوا ہی - ایک وصی دوسرے وصی کو اپنا وکیل مقرر کرسکتا ہی اور اس صورت مین اکیلے اوس وصی کی کارروائیان جائز ہو جاوینگی -

خلاصہ یہ ہی کہ امام ابو یوسف کے نزدیک دو مین سے ایک متولی یا وصی اکیلا کام نہین کرسکتا مگر امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک کرسکتا ہی خواہ وہ دونون ساتھ مقرر ہوے ہون خواہ علٰحدہ علٰحدہ مقرر ہوے ہون - اور امام اعظم کا قول عموماً مفتی بہ ہی

افعال ایک وصی کے بلا شرکت دوسرے وصی کے موصی کا کفن خریدنے اور اوسکی تجہیز و تکفین مین اور اوسکے حقوق کی نالش کرنےمین اور اوسکی اولاد کے لیے اشیا ضروری خریدنے مین اور اوسکی طرف سے ہبہ قبول کرنےمین اور غلامون کو آزاد کرنےمین اور جو امانتین موصی پاس رکھی ہون اونکو واپس کرنےمین اور وصایاے مخصوصہ ادا کرنےمین جائز ہین[1] - شرح وہبانیہ مین ان امور کو بھی لکھا ہی کہ ایک وصی اکیلا کرسکتا ہے

[1] دو اس استثنار کی علت ضرورت ہی اسواسطےکہ ان امور مین تاخیر ہونے سے لاش کے سڑ جانیکا خوف ہی

یعنے جو چیزین موصی نے خیانت کرکے یا بذریعہ بیع ناجائز حاصل کی ہون اونکو واپس کرسکتا ہو
اور جن چیزون کا وزن یا پیمانہ ہوسکے اونکو تقسیم کرسکتا ہی اور موصی کے قرضدارون پر
اوسکے قرضہ کا تقاضا کرسکتا ہی اور اوسکا قرضہ ادا کرسکتا ہی۔

جب دو مین سے ایک وصی غیر حاضر ہو تو جو موجود ہی وہ اکیلا کام کرسکتا ہی بشرطیکہ
اوس وصی کی غیبت[۱] منقطع ہو یعنے وہ اتنے فاصلہ پر ہو کہ کوئی قافلہ یا کاروان وہان
نہ پہونچ سکتا ہو۔

ایک وصی اکیلا اوس چیز کو فروخت کرسکتا ہی جسکے ضائع ہوجانیکا اندیشہ ہو سابق
مین بیان کیا گیا کہ جملہ مقدمات مین ایک وصی کو اکیلا کام کرنا امام ابو یوسف کے نزدیک
جائز ہی مگر امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک نہین جائز ہی۔ مگر جب موصی نے وصیت مین
کہدیا ہو کہ دونون وصی بالمشارکت یا علٰحدہ علٰحدہ کام کرسکتے ہین تو سب علماء کے نزدیک
ہر ایک وصی اکیلا کام کرسکتا ہی۔

مسائل شیعہ شیعہ اور حنفیہ مین اس باب مین کچھ خفیف سا اختلاف ہی یعنے
بمذہب شیعہ مین یہ ہی کہ جب دو وصی عموماً یا خاص اس شرط سے مقرر کیے گئے ہون کہ وہ

اس وجہ سے ہمسایون کو متوفی کے تجہیز و تکفین کا حکم ہی اور جو مسافر راستہ مین مرجاے اوسکے ساتھی مسافرون کو اوسکے دفن و کفن کا
حکم ہی" ردالمختار ۱۲ منہ [۱] ایسی غیر حاضری کو اصطلاح فقہا مین غیبت منقطع کہتے ہین۔ یہ قاعدہ اس اصول پر مبنی ہی کہ دونون وصیون کو
بالمشارکت کام کرنا ضرور ہی کیونکہ جب ایک وصی اتنے فاصلہ پر ہو یا اتنی دور رہتا ہو کہ اوسکو خط نہ پہونچ سکے تا اوسکا خط نہ پہونچ سکے تو وہ
اوسوقت خاص مین شرعاً معدوم سمجھا جاتا ہی اور اوس حالت مین دونون وصیون کے بالمشارکت کام کرنیکی ضرورت شرعاً نہین ہی۔
جو چیزین موصی پاس امانت رکھی ہون اونکو ایک وصی پھیر سکتا ہی مگر جو چیزین موصی کی اور کسی کے پاس امانت رکھی ہون اونکو دو نون
وصی واپس لے سکتے ہین۔ یہ قول سبخی کا ہندیہ (فتاواے عالمگیری) مین لکھا ہی۔ اور یہی قول ابن شحنہ کا بھی ہی۔ مگر جب کوئی چیز
وصیت ادا کرنیکے لیے فروخت کرنی پڑے تو بغیر رضامندی دوسرے وصی کے نہین فروخت ہوسکتی۔
قاضی خان نے لکھا ہی کہ ایک وصی ہر چیز پر جو موصی کو قبل اوسکی وفات کے وراثتاً ملی ہو قبضہ کرسکتا ہی بشرطیکہ اوسپر قبضہ
نہ ہوا ہو اور جو جائداد یا امانتین موصی کی مکان مین رکھی ہون اونکو نقصان سے بچانیکے لیے بھی ایک وصی قبضہ کرسکتا ہی اور فک رہن
بھی کرسکتا ہی۔ ایک وصی موصی کے قرضہ کی جو کسی پر واجب الادا ہو رسید نہین دیسکتا مگر اوسکے قرضہ کا مطالبہ اور نالش کرسکتا ہی

دونون بالمشارکت کام کرین تو اونمین سے ایک بغیر دوسرے کے کام نہین کرسکتا اور اگر اونمین سے ایک اکیلا کام کرے تو اوسکے افعال ناجائز ہونگے سواے اون افعال کے جو نہایت ضروری ہون جیسے موصی کی اولاد نابالغ کے لیے نان ونفقہ مہیا کرنا۔ اور حاکم شرع کو واجب ہی کہ اونکو بالمشارکت کام کرنے پر مجبور کرے اور اگر یہ نہو سکے تو اون دونو کی جگہ پر اورون کو مقرر کردے۔ اسی طرح سے جب دو وصی ہون تو وہ جائداد کو باہم تقسیم کرکے اوسکا انتظام علٰحدہ علٰحدہ نہین کرسکتے۔ اور اگر اونمین سے ایک بیمار پڑجائے یا اپنے فرائض منصبی کی تعمیل کے قابل نہ رہے تو حاکم شرع کو واجب ہی کہ دوسرا وصی جو لائق ہی اوسکا شریک کسی کو مقرر کرے مگر یہ اختیار اوسوقت نہین عمل مین آسکتا جبکہ اونمین سے ایک مرجاے یا ناقابل ہوجائے کہ اس صورت مین جو وصی باقی رہگیا ہو وہ اکیلا کام کرسکتا ہی اور حاکم شرع کو دوسرا وصی مقرر کرنیکا اختیار نہین ہی جبتک موصی کا مقرر کردہ وصی زندہ ہی اور کام کرنیکی لیاقت رکھتا ہی۔ اگر موصی نے یہ شرط کرلی ہو کہ وصی بالمشارکت اور علٰحدہ علٰحدہ بھی کام کرین تو اس صورت مین وہ افعال جو اکیلے ایک وصی نے کیے ہون جائز ہین۔ اور وہ جائداد کو باہم تقسیم کرکے اوسکے ایک ایک جزو کا انتظام علٰحدہ علٰحدہ بھی اوسی طرح کرسکتے ہین جسطرح قبل تقسیم علٰحدہ علٰحدہ کام کرسکتے تھے۔

جب دو وصی دو مقصد سے مقرر کیے جائین ایک موصی کا قرضہ ادا کرنیکے لیے اور ایک اوسکی جائداد کا انتظام کرنیکے واسطے تو امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ دونو عموماً وصی ہین اور سب مقدمات مین کارروائی کرسکتے ہین۔ مگر امام محمد نے اسمین اختلاف کیا ہی اور فرمایا ہی کہ اونمین سے ہر وصی کا اختیار اوس مقصد پر محدود ہی جس مقصد کے لیے وہ مقرر کیا گیا ہی۔ مگر جب یہ شرط خاص کرلیجاے کہ ایک وصی اوس مقدمہ مین کارروائی نہ کرے جسکے واسطے دوسرا وصی مقرر کیا گیا ہی تو محمد ابن فضل نے فرمایا ہی کہ ہر وصی کے اختیار

سلہ شرایع الاسلام۔ مگر محقق کے نزدیک یہ قول مشکوک ہی ۱۲ منہ

اون حدود کے اندر محدود ہونگے جو موصی نے مقرر کردیے ہین اور اختلاف مذکورۂ بالا صرف اوس صورت مین ہی جبکہ ایسی شرط نہ کرلی گئی ہو اور فتوے امام اعظم کے قول کے موافق ہی۔[1]

جب دو مین سے ایک وصی مرجائے اور اپنے شریک کو اپنا وصی مقرر کرجائے تو اس صورت مین یہ وصی جو زندہ رہگیا ہی اصل موصی کی جائداد وغیرہ کی نسبت اکیلا کارروائی کرسکتا ہی۔ اگر وصی متوفی دوسرے شخص کو اپنا وصی مقرر کرے تو وہ شخص اوس وصی کا جو زندہ رہگیا ہی شریک ہوجائے گا اور وہ وصی اکیلا کام کرنیکا مستحق نہ ہوگا۔ جب وصی متوفی نے کوئی وصی اپنا نہ مقرر کیا ہو تو قاضی دوسرے شخص کو اوس وصی کے ساتھ شریک کردے جو زندہ رہگیا ہی کیونکہ موصی کا منشا یہی تھا کہ اوسکی وصیت کی تعمیل دو وصیون سے متعلق کیجائے۔ دُرر مین یہی لکھا ہی۔

جب دو مین سے ایک وصی مجنون ہوجائے یا اور کوئی عیب شرعی جو مانع وصایت ہی اوسمین ہوجائے تو قاضی اوسکا عوض مقرر کردے مگر اوسکے شریک کو اوسکا عہدہ نہین دیسکتا لکن اگر اونمین سے ایک وصی بے ایمان ہوجائے تو قاضی کو اختیار ہی کہ اور کسی شخص کو دوسرے وصی کے ساتھ شریک کردے یا اوسکو اکیلا کام کرنیکی اجازت دے۔

وصی کا وصی گو کیسا ہی بعید ہو اصل موصی کے وصی کی حیثیت سے کام کرسکتا ہی۔ امام شافعی نے اس مسئلہ مین اختلاف کیا ہی۔

وصی بالواسطہ کے اختیارات کے باب مین ردالمختار مین چار شقین لکھی ہین۔ (الف) یا وصی متوفی نے جب اپنا وصی مقرر کیا تھا اوسوقت اپنے اختیارات کی تصریح نسبت جائداد اصل موصی کے نکی تھی یعنے صرف یہ کہدیا تھا کہ "مین اس شخص کو اپنا وصی مقرر کرتا ہون" (ب) یا اوسنے اپنے اختیارات جو وہ اصل موصی کی جائداد مین رکھتا ہی صریحاً بیان کردیے تھے

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۱۵۔ ۱۲ منہ

یعنے یہ کہدیا تھا کہ "مین اس شخص کو اپنی جائداد کا وصی مقرر کرتا ہون" (ج) یا اوسنے صاف صاف کہدیا ہی کہ "مین اس شخص کو اپنے موصی کی جائداد کا وصی مقرر کرتا ہون" (د) یا اوسنے یہ کہدیا ہی کہ "مین اسکو دونون جائدادون کا وصی مقرر کرتا ہون"۔

جب وصی متوفی نے اختیارات کی تصریح نہ کی ہو یا صاف صاف کہدیا ہو کہ یہ شخص دونون جائدادون کا وصی ہی تو اکثر علمار کے نزدیک وصی متوفی کا وصی اصل موصی کا وصی ہوجائیگا۔ اس مسئلہ مین امام شافعی اور امام زفر نے اختلاف کیا ہی۔

جب وصی متوفی نے صرف اتنا کہدیا ہو کہ یہ شخص میری جائداد کا وصی ہی تو امام اعظم ابوحنیفہ سے دو قول اس مسئلہ مین منقول ہین جنمین سے قول راجح یہ ہی کہ وہ دونون جائدادون کا وصی ہوگا۔ اور صاحبین سے بھی اسمین دو قول منقول ہین جنمین سے قول اصح یہ ہی کہ اوسکے اختیارات اپنے موصی کی جائداد مین محدود رہینگے۔ اور اگر وصی متوفی نے کہا ہو کہ "مین اس شخص کو اصل موصی کا وصی مقرر کرتا ہون"۔ تو سب علمار کے نزدیک ایسا ہی ہوگا۔ تاتارخانیہ اور شرح طحاوی اور اور کتب معتبرہ مین یہی لکھا ہی۔

فتاواے عالمگیری مین اصول مصرحہ بالا اسطرح بیان کیے ہین۔

"جب کسی شخص نے دو وصی مقرر کیے ہون اور اونمین سے ایک وصی مرجائے تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک یہ ہی کہ جو وصی زندہ رہگیا ہی وہ موصی کی جائداد کا انتظام نہین کرسکتا بلکہ اوسکو چاہئیے کہ یہ مقدمہ قاضی کے سامنے پیش کرے اور اگر قاضی مناسب سمجھے تو اوسی کو تنہا وصی رہنے دے اور اختیار انتظام یا انتقال اوسکی طرف منتقل کردے یا متوفی کی جگہہ پر دوسرے شخص کو اوسکا شریک مقرر کرے۔ مگر امام ابویوسف کے نزدیک وہ وصی جو زندہ رہگیا ہی اکیلا کام کرسکتا ہی۔ کیونکہ اونکے نزدیک یہ ہی کہ جب دوسرا وصی زندہ تھا تب بھی وہ اکیلا کام کرسکتا تھا۔ اگر دو مین سے ایک وصی موصی کے مرنیکے بعد وصایت قبول کرلے اور دوسرا نہ قبول کرے یا اگر اونمین سے ایک موصی کے پیشتر ہی اور قبل اسکے کہ دوسرا

قبول کرے مرجائے تو ایک وصی اکیلا امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک کام نہین کرسکتا مگر امام ابو یوسف کے نزدیک کام کرسکتا ہی۔ جب ایک شخص نے دو وصی مقرر کیے ہون اور اونمین سے ایک مرجاے اور اپنے شریک کو اپنا وصی مقرر کرجائے تو یہ جائز ہی اور وہ شریک اصل موصی کی جائداد کا انتظام کرسکتا ہی کیونکہ جب وہ اپنے شریک کی اجازت سے اوسکی زندگی مین ایسا کرسکتا تھا تو اوسکے مرنیکے بعد بھی ایسا کرسکتا ہی گو ایک قول ایسے انتظام کے جواز کے خلاف بھی ہی مگر پہلا قول صحیح ہی"۔

اگر کوئی شخص ایک وصی مقرر کرکے اوسکو ہدایت کرے کہ فلان شخص کے ارشاد کے موافق عمل کرنا تو وہ وصی بغیر اوس تیسرے شخص کے علم یا صلاح کے کام کرسکتا ہی۔ لکن اگر موصی نے اوس سے یہ کہا ہو کہ "بغیر اوسکے علم یا ارشاد کے کوئی کام نہ کرنا" تو وصی کو بغیر اوسکے علم کے کام کرنا نہین جائز ہی اور یہی فتوی ہی۔ اگر موصی نے کہا ہو کہ "فلان شخص کی رائے کے موافق کام کرنا" یا "بغیر فلان شخص کی رائے کے کوئی کام نہ کرنا" تو پہلی صورت مین وہ شخص جس سے موصی نے خطاب کیا ہی وصی ہوگا اور دوسری صورت مین قول مشہور کے موافق وہ دونون وصی ہونگے۔ ابو نصر نے فرمایا ہی کہ اگر یہ کلمات کہے ہون کہ "اس مقدمہ مین فلان شخص کے حکم سے کام کرنا" تو وہی شخص خاص وصی ہی اور اگر یہ کلمات کہے ہون کہ "بغیر اوسکے حکم کے کام نہ کرنا" تو دونون وصی ہونگے اور ہمارے اصحاب (علماء حنفیہ) کے نزدیک یہی قول راجح ہی جب کوئی شخص ایک آدمی کو اپنا وصی اور دوسرے کو اوسکا مشرف یعنے ناظر مقرر کرے تو پہلا ہی شخص وصی ہوگا مشرف وصی نہ ہوگا البتہ مشرف کے تقرر کا یہ نتیجہ ہوگا کہ وصی بے اوسکے علم کے کام نہ کرسکیگا۔

مسائل شیعہ مذہب شیعہ مین یہ ہی کہ وصی موصی کی جائداد کے انتظام کو اپنے وصی کے سپرد نہین کرسکتا ہے اسلئے کہ یہ اختیار اوسکے لیے باقی رکھا گیا ہو۔ جب موصی نے وصی کو اجازت دیدی ہو کہ جب تم مرنے لگو تو میری جائداد کا انتظام اپنے وصی سے متعلق

کر دیا تو وہ اجماعاً ایسا کرسکتا ہی۔ اور قول مشہور کے موافق اوس ہنگام مین بھی وہ ایسا کرسکتا ہی جبکہ موصی نے اوسکو ایسے تقرر کا نہ حکم دیا ہو نہ منع کیا ہو گو بعض علما نے اسمین بھی اختلاف کیا ہی۔ جب اصل موصی کی وصیت مین کوئی حکم نہ ہو تو وصی کے مرنیکے بعد موصی کی جائداد کی نگرانی حاکم شرع سے متعلق ہوجاتی ہی۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص بے وصی مقرر کیے مرجائے تو اوسکے مال کی نگرانی اور انتظام حاکم شرع (مجتہد) سے متعلق ہوجائیگا اور اگر اوس مقام پر کوئی مجتہد نہ موجود ہو تو ہر مرد مومن جسکا اعتبار ہو سکتا ہو اوسکی جائداد کی حراست اور انصرام کرسکتا ہی اگرچہ یہ امر مشکوک اور اختلافی ہی۔

جب موصی نے کوئی وصی مقرر کر دیا ہو تو قاضی کوئی منتظم یا ناظر نہین مقرر کرسکتا مگر یہ کہ وصی غیر حاضر ہو اور اوسکی غیر حاضری غیبت منقطع کی حد تک پہونچ گئی ہو۔ شرح ابو سعود مین یہی لکھا ہی۔

اگر کوئی شخص موصی کی جائداد پر نالش کرے اور اوسکا وصی غیر حاضر ہو تو قاضی کسی کو موصی کی طرف سے مدعا علیہ مقرر کر دے تاکہ مدعی اپنا دعوے اوسپر اچھی طرح ثابت کرسکے۔ کیونکہ وصی کا اقرار موصی کے خلاف جائز نہین ہی اور صرف وصی کے قبول کر لینے سے مدعی موصی کی جائداد کی ڈگری نہین کرا سکتا۔

جب کسی نابالغ لڑکے کی جائداد کا انتظام اوسکا باپ کرتا ہو اور اوسکو ضایع و برباد کیے ڈالتا ہو تو قاضی اوس جائداد کو اوس سے چھین کر کسی امین کے سپرد کرسکتا ہی جو بطور وصی کے کام کریگا۔

فصل سوم

اوصیا کے اختیارات۔

شرع محمدی کے احکام وصی کے اختیارات کے باب مین اون قواعد سے مشابہ ہین جو قانون انگلستان مین ہین۔ مگر بعض امور مین اختلاف بھی ہی جسے

تو یہ تمام کرنی چاہیئے۔

جب موصی کی اولاد نابالغ ہو تو وصی کے اختیارات ایک حد تک منطلق ہین - یعنے اوسکو یہ اختیار ہی کہ عند الضرورت موصی کی جائداد کو بحکم اوسکی قیمت سے پہلے موصی کا قرضہ یا وہ قرضہ جو اوسکی اولاد نابالغ کی پرورش کے واسطے لیا ہو ادا کرے بعد اوسکے کوئی اور جائداد جسمین زیادہ نفع متصور ہو اوس سے خریدے - مگر بیع قیمت کافی پر کرنی چاہیئے یعنے اوس قیمت پر جو بیوپاریون مین قیمت واجبی ہو - وصی اوس جائداد کو خود اپنے ہاتھ یا اپنے کسی ایسے عزیز کے ہاتھ نہین فروخت کرسکتا جسکی شہادت اوسکے مقابل مین شرعاً مقبول نہ ہو۔

وہ سب قسم کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ مین نابالغ کا حصہ موصی کے شریک حصہ دارون یا موصی لہ سے لے سکتا ہی اگرچہ تقسیم جائداد مین کچھ تھوڑا سا فرق ہوجائے (غبن یسیر) لکن اگر اوسکی تقسیم مین غبن کثیر یعنے بڑی فرق ہوجاے تو وہ تقسیم ناجائز اور غیر موثر ہی۔

جب موصی کے سب ورثہ نابالغ ہون تو وصی موصی لہ کا حصہ دیکر جو باقی رہے اوسکو ورثہ کے لیے رکھ سکتا ہی اور یہ فعل اوسکا شرعاً جائز اور موثر ہی - اور اگر ورثۂ نابالغ کے حصون مین سے کچھ وصی کے ہاتھ سے ضایع ہوجائے تو اوسکا تاوان نہ وہ موصی لہ سے لے سکتے ہین نہ وصی سے لے سکتے ہین مگر یہ کہ وہ نقصان اوسکی غفلت یا کاہلی سے ہوگیا ہو - مگر جب بعض ورثہ بالغ اور غیر حاضر ہون تو وصی کو جائز ہی کہ اونکی طرف سے ہر چیز سواے عقار یعنے جائداد غیر منقولہ کے موصی لہ کے ساتھ تقسیم کرے اور نابالغون کے حصّے اپنے پاس رکھے۔

اگر سب ورثہ بالغ ہون یا اونمین سے بعض بالغ اور حاضر ہون تو وصی نے جو تقسیم جائداد منقولہ وغیر منقولہ کی کرلی ہو وہ ورثہ بالغ کے مقابل مین باطل ہی - لکن اگر ورثہ بالغ تو ہون مگر غیر حاضر ہون تو جو تقسیم وصی نے کی ہو وہ صرف جائداد غیر منقولہ مین ناجائز اور غیر موثر ہی بلکہ اگر ورثہ بالغ تو ہون مگر غیر حاضر ہون تو جو تقسیم جائداد منقولہ کی وصی نے موصی لہ کے ساتھ کی ہو وہ جائز ہی۔

جب موصی نے وصایائے مخصوصہ خاص اشخاص کے حق مین کیے ہون تو موصی لہم کی عدم موجودگی مین اگر وصی نے موصی کی جائداد کو تقسیم کردیا ہو تو وہ تقسیم ناجائز ہوگی۔ اور اگر موصی لہم کے حصے تلف ہوجائین تو وہ ورثہ کے حصون مین سے بقدر ثلث مال موصی حصہ لینے کا دعوے کرسکتے ہین[1]۔

مگر جب تقسیم قاضی نے کی ہو اور موصی لہ کا حصہ اوسنے اپنی حراست مین رکھا ہو تو وہ تقسیم صحیح ہی اور اگر موصی لہ کا حصہ قاضی کے پاس یا اوس شخص کے پاس جسکو اوسنے ناظر یا امین مقرر کیا ہو ضایع ہوجائے تو موصی لہ موصی کے ورثہ پر اوسکا دعوے نہین کرسکتا اور نہ قاضی اوسکا ذمہ دار ہوسکتا ہی[2]۔ مگر یہ قاعدہ صرف اون چیزون مین جاری ہوگا جنکا وزن یا پیمانہ ہوسکتا ہی۔ جو چیزین ایسی نہین ہین اونکی تقسیم بمنزلہ مبادلہ کے ہی جیسے بیع و شرا وغیرہ لہذا وہ تقسیم ناجائز ہی اسواسطے کہ دوسرے شخص کی جائداد کو بیع کرنا نہین جائز ہی۔ جب قاضی نے جملہ امور مین کسی شخص کو ایک یتیم کا ولی یا وصی مقرر کردیا ہو اور اوسنے اوسکی طرف سے تقسیم کی ہو اور خواہ جائداد منقولہ خواہ غیر منقولہ تقسیم کی ہو تو وہ تقسیم صحیح ہی لیکن اگر اوسکا تقرر کسی غرض خاص سے ہوا ہو مثلاً اوس یتیم کی پرورش یا اوسکے مال کے تحفظ کی غرض سے تو وہ تقسیم ناجائز ہی۔"

اختیارات اوس وصی کے جسکو مان نے یا اور کسی عزیز نے مثل بھائی یا چچا کے مقرر کیا ہو نہایت محدود ہین۔ اوسکو یہ اجازت نہین ہی کہ جو نابالغ اوسکے زیر حراست ہین اونکی جائداد غیر منقولہ مین کسی حال مین دخل دیسکے اور نہ اوس جائداد مین دخل دیسکتا ہی جو اون نابالغون نے سوائے اپنی مان کے اور کسی مورث کے ترکہ مین پائی ہو۔ البتہ وہ وصی اونکی اوس جائداد منقولہ مین جو اونھون نے مان کے ترکہ مین پائی ہو دخل دیسکتا ہی

[1] زیلعی کے نزدیک موصی لہم خود وصی پر بھی دعوے کرسکتے ہین مگر یہ سب اوسوقت ہی جبکہ تقسیم بغیر حکم قاضی ہوئی ہو۔ ۱۲ منہ

[2] ردالمختار صفحہ ۶۹۲ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۲۰ ۱۲ منہ

یا اوسکو تقسیم کرسکتا ہی بشرطیکہ اونکا باپ نہ زندہ ہو اور اوسنے کوئی وصی نہ مقرر کیا ہو۔

جب وصی موصی کے ورثہ مین تقسیم کرے اور وہ سب نابالغ ہون تو وہ تقسیم ناجائز ہی۔ اگر وہ سب بالغ ہون اور اونمین سے بعض غیر حاضر ہون اور جو حاضر یا موجود ہون اونمین تقسیم کردیجائے اور اونکے حصے ساری جائداد سے علیحدہ کردیے جائین تو وہ تقسیم[1] متاع یعنے جائداد منقولہ کی نسبت جائز اور جائداد غیر منقولہ کی نسبت ناجائز ہی۔

اگر ورثہ بالغ اور نابالغ دونون ہون اور ورثہ بالغ غیر حاضر ہون تو وہ تقسیم ناجائز ہی اگر ورثہ بالغ حاضر یا موجود ہون اور اونکے حصے نابالغون کے حصون سے علیحدہ کرکے اونکو دیدیے جائین مگر نابالغون کے حصے یکجا رکھے رہین اور اونمین فرداً فرداً تقسیم کردی جائین تو وہ تقسیم بھی جائز ہی۔ اور جب ہر ایک بالغ یا نابالغ کا حصہ اورون کے حصون سے علیحدہ کرلیا جائے تو وہ تقسیم ناجائز ہی۔ لیکن اگر بالغون کے حصے اونکو دیدیے جائین اور نابالغون کے حصے رکھ لیے جائین اور جب وہ سن بلوغ کو پہونچین تب اونمین تقسیم کیے جائین تو یہ تقسیم درمیان بالغون اور نابالغون کے جائز ہی۔

جب موصی نے وصیت نامہ مین وصی کو ہدایت کی ہو کہ میری جائداد کو بیچکر اوسکی قیمت سے اور کوئی جائداد خریدلینا تو وصی کو ایسا کرنا شرعاً جائز ہی۔

جب وصی نابالغ کے نام سے بلا ضرورت قرض لے تو وہ قرض اوس نابالغ پر نہ عائد ہوگا اور اگر اوس یتیم کا کچھ نقصان اوسمین ہوگا تو اوسکا ذمہ دار وہ وصی ہوگا۔

جب وہ وصی جسکو خود موصی نے مقرر کیا ہو کوئی چیز اوسکی جائداد مین سے فروخت کرڈالے تو اوسکے اس فعل کا جواز دو اعتبار سے دیکھا جائیگا۔ پہلے اس اعتبار سے

[1] اگر ورثہ تین دن کی مسافت یا اس سے زیادہ فاصلہ پر ہون تو یہ حکم ہی۔ یہ قول قہستانی کا ہی۔ بہرصورت اسقدر فاصلہ ہونا چاہیے[2] کہ خط کتابت مشکل سے ہوسکے ۱۲ منہ [2] فتاوائے قاضی خان وفتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۲۲ ۱۲ منہ

کہ موصی نے کچھ قرضہ تو نہین چھوڑا ہی یا کچھ مال از روے وصیت تو کسی کو نہین دیدیا ہی
دوسرے اس اعتبار سے کہ اوسنے قرضہ چھوڑا ہی یا کسی کے حق مین کچھ مال کی وصیت
کی ہی۔ مختصر علامہ قدوری کے باب اول مین لکھا ہی کہ جب موصی کی جائداد سے کوئی قرض
یا وصیت نہ ادا کرنی پڑے تو وصی اوسکی کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ کو بیچ سکتا ہی بشرطیکہ
موصی کے ورثہ نابالغ ہون۔ مگر شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا ہی کہ اس کتاب مین جو لکھا ہی
وہ متقدمین کا قول ہی اور متاخرین کے نزدیک نابالغ کے عقار یعنے جائداد غیر منقولہ
صرف اوسوقت فروخت ہو سکتی ہی جبکہ موصی کا کچھ قرضہ یا کوئی وصیت نہ ہو اور
جبکہ اوس نابالغ کو اوس جائداد کی قیمت کی ضرورت ہو یا کوئی شخص دوچند قیمت
دیکر اوسکے خریدنے پر آمادہ ہو یا اوسکے فروخت سے نابالغ کا اور کوئی فائدہ ہو یعنے
مثلاً جب خراج یعنے مالگذاری دینی ہو یا جب اوسکی آمدنی اوسکے خرچ سے کم ہو یا جب
وہ جائداد کوئی دوکان یا مکان ہو جو گرا پڑتا ہو۔ جب خراج دینا ضرور ہو اور موصی کی
جائداد علاوہ عقار کے اور کچھ بھی ہو تو پہلے اوسی کو بیچکر خراج ادا کیا جائیگا اور اگر وہ
غیر مکتفی ہو تو اوسوقت وہ عقار قیمت مناسب پر یا اوس قیمت پر جو اوسکی مالیت سے
بہت کم نہ ہو فروخت کیجائیگی مگر وصی اوسکو اوس قیمت سے جو لوگ عموماً دینا منظور کرین
بہت کم پر نہین بیچ سکتا۔ اسی طرح سے وصی نابالغ کے لیے کوئی چیز اوس قیمت پر جو اوسکی
مالیت سے زیادہ ہو نہین خرید سکتا"

ردالمختار مین اس اصول کو زیادہ تر شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہی اور لکھا ہی
کہ وہ متقدمین کا قول یہ تھا کہ وصی کو نابالغون کی جائداد غیر منقولہ بیچ ڈالنے کا اختیار ہی
مگر متاخرین نے اوسکے اختیار بیع کو چند قیود سے مقید کر دیا ہی کہ بے اون قیود کے لحاظ کے
وہ نابالغون کی جائداد غیر منقولہ کو نہین بیچ سکتا۔ ان قیود کی تصریح فتاوائے قاضیخان
مین موجود ہی اور زیلعی نے فرمایا ہی کہ صدر الشہید کے نزدیک فتوے متاخرین کے قول کے

موافق ہی اون قیود کی یہ تفصیل ہی کہ (۱) اگر موصی کچھ قرضہ چھوڑ کر مرگیا ہو اور اوسکے ادا کرنیکے لیے اوسکی جائداد کے ایک جزو کو بیچڈالنا ضرور ہو یعنے وہ قرضہ بغیر فروخت کیے ایک جزو جائداد غیر منقولہ کے نہ ادا ہوسکے تو وصی کو جائز ہی کہ اوسکو قیمت کافی پر بیچڈالے (۲) اگر موصی نے وصیت کی ہو کہ اتنا اتنا روپیہ نقد فلان فلان اشخاص کو دیدینا اور اوسنے کچھ نقد روپیہ نہ چھوڑا ہو جس سے وصایا ادا کیے جائین تو وصی جائداد غیر منقولہ کے ایک جزو کو جو اون وصایا کو ادا کرنیکے لیے کافی ہو فروخت کرسکتا ہی۔ (۳) اگر اوس جائداد کے منہدم ہوجانیکا خوف ہو مثلاً مکان ہو کہ گراجاتا ہو تو اوسکو بھی فروخت کرسکتا ہی۔ (۴) جب وہ مال کسی غاصب کے قبضہ مین ہو اور اوسکے ملنے کی امید نہ ہو تب بھی اوسکو فروخت کرسکتا ہی۔ (۵) جب اوس جائداد کے انتظام یا حفاظت کا خرچ اوسکی آمدنی سے زائد ہو تب بھی اوسکو فروخت کرسکتا ہی (۶) جب خراج شاہی یا مالگذاری سرکاری دینا ضرور ہو اور اوسکو ادا کرنیکے لیے کوئی سرمایہ نہ ہو تب بھی اوسکو فروخت کرنا جائز ہی۔ (۷) جب اوس جائداد کی دوگنی قیمت ملتی ہو تب بھی اوسکو فروخت کرنا جائز ہی۔

موصی کو جائز ہی کہ اپنے سوا اور ہر شخص کے ہاتھ نابالغون کی جائداد منقولہ کو فروخت کرڈالے یا ایسے شخص سے کوئی جائداد اونکے لیے خریدے لیکن اوسی قیمت پر خرید و فروخت کرے جو نرخ بازار کے موافق ہو۔ اگر خرید یا فروخت قیمت غیر کافی پر ہوئی ہو تو نہین جائز ہی اور منسوخ ہوسکتی ہی اور وصی اوسکا ذمہ دار ہی۔

جس وصی کو قاضی نے مقرر کیا ہو وہ نابالغون کی جائداد خود نہین خرید سکتا اور نہ اپنا مال اونکے ہاتھ بیچ سکتا ہی۔ مگر وہ وصی جسکو نابالغون کے باپ نے مقرر کیا ہو ایسا معاملہ شرعاً کرسکتا ہی۔ یہ قول امام اعظم کا ہی مگر ایسے معاملہ کے جواز کی یہ شرط ہی کہ اوسمین نابالغون کا فائدہ بدیہی ہو۔ صاحبین کے نزدیک ایسا

معاملہ مطلقاً ناجائز ہی ۔ فتوے امام اعظم کے قول کے موافق ہی۔[1]

بعض فقہار کے نزدیک باپ اپنی نابالغ اولاد کی جائداد کو بیچ سکتا ہی بشرطیکہ وہ امین و متدین ہو اور اوس بیع سے اونکا فائدہ صریحاً متصوّر ہو۔ مگر جب باپ امین و متدین نہو تو اوسکی نابالغ اولاد بعد بلوغ اوس بیع کو منسوخ کرسکتی ہی مگر یہ کہ وہ بیع اوس جائداد کی دوچند قیمت پر ہوئی ہو۔ فتوے اسی قول کے موافق ہی۔ حموی نے اپنی شرح اشباہ میں فرمایا ہی کہ باپ وصی سے زیادہ اختیار نہین رکھتا ہی اور اوسکے اختیارات بھی اونھین قیودسے مقید ہین۔ اور اسی قول کے موافق حنوطی نے بھی فتوے دیا ہی۔ یہ سب جائداد غیر منقولہ کی بیع سے متعلق ہی۔ اب رہی جائداد منقولہ اوسکے باب مین حکم شرع یہ ہی کہ باپ اپنی نابالغ اولاد کا مال قیمت رائج پر بیچ سکتا ہی بشرطیکہ اوسمین نابالغ کا فائدہ ہو بلکہ اگر حقیقۃً بہا فرق ہو فرق عظیم نہ ہو تو بھی اوسکو فروخت کرسکتا ہی لکن اگر بہت تفاوت ہو تو وہ بیع ناجائز ہی۔

نابالغ کے مال سے وصی خود تجارت نہین کرسکتا مگر دُرر مین لکھا ہی کہ اوسکی طرف سے اوسکے مال مین تجارت کرسکتا ہی بشرطیکہ اوسمین نابالغ کا فائدہ ہو۔ اگر وصی نابالغ کے مال سے تجارت کرے تو جو منافع اوسمین ہو بعض علمار کے نزدیک وہ صدقہ ہی اور جو روپیہ اوس تجارت مین لگایا ہو وہ نابالغ کو پھیر دینا چاہیئے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ ہی کہ جو منافع ایسی تجارت مین ہو وہ اوس نابالغ کا مال ہی اور قاضی خان نے اسی قول کے موافق فتوے دیا ہی۔ مگر قاضی وصی کو اجازت دیسکتا ہی کہ نابالغ کے مال سے اوسکی طرف سے تجارت کرے یا اوس سے مضاربت کرے یعنے اور شخص کے ساتھ شریک ہو کر تجارت کرے۔

اگر ضرورت ہو اور نابالغ کا فائدہ متصور ہو تو وصی اوسکی جائداد کو کرایہ پر دیسکتا ہی

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۲۲ - ۱۲ منہ

مگر بغیر اجازت قاضی کے اوسکو رہن نہین رکھ سکتا لیکن وہ موصی کے متاع کو یعنے جائداد منقولہ کو بیچ سکتا ہی اگر اوسکی نابالغ اولاد کے نفقہ کے لیے اوسس جائداد کو بیچنا ضرور ہو۔

اگر وصی نابالغ کے اسباب کو اعتبار پر فروخت کرے تو اوسکی میعاد معمولی ہونی چاہیئے۔ لیکن اگر اوس فروخت سے نابالغ کا نقصان ہو یا جس میعاد تک اعتبار کیا گیا ہو وہ طولانی یا غیر معمولی ہو تو بھی ولی کے نزدیک یہ معاملہ جائز ہوگا۔

جب دو وصیون کے زیر حراست دو نابالغ ہون اور ایک نابالغ کا وصی اوسکی جائداد دوسرے کے ہاتھ فروخت کرے تو قاضی خان نے اس بیع کو ناجائز لکھا ہی اور فتاوائے عالمگیری مین اس قول کو قبول کرلیا ہی۔ مگر ردّ المختار مین اس قول کی صحت مین کلام کیا ہی اور لکھا ہی کہ ایسی بیع کو ناجائز قرار دینے کی کوئی وجہ نہین ہی کیونکہ وصی نے یہ بیع اپنی طرف سے نہین کی ہی اور کسی خاص جائداد کو ایک نابالغ کی طرف سے فروخت کرنا اوسکے حق مین اوسی قدر مفید ہو سکتا ہی جسقدر دوسرے نابالغ کو اوسکے خریدنے سے فائدہ ہو سکتا ہی۔

نابالغ کے مال کی خرید یا فروخت مین جو معاوضہ یا قیمت ملے یا دیجائے اگر وہ بہت کم ہو تو اوسکا ذمہ دار وصی ہی۔

وصی کو موصی کی تجہیز و تکفین مین معمول یا دستور سے زیادہ نہ صرف کرنا چاہیئے۔

جب نابالغ ہنوز رشید نہوا ہوا اور وصی نے اوسکو جائداد حوالہ کی ہو اور وہ تلف ہوگئی ہو تو اوسکا ذمہ دار وصی ہی۔ رشد کے معنے اپنے مال کی حراست کی قابلیت ہی۔ امام اعظم کا قول یہ ہی کہ وصی نابالغ کو اوسکی جائداد نہ حوالہ کرے جبتک کہ اوسکی عمر ۲۵ سال کی نہ ہو جائے۔ مگر صاحبین کا قول یہ ہی کہ جب لڑکا بالغ ہو جائے تو اوسکو رشید بھی قیاس کرلینا چاہیئے البتہ اس قیاس کی تردید اس طرح ہو سکتی ہی کہ

یہ ثابت کر دیا جائے کہ وہ سفیہ یا ضعیف العقل ہی یا اپنی جائداد کی حراست کی قابلیت نہین رکھتا ہی۔

جب موصی اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت اسطرح کرے کہ میرے اوصیا بہ ستار کبت یکدیگر اسکو جو چاہین کرین اور اونمین سے ایک وصی مرجائے تو وہ ثلث موصی کے ورثہ کو واپس دیا جائیگا۔

جب سب ورثہ بالغ ورشید اور حاضر ہون تو وصی بے اونکی اجازت کے کوئی چیز جائداد نہین فروخت کرسکتا۔ لکن اگر وہ غیر حاضر ہون تو وصی جائداد منقولہ کو فروخت کرسکتا ہی مگر عقار یعنے جائداد غیر منقولہ کو نہین بیچ سکتا۔ یہ قید اس اصول پر مبنی ہی کہ وصی اختیار حفاظت شخص غیر حاضر کی جائداد کا رکھتا ہی اور جب مال منقول کے تباہ و برباد ہوجانیکا گمان ہو تو اوسکو فروخت کرڈالنا ضروری ہی اور وصی اوسکو شخص غیر حاضر کی غیبت مین فروخت کرکے اوسکی قیمت وصول کرنیکا اختیار رکھتا ہی۔ مگر عقار یعنے مال غیر منقول فی نفسہ محفوظ ہی لہذا وصی اوسکو فروخت کرنیکا اختیار نہین رکھتا ہی مگر اوس صورت مین جبکہ وہ جائداد غیر منقولہ ضایع و برباد ہوئی جاتی ہو کہ اس صورت مین وہ بھی فروخت ہوسکتی ہی۔ جب سب ورثہ بالغ ہون اور اونمین سے ایک وارث غیر حاضر ہو اور دیگر ورثہ حاضر ہون تو وارث غیر حاضر کے اوس حصہ کو جو عقار یعنے مال غیر منقول نہو وصی اجماعاً (باتفاق علماء) اوسکے تحفظ کی غرض سے فروخت کرسکتا ہی۔ امام اعظم کے نزدیک وصی اون ورثہ کے حصون کو بھی فروخت کرسکتا ہی جو حاضر ہون مگر صاحبین کے نزدیک اونکے حصون کی بیع ناجائز ہی اور قول مختار یہی ہی۔

یہ سب اوس صورت مین ہی جبکہ موصی نے کچھ قرضہ نچھوڑا ہو یا وصیت نہ کی ہو۔ لکن اگر اوسکا قرضہ اسقدر ہو کہ اوسکی ساری جائداد اوسمین مستغرق ہو تو وصی کل جائداد کو اجماعاً فروخت کرسکتا ہی اور اگر قرضہ اسقدر نہو کہ تمام جائداد اوسمین

مستغرق ہوجائے تو وصی صرف اوسقدر جائداد فروخت کرسکتا ہی جسقدر اوس قرضہ کو ادا کرنیکے لیے ضرور ہو۔ مگر جب وصی نے عقار یعنے جائداد غیر منقولہ کو قرضہ ادا کرنیکے لیے نیک نیتی سے فروخت کر ڈالا ہو اور کچھ اور جائداد بھی اوسکے پاس ہو جو اوس مقصد کے لیے کافی ہو تو وہ بیع جائز ہی۔ اسی طرح سے جب موصی نے متعدد وصیتین کی ہون تو وصی اوسکی اوسقدر جائداد فروخت کرسکتا ہی جسقدر اون وصایا کی تعمیل کے کافی ہو بشرطیکہ وہ دیون مذکورہ ادا کرنیکے بعد ثالث مال سے زائد نہ ہوجائے۔

اگر کوئی شخص چند ورثہ چھوڑ جائے اور اونمین سے ایک نابالغ اور باقی سب بالغ ہون اور اوسکی جائداد پر قرضہ یا وصایا کا بار نہ ہو اور کُل جائداد منقولہ ہو تو وصی اوس نابالغ کے حصہ کو فروخت کرکے اوسکی قیمت سے اور کوئی جائداد جس سے نابالغ کا زیادہ فائدہ متصور ہو خرید سکتا ہی۔ یہ مسئلہ اجماعی ہی۔ امام اعظم کا قول ہی کہ وہ دیگر ورثہ کے حصص کو بھی فروخت کرسکتا ہی۔ مگر صاحبین نے اسمین اپنے استاد سے اختلاف کیا ہی۔

وصی نابالغ کے اوس سرمایہ سے جو خود اوسکے پاس ہو کچھ قرض نہین لے سکتا۔

وصی اوس سرمایہ سے اپنا وظیفہ معینہ سے زیادہ نہین لے سکتا مگر باپ اپنی نابالغ اولاد کی جائداد سے اوسقدر لے سکتا ہی جسقدر اوسکے (باپ کے) گذارہ کے لیے ضرور ہو۔ لیکن وصی ایسا نہین کرسکتا۔

جو وصی مُفت مقرر کیا گیا ہو وہ موصی کی جائداد کے انتظام پر مجبور نہین ہوسکتا لہذا قاضی اوسکا کچھ وظیفہ مقرر کرسکتا ہی۔ یہی فتوے ہی۔ مگر فتاوے قاضی خان مین لکھا ہی کہ جب وصی کے لیے کچھ نہ مقرر کیا گیا ہو تو وہ ایک محدود اور واجبی رقم بطور اُجرت بقدر اپنی ضرورت کے لے سکتا ہی اور اگر ضرورت ہو تو وہ نابالغ کی سواریون کو اوسکے کام کے لئے آجا سکتا ہی اگرچہ چند علمار نے اسکو ناجائز قرار دیا ہی۔

حنفیہ کے نزدیک باپ کا وصی اوسکی نابالغ اولاد کی ولایت کا مستحق بہ ترجیح دادا کے ہے
وصی کسی قرضہ کا اقرار موصی کی جائداد پر نہین کرسکتا اور مُقر لہ اپنا مطالبہ پانیکا
مستحق نہ ہوگا تاوقتیکہ اپنا دعوے کسی دلیل سے ثابت نہ کردے - اور وصی یہ اقرار بھی
نہین کرسکتا کہ اور کوئی شخص موصی کے ترکہ مین حصہ پانیکا مستحق ہی مگر یہ کہ وہ خود ایک وارث
ہو کہ اس صورت مین اوسکا اقرار خود اوسکے حصہ مین نافذ ہوگا -

جب کوئی شخص بلا وصیت مرگیا ہو اور کسی کو اپنا وصی نہ مقرر کیا ہو اور قاضی سے
رجوع نہ کی گئی ہو تو اہل محلہ مین سے کوئی شخص بشرط ضرورت اوسکی جائداد کا
انتظام کرسکتا ہی - یہی فتوے ہی -

جب متوفی کی جائداد مقروض ہو مگر بمقدار قرضہ اوس جائداد سے زائد نہ ہو اور
وہ اوسکے ورثہ مین تقسیم کردی جائے اور بعد ازآن کوئی قرضہ کا مدعی پیدا ہو تو وہ
شخص اپنا قرضہ ورثہ سے اونکے حصون کی مقدار کے موافق رسدی وصول کرنیکا مستحق
ہوگا مگر صرف اسطور سے وصول کرسکتا ہی کہ سب ورثہ کو قاضی کے سامنے لیجائے - اور
اگر ورثہ مین سے ایک شخص پر نالش کرے تو جسقدر اوسکے پاس جائداد موجود ہو اوسی قدر
وہ اپنا قرضہ وصول کرسکتا ہی -

نابالغ اولاد کی جائداد کی ولایت کا حق باپ بہ ترجیح دیگر اشخاص کے رکھتا ہی اور
جب باپ موجود نہ ہو تو اوسکا وصی یہ حق رکھتا ہی - جب باپ بلا تقرر وصی مرگیا ہو
تو ولایت دادا سے متعلق ہوگی اور اوسکی عدم موجودگی مین اوسکے وصی سے اور وصی کے
وصی سے متعلق ہوگی - اگر اون مین سے کوئی نہ ہو تو ولایت قاضی سے یا جس شخص کو
وہ مقرر کردے اوس سے متعلق ہوگی -

اصول مصرحۂ بالا کو فتاوے عالمگیری مین بعبارت ذیل بیان کیا ہی - باپ کا
وصی بجائے باپ کے ہی - اسی طرح سے دادا کا وصی بجائے باپ کے وصی کے ہی

اور دادا کے وصی کا وصی بجاے دادا کے وصی کے ہی اور قاضی کے وصی کا وصی بجاے قاضی کے وصی کے اوس صورت مین ہی جبکہ اوسکا تقرر عام طور سے ہوا ہو۔

اگر باپ کسی کو وصی مقرر کرے اور چند اولاد چھوڑ کر مر جائے اور اونمین سے بعض بالغ اور بعض نابالغ ہون اور موصی کے مرنیکے بعد اونمین سے بعض اولاد مر جائین اور نابالغ اولاد چھوڑ جائین تو باپ کا وصی اون اولاد کا بھی وصی ہوگا اور اونکی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ دونون کے انتظام کا مستحق ہوگا اور بہ پابندی قیود مصرحۂ بالا اوسکو فروخت کر سکیگا۔

مگر وہ وصی جسکو بھائی یا مان یا چچا یا اور کسی عزیز نے مقرر کیا ہو کچھ اختیارات نہین رکھتا ہی۔ یہ اقربا نابالغ کی جائداد غیر منقولہ کو نہین فروخت کر سکتے صرف اوسکے جان و مال کی حفاظت کر سکتے ہین [1] اور اوسکی طرف سے تجارت بھی نہین کر سکتے البتہ مایحتاج مثل غذا اور لباس کے اوسکے لیے خرید سکتے ہین۔ اور صرف اوس مال منقول کو بیع کر سکتے ہین جو نابالغ کو اوس شخص سے جسنے وصی مقرر کیا ہو وراثتًا ملا ہو۔ کیونکہ وہ ضائع ہونے مال منقول کی قیمت کی حفاظت کرنا خود اوس مال کی حفاظت سے آسان ہی۔

خلاصہ یہ ہی کہ جو وصی مان نے مقرر کیا ہو وہ کچھ دست اندازی اوس جائداد مین نہین کر سکتا ہی جو اولاد کو اپنے باپ یا اور کسی عزیز سے وراثتًا ملی ہو خواہ وہ جائداد مقروض ہو خواہ نہ ہو اور نہ وہ کسی جز جائداد غیر منقولہ کو جو نابالغ نے اپنی مان سے وراثتًا پائی ہو فروخت کر سکتا ہی مگر یہ کہ وہ جائداد مقروض ہو یا اوسمین سے وصیتین ادا کرنی ہون۔ اگر وہ جائداد مقروض ہو یا اوسمین سے وصیتین ادا کرنی ہون تو وہ اوس جائداد منقولہ یا غیر منقولہ کے اوس جز کو جو قرضہ ادا کرنیکے لیے کافی ہو فروخت

[1] رد المختار صفحہ ۶۹۷ ۱۲ منہ

کرسکتا ہی۔ اگر سب ورثہ بالغ اور حاضر ہون اور وہ جائداد قرضہ سے بری ہو تو وصی اوسکے کسی جزو کو نہین فروخت کرسکتا لکن اگر وہ جائداد مقروض ہو تو اوسکے اختیارات اونھین احکام کے تابع ہین جو اوس وصی کے اختیارات سے متعلق ہین جسکو باپ نے مقرر کیا ہو۔ اگر بعض ورثہ بالغ اور بعض نابالغ ہون اور ورثہ بالغ غیر حاضر ہون اور وہ جائداد قرضہ سے بری ہو تو وہ وصی جائداد منقولہ کو بیچ سکتا ہی خواہ وہ بالغ کے حصہ کی ہو خواہ نابالغ کے حصہ کی ہو مگر عقار یعنے جائداد غیر منقولہ بالغ یا نابالغ کی نہین فروخت کرسکتا۔ اگر وہ جائداد مقروض ہو تو مان کا وصی بعینہ وہی اختیارات رکھتا ہی جو باپ کا وصی رکھتا ہی۔ اگر ورثہ بالغ حاضر ہون اور جائداد قرضہ سے سبکدوش ہو تو وصی نابالغ کا حصہ جائداد منقولہ کا فروخت کرسکتا ہی مگر اس مسئلہ مین اختلاف ہی کہ آیا بالغ کے حصہ کو فروخت کرسکتا ہی یا نہین۔ عقار کو تو یقیناً نہین بیچ سکتا۔ مان کا وصی اوسکی اولاد کے لیے کوئی چیز نہین خرید سکتا سوائے غذا اور لباس کے جو اوسکے بقا کے واسطے ضرور ہین۔ جو کچھ مان کے وصی کے باب مین بیان کیا گیا ہی وہی بھائی اور چچا کے وصی پر بھی صادق آتا ہی اور اصول یہ ہی کہ وصی کے اختیار کا اندازہ موصی کے اختیار سے کیا جاتا ہی[1]۔

وصی اسکا مستحق ہی کہ جو کچھ اوسنے نابالغون کی طرف سے صرف کیا ہو اونکی جائداد سے وصول کرے مگر اوسکو اوسکا ثبوت رکھنا چاہئیے۔ لکن فتاوائے قاضی خان مین لکھا ہی کہ وصی اوس صرف کو نابالغ کی جائداد سے لے سکتا ہی گو وہ اس بات کے گواہ نہ رکھتا ہو کہ وہ صرف خاص اوسنے کیا تھا۔ مگر انھین سے کوئی قید باپ یا مان سے نہین متعلق ہی درحالیکہ وہ وصی ہون۔ گو اونکو بھی شہادت یا ثبوت رکھنا بہتر ہی۔

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۵۳۳ ج ۲ ۱۲ منہ

وصی اسکا بھی مستحق ہی کہ جو کچھ اوسنے موصی یا اوسکے کسی وارث کی تجہیز و تکفین مین اپنے پاس سے خرچ کیا ہو اوسکو اوسکی جائداد سے وصول کرے یا جو قرضہ اوسنے موصی یا اوسکے وارث کا اپنے پاس سے ادا کیا ہو اوسکو بھی وصول کرسکتا ہی۔

جب وصی کوئی دعوے موصی کی جائداد سے بلا ثبوت کافی ادا کرے تو موصی کی جائداد سے اوسکو وہ رقم مجرا نہ ملیگی جسوقت موصی کے قرضخواہ اوسپر اعتراض کرینگے لکن اگر اوسنے دہانید شہادت کافی بری کی ہو تو پھر وہ بری الذمہ ہی۔ اس مسئلہ مین مشائخ (علماء حنفیہ) نے اختلاف کیا ہی کہ جب دو شخص عادل وصی کے سامنے قرضہ کی گواہی دین مگر قاضی کے سامنے گواہی نہ دین اور موصی کے ورثہ اوسکا انکار کرین تو آیا وہ اوسکو وصی ادا کرسکتا ہی یا نہین۔ بعض کا قول ہی کہ ادا کرسکتا ہی اور بعض نے فرمایا ہی کہ نہین ادا کرسکتا۔

جب وصی نے ایک قرضخواہ کا قرضہ بغیر حکم قاضی کے ادا کردیا ہو تو وہ اور قرضخواہان کا بھی ذمہ دار ہی لکن اگر قاضی کے حکم سے ادا کیا ہو تو نہین ذمہ دار ہی۔ اسی طرح سے جب قاضی کے حکم سے کوئی قرضہ متوفی کی جائداد سے واجب الادا ہوگیا ہو اور وصی نے وہ قرضہ ادا کردیا ہو اور بعد اوسکے اور کوئی شخص اوس جائداد پر قرضہ کا دعوے کرے تو وصی اوسکا ذمہ دار نہین ہی اگر اوسنے قاضی کے حکم سے ادا کیا ہی۔ لکن یہ دوسرا قرضخواہ پہلے قرضخواہ پر اپنے حصہ کے قرضہ کی نالش کرسکتا ہی بشرطیکہ جو کچھ اوسکو ملا ہو وہ ہنوز موجود ہو۔ اور اگر وہ پہلے قرضخواہ کے پاس ضایع ہوگیا ہو تو وہ دوسرے قرضخواہ کا ذمہ دار بقدر اوسکے حصہ کے ہی مگر وصی کسی طرح اوسکا ذمہ دار نہین ہی۔ برخلاف اسکے اگر وصی نے قاضی کے حکم کے بغیر قرضہ ادا کردیا ہو تو دوسرا قرضخواہ یا وصی پر دعوے کرسکتا ہی یا پہلے قرضخواہ پر دعوے کرکے اپنے واجبی حصہ اوس چیز کا وصول کرسکتا ہی جو اوسکو ملی ہی۔

اگر وصی کل جائداد موصی کی اوسکی اولاد نابالغ کے صرف مین لاچکا ہو اور اب کچھ

اوسمین سے نہ باقی رہا ہوا اور بعد اوسکے کوئی شخص اوس جائداد پر دعوے کرے اور اوسکو ثابت کردے اور قاضی اوسکو ڈگری دے تو سوال یہ ہی کہ آیا یہ مدعی وصی کو ذمہ دار قرار دیسکتا ہی معلوم ہوتا ہی کہ اگر وہ روپیہ قاضی کے حکم سے صرف ہوا تھا تو وصی ذمہ دار نہین ہی اور اگر قاضی کے حکم سے نہین ہوا تھا تو وصی اوسکا ذمہ دار ہی۔

مسائل شیعہ۔ وصی متوفی کی جائداد کے نقصان یا ضایع ہونیکا ذمہ دار نہین ہی مگر یہ کہ وہ نقصان یا تضییع اسوجہ سے ہوئی ہو کہ وصی نے اپنے منصب کے قواعد یا شرائط سے عدول و انحراف کیا ہو یا غفلت کی ہو۔ اگر وہ موصی کا قرضخواہ ہی تو بلا حکم حاکم شرع اپنا قرضہ اوسکی جائداد سے لے سکتا ہی بشرطیکہ اوسکا ثبوت رکھتا ہو اور بعض علمار کا قول ہی کہ وہ سب صورتون مین بغیر حکم حاکم شرع کے ایسا کرسکتا ہی۔ شرائع الاسلام مین لکھا ہی کہ وصی متوفی کی جائداد کا کوئی جز خود اپنے لیے نہین خرید سکتا ہی مگر محقق کے نزدیک ،،وہ اوسکو بقیمت واجبی خرید سکتا ہی،،

شیعہ نے حنفیہ سے اِس مسئلہ مین اختلاف کیا ہی کہ شیعہ کے نزدیک متوفی کے باپ کی موجودگی مین دوسرے شخص کو وصی مقرر کرنا نہین جائز ہی اور اطفال نابالغ کی ولایت کا حقدار دادا ہی باپ کا وصی نہین ہی۔ مگر ابن جنید کے نزدیک باپ بقدر ایک ثلث اپنے مال کے اور واسطے عمل مین لانے تمام حقوق و دعاوی کے جو اوسکی جائداد پر ہون وصی مقرر کرسکتا ہی،،

حنفیہ کے نزدیک وصی کی قابلیت مین اوسوقت کو دخل ہی جسوقت موصی نے وفات پائی تھی۔ مثلاً اگر کوئی نابالغ یا غلام وصی مقرر کیا جائے اور موصی کی وفات کے پیشتر بالغ یا آزاد ہوجائے تو یہ تقرر صحیح ہی۔ بعض علمار شیعہ کا علے الخصوص ابن جنید کا بھی یہی قول ہی۔ مگر محقق ابو القاسم حلی کے نزدیک قول مشہور یہ ہی کہ جو اوصاف وصی مین ہونے چاہئین اونمین اوسکے وقت تقرر کو دخل نہین ہی لہذا نابالغ یا غلام یا اور کسی شخص کو

جو وصایت کی قابلیت شرعیہ نہ رکھتا ہو وصی مقرر کرنا ابتداءً ناجائز ہی گو وہ عدم
قابلیت موصی کی وفات کے قبل دفع ہوگئی ہو۔

موصی ہر شخص کا وصی یا ولی مقرر کرسکتا ہی جسپر وہ اختیار پدری از روئے شرع محمدی
عمل مین لا سکتا ہی مثلاً اوس لڑکے کا وصی یا ولی مقرر کرسکتا ہی جو اوسکی نسل سے ہو گو کیسا ہی
بعید ہو بشرطیکہ وہ طفل صغیر یا نابالغ ہو۔ لکن اگر کوئی شخص اپنی اولاد بالغ و رشید کا
وصی مقرر کرے تو وہ تقرر شرعاً غیر موثر ہی۔ اور اگرچہ وہ تقرر اوس جائداد کی نگرانی کے لیے
عمل مین آیا ہو جو خود موصی اون لوگون کے لیے بطور ترکہ کے چھوڑ گیا ہو تو بھی وہ وصی
بقدر ثلث مال بھی اوسمین دخل نہین دیسکتا۔ مگر وہ اوس مال مین سے اوسقدر علیحدہ
کرسکتا ہی جسقدر موصی کا قرضہ یا وصایا ادا کرنیکے لیے کافی ہو۔

ہر شخص کو جس سے کسی یتیم کی جائداد کی نگرانی متعلق ہو جائز ہی کہ اوسمین سے اپنا حق
المحنت بمقدار معمولی لے لے۔

مسائل حنفیہ۔ جب کوئی شخص ایک کام کے لیے مثلاً اپنا قرضہ ادا کرنیکے لیے
ایک وصی مقرر کرے اور اپنی جائداد کے انتظام کے واسطے دوسرا وصی مقرر کرے یا یہ الفاظ
کہے کہ "مین فلان شخص کو اپنے قرضہ کے لیے وصی مقرر کرتا ہون اور کسی امر کے لیے نہین
مقرر کرتا ہون اور فلان شخص کو اپنی تمام جائداد کا وصی مقرر کرتا ہون" تو امام اعظم
اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ دونون سب مقدمات مین اوسطرح وصی ہونگے
گویا کہ موصی نے اونکو عموماً وصی مقرر کیا تھا مگر امام محمد کے نزدیک ہر ایک وصی اوس خاص
کام کا پابند ہی جس کام کے لیے وہ مقرر کیا گیا ہی۔ جب یہ خاص شرط کر لی گئی ہو کہ ایک
وصی اوس کام مین دخل نہ دے جسکے لیے دوسرا وصی مقرر کیا گیا ہی تو محمد ابن فضل کا قول ہی
کہ اونکے اختیارات موصی کی وصیت کے موافق محدود ہونگے مگر جب اوسنے ایسی کوئی شرط
نہ کی ہو تب وہ اختلاف ہی جسکا ذکر کیا گیا اور فتوے امام اعظم کے قول کے موافق ہی۔

وصایت یعنے منصب وصی کے قابل الانتقال ہونیکے باب مین حنفیہ اور شیعہ مین
اختلاف عظیم ہی جیسا سابق مین بیان کیا گیا۔ شرع حنفی کے احکام اس مسئلہ مین بعض
اعتبارات سے قانون انگلستان کے اصول سے مشابہ ہین۔ مثلاً قانون انگلستان کے
بموجب اگرچہ وصی اپنا عہدہ کسی کو نہین دیسکتا تاہم جو حق اوسکو موصی کی وصیت کی
روسے حاصل ہی وہ اوسی وصیت کے بموجب باقی اور قائم بھی رہ سکتا ہی۔ پس اگر زید کا
ایک ہی وصی ہو تو اوس وصی کا وصی تمام مقاصد و اغراض کے لیے موصی اول کا وصی
اور قائم مقام ہی۔ اسی طرح سے از روے شرع حنفی وصی اپنی وفات کے وقت اپنا
جانشین مقرر کرسکتا ہی گو یہ اختیار موصی نے اوسی کے لیے مخصوص رکھا ہو۔ یہ ضرور نہین ہی
کہ وصی اپنے وصی کو اصل موصی کی جائداد کا وصی بالتصریح مقرر کرے بلکہ صرف وصی
مقرر کرنے سے اوسکو دونون کی جائدادون کے انتظام کا اختیار حاصل ہو جائیگا۔
مثلاً اگر زید عمرو کو اپنا وصی اور خالد زید کو اپنا وصی مقرر کرے تو زید اور خالد کے مرنیکے بعد
اون دونون کا وصی عمرو ہوگا۔ شیعہ مین قول مشہور یہ ہی کہ وصی اپنا وصی یا جانشین صرف
اوس صورت مین مقرر کرسکتا ہی جبکہ موصی نے اوسکو اجازت دی ہو کہ اپنے مرنیکے
وقت میری جائداد کا انتظام دوسرے شخص سے متعلق کر جانا۔ پس جب کوئی شخص
بلا تقرر وصی مرجاے یا جب وہ وصی مرجاے جسکو اپنا جانشین مقرر کرنیکی اجازت
نہ دی گئی ہو تو اصل موصی کی جائداد کا انتظام حاکم شرع سے متعلق ہو جائیگا۔ اگر
اوس مقام پر کوئی حاکم شرع نہ موجود ہو تو ہر ایک مومن کو جسپر متوفی اعتماد رکھتا ہو تو رکھتا
اوسکے مال کی حفاظت اور انتظام کرنا جائز ہی۔ مگر محقق نے فرمایا ہی کہ اس مسئلہ مین

سلہ بمقدمہ شیخ حفیظ الرحمن بنام خادم حسین یہ تجویز ہوا تھا کہ از روے شرع محمدی وصی اسکا مستحق ہی کہ اوس
وصیت کے مقاصد کی تعمیل کے لیے جسکے بموجب وہ وصی مقرر ہوا تھا کسی کو اپنا جانشین مقرر کرے۔
لا رپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۴ صفحہ ۱۰۳۔ یہ شرع حنفی کی رو سے ہی ۱۲ منہ

اور اختلاف ہی[۱]۔

فصل چہارم

احکام وصیت موافق مذہب شافعی۔

اختیار وصیت ہر مسلم و غیر مسلم کو بلا امتیاز ذکور و اناث حاصل ہی بشرطیکہ بالغ و عاقل ہوا ور مجنون یا سفیہ نہ ہو۔ یہ اختیار حربی کو یا اوس شخص کو جو بیہوش ہو یا نابالغ کو نہین حاصل ہی اگرچہ ایک عالم نے فرمایا ہی کہ یہ ممانعت اوس نابالغ سے نہین متعلق ہی جو سن رُشد کو پہونچ چکا ہو۔ غلام وصیت نہین کرسکتا مگر بعض علما کا قول یہ ہی کہ اگر وصیت کرنیکے بعد وہ آزاد کردیا گیا ہو اور بلا تجدید وصیت مر گیا ہو تو اوسکی وصیت جائز ہی[۲]۔

انتقالات بالوصیت جب کسی مقصد عام کے لیے کیے جائین تو اوس مقصد کو جائز و مشروع ہونا چاہیئے۔ مثلاً معبد یہود و نصاری کے خرچ کے لیے وصیت کرنا نہین جائز ہی۔ وصیت ایک شخص یا چند اشخاص کے حق مین کرنا جائز ہی بشرطیکہ وہ شخص یا اشخاص حق ملکیت کو عمل مین لانیکی قابلیت رکھتے ہون اور جو وصیت جنین یعنے اوس لڑکے کے باب مین کیجاے جو ہنوز رحم مادر مین ہو اوسکا نفاذ دو شرطون پر موقوف ہی۔ اول یہ کہ وہ بچہ زندہ پیدا ہوا ہو۔ دوسرے یہ کہ اوسکا حمل قبل وقوع وصیت رہچکا ہو اور وصیت کی تاریخ سے چھ مہینہ قبل وہ پیدا ہوچکا ہو۔ اگر وہ چھ مہینہ کے بعد پیدا ہوا ہو تو یہ قیاس کیا جائیگا کہ اوسکا حمل قبل وقوع وصیت نہین رہا تھا بلکہ اگر اوسکے والدین نے ہم بستر ہونا نہ ترک کردیا ہو

---

[۱] جامع الشتات مین قول مختار یہ لکھا ہی کہ جب حاکم شرع سے رجوع کرنا غیر ممکن ہو تو ہر مومن پر واجب ہی کہ سفیہ کی جائداد کا انتظام کرے ۱۲ منہ

[۲] تصح وصیة کل مکلف حر وان کان کافرا و کذا محجور علیه بسفه علی المذهب لا مجنون و مغمی علیه و صبی انتهی آخره ۱۲ منہ

تو بھی ہی سمجھا جائیگا - مگر اسکے خلاف صورت مین حمل زیادہ سے زیادہ چار سال کی میعاد تسلیم ہوسکتا ہے - جو وصیت غلام کے حق مین کی ہو وہ اوسکے مالک کے حق مین ہو جائیگی مگر یہ کہ وہ غلام موصی کی وفات کے قبل آزاد کردیا گیا ہو - اور اگر اوسکی وفات کے بعد غلام آزاد کیا جائے اور اُسی وصیت کو قبول کرے تو اسکا نتیجہ اس بات پر موقوف ہے کہ آیا موصی لہ نے قبل وفات موصی قبضہ پایا تھا یا نہین - انتقالات بالوصیت حیوانات کے حق مین مطلقًا باطل ہین خواہ موصی نے کسی حیوان کو موصی لہ کرنیکا ارادہ ظاہر کیا ہو خواہ نہ کیا ہو - لکن اگر اوسنے یہ وصیت کی ہو کہ اس جانور کو خوراک ضروری ہمیشہ دیجائے تو ایسی وصیت عرفًا جائز ہے -

مسجد کے خرچ کے لیے کوئی جائداد از روے وصیت چھوڑ جانا جائز ہے بلکہ مسجد کے باب مین صرف وصیت کرنا بھی جائز ہے - اور وہ وصیت فقط مسجد کے مصارف کے لیے نہین سمجھی جائیگی بلکہ مسجد کو مزین و آراستہ کرنا بھی اوسمین داخل سمجھا جائیگا - علاوہ برین وصیت کافر کے حق مین خواہ وہ مطیع الاسلام ہو خواہ نہ ہو اور مرتد کے حق مین بھی ہوسکتی ہے اور موصی اپنے قاتل کے حق مین بھی وصیت کرسکتا ہے - وصیت وارث کے حق مین صرف برضامندی دیگر ورثہ نافذ ہوسکتی ہے اور ورثہ کا اذن اوس حالت مین بھی درکار ہے جبکہ وہ اپنے حق وراثت سے دست بردار ہوگئے ہون اور اوس اذن کو چاہیے کہ قبل وفات موصی نہین بلکہ بعد وفات موصی دیا جائے - وہ وصیت جسکا نتیجہ یہ ہو کہ ہر ایک وارث کو اوسکا سہم شرعی موصی کے متروکہ مین ملجاے باطل ہے مگر اسمین شرعًا کچھ قباحت نہین ہے کہ کسی وارث کو کوئی خاص چیز از روے وصیت دیدی جاے جسکی قیمت یا مالیت اوسکے سہم شرعی کے برابر ہو - صرف اتنا ضرور ہے کہ اس فعل کا اذن اور ورثہ بھی دیدین -

آدمی کو اشیاء ذیل کی وصیت کرنا شرعًا جائز ہے

(۱) اون چیزون کی منفعت کی جو بامتداد زمانہ خراب یا ضایع نہو جائین۔

(۲) درخت کے آیندہ میوہ اور حیوان کے آیندہ بچہ وغیرہ کی۔

(۳) دو چیزون مین سے ایک چیز کی جسکو موصٰی لہ پسند کرلے۔

(۴) شی نجس کی بشرطیکہ اوسکا استعمال شرعاً حرام نہو مثلاً سگِ زراعت یا سگِ دربان کی یا اوس شیرۂ انگور کی جس سے شراب بنانی نہ منظور ہو۔

جب موصی نے یہ وصیت کی ہو کہ "میرے کتون مین سے ایک کتا" تو اوسکے وارث کو اختیار ہی کہ اوسکے کتون مین سے کوئی کتا بہ تعمیل وصیت دیدے اور اگر موصی کوئی کتا نہ رکھتا ہو تو وہ وصیت باطل ہی۔ جو شخص بہت سے کتے رکھتا ہو وہ اون سبکو یا اونمین سے بعض کو بذریعہ وصیت دیسکتا ہی اگرچہ اوسکے ترکہ مین اکثر کتے ہی ہون اگر کوئی شخص دو نقارے رکھتا ہو جنمین سے ایک نقارہ صرف ایک آلۂ موسیقی تفریح کے لیے ہو اور دوسرا نقارہ کسی امر مشروع کے لیے ہو مثلاً جہاد یا حجاج کا نقارہ ہو تو جب موصی نے صرف نقارہ کی وصیت کی ہو اور کچھ نہ کہا ہو تو آخر الذکر نقارہ مراد لیا جائیگا۔ اور جو نقارہ بطور آلۂ موسیقی تفریح کے لیے ہو اوسکی وصیت باطل ہی تاوقتیکہ وہ جہاد مین یا حج مین نہ مستعمل ہوسکے۔

احکام متعلقۂ ثلث مال

انتقالات بالوصیت موصی کے ثلث مال سے زائد مین نہین نافذ ہوسکتے۔ اور جو وصیت اس حکم شرع کے خلاف کی گئی ہو جب ورثہ دعوے کرین تو وہ ثلث مال تک گھٹا دیجائیگی۔ مگر جب ورثہ راضی ہوجائین تو وہ وصیت نافذ ہوجائیگی چاہیے جو مقدار اوسکی ہو اور ایک عالم کا قول یہ ہی کہ اس صورت مین وصیت اوس وارث یا ورثہ کی جانب سے ہبہ سمجھا جائیگا۔

موصی کی وفات کے دن اور بعض علما کے نزدیک جس روز اوسنے وصیت کی ہی

اون روز اوسکی ساری جائداد کو جمع کرکے ثلث وصیتی نکال لیا جائے جو وصایا ثلث مال مین نافذ ہوسکتے ہین وہ درج ذیل ہین۔

(۱) موصی کے مرنیکے بعد عتق رقبات یعنے لونڈی یا غلام آزاد کرنا۔

(۲) وہ انتقالات جنکو موصی برضا ورغبت خود بحالت مرض الموت عمل مین لایا مثل اوقاف اور رہیون کے۔

(۳) ادا کرنا دیون شرعی کا۔

اگر ان سب وصایا کا مجموع ثلث مال سے زائد ہو تو تخفیف احکام مصرحۂ ذیل کے موافق کیجائے۔

اوّل جب صرف عتق رقبات کی وصیت کی ہو تو قرعہ اندازی کرکے یہ دریافت کرنا چاہیئے کہ اونمین سے کون لونڈی یا غلام آزادی سے محروم رکھے جائین تاکہ وصیت ثلث مال سے تجاوز نہ کرے۔

دوم جب وصیت مختلف امور نیک کی ہو تو تخفیف مین اون سب امور کو شریک کرنا چاہیئے۔

سوم جب وصیت مین عتق رقبات اور کار ہائے خیر دونون داخل ہون تو جو مال وصیتی موجود ہو اوسکو دو حصّون مین تقسیم کرکے وہی قاعدہ جاری کرنا چاہیئے جو صورت اول و دوم مین بیان کیا گیا۔

مرض الموت

جو شخص ایسے مرض مین مبتلا ہو جس سے خوف ہلاکت ہو وہ اپنی جائداد موجودہ کے ایک ثلث سے زائد مین نہین وصیت کرسکتا۔ لکن اگر باوجود قطع امید کسی اوس بیماری سے بچ جائے تو اوسکی وصیت باطل نہین ہوسکتی۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے خفیف مرض مین مبتلا ہو جس سے اندیشۂ ہلاکت نہ ہو تو وہ اپنی جائداد کی وصیت بلا قید کرسکتا ہی اور اگر وہ

اوس بیماری سے احیاناً مرجائے تو بھی اوسکے وصایا صحیح ونفاذ پذیر ہین ۔ مگر یہ اوس صورت
مین نہ ہوگا جبکہ موت ایک نتیجۂ ضروری اوس مرض کا ہو جسمین وہ مبتلا تھا گو وہ مہلک
نہ سمجھا جاتا ہو کیونکہ اس صورت مین وہ اوسکی ہلاکت کا باعث ہوگیا ہی جب اوس
مرض کی حقیقت مشتبہ ہو تو دو عادل اور ثقہ عالمون سے استصواب کیا جائے ۔ امراض
ذیل شرعاً مہلک ہین ۔ یعنے ۔ قولنج ۔ ذات الریہ ۔ نفث الدم ۔ سوء ہضم یعنے بدہضمی
مزمن ۔ تپ کہنہ ۔ سقد ۔ فالج ۔ انقلاب معدہ یعنے غذا جیسی کھا ئی ویسی ہی بعینہ قی کردینا ۔ قی مفرط وموط
اور قی الدم ۔ تپ دائمی یا تپ نوبہ ۔ حالات ذیل کو علمار نے امراض مہلک کے مشابہ
قرار دیا ہی ۔ یعنے ۔ لڑائی مین اون کفار کا اسیر ہو جانا جو امان نہ دیتے ہون ۔ فوج منہزم
مین ہونا جبکہ غنیم حملہ آور ہو ۔ قصاص مین محکوم بہ سزاے موت ہونا یا رجم یعنے سنگسار ہونا ۔
طوفان کے عالم یا تلاطم دریا کی حالت مین جہاز یا کشتی پر ہونا ۔ عورت کا شدید درد زہ مین
مبتلا ہونا خواہ وہ قبل خواہ بعد ولادت جنین ہو ۔

وصیت ان صیغون سے ہوتی ہی "مین فلان چیز فلان شخص کے لیے چھوڑتا ہون"
"یہ چیز اوسکو بعد دیدو" "یہ چیز اوسکو میرے مرنیکے بعد دیدینا" "مین اسکی وصیت کرتا ہون"
"میرے مرنیکے بعد یہ چیز اوسکی ہو جائیگی" لکن اگر یہ کہے کہ "یہ چیز اوسکی ہی" تو یہ وصیت
نہ ہوگی بلکہ اقرار ہوگا ۔ برخلاف اسکے اگر کوئی شخص کہے کہ "یہ چیز میرے بعد اوسکی ہی" تو
یہ وصیت صحیح ہی ۔ وصیت ایک اور طریقے سے بھی ہو سکتی ہی جو ایسا صریح و واضح تو نہین ہی
مگر موصی کے ارادہ یا مرضی پر دلالت کرتا ہی مثلاً وصیت نامہ تحریر کرکے گواہون سے
تصدیق کرا دی جائے ۔

جو وصیت ایک فرقہ یا گروہ کے حق مین کیجائے اوسکو صریحاً قبول کرنیکی کچھ
ضرورت نہین ہی ۔ اور موصی کے مرجانے سے وہ وصیت قابل منسوخی نہین باقی رہتی
لکن جو وصیت ایک یا دو شخصون کے حق مین کیجائے اوسکو چاہیے کہ حسب طریقۂ شرع

قبول کرلی جائے - اقبال وصیت یا انکار وصیت کسی طرح موصی کی حیات مین نہین ہوسکتا - اور دستو بھی یہ نہین ہے کہ موصی کے مرتے کے ساتھی موصی لہ اوسکی وصیت کو قبول کرے - موصی لہ کے پیشتر مرجانے سے وصیت باطل ہوجاتی ہے - اگر وہ موصی کی وفات کے بعد مگر وصیت کو قبول کرنیکے قبل مرجاے تو وصیت کو قبول کرنیکا حق اوسکے ورثہ کو ملیگا -
اس مسئلہ مین کہ جائداد وصیتی موصی لہ کا مال کب ہوجاتا ہے بعض علمار کا قول ہے کہ موصی کے مرتے کے ساتھی موصی لہ اوس جائداد پر قبضہ کرنیکا مستحق ہوجاتا ہے بشرطیکہ اوسنے اوس وصیت کو قبول کرلیا ہو - اور بعض علمار نے فرمایا ہے کہ قبول کرنے کے پیشتر وصیت معطل رہتی ہے لکن اگر موصی لہ نے اوسکو قبول کرلیا ہو تو موصی کی وفات کے وقت سے قابض جائداد فی الواقع وہی ہوجاتا ہے اور اگر اوسنے نہ قبول کیا ہو تو موصی کے ورثہ کا قبضہ زائل نہ سمجھا جائیگا - یہ تین قول جو ہمنے وصیت کے باب مین مابین وفات موصی و قبول موصی لہ بیان کیے ہین اوس منفعت یا مزدوری پر جو غلام وصیتی نے حاصل کی ہو صادق آتے ہین اور دیگر مصارف جو اوس غلام کے نفقہ یا اوس سے روزہ رکھوانے کے لیے دیے جائین اونپر بھی یہی اقوال جاری ہونگے - جن علمار کا یہ قول ہے کہ وصیت کو اوسوقت تک معطل رہنا چاہیے جبتک موصی لہ اوسکو قبول یا انکار کرے اونکے نزدیک بھی موصی لہ کو واجب ہے کہ غلام یا حیوان وصیتی کے کھانے پینے کا سامان چندروز کے لیے کردے -

موصی لہم

اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ وہ میرے گلۂ گوسفند مین سے ایک گوسفند[1] اور وہ کوئی گلۂ گوسفند نہ رکھتا ہو تو یہ وصیت باطل ہوجائیگی - لکن اگر اوسنے یہ وصیت کی ہو کہ وہ میری میراث مین سے ایک گوسفند[2] اور وہ کوئی گوسفند نہ رکھتا ہو تو ایک بھیڑ خرید کر موصی لہ کو دیدینی چاہیئے -

جب وصیت اوس بچہ کے حق مین کیجاے جو ہنوز رحم مادر مین ہو اور اوس عورت کو

دو بچے توام پیدا ہون تو وصیت اون دونون کو ملیگی اور اگر اونمین سے ایک بچہ زندہ اور دوسرا مردہ پیدا ہو تو جو زندہ پیدا ہوا ہی اوسی کو وصیت ملیگی۔ لکن اگر موصی نے یہبھی کہا ہو کہ "اگر وہ لڑکا ہو" یا لڑکی ہو۔ اور توام بچے پیدا ہون اور اونمین سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہو تو وہ وصیت باطل ہو جائیگی۔ اور اگر موصی نے کہا ہو کہ "اگر اس عورت کے بطن میں لڑکا ہو" تو اوس وصیت کا مدعی صرف وہ لڑکا ہو سکتا ہی اوسکے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی ہی وہ نہین ہو سکتی۔ اور جو وصیت بالفاظ مذکورۂ بالا کی گئی ہو وہ اوس صورت مین بھی جائز ہی جبکہ اوس عورت کو توام لڑکے پیدا ہون۔ اِس صورت مین وارث کو اختیار ہی کہ اونمین سے جس لڑکے کو چاہے مال وصیتی دیدے۔

جو وصیت کسی شخص نے اپنے "ہمسایون" کے حق مین کی ہو وہ چالیس گھرون پر جو چار سمت مین ہون حاوی ہوگی۔ اور جو وصیت "علما" کے حق مین کی گئی ہو اوسمین سب مفسرین قرآن اور رُوات و محدثین اور فقہار داخل ہین مگر محض قاریان قرآن اور اہل علم اور مُعبرین رویا یعنے خواب کی تعبیر دینے والے نہین داخل ہین اور بعض علما کے نزدیک متکلمین بھی نہین داخل ہین۔

جو وصیت فقرار کے حق مین کی گئی ہو اوسمین مساکین بھی داخل ہین۔ اور بالعکس اسکے دونون صورتون مین مال وصیتی کے دو حصے مساوی کرکے ہر ایک فرقہ کو ایک حصہ دینا چاہیے بشرطیکہ اوس فرقہ مین اقل مراتب تین شخص ہون۔ موصی کو اختیار ہی کہ اس قسم کے لوگون مین سے ایک شخص کو اورون سے زیادہ مال از روے وصیت دیجائے اور اگر موصی نے کہا ہو کہ "فلان شخص اور فقرار کو" تو علمار (شافعیہ) کے نزدیک اسکا نتیجہ یہ ہو گا کہ اوس شخص کو ہر ایک فقیر سے زیادہ نہ ملیگا گو کتنا ہی کم ملے۔ البتہ اوس شخص کو بالکل محروم نہ رکھنا چاہیئے۔

آدمی ایک فرقہ یا قوم کے حق مین بلا تعیین تعداد بھی وصیت کرسکتا ہی مثلاً

عاقلین کے حق مین - اور ایک قوم کے چند اشخاص معین کے حق مین بھی وصیت کرسکتا ہی مثلاً فلان فرقہ کے تین آدمی یا فلان شخص کے اقربار - اس آخرالذکر وصیت مین سب اقربار داخل ہین گو کیسے ہی بعید ہون خواہ آبار علوی ہون خواہ اولاد سفلی بجز اون اقربار کے جو اوس شخص سے قرابت بلا واسطہ رکھتے ہون - جب وصیت اقربار کے حق مین کیجائے تو عرب اوس سے اقربار پدری سمجھین گے اقربار مادری نہ سمجھین گے مگر یہ کہ اونکی تصریح خاصۃً کردی گئی ہو جس شخص کے اقربار کے حق مین موصی نے وصیت کی ہو اونکو دریافت کرنیکا طریقہ یہ ہی کہ اوس شخص کے قریب ترین اجداد مین سے کوئی شخص لیکر اوسکی اولاد کو سمجھنا چاہیئے کہ موصی کی مُراد اقربار سے یہی لوگ تھے - لکن اگر موصی نے "قریب ترین اقربار" کا لفظ کہا ہو تو وصیت اون اقربار کو بھی ملیگی جو اوس شخص سے قرابت بلا واسطہ رکھتے ہون مگر بیٹے کو باپ پر اور بھائی کو دادا پر ہمیشہ ترجیح دیجائیگی اور اونکے سوائے ذکور واُناث کا امتیاز اسمین شرعاً نہین رکھا گیا ہی - بلکہ باپ اور مان اور بھائی اور بہن سب اوس وصیت مین یکسان شریک ہونگے اور تواسا بھی پرونے پر مقدم رکھا جائیگا جو وصیت کسی شخص نے اپنے اقربار کے حق مین کی ہو اوسمین اوسکے ورثہ شرعی نہین داخل ہین -

کن چیزون کی وصیّت ہوسکتی ہی

وصیّت غلام کی منفعت اور مکان کی آمدنی اور دوکان کے کرایہ کی ہوسکتی ہی اس صورت مین موصی لہ صرف اوس غلام کی خدمت ہی سے متمتع نہ ہوگا بلکہ جو مزدوری اوسکو ملے وہ بھی لیگا اور اگر وہ جاریہ ہو اور کسی کے عقد مین ہو تو اوسکا مہر بھی لیگا - اور اگر میعاد وصیت کے اندر اوس لونڈی یا غلام کو لڑکا پیدا ہو تو اوسکا بھی وہی حال ہوگا جو اوسکی مان کا حال ہی یعنے اوسکی منفعت موصی لہ کو ملیگی موصی کے وارث کو نہ ملیگی - مگر وارث اوسکو آزاد کرنے کا حق رکھتا ہی اور اوسکو اوسکی

پرورش کرنی بھی واجب ہی اور منفعت دائمی اور غیر دائمی مین کچھ فرق نہوگا بیع
کرنا اوس چیز کو جسکی منفعت کی وصیت بقدر ایک ثلث کے ایک میعاد معیّن تک
کی گئی ہو نتیجۃً اونھین نتائج کا ہی جو نتائج کرایہ کی چیز کو بیچنے سے پیدا ہوتے ہین - مگر منفعت
دائمی سواے موصی لہ کے کسی کے ہاتھ نہین فروخت ہو سکتی - اگر کسی شخص کو یہ دریافت
کرنا منظور ہو کہ آیا مال وصیتی ثلث جائز الوصیت سے زیادہ ہی یا نہین ہی تو غلام کی
منفعت دائمی کو قیمت واقعی سے مشابہ کرنا چاہیئے اور اگر منفعت غیر دائمی ہو تو
غلام کی خدمات کی اجرت کو بلحاظ اوس مدت کے دریافت کرنا چاہیئے جتنی مدت تک
اوسکا مالک اوسکی خدمات سے محروم رہا ہی -

آدمی کو جائز ہی کہ اپنے وارث کو یہ وصیت کرے کہ میری طرف سے حج کرنا یا حج کروانا -
اس صورت مین اوس وارث کو واجب ہی کہ سفر حج کا خرچ اوس مقام سے دے جو مقام
شرعًا معیّن ہی مگر یہ کہ موصی نے کسی خاص قصبہ کا نام لیا ہو کہ یہان سے حج کو روانہ ہون
اب اگر حج واجب جسکے بجالانے سے موصی قاصر رہا ہو سو یہ فرض اوسکے کل مال سے
ادا کیا جائیگا اور اگر موصی نے اپنے وارث کو وصیت کی ہو کہ مصارف حج میری کل جائداد
یا اوسکی ثلث جائز الوصیت سے دینا تو اس وصیت کی تعمیل کیجائیگی - اور اگر موصی نے
اس باب مین کچھ وصیت نہ کی ہو تو خرچ اوس حج واجب کا جسکے بجالانے سے موصی
قاصر رہا تھا اور جسکے ادا کرنیکی وصیت اوسنے اپنے وارث سے کی ہی اوسکی کل جائداد سے
دیا جائیگا اور بعض علما کے نزدیک ثلث جائز الوصیت سے دیا جائیگا مگر بہر صورت
یہ خرچ صرف اوس مقام سے سفر کرنیکا دیا جائیگا جو مقام شرعًا مقرر ہی - ہر شخص متوفی
کی طرف سے حج واجب بجالا سکتا ہی گو اوسنے وصیت نہ کی ہو اور گو وہ شخص اوسکے
عیال مین نہ داخل ہو -

وارث کو چاہیئے کہ اپنے مورث کی طرف سے کفّارہ ہاے واجب بھی دے جنکے

ادا کرنے سے وہ قاصر رہا ہو۔ اور کفارہ ہائے غیر واجب کے باب مین وارث کو اختیار ہی کہ اگر ضرورت
ہو تو فقرار کو کھانا یا کپڑا دے بلکہ غلام بھی آزاد کر سکتا ہی۔ بہرکیف چاہیے جس قسم کے کفارے ہون وارث
اونکو اپنے پاس سے دیسکتا ہی اگر ترکہ غیر مکتفی ہو اور اُسکا یہ فعل متوفی کا فعل سمجھا جائیگا۔ اگر کفارہ
کوئی غیر شخص دے جو متوفی کے خاندان مین سنے ہو تو وہی شرائط ہین جو فقرار مین طعام و
لباس تقسیم کرنیکے ہین لکن اگر کفارہ عتق رقبہ یعنے بردہ آزاد کرنا ہو تو وہ شرائط نہین ہین۔
مردہ کی طرف سے خیرات یا نماز خواہ اوسکے ورثہ خواہ غیر لوگ دین یا پڑھین اوسکا ثواب
اوسکی روح کو پہونچتا ہی۔

تنسیخ وصیت

وصیت کلاً یا جزءً منسوخ ہو سکتی ہی اور بہ طرق ذیل منسوخ ہو سکتی ہی۔

(۱) قول سے یعنے مثلاً موصی کہے کہ "مین اس وصیت کو منسوخ کرتا ہون یا باطل
کرتا ہون یا جس چیز کی وصیت مین نے کی ہی وہ میرے ورثہ کا مال ہی"۔

(۲) اس امر سے کہ موصی نے مال وصیتی کو بذریعہ بیع یا عتق یا نکاح یا ہبہ یا رہن
منتقل کر دیا ہو اور ہبہ اور رہن مین اگر موہوب لہ یا مرتہن کا قبضہ بھی نہ ہوا ہو تو بھی
وصیت منسوخ ہو جائیگی۔

(۳) پہلی وصیت کے بعد وارث کو دوسری وصیت کرنے سے یا جس چیز کی وصیت پہلے
کی تھی اوسکو طرق مذکورہ ضمن ۲ مین سے کسی طریقہ سے منتقل کرنے سے۔

(۴) شیء وصیتی کی فروخت کا حکم دینے سے گو وہ فروخت نہ ہو یا اوس چیز کے ساتھ
اور چیزین ملا دینے سے۔ مثلاً اگر کسی خاص قسم کے گیہون کی وصیت کیجائے اور اوسمین
دوسری قسم کا گیہون ملا دیا جائے تو صرف اتنی ہی بات سے وصیت منسوخ ہو جائیگی
اگرچہ جو گیہون ملا دیا گیا ہے وہ عمدہ قسم کا ہو۔ لکن اگر وہ گیہون اوسی قسم کا ہو
یا اوس سے بدتر ہو تو پہلے گیہون مین اوسکو ملا دینے سے وصیت منسوخ نہ ہو جائیگی۔

وصیت اسطرح سے بھی منسوخ ہوجاتی ہی کہ جس گیہون کی وصیت کی ہی اوسکو پیسوا ڈالے یا اوسکو اپنے کھیت مین بو دے یا اوسکے آٹے کی روٹی پکوائے یا جس روئی کی وصیت کی ہی وہ کاتی جائے یا اوسکا کپڑا بنایا جائے یا جس کپڑے کی وصیت کی ہی اوسکا قمیص بنایا جائے یا جس زمین کی وصیت کی ہی اوسپر مکان بنایا جائے یا درخت بویا جائے۔

اوصیاء

شارع اسلام نے اوصیا مقرر کرنیکا رسم جاری فرمایا ہی کہ وہ موصی کا قرضہ ادا کرین اور اوسکی وصیت کی تعمیل کرین اور اوسکے اطفال نابالغ کی حراست کرین۔ وصی کو مسلم اور بالغ و عاقل اور آزاد اور عادل اور لائق اوس کام کے ہونا چاہئیے جو اوسکے سپرد کیا گیا ہی کافر سطیع الاسلام ہو یعنے مسلمان پادشاہ کی رعیت ہو اوسکو اوسکا ہم مذہب اپنا وصی مقرر کر سکتا ہی اور نابینا ہونا بھی مانع وصایت نہین ہی۔

وصی کو شرعاً مرد ہونا ضرور نہین ہی بلکہ اطفال صغیر کی ماں کو سمجھنا چاہئیے کہ غیر شخص کی بہ نسبت اپنے بچون کی پرورش و پرداخت کی زیادہ قابلیت رکھتی ہی۔

وصی کو بدمعاشی کی علت مین معزول کردینا چاہئیے۔ یہی اصول قاضی پر بھی صادق آتا ہی مگر خلیفہ وقت یا سلطان پر نہین صادق آتا۔

موصی کا قرضہ ادا کرنے اور اوسکی وصیت کی تعمیل کرنیکے لیے وصی مقرر کرنیکا حق مسلمانون کو دیا گیا ہی جو بالغ و عاقل اور آزاد ہون مگر وصی سے اطفال نابالغ کی ولایت متعلق کرنیکا حق صرف وہ شخص رکھتا ہی جو اونکا ولی شرعی ہو۔ وصی دوسرے شخص کو اپنا وصی نہین مقرر کرسکتا کہ اوسکے مرنیکے بعد اوسکا قائم مقام ہو مگر یہ کہ یہ اختیار اوسکو اصل موصی نے دیا ہو۔ دو شخصون کو یکے بعد دیگرے وصی مقرر کرنا شرعاً ممنوع نہین ہی۔ یہ اسطرح ہوسکتا ہی کہ موصی کسی شخص سے کہے کہ "مین تمکو اپنا وصی مقرر کرتا ہون جبتک کہ میرا بیٹا بالغ ہو یا جبتک زید یہان پہونچے اور پھر اپنے بیٹے کو" یا "زید اس وصیت کا عامل ہوگا"۔

برخلاف اسکے وصی اطفال نابالغ کی حراست کے لیے اونکے دادا یا ولی شرعی کی حیات مین نہین مقرر ہو سکتا بشرطیکہ وہ اونکی حفاظت کی قابلیت رکھتا ہو۔
وصی کو یہ اختیار دینا شرعاً ممنوع ہی کہ موصی کے نابالغ بیٹے کا نکاح کر دے یا اوسکی نابالغ بیٹی کا عقد کر دے۔
وصی ان الفاظ سے مقرر ہو سکتا ہی کہ "مین تمکو اپنا وصی مقرر کرتا ہون یا مین اپنے معاملات تمھارے سپرد کرتا ہون" اسمین کوئی شرط لگا دینا ممنوع نہین ہی۔ مگر جو کام وصی سے متعلق کیا ہی اوسکی تصریح کر دینی چاہئیے کیونکہ اگر سوائے اسکے کہ "مین تمکو اپنا وصی مقرر کرتا ہون" اور کچھ نہ کہا ہو تو یہ وصیت باطل ہی۔ تقرر وصی موثر نہین ہی تاوقتیکہ قبول نہ کر لیا جائے اور اس قبول کو چاہئیے کہ موصی کی حیات مین واقع ہو۔
اگر موصی نے دو وصی مقرر کیے ہون تو اونمین سے ایک بے دوسرے کی اعانت کے کام نہین کر سکتا مگر یہ کہ اوسکو یہ اختیار دیا گیا ہو۔ موصی تقرر وصی کو ہر وقت منسوخ کر سکتا ہی اور وصی وصایت قبول کر نیکے بعد بھی استعفا دیسکتا ہی۔ جب نابالغ حد بلوغ کو پہونچ جائے تو جس وصی سے اوسکی حراست متعلق تھی اوسکو چاہئیے کہ اپنے عہد کا حساب اوسکو سمجھائے اور اگر اون دونون مین کچھ تنازع ہوا اور وہ تنازع اوس نابالغ کے نفقہ کے باب مین ہو تو شرعاً وصی کے قول کا اعتبار کیا جائیگا۔ اور اگر تنازع اوس رقم کے باب مین ہو جسکو وصی بیان کرے کہ مین نے اس لڑکے کو اسکے بالغ ہونیکے بعد دی تھی تو شرعاً اوس لڑکے کے قول کا اعتبار کیا جائیگا۔ فقط

ضمیمہ ا

"گھوڑے اور آلات حرب کے وقف کے جواز مین اختلاف نہین ہی اور نہ اوس مال منقول کے وقف کے جواز مین اختلاف ہی جو ضمناً وقف کیا گیا ہو یعنے مثلاً اراضی وقفی مین شامل ہو جیسے آلات زراعت اور مواشی وغیرہ - دیگر اقسام کے مال منقول کے وقف کے جواز مین امام محمد اور امام ابو یوسف مین اختلاف ہی کیونکہ امام ابو یوسف کے نزدیک مال منقول کا وقف ناجائز ہی اور امام محمد کے نزدیک سب اشیاء کا وقف جائز ہی جنکی تجارت یا مبادلہ یعنے لین دین ہوتا ہو اور اسی قول کو اکثر علمار نے اختیار کیا ہی جیسا ہدایہ مین لکھا ہی اور عصاف مین بھی اسی کو قول صحیح لکھا ہی - او ظہیریہ مین لکھا ہی کہ دنیاوی معاملات مین قیاس کو کچھ دخل نہین ہی اور مجتبیٰ مین سیر سے لکھا ہی کہ امام محمد کے نزدیک جائداد منقولہ کا وقف قطعاً جائز ہی - اور امام ابو یوسف کے نزدیک وقف اون اشیاء کا جنکی تجارت یا دادوستد ہوتی ہو جائز ہی - خلاصہ مین انصاری کے قول کو اختیار کیا ہی اور انصاری امام زُفر کے شاگرد تھے - اور فتاوے قاضی خان مین لکھا ہی کہ امام زفر نے انصاری سے اتفاق کیا ہی اور منح مین لکھا ہی کہ ہمارے زمانہ مین درہم و دینار وقف کرنیکا دستور بلاد روم مین ہی اور ایسا وقف امام محمد کے اس قول کے تحت مین ہی (جسکے موافق فتوے ہی) کہ "وقف جملہ اشیاء منقولہ کا جنکا لین دین لوگ کرتے ہون جائز ہی" لہذا درہم و دینار کے وقف کے جواز مین صرف امام زفر کے قول پر بھروسا کرنا جو انصاری سے منقول ہی کچھ ضرور نہین ہی اور صاحب بحر الرائق نے بھی یہی فتوے لکھا ہی کہ درہم و دینار وقف کرنا جائز ہی اور اسکے خلاف کوئی قول نہین نقل کیا ہی - اور منح مین جو لکھا ہی وہ رملی کا قول ہی - گائے کو اس غرض سے وقف کرنا کہ اوسکا دودھ مسافرون کے کام آئے جائز ہی بشرطیکہ ایسے وقف کا دستور ہو - انصاری سے جب پوچھا گیا کہ آیا درہم یا وہ اشیاء جو وزن یا پیمانہ ہو سکین وقف ہو سکتی ہین تو اونھون نے جواب دیا کہ ہان ہو سکتی ہین تب اونسے

پوچھا گیا کہ کسطرح ہوسکتی ہین تو اونھون نے فرمایا کہ بطور مضاربت کے۔ (مضاربت اور مشارکت کا نام ہی جسمین ایک شریک روپیہ دے اور دوسرا شریک محنت کرے) جو چیزین وزن یا پیمانہ ہوسکین اونکو بیچکر اونکی قیمت مضاربت یا تجارت وغیرہ مین لگائی جائے" ردّ المحتار۔

ضمیمہ ۲

" درالمختار کتاب القضا مین لکھا ہی کہ حنفی مذہب قاضی امام شافعی یا امام مالک کے قول کے موافق فتوے نہین دیسکتا مگر امام ابو یوسف یا امام محمد کے قول کے موافق فتوے دیسکتا ہی" ردّ المختار۔

ضمیمہ ۳

" ذخیرہ مین شمس الائمہ حلوائی سے منقول ہی کہ کسی شخص نے اونسے ایک مسجد یا حوض کے باب مین پوچھا کہ وہ بربا د پڑا ہوا ہی اور وہان کوئی شخص نہین ہی جو اوسکو استعمال مین لائے آیا قاضی اوسکے وقف کو دوسری مسجد یا حوض مین صرف کرسکتا ہی۔ اونھون نے فرمایا ہان کرسکتا ہی۔ اور یہی بحرالرائق مین قنیہ سے لکھا ہی۔ اور شیخ امام امین الدین ابن عبدالعلی و شیخ امام احمد ابن یونس الشلبی و شیخ زین ابن نجیم اور شیخ محمد الوفائی ان سب علما نے بھی یہی فتوے دیا ہی بعض علما نے فرمایا ہو کہ مسجد شکستہ کا مصالح دوسری مسجد مین لگایا جائے اور بعض کا قول ہی کہ اوسکا مصالح اور اسباب دونون دوسری مسجد مین صرف ہوسکتا ہی علی الخصوص اس زمانہ مین اس قاعدہ پر عمل کرنا ضروری ہی اسواسطے کہ اگر مسجد یا اور کسی عمارت وقفی کا مصالح لیجاکر اوسی قسم کی دوسری عمارت مین نہ لگائین تو اوسکو چور اور بد معاش اوٹھا لیجائینگے جو ایسے اوقاف کی تاک مین رہتے ہین اور اونکے متولی اونکی آمدنی مین خیانت کرتے ہین" ردّ المحتار۔

ضمیمہ ۴

"عصاف مین لکھا ہی کہ وقف ہمارے سب علمار کے نزدیک جائز ہی یعنے امام اعظم ابو حنیفہ اور اونکے دونون شاگردون کے نزدیک۔ اصل مین لکھا ہی کہ امام اعظم کے نزدیک وقف واجب العمل نہین ہی مگر یہ قول صحیح نہین ہی۔ بلکہ اختلاف صرف اسمین ہی کہ وقف کب واجب العمل ہوجاتا ہی۔ امام اعظم کے نزدیک جب قاضی حکم دے تب وقف کی تعمیل واجب ہوجاتی ہی یا جب وہ وصیت ہو تب واجب العمل ہوتا ہی۔ مگر صاحبین کے نزدیک وقف بغیر ان امور کے بہی واجب العمل ہی اور یہی قول مجمع علیہ ہمارے علمار کا ہی اور صحیح ہی۔ امام ابو یوسف کے نزدیک صرف لفظ وقف کہدینے سے وقف واجب العمل ہوجاتا ہی کیونکہ وقف مثل عتق رقبہ کے مستحب ہی اور فتوے اسی کے موافق دیا جاتا ہی" ردّ المحتار۔

ضمیمہ ۵

(۱) قرابت کے لغوی معنے رشتہ داری ہی مگر رشتہ دار کے معنے مین بہی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہی۔

(۲) قرابت دار اور ذُو قرابت کے معنے رشتہ دار کے ہین۔

(۳) ذِی ذُو کا مجرور ہی۔

(۴) ذَوِی ذُو کی جمع ہی۔

(۵) اقربا، قریب کی جمع ہی یعنے رشتہ دار۔

(۶) ارحام رحم کی جمع ہی جسکے لغوی معنے بچہ دان کے ہین اور اصطلاح فقہا مین ذوی الارحام کے معنے اقربا رما دری ہین۔

(۷) فقیر اور مسکین مرادف یعنے ہم معنی لفظ ہین صرف اتنا فرق ہی کہ فقیر وہ شخص ہی جسکے پاس اوتنا مال ہو جو نصاب شرعی سے زیادہ نہ ہو اور مسکین وہ ہی جو کچھ مال یا مکان

نہ رکھتا ہو - ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۴۵

ضمیمہ ۶

مذہب شیعہ مین یہ ہے کہ جب وصیت متعدد اشخاص یا ایک قوم کے حق مین کی ہو تو مال وصیتی اون سب مین برابر تقسیم کیا جائے - مثلاً اگر کوئی شخص اپنی اولاد کے حق مین وصیت کرے اور اونمین سے بعض ذکور اور بعض اناث ہون تو مال وصیتی اون سب مین بلا امتیاز ذکور و اناث برابر تقسیم کیا جائیگا - اور یہی اوس صورت مین بھی ہوگا جبکہ وصیت چچا اور پھوپھیون یا ماموون اور خالاون یا دونون کے حق مین اکٹھا کی ہو - اور اگر موصی ایک موصی لہ کو دوسرے سے زیادہ دیا ہو تو اوسکی وصیت پر عمل کرنا واجب ہے -

مذہب حنفی مین موصی کی حیات مین موصی لہ کے مرجانے سے وصیت باطل ہوجاتی ہے مگر مذہب شیعہ مین ایسا نہین ہے یعنے اگر موصی نے اوس وصیت کو نہین منسوخ کیا ہے تو موصی لہ کے مرجانے سے نہین باطل ہوجاتی بلکہ اوسکے ورثہ کو پہونچتی ہے اور اگر اوسکا کوئی وارث نہ ہو تو موصی کے ورثہ پر عود کریگی - جامع الشتات و شرایع الاسلام

ضمیمہ ۷

مذہب شیعہ مین کوئی چیز ضبط ہو کر بیت المال مین نہین داخل ہوسکتی جیسا جامع الشتات مین لکھا ہے کہ بیت المال کا مضمون ہمارے نزدیک مذموم و مکروہ ہے -

متقدمین علماء حنفیہ کے نزدیک یہ تھا کہ جب کوئی شخص ایک خاص وارث چھوڑکر مرجائے اور وہ ایک خاص حصہ اپنے مورث کے ترکہ مین پائے اور مابقی رداً پانیکا مستحق نہ ہو تو وہ مابقی بیت المال مین داخل کیا جائیگا - اور اگر کوئی موصی لہ ہے تو اوسکو وہ مابقی ملیگا - مگر متاخرین علماء حنفیہ اور قضات حنفی کے فیصلون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی وارث موجود ہو تو بیت المال کا کچھ حق نہین ہے پس اگر کوئی شخص ایک زوجہ چھوڑکر مرجائے اور اپنی نصف جائداد کی وصیت زید کے حق مین کرجائے ہو

زوجہ کا حصہ دیکر اور وصیت ادا کرکے جو ایک سدس باقی رہیگا وہ بھی زوجہ کو دیا جائیگا۔

ضمیمہ ۸

امام ابو یوسف کے نزدیک درہم و دینار عین مین داخل ہین۔ پس اگر موصی ہزار درہم کسی کے لیے از روے وصیت چھوڑ جائے اور اوسکی جائداد مین نقد و جنس اور قرضہ بھی ہو تو موصی لہ اپنے ہزار درہم اوس جائداد کے ایک ثلث سے پائیگا۔ لکن اگر وہ ثلث ادائے وصیت کو کافی نہ ہو توجسقدر وہ قرضہ وصول ہوتا جائے گا موصی لہ کو دیا جائیگا یہانتک کہ کل وصیت ادا ہوجائے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اوس جائداد مین نقد ہی داخل ہی اور اثاث البیت اور پوشاک اور زیور وغیرہ جو متوفی نے چھوڑا ہو وہ نہین داخل ہی۔ پس وہ ہزار درہم اون دراہم و دنانیر کے ایک ثلث مین سے دیئے جائینگے جو متوفی چھوڑ گیا ہی اور اگر وہ غیر مکتفی ہون توجب اوسکا قرضہ وصول ہوگا تو اوسکے ایک ثلث مین سے دیئے جائینگے۔ ردّ المختار صفحہ ۶۹۰ ۱۲ منہ

ضمیمہ ۹

درباب اوس متولی کے جو عموماً مقرر کیا گیا ہو لفظ عموماً کے معنے انفع الوسائل مین یہ لکھے ہین کہ جب واقف ایک متولی مقرر کرکے اوسکو اپنا قائم مقام اور جانشین کردے اور اوسکو اجازت دے کہ اس وقف کو جسکے سپرد چاہے کرے تو وہ متولی اوس وقف کو بحالت صحت نفس یا مرض الموت کے عالم مین منتقل کرسکتا ہی۔ ردّ المختار صفحہ ۶۳۹۔

ضمیمہ ۱۰

وقف ثابت ہوسکتا ہے اسکے کہ کوئی شہادت واقف کے قول کی نسبت پیش کیجائے امام ابو یوسف کا یہی قول ہی اور اسکو علماء بلخ نے مثل ابو جعفر وغیرہ کے اختیار کیا ہی۔ خیریہ مین لکھا ہی کہ جب کوئی پرانا وقف مشہور رہا ہو اور اوسکا واقف مجہول ہو اور کوئی شریر آدمی اوسپر قبضہ کرے تو قول مشہور یہ ہی کہ متولی اپنے دعوے کو دو گواہون کی گواہی سے

ثابت کرسکتا ہی اور یہی قول جامع الفصولین مین اختیار کیا گیا ہی۔ ردّ المحتار صفحہ ۵۴۶۔

ضمیمہ ۱۱

ایک شخص دو اطفال صغیر چھوڑ کر مرجائے اور وہ دونون جب بالغ ہوجائین تو اپنی میراث وصی سے طلب کرین اور وصی کہے کہ تمھارے باپ نے ہمکو ہزار درہم چھوڑے تھے وہ تمھارے صرف مین آچکے اور ایک بیٹا وصی کے اس قول کی تصدیق اور دوسرا تکذیب کرے توجو تکذیب کرتا ہی وہ امام زفر کے نزدیک ۲۵۰ درہم اپنے بھائی سے جسنے تصدیق کی ہی وصول کریگا وصی سے کچھہ نہ پائیگا اور یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ کا بھی ہی۔ مگر ابن ابو مالک نے امام ابو یوسف سے نقل کیا ہی کہ وہ وصی سے اوس رقم کو وصول کرسکتا ہی۔ محیط سرخسی مین یہی لکھا ہی۔ فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۲۱۔

اگر کوئی شخص اطفال صغیر اور باپ چھوڑ کر مرجائے اور کوئی وصی نہ مقرر کرجائے تو باپ بمنزلہ وصی کے ترکہ کی حفاظت کے لیے ہی۔ (فی حفظ التّرکۃ) اور جسطرح چاہے اوس جائداد مین تصرف کرسکتا ہی (ویتصرّف فیھا ایّ تصرّف کان) اور اگر متوفی نے بہت سا قرضہ چھوڑا ہو (دَین کثیر) تو اوسکا باپ یعنے اون لڑکون کا دادا اوسکی جائداد کو قرضہ ادا کرنیکے لیے بیچڈالنے کا مجاز نہین ہی۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص اپنے اوس بیٹے کو جو قریب البلوغ اور رشید ہو (صغیر المراھق) بیع و شرا کی اجازت دے اور وہ کوئی معاملہ کرے اور مقروض ہوجائے اور پھر مرجائے اور اپنے باپ کو چھوڑ جائے تو باپ اوسکا قرضہ ادا کرنیکے لیے اوسکی جائداد مین تصرف کرنیکا نہین مجاز ہی۔ فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۲۵۔

کوئی شخص مقروض ہو اور چند وصیتین کرے اور وہ سب وصیتین اوسکا قرضہ ادا کرنیکے بعد اوسکے ثلث مال سے ادا ہوسکین اور وہ شخص ایک مکان چھوڑ کر مرجائے اور وصی بغیر اوس مکان کی قیمت کے اوسکا قرضہ اور وصیتین نہ ادا کرسکے مگر ورثہ

اوس مکان کو بیچنے پر نہ راضی ہون اور وہ قرضہ اتنا نہ ہو کہ وہ سارا مکان یا اوسکا ایک بڑا حصہ اوسمین مستغرق ہوجائے بلکہ قرضہ ادا کرنیکے بعد کچھ اوسمین سے بچ رہے تو اس صورت مین وصی اوس مکان کو بیچ سکتا ہی اور اوسکو بیچڈالنا چاہئیے جب وصی کو معلوم ہو کہ اگر یہ مکان نہ بیچا جائیگا تو قرضہ مدت مدید تک نہ ادا ہوسکے گا۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۴۲

ضمیمہ ۱۲

علماء شیعہ مین سے ابن زہرہ حلبی صاحب غنیہ اور شیخ ابوجعفر طوسی صاحب مبسوط اور شیخ محمد ابن ادریس حلی صاحب سرائر اور شیخ مرتضی علم الہدیٰ نے بعض مسائل شرعیہ مین محقق ابو القاسم حلی صاحب شرایع الاسلام سے اختلاف کیا ہی۔ ایک مسئلہ اختلافی یہ ہی کہ آیا ابرار مین قبول شرط ہی یعنے جب قرضخواہ اپنا قرضہ معاف کردے تو آیا قرضدار کو اوسکا قبول کرلینا ضرور ہی۔ محقق کے نزدیک قرضدار کا قبول کرلینا جواز ابرار کی شرط نہین ہی جیسا سابق مین بیان کیا گیا۔ مگر علماء مذکورین کے نزدیک ابرار مین بھی ہبہ کی طرح قبول شرط ہی۔

ضمیمہ ۱۳

یہ مسئلہ کہ آیا باپ یا وصی نابالغ کے مال کو رہن رکھ سکتا ہی یا مستعار دیسکتا ہی یا نہین ایسا اہم ہی کہ فتاوائے قاضی خان کی عبارت کا ترجمہ لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہی۔ وہو ہذا۔ وصی یتیم کی جائداد کو مستعار نہین دیسکتا اور اگر ایسا کرے تو اوسکا ذمہ دار ہوگا مگر قاضی کو اوسکے مستعار دینے کا اختیار ہی۔ باپ کے بارے مین اختلاف ہی۔ قول صحیح یہی ہی کہ باپ مثل وصی کے ہی قاضی کے مانند نہین ہی۔ اگر وصی نابالغ کی جائداد سے خود قرض لے تو نہین جائز ہی اور یہ دین اوسپر باقی رہیگا۔ امام محمد سے منقول ہی کہ امام اعظم کے نزدیک وصی کو نابالغ کی جائداد سے قرض لینا نہین جائز ہی مگر پھر امام محمد نے فرمایا ہی کہ اگر وصی ایسا کرے اور اوس قرضہ کو ادا کرسکے تو اوسکا یہ فعل گناہ نہین ہی۔

اگر وصی یا باپ اپنا قرضہ ادا کرنیکے لیے نابالغ کی جائداد کو رہن رکھے تو اصول قیاس کے بموجب ناجائز مگر اصول استحسان کے موافق جائز ہی۔ اور امام ابو یوسف سے منقول ہی کہ اونھون نے اصول قیاس کو اختیار کیا ہی۔ اگر وصی اپنا ذاتی قرضہ نابالغ کے مال سے ادا کرے تو نہین جائز ہی لیکن اگر باپ ایسا کرے تو جائز ہی کیونکہ وصی نابالغ کی جائداد کو معمولی قیمت پر خریدنے کا مجاز نہین ہی مگر باپ مجاز ہی۔ اور رہن مثل قرضہ کے ہی لہذا باپ اپنا قرضہ نابالغ کے مال سے ادا کر سکتا ہی مگر وصی ایسا نہین کر سکتا۔

یہی حال رہن کا ہی۔ چنانچہ جامع الصغیر مین لکھا ہی کہ جب باپ اپنا قرضہ ادا کرنیکے لیے اپنی نابالغ اولاد کی جائداد کو رہن رکھے اور جائداد مرہونہ کی قیمت اوس قرضہ سے زیادہ ہو اور وہ جائداد مرتہن پاس گم یا ضایع ہو جائے تو باپ اوس قرضہ کی مقدار کا ذمہ وار ہوگا جو اوسنے ادا کیا ہی اور اوس چیز کی قیمت کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ مگر شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا ہی کہ باپ اور وصی اوس جائداد مرہونہ کی قیمت کے ذمہ وار بدرجہ مساوی ہین۔ امام ابو یوسف کے نزدیک چونکہ باپ اور وصی دونون اپنا قرضہ نابالغ کی جائداد سے نہین ادا کر سکتے لہذا اپنا قرضہ ادا کرنیکے لیے اوسکی جائداد کو رہن بھی نہین رکھ سکتے۔ اور بشر ابن ولید نے فرمایا ہی کہ باپ کو اپنا ذاتی قرضہ ادا کرنیکے لیے اپنی اولاد کی جائداد کو رہن رکھنا نہین جائز ہی۔ یہ عموماً تسلیم کر لیا گیا ہی کہ باپ یا وصی شرعاً رہن رکھ سکتا ہی مگر قیاساً رہن نہین رکھ سکتا۔ اور جب جائداد مرہونہ تلف ہو جائے تو وہ دونون اوسکی قیمت کے ذمہ وار ہین۔ فتاواے قاضی خان صفحہ ۲۳۶۔

ضمیمہ ۱۴

اگر وصی موصی کی جائداد کو اوسکا قرضہ ادا کرنیکے لیے فروخت کر ڈالے اور وہ قرضہ کل جائداد پر حاوی نہ ہو تو امام اعظم کے نزدیک ایسی بیع جائز ہی مگر صاحبین کے نزدیک ناجائز ہی۔ اگر موصی کی جائداد مقروض نہ ہو اور اوسکے ورثہ نابالغ ہون

اور قاضی کل جائداد کو بیچڈالے تو امام اعظم کے نزدیک وہ بیع نافذ ہو جائیگی - اونھون نے
وصی اور باپ کے اختیارات مین یہ فرق رکھا ہی کہ وصی موصی کا قرضہ ادا کرنیکے لیے
اور اوسکے وصایا کو نافذ کرنیکے واسطے اوسکے متروکہ کو بیچ سکتا ہی اور موصی کا باپ اپنے
اسکے لڑکون کا دادا اپنے بیٹے کے نفقہ کے لیے ترکہ بیچ سکتا ہی (ان یبیع الترکۃ لولدہ)
مگر اوسکو یہ اختیار نہین ہی کہ اون اطفال نابالغ کے ذمہ جو قرضہ ہوا اوسکو ادا کرنیکے لیے
اپنے بیٹے یعنے اونکے باپ کی جائداد کو بیچڈالے (لیس لہ ان یبیع الترکۃ لقضاء الدین
علے الولد الصغار لولدہ) شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا ہی کہ خصاف مین یہی لکھا ہی
مگر امام محمد نے دادا کو باپ کا قائم مقام گردانا ہی - مختصر القدوری مین لکھا ہی کہ جب کوئی
شخص اپنے باپ اور ایک وصی کو چھوڑکر مرجائے تو وصی باپ پر ترجیح رکھتا ہی - اگر
کوئی وصی نہ ہو تو متوفی کی جائداد کے انتظام مین اوسکا باپ ترجیح رکھتا ہی وقس علے
ہذا یہانتک کہ دادا کے وصی کی نوبت آئے اوسکے بعد وہ وصی ہی جسکو قاضی نے مقرر
کیا ہو - شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا ہی کہ فتوے اوس قول کے موافق ہی جو خصاف
مین لکھا ہی -

اگر نابالغ کا باپ مسرف ہو اور اوسکے مال کو اڑا ڈالے تو وہ اپنی اولاد کے
مال کی ولایت کا مستحق نہین ہی -

شمس الائمہ حلوائی نے امام ابو یوسف کی آداب القاضی کی شرح مین لکھا ہی
کہ جب قاضی کسی یتیم کا وصی مقرر کرے تو وہ وصی مثل اسکے ہوگا کہ اوسکو اوس یتیم کے
باپ نے مقرر کیا ہی اگر اوسکو قاضی نے عموماً سب امور مین وصی مقرر کیا ہو لیکن اگر
وہ کسی خاص مقدمہ مین وصی مقرر کیا گیا ہی تو صرف اوسی مقدمہ مین وصی ہوگا
مگر یہ حکم اوس وصی کا نہین ہی جسکو اوس لڑکے کے باپ نے مقرر کیا ہو - جب وہ وصی
جسکو متوفی نے مقرر کیا ہی لائق اور عادل ہو (عدلاً کافیاً) تو قاضی کو اوسے معزول کرنا

نہین مناسب ہی (لاینبغی) لیکن اگر وہ عادل نہ ہو تو اوسکو معزول کرکے دوسرے شخص کو وصی مقرر کرے اور اگر وہ عادل ہو لیکن لائق نہ ہو (لو کان عدلاً غیر کافٍ) تو قاضی اوسکو معزول نہین کرسکتا بلکہ اوسکو چاہئیے کہ اوسکے ساتھ کسی لائق منتظم کو شریک کردے۔ تاہم اگر قاضی اوسکو معزول کردے تو وہ برخاست ہوجائیگا اسی طرح سے اگر قاضی اوس وصی کو معزول کردے جو لائق بھی ہو اور عادل بھی ہو تو بھی وہ موقوف ہوجائیگا۔ شیخ الامام معروف بہ خواہر زادہ نے یہی فرمایا ہی۔ مگر چند علمار نے یہ بھی فرمایا ہی کہ اگر قاضی لائق اور عادل وصی کو معزول کرے تو اوسکا حکم غیر موثر ہی کیونکہ اوسکو یہ اختیار متوفی سے حاصل ہوا ہی لہذا وہ وصی اوس وصی پر ترجیح رکھتا ہی جسکو قاضی مقرر کرے۔ اور قدوری نے فرمایا ہی کہ جس وصی کو متوفی نے مقرر کیا ہو اوسکو قاضی نہین موقوف کرسکتا نہ اوسکے ساتھ کسی کو شریک کرسکتا ہی مگر یہ کہ وہ خائن یا فاسق مشہور ہو (او کان فاسقاً معروفاً بالشر) ایسی صورت مین قاضی اوسکو معزول کرکے دوسرے شخص کو اوسکے مقام پر وصی مقرر کرسکتا ہی اور اگر وہ عادل ہو مگر نالائق ہو تو قاضی اوسکے ساتھ دوسرے شخص کو شریک کرسکتا ہی۔ اصل اور اوسکی شرح طحاوی مین یہی لکھا ہی۔ مگر یہ نہین لکھا ہی کہ اگر قاضی عادل اور لائق وصی کو معزول کرے تو آیا اوسکا حکم معزولی نافذ ہوگا یا نہ ہوگا۔ شیخ امام ابو بکر محمد ابن الفضل نے فرمایا ہی کہ جب وصی موصی کے وصایا کی تعمیل نہ کرسکے تو اوسکو معزول کردینا چاہئیے۔

وصی کو سب وہ افعال کرنا جائز ہی جنسے یتیم کا فائدہ متصور ہو اور اسی طرح اوسکا باپ بھی مجاز ہی۔ فتاواے قاضی خان صفحہ ۴۳۳۔

خلاصہ نظائر

ہبہ

بمقدمہ یوسف علی بنام صاحب کلکٹر ٹیرا (انڈین لارپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۹ صفحہ ۱۳۰) یہ تجویز کیا گیا کہ ہبہ کا نفاذ ازروے شرع محمدی زمانۂ آیندہ پر موقوف نہین ہوسکتا گو وہ زمانہ کیسا ہی محدود و معیّن ہو۔

ذمہ داری ورثہ کی

مسلمان کے ورثہ کی ذمہ داری اپنے مورث کا قرضہ ادا کرنیکی اور قرضہ ادا کرنیکے پیشتر اوسکا ترکہ تقسیم کرلینے کا حق ان دونون باتون پر مقدمات ذیل مین بحث کی گئی ہے خواجہ ہدایت اللہ بنام ریحن خانم (مورس انڈین اپیلیس جلد ۳ صفحہ ۲۹۵) عصمت النسا بی بی بنام راے بھیمی پت سنگھ (انڈین لارپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۴ صفحہ ۱۴۲) موتی جان بنام احمد علی (انڈین لارپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۳۷۰) سیتا ناتھ داس بنام راے بھیمی پت سنگھ (انڈین لارپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۹)

شرع محمدی

بمقدمہ حکیم خان بنام گل خان تجویز ہوا کہ کوئی رسم و رواج جو شرع محمدی کے خلاف ہو مسلمانون سے نہین متعلق ہوسکتا (انڈین لارپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۸ صفحہ ۸۲۶)

بیع کرنا وصی یا ولی کا

بمقدمہ حسینی بیگم بنام ضیاء النساء بیگم (انڈین لارپورٹ سلسلہ بمبئی جلد ۱ صفحہ ۲۴۷) تجویز ہوا کہ بھائی جو اپنے نابالغ بھائی کا ولی ہو اوسکی جائداد کو بلامنظوری حاکم وقت ازروے شرع محمدی نہین فروخت کرسکتا۔ مگر ایسی منظوری سے وہ انتقال جو بڑے بھائی نے بحیثیت ولی کیا ہو جائز ہوجاتا ہے بشرطیکہ وہ معاملہ

ایسا ہکو سکو ولی بالغ و رشید از روے شرع محمدی کرسکتا ہی۔

وصیت نامہ

بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام عارف اسمٰعیل جی (انڈین لا رپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۶ صفحہ ۶۶) ولسن صاحب جسٹس نے تجویز کیا کہ جب کسی امر خیر کی وصیت در صورت عدم رضامندی ورثہ کیجاے تو چونکہ وصیت بحق اولاد بوجہ نارضامندی دیگر ورثہ ناجائز ہی لہذا وصیت اوس امر خیر کی بھی ناجائز ہوئی۔

نیز بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام شیخ عیسیٰ (انڈین لا رپورٹ سلسلہ بمبئی جلد ۷ صفحہ ۲۶۶) ویسٹ صاحب جسٹس نے تجویز فرمایا کہ چونکہ ایکٹ ۵ سنہ ۱۸۸۱ع پاس ہوچکا ہی لہذا مسلمان کا وصی اپنے موصی کی جائداد مین قائم مقامی کا دعوے نہین کرسکتا تاوقتیکہ اوسنے پروبیٹ نہ حاصل کیا ہو۔

نیز بمقدمہ شاہزادہ میرزا سلیمان قدر بنام داراب علی خان (انڈین اپیلیں جلد ۸ صفحہ ۱۷) اس امر پر مفصل بحث کی گئی کہ آیا وہ کلمات جو موصی نے استعمال کیے ہین بمنزلہ وصیت مطلق کے ہین یا صرف دعائیہ ہین فقط۔